فتاوی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

20

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور
پاکستان

Contents

اجمالی فہرست 4

پیش لفظ 5

بیسویں جلد: 7

فہرست مضامین مفصّل 9

فہرست ضمنی مسائل 63

کتاب الشفعة 95

(شفعہ کا بیان) 95

کتاب القسمة 175

(تقسیم کا بیان) 175

کتاب المزارعة 179

(مزارعت کا بیان) 179

کتاب الذبائح 213

(ذبح کا بیان) 213

سُبُل الاصفیاء فی حُکمِ الذبح للاَوْلیاَء ۱۳۱۲ھ 269

(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے) 269

کتاب الصید 341

(شکار کا بیان) 341

کتاب الاضحیہ 353

(قربانی کا بیان) 353

ھادی الاضحیة بالشاة الھندیة ۱۳۱۴ھ 381

(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا) 381

الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة ۱۳۰۷ھ 509

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب) 509

باب العقیقہ 581

(عقیقہ کا بیان) 581

مآخذومراجع 599

ضمیمہ 623

مآخذومراجع 623

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّة فِی الۡفَتَاوی الرِّضَوِیَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۰

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ________۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء________۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ______ فتاوٰی رضویہ جلد ۲۰
تصنیف ______ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ______ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ______ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ______ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ______ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ______ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ______ ۶۳۲
اشاعت ______ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء
مطبع ______
ناشر ______ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ______

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ۵
کتاب الشفعۃ ۹۵
کتاب القسمۃ ۱۷۵
کتاب المزارعۃ ۱۷۹
کتاب الذبائح ۲۱۳
کتاب الصید ۳۴۱
کتاب الاضحیۃ ۳۵۳
باب العقیقۃ ۵۸۱

فہرست رسائل

○ سبل الاصفیاء ۲۶۹
○ ھادی الاضحیۃ ۳۸۱
○ الصافیۃ الموحیۃ ۵۰۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلٰیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں بیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب پر مشتمل انیس ۱۹ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ______مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲__________نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲________فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳________جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴__________ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵__________اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵_________دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶__________جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶____________اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷__________اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸__________مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸_________نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸____________مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹_________ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰__________اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰__________ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰____________فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱__________جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

بیسویں جلد:

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد، ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے صفحہ ۲۵۶ سے آخر تک ۳۳۴ سوالوں کے جوابات اور ۵۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں شامل دو رسالوں "**هادی الاضحیة بالشاة الهندیة**" اور "**الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة**" کا انتہائی نفیس و سلیس اردو ترجمہ محقق جلیل بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم گوہر بار کا ثمر ہے، حضرت قبلہ مفتی صاحب اہل سنت وجماعت کے لئے عظیم سرمایہ اور اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ فتاوٰی رضویہ قدیم وجدید کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ اس عظیم فتاوٰی کو سمجھنے کے لئے آپ کی نہایت عمدہ تقدیمات و تحریرات اور پر مغز تبصرے بہت حد تک مفید ومعاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس عظیم الشان علمی وفقہی شاہکار کو منظر عام پر لانے میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کی شبانہ روز محنت، دردِ مسلک اور انتھک کوششوں کے باعث فتاوٰی رضویہ کا خاصا حصہ ضائع ہونے سے بچ گیا لہٰذا مفتی صاحب تمام اہلسنت وجماعت کے محسن اور شکریہ کے مستحق ہیں رضا فاؤنڈیشن کے تمام ارکان مفتی صاحب کے تحقیقی، تبلیغی اور اشاعتی کارناموں پر انہیں دل کی گہرائیوں سے بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں، مذکورہ بالا دونوں رسالوں کا ترجمہ اگرچہ مکمل طور پر لفظی نہیں ہے تاہم منشاء مصنف علیہ الرحمہ کی کامل وضاحت کرتا ہے جیسا کہ خود مترجم موصوف رقمطراز ہیں کہ "یہ نہ بالکل ترجمہ ہے، نہ خلاصہ، نہ شرح، حسب ضرورت کہیں اختصار، کہیں تفصیل اور کہیں مساوات سے کام لیا ہے، منشاء صرف یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے کلام کی پوری ترجمانی عام فہم انداز میں کر دی جائے، جلد ہشتم قدیم میں مذکورہ بالا دو رسالوں کے علاوہ اس جلد کی باقی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشفعة، کتاب القسمة، کتاب المزارعة، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیة اور **باب العقیقه** کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) **سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء** (۱۳۱۲ھ)

تکبیر کہہ کر بزرگوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانوروں کا حکم

(۲) **ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ** (۱۳۱۴ھ)

بھیڑ کی قربانی کے جائز ہونے کا اثبات

(۳) **الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ** (۱۳۰۷ھ)

چرمہائے قربانی کے مصارف کی تحقیق

یاد رہے کہ رسالہ "**انفس الفکر فی قربان البقر**" اور اس کے متصل بعد ہندوستان میں گاؤکشی سے متعلق نو مسائل جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم میں شامل تھے چونکہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے اس لئے وہ کتاب السیر پر مشتمل جلد چہاردہم جدید کا حصہ بن چکے ہیں اس لئے وہ اس جلد میں شامل نہیں ہیں۔

صفر المظفر ۱۴۲۲ھ	حافظ محمد عبدالستار سعیدی
مئی ۲۰۰۱ء	ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

کتاب الشفعة		زید کی زمین میں بکر کے شفعہ کی علت اس کا خالد کی زمین میں شریک ہونا قرار دینا غلط ہے۔	۹۷
شریک ہوتے ہوئے پڑوسی کے حق شفع اور طالب بیع کے حق شفعہ سے "سوال"	۹۵	زید کی زمین میں بکر کے شفیع ہونے کی حقیقی علت بکر کا زید کا خلیط فی الطریق ہونا ہے۔	۹۷
شریک فی البیع ہوتے ہوئے جار ملاصق شفیع نہیں ہوسکتا۔	۹۵	مولوی امیر احمد صاحب کی دیگر تعلیوں کا بیان۔	۹۸
درمختار اور عقود الدریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۹۶	خالد نے جب بکر کی خریداری پر اس کو مبارکباد دی تو اگر وہ شفیع ہو تو بھی اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا۔	۹۸
شفیع کا طالب شراء ہونا اس سے حق شفعہ کو باطل کرتا ہے۔	۹۶	بیوی کو مکان بعوض مہر دیا بیعًا یا ہبۃً۔ ایسی صورت میں اس مکان کے شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں۔ اور مجرد ہبہ کا کیا حکم ہے۔	۹۸
مولوی امیر احمد سہسوانی کی فقہی غلطیوں کا بیان۔	۹۶	بیع یا ہبہ بالعوض کی صورت میں شفعہ لازم ہے۔	۹۹
انعدام شفعہ کی علت اعراض عن شراء کو قرار دینا غلط ہے۔	۹۶	شفیع کے لئے شے مبیعہ پر مشتری کا قبضہ ضروری نہیں۔	۹۹
یہاں عدم طلب مواثبت کو بھی عدم شفعہ کی علت قرار دینا غلط ہے کہ سوال میں مواثبت کا کوئی ذکر نہیں	۹۷		

ہبہ بالعوض ابتداء اور انتہا ہر طرح بیع ہے۔	۹۹	ایک مکان کی راہ دوسرے میں یا دونوں کی کسی کوچہ سربستہ میں یا دونوں کی آبچکوں میں کوئی اشتراک نہ ہو تو ایک کو دوسرے سے خلیط کا علاقہ نہیں، بلکہ جار ملاصق کا علاقہ ہے۔	۱۰۳
اگر مکان کو ہبہ بشرط العوض کیا ہو تو قبضہ کے بغیر شفعہ لاگو نہ ہوگا۔	۹۹	شرح نقایہ اور درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ	۱۰۳
مجرد ہبہ میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔	۹۹	تقسیم وحدود اور تفریق طرق کے بعد حق شفعہ نہیں۔	۱۰۳
ہبہ مشروط بالعوض ابتداء ہبہ بعد قبضہ بیع ہے۔	۹۹	بخاری سے اس مضمون کی حدیث اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۰۳
بکر کو اطلاع ہوئی کہ زید نے ایسی زمین خریدی جس میں اس کو حق شفعہ حاصل ہے۔ اس نے فوراً اسی زمین پر جاکر زید سے شفعہ طلب کیا، ایک مہینہ کے بعد کہا کہ روپیہ لے لو زید نے اس زمین کو کسی کو ہبہ کیا تب بھی بکر نے طلب شفعہ کیا، کیا حکم شرعی ہے۔	۱۰۰	یہی سوال دوبارہ شفیع خلیط کی طرف سے اور اس کا دوبارہ جواب۔	۱۰۴
شفعہ کی صحت کے لئے طلب شفعہ وطلب مواثبت دونوں ضروری ہیں، صورت مسئولہ میں اگر دونوں طلبیں بوجہ صحت متحقق ہوچکی ہوں تو شفعہ ثابت ہے۔	۱۰۰	شفیع خلیط کی تعریف اور اس کے احکام،	۱۰۵
خود مشتری کے شفیع ہونے سے دوسرے کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا، زمین دونوں میں نصف نصف تقسیم کردی جائیگی	۱۰۱	کسی کے ہاتھ میں زمین بیچی اور شفیع کی طرف کی ایک ہاتھ زمین نہ بیچی، تو اب شفیع کو اس زمین کے شفعہ کا حق نہیں کہ اتصال نہ رہا۔	۱۰۶
روپیہ کو بطور طلب شفعہ پیش کرنے میں شفعہ باطل نہ ہوگا، اگر اس طرح سے کہا ہو کہ زمین کی قیمت لے لو اور اس کو میرے ہاتھ بیع کردو۔ تو البتہ شفعہ باطل ہوجائیگا۔	۱۰۱	بعد میں وہ ایک ہاتھ زمین مشتری کے ہاتھ بیچی یا اس کو ہبہ کی تو اس میں بھی پڑوسی کو حق شفعہ نہیں کہ اب مشتری خلیط ہوگیا۔	۱۰۶
جب حق شفعہ ثابت ہوگیا تو مشتری کے اس زمین کے ہبہ کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۰۲	حق شفعہ میں شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔	۱۰۷
شفیع خلیط اور جار ملاصق کا "سوال"۔	۱۰۲	عملہ کی بیع ہوئی تو اس میں شفعہ نہیں، اور زمین کے ساتھ بیع ہو تو زمین میں شفعہ اصلاً جاری ہوگا اور عملہ تبعاً۔	۱۰۷

سہ بارہ وہی سوال اور اس کا جواب۔	۱۰۸	عملہ اور درختوں میں حق شفعہ کا "سوال"	۱۱۴
سیل ماء کے اشتراک سے شریک خلیط نہ ہوگا بلکہ صرف جار قرار دیا جائے گا۔	۱۰۹	ایسی صورت میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں۔	۱۱۴
شفیعین میں سے کسی ایک کی ترجیح یا عدم ترجیح کا "سوال"	۱۱۰	مالک مکان کی اجازت کے بغیر مکان کے نیلام یا اس کی ڈگری کی خریداری کے وقت اس مکان میں حق شفعہ لاگو ہوسکتا ہے یا نہیں؟	۱۱۵
جواب اگر ایک شفیع مشتری سے جائداد خریدے تو دوسرے شفیع کو پوری پوری جائداد میں حق شفعہ ہوگا، ۱۱۰ شفعہ سے متعلق چند "سوالات"	۱۱۱	کچہریوں کی طرف سے جبراً نیلام کی ہوئی جائداد کی بیع شرعاً بیع فضولی ہے اگر مالک بے اجازت مرگیا تو بیع باطل۔ ایسی صورت میں حق شفعہ ثابت نہیں۔	۱۱۵
صرف بیع ہی سے حق شفعہ ثابت ہوجاتا ہے قبضہ کی ضرورت نہیں۔	۱۱۱	ہبہ۔ صلہ رحمی، میراث اور وصیت کی صورت میں حق شفعہ نہیں۔	۱۱۶
احاطہ اور دروازہ واحد ہو تو "دار" واحد کہا جائے گا جو اس کے کسی جزء سے متصل ہو پورے گھر کا شفیع ہوگا۔	۱۱۲	صرف عمارت اور ملبہ کی بیع میں شفعہ کا سوال وجواب۔	۱۱۶
دوملاصقین کے حق شفعہ کا بیان۔ شامی وعالمگیری سے جزئیہ۔	۱۱۲	مسئلہ کا جزئیہ تنویر اور درمختار سے۔	۱۱۷
جہاں شفعہ کا رواج نہ ہو شرعاً وہاں بھی شفعہ ہوسکتا ہے۔	۱۱۳	شفیع خلیط اور شفیع جار کا سوال۔	۱۱۷
بیع کے پہلے خریدنے سے انکار کیا اور بعد میں دعوی شفعہ کیا دعوی صحیح ہے۔	۱۱۳	جس کے صحن میں مبیعہ کوٹھری ہے شفیع خلیط ہے۔ جو اس کوٹھری کی چھت کا مالک یا جس کے مکان کوٹھری کے دائیں بائیں ہیں وہ شفیع جار ہے۔	۱۱۸
وکیل بالشراء شفیع ہوسکتا ہے۔	۱۱۳	عالمگیری سے پورے مسئلہ کی تفصیل۔	۱۱۸
ہمسایہ کے طالب ہوتے ہوئے غیر ہمسایہ کے ہاتھ مکان فروخت کرنے سے "سوال"	۱۱۴	خلیط جار پر مقدم ہے اگر تمام شرائط بجالایا ہو خلیط کو ہی حق ہے۔	۱۱۹
بیع سے پہلے شفعہ ثابت نہیں، اگر ہمسایہ بیع کے بعد تمام شرائط شفعہ بجالایا تو اس کو مکان بذریعہ شفعہ دلادیا جائے گا۔	۱۱۴	کوچہ غیر نافذہ میں مشترکہ راہ رکھنے والوں کے حق شفعہ سے "سوال وجواب"	۱۱۹
		شریکین کے حق شفعہ اور طریقہ تصفیہ کا سوال وجواب۔	۱۱۹

شرکاء کے حق شفعہ سے "سوال"	۱۲۰	گواہ نہ ہونے کی صورت میں طلب مواثبت پر شفیع سے قسم کھلانے کا "سوال"	۱۲۵
دیہہ مملوکہ اور غیر مملوکہ کی تفریق۔	۱۲۰	مصنف کے رسالہ "افقه المجادبه عن حلف الطالب علی المواثبه" کا حوالہ جس میں کثیر نصوص علماء میں بظاہر معارضہ کا حل اور اکابر علماء کے ظنون مختلفہ کے مناشی کا اظہار۔	۱۲۶
ہر فریق وشریک برابر کا حق شفعہ رکھتا ہے حصہ شرکت کی کمی بیشی کا اس حق پر اثر نہیں۔	۱۲۰	سوال گول ہے جس پر قطعی حکم ممکن نہیں۔	۱۲۶
شرکاء میں سے کسی نے دعوٰی شفعہ کیا اور دوسروں نے مزاحمت نہ کی تو پوری جائداد اسی شریک کو دلادی جائے گی، اور مزاحمت کی صورت میں جائداد کی سب میں تقسیم ہوگی۔	۱۲۰	شفیع طلب اشہاد بھی گواہی سے ثابت نہ کرسکے تو طلب مواثبہ پر اس کی قسم ہرگز مسلم نہیں۔	۱۲۶
شرکت خواہ کتنی ہی ہو کل مبیعہ کے حق شفعہ کا دعوٰی ضرور ہے۔ ورنہ دعوٰی ساقط ہوجائیگا۔	۱۲۰	شفعہ میں شفیع مدعی اور مشتری منکر ہے اور شرعاً حلف منکر پر ہے۔ حدیث مشہور اور تکملہ طوری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۲۶
مسائل کے جزئیات تنویر، درمختار اور شامی سے۔	۱۲۰	طلب اشہاد بینہ عادلہ سے ہوچکی ہو تو طلب مواثبہ کی تین صورتیں ہیں:	۱۲۶
صاحب قنیہ اور قاضی خاں کے اقوال میں تطبیق۔	۱۲۱	(۱) اگر شفیع طلب مواثبت کا وقت طلب اشہاد سے پہلے بتائے تو اس کا ثبوت بے بینہ نہ ہوگا۔	۱۲۶
پانی کے چشمہ میں حق شفعہ کا "سوال"	۱۲۲	اس صورت میں مشتری منکر ہے۔	۱۲۶
تکمیل بیع کے بعد شفیع شرائط شفعہ بجالائے تو شفعہ ثابت ہوجاتا ہے۔	۱۲۲	جو اصل کے خلاف دعوٰی کرے دلیل سے دعوٰی ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔	۱۲۷
بیع کے بعد مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے۔	۱۲۲	جس چیز کے استناف کا فی الحال مالک نہ ہو گزرے زمانے میں اس کا دعوٰی کرے تو بے بینہ مقبول نہیں۔	۱۲۷
جار ملاصق کے بجائے جار بعید کے ہاتھ بیع اور تبادلہ کا "سوال"	۱۲۴	عبارت علماء میں جہاں جہاں یہ تصریحات ہیں کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں اس کا مطلب یہی صورت ہے۔	۱۲۷
جار ملاصق کو حق شفعہ پہنچتا ہے جار بعید کے ساتھ بیع کرے یا تبادلہ کہ اعتبار معانی کا ہے۔	۱۲۴	طلب اشہاد بینہ سے ثابت نہ ہو، یا ثابت ہو اور شفیع طلب مواثبت کا زمانہ مقدم میں دعوٰی کرتا ہو، ان دونوں صورتوں میں شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے لے کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ مدعی نے طلب مواثبت کی ہے۔	۱۲۸
مال کا مال سے بدلنا معنی بیع ہے۔	۱۲۴		

تنویر، درمختار، اشباہ، خزانہ، ہندیہ، محیط سے جزئیہ کی عبارتیں۔	۱۲۸	خلاصہ مطلب۔	۱۳۵
(۲) شفیع نے تصریح کردی کہ طلب اشہاد کے وقت ہی مجھے علم ہوا اور اسی وقت طلب کی تو شفیع کے طلب مواثبت کے لئے جداگانہ گواہی کی ضرورت نہیں، اس کا قول ہی حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۳۰	نہ تو مطلقاً اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی، نہ صرف اتنا کہنا کافی کہ میں نے بمجرد علم طلب کی۔	۱۳۵
اس صورت میں مشتری حصول علم فی الماضی کا مدعی ہے اور شفیع منکر، تو گواہی مشتری کے ذمہ ہے۔	۱۳۰	قاضی کے یہاں طلب تملیک سے پہلے دو طلبیں ہولینا ضروری ورنہ شفعہ باطل ہوگا۔	۱۳۵
سراجیہ، خزانہ، عالمگیری سے جزئیہ۔	۱۳۰	جہاں شفیع طلب مواثبت کا زمانہ طلب اشہاد سے پہلے بتاچکا ہو وہاں گواہی ضروری ہے۔	۱۳۶
(۳) شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی، اور طلب مواثبت کے لئے گول کہا کہ علم ہوتے ہی میں نے طلب شفعہ کیا تب بھی شفیع کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۱۳۲	طلب مواثبت میں طلبت کما علمت اور علمت منذ کذا فطلبت کا فرق۔	۱۳۶
قاضی اس گول لفظ کو طلب معلوم ومشہور پر حمل کرے گا۔	۱۳۲	باب طلب میں عبارات علماء کی مراد کی تعیین۔	۱۳۸
علماء نے فرمایا کہ علم ہوتے ہی شفیع تنہائی میں ہو تب بھی طلب شفعہ کرلے تاکہ عنداللہ اس کا شفعہ باطل نہ ہو اور قاضی کے حضور وہ قسم کھاسکے۔	۱۳۲	اطلاع کے بعد انکار پھر طلب شفعہ کے حکم سے "سوال"	۱۳۸
بزازیہ، تبیین الحقائق، کفایۃ المنتہی سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۲	بیع کے بعد مطلقاً انکار، خبر بیع سن کر شفعہ لینے سے انکار، یا سکوت سے شفعہ باطل ہوتا ہے۔	۱۳۹
اس موقعہ پر کلمات علماء میں کہیں یہ ملے گا کہ شفیع ومشتری کے اختلاف کے وقت قول مشتری مقبول ہے اور کہیں یہ کہ قول شفیع اس کی تطبیق میں وہی تفصیل مذکورہ بالا مراد ہے۔	۱۳۲	پیش از بیع اسکو اطلاع ملی اس نے انکار کیا اور بعد از بیع طالب ہوا۔ یا زر ثمن زائد بتایا گیا، یا کسی خلاف واقعہ کو مشتری بتایا گیا اور بعد میں حقیقت ظاہر ہوئی اور اس نے طلب شفعہ کیا تو حق باطل نہ ہوگا۔	۱۳۹
ان کتابوں اور ان کی بعض عبارتوں کا ذکر جن میں یہ تفصیل مذکور ہوئی۔	۱۳۲		

خلیط فی نفس المبیع شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کے شفعہ کے حقوق سے "سوال"	۱۴۰	عبدالعزیز او نور احمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں اور احسان کریم جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں ہے۔	۱۴۶
کل مکان بیع کیا یا بعض ہر حال میں خلیط فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع متصل کو حق شفعہ حاصل ہے جار ملاصق سے جو حصہ مبیع متصل ہو اس میں اس کا بھی حق شفعہ ہے۔	۱۴۲	چونکہ نور احمد کی دونوں حصوں کی خریداری پر عبدالعزیز نے بجائے شفعہ کے اس قطعہ کی خریداری کی بات کی، اس لئے اس کا حق شفعہ جاتا رہا، اور مبیع تمام وکمال نور احمد کا ہوگیا اور احسان کریم کے ہاتھ زوجہ اور پسر خالد نے پورا مکان بیچا جس میں رشیدہ حمیدہ کے دو حصے جنھیں نور احمد نے خریدا تھا، بیع سے نکل گئے، اس لئے یہ پوری بیع معرض زوال میں آگئی۔	۱۴۶
امام سائحانی نے اس مسئلہ کو مشکل قرار دیا کیونکہ "عیون مسائل" میں جار کے حق شفعہ کے لئے اتصال کو ضروری نہیں قرار دیا۔	۱۴۲	احسان کریم چاہے تو یہ پوری بیع رد کردے چاہے ان دو حصوں کے علاوہ بحصہ قیمت لے۔	۱۴۷
مصنف کی تحقیق کہ مشکل کو خود عیون المسائل کا مسئلہ ہے کہ وہ تمام متون وشروح کے خلاف ہے۔	۱۴۲	عالمگیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۴۷
کسی خاص جزء سے متصل کو پورے سے متصل نہیں قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے عمامہ سر سے متصل ہے لیکن پاؤں سے متصل نہیں۔	۱۴۳	احسان کریم بیع کردے گا تو شفعہ کی بنیاد ہی ختم ہوجائے گی، اور جائز کردے گا تو نور احمد کو اس میں شفعہ کا حق ہوگا۔	۱۴۷
خلاصہ مسئلہ کہ مبیع پورا مکان ہو تو جار ملاصق کا اس کے جزء سے اتصال کافی ہے۔	۱۴۳	الفاظ شفعہ کی صحت وعدم صحت کا "سوال"	۱۴۷
شریک فی حق المبیع کے لئے اتصال ضروری نہیں۔	۱۴۴	شفعہ میں نہ روپیہ لے جانا ضروری ہے نہ مشتری سے اس کا ذکر ضروری، خبر سنتے ہی طلب مواثبت فی الحال ضروری ہے۔	۱۴۸
چند شرکاء حق میں اگر جار ملاصق بھی ہے تو اسے ان باقیوں پر کوئی فضیلت نہیں۔	۱۴۴	شفیع نے طلب مواثبت میں یہ لفظ کہا کہ خریدوں گا، اس کا مطلب اگر یہ ہو کہ مشتری سے خریدوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔	۱۴۸
صورت مسئولہ کا حکم۔	۱۴۴	اور اگر یہ مطلب ہے کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ طلب شفعہ نہیں کہ شفعہ تملک بالجبر ہے اور بیع تملک بالرضاء۔	۱۴۸
خلیط فی نفس المبیع شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کے شفعہ سے "سوال"۔	۱۴۵		

اور خریدوں گا، کے معنی مجازی مراد لیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا، تو "لے لوں گا" کے الفاظ طلب فی المآل پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا شفعہ باطل۔	۱۴۸	شفیع کے گواہوں پر تنقید،	۱۵۴
مشتریہ دار مشفوع بہا کے منکر ملکیت، اور تسلیم شفعہ کی مدعی ہے۔ دونوں نے گواہ پیش کیے۔ شرعی حکم کیا ہوگا۔	۱۴۹	حاکم کے فیصلہ کی تائید،	۱۵۵
دار مشفوع بہا کی ملکیت کے گواہوں نے اگر گواہی اس طرح نہ دی ہو کہ دار مشفوع بہا پر ملکیت بیع سے پہلے اور مستمر الی الآن ہے۔ تو یہ گواہی نامقبول اور شفعہ ساقط ہے۔	۱۴۹	اسی زمین سے متعلق دوسرے مقدمہ محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ کی مسل عدالت پر حکم شرع کا "سوال"	۱۵۶
تسلیم شفعہ کے گواہوں کے الفاظ صحیح ہیں، اگر عادل ہوں تو تسلیم شفعہ ثابت اور شفعہ ساقط اس کے مقابلہ میں عدم تسلیم شفعہ کے گواہ نامقبول کہ وہ عدم کے گواہ ہیں۔	۱۵۰	اس مقدمہ میں بھی شفیع کے گواہوں پر جرح اور ان کے ناقابل قبول ہونے کا حکم، اور مدعیہ سے قسم لینے کی تصریح۔	۱۵۶
تسلیم شفعہ کے بعد خلیط فی نفس المبیع کا حق بھی ساقط ہوجاتا ہے۔	۱۵۱	مدعی علیہا کے گواہوں کے بروجہ مطلوب ہونے کی تصدیق اور شفعہ کے ساقط ہونے کا حکم۔	۱۵۶
مسئلہ مذکورہ بالا دوبارہ کچہری کی پوری کارروائی کے ساتھ "سوال"	۱۵۱	مکان بیع کرکے ثمن معاف کردینے، ایسی بیع میں شفعہ جاری ہونے کا سوال اور بیعنامہ کی نقل۔	۱۵۷
چند الفاظ میں کارروائی کا خلاصہ کہ مقدمہ مذکورہ میں مدعی علیہا کے گواہوں کی ضرورت نہیں تو ان پر تنقید بھی بیکار ہے۔	۱۵۱	ایسی بیع جائز ہے اور معافی ایجاب و قبول کے بعد ہوئی ہو تو معافی بھی جائز ہے۔	۱۵۸
شفیع کے گواہوں کی ضرورت ہے جو یہ ثابت کریں کہ بیع کے قبل سے اب تک دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہیں یہ نہ ہو تو مدعی علیہا کی قسم وہ قسم سے انکار کرے تو شفعہ ثابت۔	۱۵۲	شفعہ بہر حال جاری ہوگا اور شفیع کل زر ثمن دے کر مکان لے سکے گا۔	۱۵۸
زیلعی، محیط، ہندیہ سے مسئلہ کی تائید،	۱۵۲	عالمگیری، شامی، قاضی خاں سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۵۸
صورت مسئولہ میں شفیع کی گواہیاں ناکافی ہیں اور شفیع نے مدعی علیہا سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا اس لئے شفعہ ساقط۔	۱۵۳		

حنفی وہابی سے شفعہ کرسکتا ہے، اس پر دو شبہے اور ان کا جواب۔	۱۵۹
شفعہ کھلے کافر کی جائداد میں بھی ہوسکتا ہے۔	۱۶۰
تفہیم مسئلہ کی ایک دلکش تقریر،	۱۶۱
طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد میں تاخیر کا "سوال"	۱۶۲
صورت مسئولہ میں طلب مواثبت ہی طلب اشہاد کا کام بھی دے گی۔	۱۶۲
شفعہ میں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم طلب مواثبت اور طلب اشہاد۔	۱۶۲
اگر دار مبیعہ یا احد المتعاقدین میں سے کوئی بھی پیش نظر ہے تو ایک ہی دونوں کے قائم مقام ہوگی۔	۱۶۲
دونوں طلبوں میں سے کسی کے لئے گواہی ضروری نہیں، البتہ ثبوت کے لئے گواہی ضروری ہے۔	۱۶۲
جن تاخیروں کا سوال میں ذکر ہے سب فضول اور بلا ضرورت تھیں جن سے شفعہ کو ضرر نہیں۔	۱۶۳
اسی معاملہ سے متعلق مقدمہ کی مسل کے ساتھ دوسرا تفصیلی "سوال"	۱۶۴
صورت مسئولہ میں وہی طلب دونوں کے لئے کافی ہے۔	۱۶۵
گواہوں کا کھیرے کے پاس لے جانا پردہ کرا کر اندر لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔	۱۶۵
طلب اشہاد میں "گواہ ہو جاؤ" کہنا کچھ ضروری نہیں۔	۱۶۵
آیات قرآنی سے اشہاد کے معنی کی تائید۔	۱۶۶
بدائع، خانیہ، محیط، ہدایہ کا حوالہ،	۱۶۶
اگر طلب اول بروجہ کفایت نہ ہو تو مکان تک جانا اور پردہ کرانا وغیرہ ضرور تاخیر ومسقط شفعہ ہے۔	۱۶۶
طلب اشہاد کے لئے اقرب کو چھوڑ کر ابعد کی طرف جانے پر اس کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اقرب ابعد کے راستہ میں نہ پڑے۔	۱۶۶
طلب اول کے جو الفاظ بیان کئے گئے ہیں البتہ نظر مجیب میں ناکافی ہیں۔	۱۶۷
حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے، جو گھر و مکان میں ذکر حدود اربعہ ہے۔	۱۶۷
وجیز، محیط سرخسی، عالمگیری، ہدایہ، غایۃ البیان، قدوری سے مسئلہ کی تائید اور مسئلہ کا آخری حکم۔	۱۶۷
کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا اور طلب اشہاد کو جانے کے لئے چھڑی کے بغیر چل نہ سکتا ہو تو چھڑی کے لئے گھر میں جانا تاخیر نہیں، ورنہ ضرور تاخیر ہے۔	۱۷۰
بیٹھا تھا بیع کی خبر سن کر اٹھ کھڑا ہوا، اور طلب مواثبت کی تو مجلس ہی بدل گئی، اور طلب مواثبت کا وقت ختم ہوگیا۔	۱۷۰
جائداد منقولہ میں حق شفعہ کا "سوال وجواب"	۱۷۱
۱۷ سال کا آدمی طلب شفعہ کرسکتا ہے اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے حق ہے یا نہیں، کچھ تاخیر کردی تو شفعہ کا حق جاتا رہا۔	۱۷۲

شفیع کے ہاتھ مکان نہ بیچ کر غیر شفیع کو دینا جبکہ شفیع کو مکان کی سخت ضرورت ہے اور اس وعدہ پر کہ اس کو مکان دیا جائے گا بیع سے قبل بطور کرایہ دار شفیع کا قبضہ بھی کرادیا۔	۱۷۲	اور چندہ کرکے متولی کو دیا اور اس نے بلاضرورت زائد قیمت دی تو زیادت فاحش پر متولی گنہگار ہوگا اور مسجد کے نقصان کا متولی کو تاوان دینا پڑے گا۔	۱۷۳
مکان خریدنے والے اجنبی نے مکان مسجد کے لئے خریدا ہے کیونکہ ایک تیسرے آدمی نے ایذائے شفیع کے لئے کہا کہ وہ مکان مسجد پر لے لیا جائے تو میں اپنا مکان مسجد کو دے دوں گا۔ اب ارادہ ہے کہ مکان بہت زائد قیمت پر شفیع کے ہاتھ بیچا جائے، حالانکہ مسجد کو ضرورت مکان کی نہیں، مسجد مقروض ہے اور اس کے دیگر ضروری امور کا انتظام نہیں۔ "سوال"	۱۷۲	بیع کے پہلے خریداری سے انکار سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔	۱۷۴
قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، مکان کا اس کے پاس کرایہ ہونا، اس کا اس کے خریدنے کا اعلان کرنا، اس کا ضرورتمند ہونا، یا اس کا کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا کہ تجھے دوں گا، اسے کوئی ترجیح نہیں دے سکتا۔	۱۷۳	بعد بیع طلب مواثبت اور طلب اشہاد میں تاخیر سے حق شفعہ باطل ہوجاتا ہے۔	۱۸۴
بیع کی خبر پاتے ہی طلب مواثبت اور طلب اشہاد بجالایا تو اسی دام پر جس پر بکا شفعہ حاصل کرسکتا ہے۔	۱۷۳	**کتاب القسمۃ**	
اس سے زائد قیمت مانگتے ہیں، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ طلب بجائے بغیر اس مکان کی خریداری پر تیار ہوگیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگیا، ایسی صورت میں اس کو مکان نہ دینا ظلم نہیں۔	۱۷۳	کل جائداد صرف چند ورثہ میں تقسیم کرنے کا "سوال"	۱۷۵
بقیہ باتیں جو سوال میں ذکر ہوئیں زائد ہیں اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، مسجد نے مکان کی قیمت زائد دی، اس کی دو صورت ہے، لوگوں نے چندہ سے مکان کا دام ادا کرکے مسجد کو دے دیا، جب تو کوئی گناہ نہ ہوا کہ اصل سے زائد قیمت دینا گناہ نہیں۔	۱۷۳	ایسی تقسیم باطل ہے۔ پنچ کا فیصلہ صرف انھیں لوگوں کے حق میں نافذ ہوگا جنھوں نے انھیں بنایا، دوسروں کے حق میں انھیں تصرف کا اختیار نہیں۔	۱۷۵
		قاضی نے اگر ایسا فیصلہ اس گواہی کے بعد کیا کہ مزید کوئی وارث نہیں، تو وارث ظاہر ہونے کے بعد تقسیم توڑ دی جائے گی۔	۱۷۶

قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔	۱۷۶	درخت کٹنے اور مکان اکھاڑنے میں زمین کا زیادہ نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور اجڑے ہوئے ملبہ کی قیمت کٹائی اور گھر کھدوائی کی مزدوری مہیا کرنے کے بعد ادا کرکے وہ درخت اور ملبہ زمیندار خود لے لے۔	۱۸۳
چند گھروں کی شرکاء میں کب اجتماعی تقسیم ہو اور کب ہر ہر گھر کی علیحدہ علیحدہ۔	۱۷۷	سال بسال کا پتہ ہوتا ہو تو ہر سال کے ختم پر زمیندار کو علیحدہ کرنے کا حق ہے۔	۱۸۳
کتاب المزارعۃ		خیریہ اور شامی سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۸۳
کاشکار کے حق استقرار اور مقدمہ بے دخلی کے تاوان سے "سوال"	۱۷۹	اس امر کی تفصیل کہ ارض مملوکہ میں غرس وبنا پر کب مالک قیمت دے گا اور کب اجیر زمین کی قیمت دے گا، اور مصنف کی ترجیح۔	۱۸۵
مرور مدت سے کاشتکار کو استقرار کا حق حاصل نہیں ہوتا، زمین کیسی ہی ہو اور چاہے کتنی ہی مدت کاشت کرے۔	۱۷۹	حاوی زاہدی کی عبارت کا محمل اور اس کے بارے میں مصنف کی رائے۔	۱۸۷
زمین کو کاشت کے قابل بنایا ہو، اس میں چوگزی وغیرہ کھودی، دوسری زمین سے مٹی لاکر پاٹی، درخت بویا یا مکان بنایا تو سلطانی زمین میں اس کو حق استقرار مل جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو بھی بلاوجہ شرعی بے دخل نہ کیا جائے گا۔	۱۸۰	کردار میں حق استقرار کی بنیاد نظر للجانبین ہے۔	۱۸۷
جامع الفصولین اور عقود الدریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۸۰	خلاصہ حکم دیہات مملوکہ کی زمین میں کاشتکار کو کوئی حق موروثی نہیں اور اس پر جبرا قابض رہنا ضرور ظلم ہے۔	۱۸۹
علیحدگی کے اعتذار۔	۱۸۱	مدعی کو خرچہ دلانا حکم شرع کے خلاف ہے۔	۱۸۹
زمیندار کی مملوکہ زمین میں کاشتکار کو کبھی کسی طرح حق استقرار نہیں۔	۱۸۳	اپنے حق کی وصولی کی تدبیر،	۱۸۹
اجارہ کی مدت تمام ہونے کے بعد زمیندار زمین خالی کراسکتا ہے اور اس میں مکان بنایا یا درخت لگایا ہو تو زمین خالی کرے، درخت کاٹ لے اور ملبہ لے جائے۔	۱۸۳	اضافہ لگان پر کاشتکار خموش ہے اور زمین نہ چھوڑے تو شرعا وہی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۸۹

خود ہی لگان کی شرح بڑھ گئی ہو اور انکار کے باوجود کاشت کرتا رہا تو یہ بڑھی ہوئی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۹۰	اگر شرکاء کے رد یا اذن کے بغیر از خود کاشت کرلی تو اگر زمین کو نقصان پہنچا غاصب ہے اس صورت میں نہ زمین کے نقصان کا تاوان نہ لگان کچھ نہیں۔	۱۹۸
اس اضافہ شدہ لگان کے بدلے مقدمہ کے خرچہ کے نام سے جو ملے لے سکتا ہے۔	۱۹۱	اور زراعت سے زمین کو فائدہ ہو تو یہ صورت اجازت میں داخل ہے۔ اس صورت میں بھی نہ لگان نہ تاوان، البتہ شرکاء بھی اپنے اپنے حصوں کی مقدار زراعت کرسکتے ہیں۔	۱۹۹
اس کا قاعدہ کلیہ کہ کب خرچہ کے نام سے لے سکتا ہے اور کب نہیں۔	۱۹۲	مصنف کی تحقیق اور مسئلہ کی تفصیل	۱۹۹
ایسے نام سے جس میں بدنامی ہونہ لے کہ شریعت میں برے کام اور برے نام دونوں سے بچنے کا حکم ہے۔	۱۹۳	جس صورت میں زراعت سے زمین کا نفع نقصان کچھ معلوم نہ ہو فقہاء اس کا صریح حکم نہیں لکھتے۔	۱۹۹
ایسی ہی زمین کے بارے میں دوسرا "سوال" اور اس میں اپنے حق کی وصولی کی سابقہ تدبیرہ کی تفصیل کا "جواب"	۱۹۳	مصنف کی تحقیق کہ یہ حکم مضرت میں داخل ہے۔	۱۹۹
جھوٹ بولنا حرام ہے۔	۱۹۶	جامع الفصولین اور شامی سے مسئلہ کا حکم اور اس حکم کے دائر بہ عرف ہونے کی تصریح۔	۱۹۹
اپنا حق وصول کرنے اور اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کہہ سکتے ہیں جبکہ صدق میں مضرنہ ہو۔	۱۹۶	ہمارے زمانہ کے عرف کے اعتبار سے مسئلہ کا حکم۔	۲۰۱
صدق کا مفسدہ کذب سے بڑھ جائے تو مجبوری کذب کی بھی اجازت ہے۔	۱۹۷	خلاصہ کا حکم۔	۲۰۲
مشترکہ گاؤں میں بے اذن شرکاء کسی ایک شریک کے کاشت کرنے کا "سوال"	۱۹۷	منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا "سوال"	۲۰۲
باجازت دیگر شرکاء کاشت جائز ہے۔ اور جب تک تصریح نہ ہو کہ لگان نہ لیا جائے گا شرکاء کے حصہ کے لگان دینا بھی واجب ہوگا۔	۱۹۷	ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال رواں کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔	۲۰۳
اگر اور شرکاء کی مرضی کے خلاف کاشت کی تو ظالم اور غاصب ہے اور زمین کو کاشت سے نقصان پہنچا ہو تو تاوان دے اور نقصان نہ پہنچا ہو تو لگان عائد نہیں۔	۱۹۸		

صورت بالا میں جب کا شتکار اول دوسرے کے لئے دستبردار ہوچکا اور زمیندار نے دوسرے کو قبول کرلیا تو اب یہی مستاجر ہوگیا، اور خراج جو زمیندار آئندہ لے گا اس کو ادا کرنا ہوگا۔	۲۰۳	موروثیت کے دباؤ سے جو زمین نہ چھوڑے پیداوار اس کے لئے ناجائز ہے یا تو زمین کے مالک کو دے یہ افضل ہے یا فقراء کو دے۔	۲۰۵
اور اگر کاشتکار دوم زمین کا مستقل مالک سمجھا جائے تو زمین کی یہ بیع فضولی ہوگی اور نذرانہ زمین کی قیمت پر اضافہ اور زمیندار کی اجازت سے قیمت کاشتکار اول کی اور نذرانہ زمیندار کے لئے جائز ہوگا مگر زمیندار کا آئندہ اس سے خراج وصول کرنا ناجائز ہوگا۔	۲۰۳	مالگذاری نہ دینے کاشت کار کے زمین میں درخت لگانے اس کی قیمت میں سے زمیندار کے چوتھائی وصول کرنے زمیندار کی غیر آباد زمین کے آباد کرنے اور غلط ناپ کی وجہ سے دوسرے کی جو زمین اس کے حصہ میں آگئی اس سے فائدہ اٹھانے کا "سوال"	۲۰۶
بٹائی کے کھیت میں اندازہ سے پیداوار مقرر کرنا باطل ہے۔ مسئلہ کی تفصیل اور مختلف صورتوں کا حکم اور ہدایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۰۳	مقرر مالگزاری کا ادانہ کرنا ظلم وگناہ ہے۔	۲۰۶
ہندو کاشت کار سے ایسے معاملہ کا حکم جدا ہے۔	۲۰۴	مالک زمین کا اس درخت میں کوئی حق نہیں اس کا مانگنا ظلم ہے۔	۲۰۶
دوامی پٹہ، شکمی کاشتکار اور ۱۲ سال کے بعد حق استقرار سے "سوال"	۲۰۴	اپنی رعایا کو سال بھر کا بلاسودی قرض اس طور پر دینا کہ سال بھر کے لگان میں تم کو اتنا زائد دینا ہوگا، یا قرضدار سے پچھلا بقایا وصول کرکے یہ کہنا مزید اتنا سلم کے دے اور زائد رقم حساب فہمی کے وقت حساب میں دکھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟	۲۰۶
دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں، سال تمام پر عقد ختم ہوجاتا ہے۔	۲۰۵	مطالبہ وصول کرکے بیع سلم کے نام پر اس روپیہ کو وصول کرنا اور اسے سیر بھر گیہوں دینا کہ ہمارے یہاں یہی بھاؤ ہے جائز ہے یانہیں؟	۲۰۷
قانونی حق استقرار شریعت کے نزدیک کچھ نہیں۔	۲۰۵	یہاں کے غیر مسلموں کو اس شرط پر قرض دینا جائز ہے اور مسلمانوں کو ناجائز۔	۲۰۷
شکمی کاشتکار بناسکتا ہے مگر مقررہ لگان سے زائد لینا جائز نہیں۔	۲۰۵	یہاں کے غیر مسلموں سے اگر معاہدہ کاشتکاری کے وقت ہی اس طرح معاملہ کیا جائے کہ سال بسال اتنی لگان اور اگر کسی سال باقی پڑ گئی تو اس سال کی اتنی زائد تو جائز ہے اور معاہدہ کے بعد اضافہ کیا تو حرام۔	۲۰۸
زائد لینے کی ترکیبیں۔	۲۰۵		

ہاں باقی وصول کرنے کے بعد تاخیر کے حرجانہ کے طور پر غیر مسلموں سے کچھ وصول کرلے تو جائز ہے چاہے نام اس کا بیع سلم ہی رکھے۔	۲۰۸	رات کا ذبیحہ مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
اس امر کی تفصیل کہ زائد رقم کب حساب میں دکھائی جاسکتی ہے اور کب نہیں۔	۲۰۸	کراہت بھی اس فعل میں ہے۔ صحیح ذبح ہوجائے تو ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
بیع سلم کی جو صورت سوال میں مذکور ہے کہ سیر بھر غلہ کے بدلہ دس روپیہ لیں، غیر مسلموں سے جائز اور مسلمانوں سے ناجائز، اور اس کو رضا کہنا غلط ہے کہ یہ دباؤ کی رضا ہے۔	۲۰۹	زندگی ثابت ہو اور ذبح کے بعد خون دے، حلال ہے۔ اور موت ثابت ہے اور خون دے تب بھی حرام ہے۔	۲۱۴
ایسے مال کو حلال کرنے کی ایک تدبیر۔	۲۰۹	علامات حیات۔	۲۱۴
عدم ادائیگی کی صورت میں لگان میں سال بسال اضافہ کی شرط ناجائز اور اس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔	۲۰۹	ذبح کے وقت بغیر واؤ کے بسم اللہ اکبر کہنا مستحب اور واؤ کے ساتھ کہنا مکروہ ہے۔	۲۱۵
پندرہ بیگھہ اراضی ہزار روپیہ پر پانچ سال تک اجارہ دینے اور زر اجارہ پیشگی وصول کرنے کا "سوال وجواب"	۲۰۹	بسم اللہ اکبر کہنا ذابح پر ضروری ہے ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر نہیں۔	۲۱۵
سرکاری لگان سے کم وبیش شرح پر کھیت کاشت کار کو دینے کا "سوال وجواب"	۲۰۹	وقت ذبح جانور کو کس رخ ہونا چاہئے۔	۲۱۶
اصل کاشتکار شکمی کاشت کار کو بیش پر دے سکتا ہے یا نہیں۔	۲۱۰	ذبح کرنے والے اور ذبیحہ دونوں کو قبلہ رو ہونا سنت ہے۔	۲۱۶
صورت مذکورہ کے جواز کی تدبیریں۔	۲۱۰	ہمارے ملک میں ذبیحہ کا سر جنوب کی طرف ہو اور جانور بائیں پہلو پر سویا ہو اور پیٹھ مشرق کی طرف ہو تو اس کا رخ قبلہ کی طرف ہوگا۔	۲۱۶
حق استقرار سے متعلق "سوال وجواب"۔	۲۱۰	ذبح کرنے والا اپنا داہنا قدم مذبوح کی گردن کے کنارے رکھ کر ذبح کرے۔	۲۱۷
کتاب الذبائح		توجہ بقبلہ ترک کرنا مکروہ ہے اور بعض ائمہ مالکیہ کے نزدیک وجہ حرمت ذبیحہ ہے۔	۲۱۷
رات کے ذبیحہ کے اور ذبیحہ کے خون دینے نہ دینے سے متعلق "سوال"	۲۱۳		

اختلاف علماء سے بچنا مؤکد ہے۔	۲۱۷	ذابح معین اور پکڑنے والے کے فرق کا بیان۔	۲۲۱
بخاری، مسلم، دارمی، ابن ماجہ سے طریقہ ذبح کی حدیث۔	۲۱۷	جب مبیح اور محرم جمع ہو تو غلبہ حرام کو ہوگا۔	۲۲۱
تسمیہ شرط ذبیحہ ہے اور اس کے ساتھ تکبیر سنت ہے۔	۲۱۸	درمختار اور شامی سے اس امر کا جزئیہ کہ تسمیہ کس پر واجب ہے۔	۲۲۱
عینی اور تنویر سے ذبیحہ کے لٹانے کا طریقہ۔	۲۱۸	ذبح فوق العقدہ سے تین رگ کٹ جاتی ہے یا نہیں۔	۲۲۲
معین ذابح اور اس کے تسمیہ پڑھنے سے "سوال"	۲۱۸	یہ بات مشاہدہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔	۲۲۲
معین ذابح وہ ہے کہ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر چھری پھیرنے میں مدد دے، ان دونوں پر تسمیہ واجب ہے۔	۲۱۸	ذبح فوق العقدہ کا "سوال وجواب"	۲۲۳
دیوبندی مسئلہ کی تغلیط، پاؤں پکڑنے والا معین ذبح نہیں۔	۲۱۸	درانتی کے ذبیحہ کا حکم۔	۲۲۴
درمختار اور شرح نقایہ سے جزئیہ۔	۲۱۸	درانتی آلات ذبح سے ہے۔	۲۲۴
ذبح میں گھنڈی کا کوئی حصہ سر میں نہ لگا ہو تو کیا حکم ہے۔	۲۱۹	درانتی سے ذبح ایسا ہی مکروہ ہے جیسا کند چھری سے۔	۲۲۵
ذبیحہ کا مدار رگ کٹنے پر ہے۔ ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ کا لحاظ نہیں۔	۲۱۹	ضرورت کے وقت اس سے بھی ذبح جائز ہے۔	۲۲۵
ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ میں قول فیصل کیا ہے۔	۲۲۰	ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر علیحدہ کرنا اور کھال اتارنا تعذیب بلافائدہ ہے۔	۲۲۵
ذبح کا مدار کم سے کم تین رگوں کے کٹنے پر ہے فوق العقدہ اور تحت العقدہ پر نہیں شامی سے قول فیصل کا بیان۔	۲۲۰	کھانا ایسے ذبیحہ کا بہرحال حلال ہے۔	۲۲۵
بدائع کی ایک عبارت کی توضیح اور مصنف کی تحقیق کہ صرف دو رگیں قلب سے دماغ تک متصل ہیں، حلقوم اور مری نہیں۔	۲۲۱	ذبیحہ کی موت اور زندگی کی تفصیل اور ذبح پر اس کے اثرات کا بیان۔	۲۲۶
پکڑنے والے کے تسمیہ نہ کہنے سے "سوال"	۲۲۱	ضرورۃً کند ہتھیار سے ذبح میں تین رگیں کٹنے سے پہلے جان نکل گئی تو حلت وحرمت میں علماء کا اختلاف ہے۔ رجحان جانب حرمت ہے۔	۲۲۶

بے دستہ کی چھری ذبیحہ اور گرم مقامات پر گرمی میں روزہ سے "سوال"	۲۲۷	مسئلہ کا خلاصہ حکم۔	۲۳۲
مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے جس سے روزہ رکھنے میں بیمار پڑ جائے۔	۲۲۸	مسلمان کو ایسے جانور کا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔	۲۳۳
اگر ایسے کام کے ترک پر قدرت نہ ہو، روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو قضاء رکھے۔	۲۲۸	مذبوح کی کھال کا حلت وحرمت کا "سوال"	۲۳۳
ذبح اضطراری کا "سوال وجواب"	۲۲۸	ایسی کھال حلال ہے اگرچہ بھینس اور بکری کی کھال کھانے کے لائق نہیں ہوتی۔	۲۳۳
ظاہر کے نام کا بکرا مسلمان نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا اس کا کھانا کیسا ہے۔	۲۲۸	ذبیحہ کے ان سات اعضاء کا ذکر جن کا کھانا حرام ہے۔	۲۳۳
ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے تو ذبیحہ مردار ہے یونہی مسلمان نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا اور اس سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا تو ذبیحہ حرام ہے۔	۲۲۸	ذبیحہ کے اجزائے ممنوعہ سے "سوال"	۲۳۴
وقت ذبحہ نہ غیر خدا کا نام لیا نہ اس کی عبادت چاہی تو ذبیحہ حلال ہے چاہے وہ کسی کے نام کا ہو۔	۲۲۸	سات چیزوں کی تصریح حدیث شریف میں ہے۔	۲۳۴
مشرک کا ذبیحہ مطلقًا حلال نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کا ذبح کیا ہو، اور کتابی کا ذبیحہ بسم اللہ پڑھ کر ہو تو حلال ہے اگرچہ اس سے حضرت مسیح مراد لیا ہو۔ (حاشیہ)	۲۲۸	طبرانی کی حدیث	۲۳۴
نیشاپوری اور بدائع سے وجہ فرق کا بیان۔	۲۲۹	امام اعظم نے ان میں خون کو حرام اور باقی کو مکروہ فرمایا۔	۲۳۴
مسلمان پر بدگمانی حرام ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۰	کراہت سے مراد کراہت تحریم ہے۔ صاحب بدائع نے اسی کو حرام سے تعبیر کیا اور صاحب تنویر نے کراہت سے۔	۲۳۵
دل کے ارادے پر حکم لگانے کی ممانعت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۱	صاحب درمختار نے کراہت تحریمی کو راجح بتایا۔	۲۳۵
براگمان برے دل سے نکلتا ہے۔	۲۳۱	متون میں جب کراہت کا لفظ مطلق وارد ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے۔	۲۳۵
تفسیر کبیر، ذخیرہ، شرح وہبانیہ، درمختار سے اس بدگمانی کی ممانعت کہ مسلمان اپنے ذبح سے غیر خدا کا تقرب کرتا ہے۔	۲۳۲		

ان دوچیزوں کا ذکر جن کا اضافہ قاضی بدیع الدین خوارزمی، شمس الدین قہستانی، احمد مصری محشیٔ درمختار نے کیا۔	۲۳۶	کس کس کا ذبیحہ جائز ہے۔	۲۴۲
ان تین چیزوں کا ذکر جن کا اضافہ قاضی بدیع الدین اور احمد مصری نے کیا۔	۲۳۶	ذبیحہ صحیح ہونے کی شرائط کا بیان۔	۲۴۲
جزئیات کے حوالے۔	۲۳۶	عورت اور سمجھدار بچہ کا ذبیحہ جائز ہے۔	۲۴۲
ان دس چیزوں کا ذکر جن کو بالتصریح مصنف کتاب نے تفحص کرکے نکالا۔	۲۳۷	عورت اور بوہرہ وغیرہ کے ذبیحہ سے "سوال"	۲۴۲
اس امر کی تشریح کہ حدیث شریف میں سات کا لفظ حصر کے لئے نہ تھا۔	۲۳۷	مسلمان اور کتابی عورت ہی کیوں نہ ہو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۲۴۳
اجزاء سے مراد اعضاء ہی نہیں اخلاط بھی ہیں۔	۲۳۷	بوہرا اگر صرف بدعتی ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور مرتد ہو تو نہیں۔	۲۴۳
نمبر ۱۵ سے ۲۱ تک اضافوں کا ذکر اور سب کی توجیہ۔	۲۳۸	آج کل کے نصارٰی کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔	۲۴۳
کتب فقہ میں بھی سات کا لفظ حصر کے لئے نہیں صرف اتباع حدیث میں ہے۔	۲۳۸	اکثر مشائخ اس کو حرام فرماتے ہیں۔	۲۴۳
کتب کثیرہ میں لفظ شاۃ کی قید کا بھی یہی حال ہے۔	۲۳۸	اسی پر فتوٰی اور اسی کو ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۳
اوجھڑی کی کراہت بطور دلالۃ النص یا بطور اجزائے علت منصوصہ ثابت ہے۔	۲۳۸	آج کل کے نصارٰی گلا گھونٹ کر بھی مار ڈالتے ہیں اور گلے میں چھری پیوست کرکے بھی۔	۲۴۴
ینابیع میں دبر کی تصریح بھی ہے۔	۲۳۹	معین ذابح کی تشریح۔	۲۴۴
اس موضوع کی پوری بحث کا مصنف کے رسالہ "منح الملحیہ" پر حوالہ۔	۲۳۹	شیعہ کے ذبیحہ کا "سوال"۔	۲۴۴
مذکورہ بالا مسئلہ کا "سوال وجواب"	۲۴۰	آج کل کے شیعہ تبرائی کافر و مرتد ہیں۔	۲۴۴
زندہ جانور سے علیحدہ کئے ہوئے عضو کی حلت وحرمت کا "سوال"	۲۴۱	روافض زمانہ کے کچھ عقائد کا بیان۔	۲۴۴
مچھلی اور ٹیڑی کے علاوہ کسی جانور کے علیحدہ شدہ عضو کا کھانا حرام ہے۔	۲۴۱	روافض کا ذبیحہ مردار وحرام ہے۔	۲۴۶
حدیث شریف سے مسئلہ کا بیان۔	۲۴۱	مرتدین وقت سے نیچری اور وہابیہ کے عقائد واحکام کا ذکر۔	۲۴۶

ان کے ذبیحہ کے حرام ہونے کا بیان اور دیگر احکام۔	۲۴۶	فاسق کے ذبیحہ کا "سوال وجواب"	۲۵۱
ان سے کم درجہ کے گمراہوں کا ذکر اور ان کا حکم۔	۲۴۶	بے نکاحی عورت گھر میں ڈال لینے والے یوم نحر صبح صادق کے بعد نماز فجر سے قبل قربانی کرنے والے مسلمان غرباء نہ ہوں تو قربانی کے تیسرے حصہ اور اس حصہ کو خود کھانے والے کے بارے میں "سوال"	۲۵۱
آج کل کے یہود ونصارٰی کے ذبیحہ کا "سوال"	۲۴۶	پر بلا ثبوت زناء کا حکم لگانا حرام ہے۔ بلکہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں تو ان کے میاں بیوی ہونے کی گواہی دی جاسکتی ہے اور زانی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔	۲۵۲
یہود ونصارٰی الوہیت مسیح وعزیر کے قائل ہیں، ان کا ذبیحہ حرام، اسی پر فتوٰی اور یہی ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۶	دیہات میں یوم نحر صبح صادق کے بعد قربانی کی تو ہوجائیگی شہر میں نہیں ہوگی، بعد نماز عید ہونا واجب ہے۔	۲۵۲
بعض کے نزدیک جائز البتہ کراہت میں شک نہیں۔	۲۴۷	قربانی کے گوشت کا تین حصہ کرنا امر استحبابی ہے سارا گوشت خود بھی کھاسکتے ہیں البتہ یہ گوشت یہاں کے غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں۔	۲۵۳
آجکل کے نصارٰی بطور شرع ذبح بھی نہیں کرتے ۱۳۱۹ھ کے ایک مشاہدہ کا ذکر۔	۲۴۸	فاسق کے ذبیحہ سے "سوال وجواب"	۲۵۳
قادیانی اور وہابی کے ذبیحہ کا "سوال وجواب"	۲۴۹	فاسق کے ذبیحہ، اس کی ضیافت اور نماز جنازہ سے "سوال"	۲۵۳
دیوبندی کے بھیجے ہوئے گوشت سے "سوال وجواب"	۲۴۹	فاسق کا ذبیحہ جائز، نماز جنازہ اس کی واجب اور اس کی دعوت قبول کرنے اور نہ کرنے میں سلف صالحین کے اندر اختلاف ہے۔	۲۵۳
بوہرے کا ذبیحہ حرام در حرام، اور ذبیحہ کا پیشہ حلال ہے۔	۲۵۰	قصاب پیشہ کا جائز ہے۔	۲۵۴
ذابح بقر اور قاطع شجر کے بارے میں جو حدیث روایت کرتے ہیں موضوع ہے۔	۲۵۰	مسئلہ بالا کا "سوال وجواب"	۲۵۴
دو۲ استفتاء درباره ذبیحہ نساء اور ان کا جواب۔	۲۵۱	خانیہ، شامی اور بزازیہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور اس امر کی تصریح کہ قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔	۲۵۵

خنثٰی جانور کے ذبیحہ کا "سوال"	۲۵۵	بحیرہ اور سائبہ کا بیان	۲۶۰
خنثٰی کی قربانی جائز نہیں۔ ایسا گوشت پکائے سے پکتا نہیں ذبح کے بعد وہ حلال ضرور ہے۔	۲۵۵	قرآن عظیم میں ایسے جانوروں کو حرام قرار دینا کافروں کا کام بتایا، اور اس کو رد فرمایا۔	۲۶۰
در مختار اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۵۵	اس کو مااھل بہ لغیر اللہ سے کوئی علاقہ نہیں نہ بتوں کے تھان کی مٹھائی اس میں داخل ہے۔	۲۶۱
کتیا کے دودھ سے پرورش پانے والے بکری کے بچے کو دودھ چھوڑے مدت گزر گئی ہو تو بے خرخشہ حلال ہے۔ مدت کے اندر دو چار روز اس دودھ سے پرہیز کرکے حلال کیا تب بھی حلال ہے۔	۲۵۶	ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ مااہل بہ لغیر اللہ ہے۔	۲۶۱
اسی حالت میں ذبح کیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔	۲۵۶	وہابیہ کے جاہلانہ خیال کارد۔	۲۶۱
علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی۔	۲۵۶	بتوں کے چڑھاوے کی مٹھائی مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے۔	۲۶۱
نوازل، خلاصہ، خانیہ۔ ذخیرہ، بزازیہ، تبیین، تکملہ، در مختار وغیرہ میں تنزیہی کی تصریح ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے اور من حیث الدلیل قوی ہے۔	۲۵۶	ایسی مٹھائی لینا ذلت بھی ہے اور کافروں کی مراد کے موافق استعمال بھی۔	۲۶۱
در مختار، تکملہ، ہندیہ، فتاوٰی کبرٰی، خزانہ، شامی، فتح اللہ المعین کی عبارتوں سے مسئلہ کا اثبات۔	۲۵۷	البتہ ایسے جانوروں کا کھانا ان کی مراد کے خلاف ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو۔	۲۶۱
احتیاطی حکم۔	۲۵۸	فتنہ سے بچنا لازم ہے۔	۲۶۱
یہی "سوال وجواب" دوبارہ۔	۲۵۸	چڑھاوے کے جانور کے ذبح کرنے اور اس کے گوشت سے "سوال"	۲۶۱
آدمی کے دودھ پر پرورش پاتے ہوئے بچہ کی حلت وحرمت کا سوال وجواب۔	۲۵۹	کافر بتوں کے نام کہے اور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے۔	۲۶۱
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق "سوال"	۲۶۰	یہ فعل مسلمانوں کے لئے منع ہے اور وہ گوشت مکروہ ہے۔	۲۶۱
		بتوں کے نام پر کان کٹے ہوئے جانور کو خرید کر اپنے طور پر ذبح کرنے اور کھانے کا "سوال وجواب"	۲۶۲

چھوڑے ہوئے سانڈ اور کچوے وغیرہ حرام اشیاء کو جلا کر یا تیل میں پکا کر پکے ہوئے تیل کے کھانے کا "سوال"	۲۶۲	ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی عبادت ہو تو ذبیحہ مردار ہوجائے گا اور عبادت کی نیت نہ کی اور ذبح اللہ کے نام سے کیا تو ذبیحہ حلال ہوا۔	۲۶۷
سانڈ حلال ہے۔ اور مولوی عبدالحیٔ صاحب کے اسے حرام کہنے کی تردید، لیکن وہ مباح بھی ممنوع ہوجاتا ہے جو مسلمانوں کو ذلت پر پیش کرے۔	۲۶۲	صورت مسئولہ کا تفصیلی حکم۔	۲۶۷
حرام شے جلنے کے بعد بھی حرام رہے گی، اور حلال میں مخلوط ہو تو اسے بھی حرام کردے گی۔	۲۶۳	○ **سبل الاصفیا فی حکم الذبائح اللاولیاء**	۲۶۹
چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق "سوال وجواب"	۲۶۳	بزرگوں کے نام کا جانور تکبیر کے ساتھ ذبح کیا جائے تو کیا حکم ہے۔	۲۶۹
عالمگیری کا جزئیہ کہ ایسے جانور کو مالک مباح کردے تو مباح ورنہ ملک غیر کی وجہ سے ممنوع ہے۔	۲۶۴	ذبیحہ کی حلت یا حرمت میں نیت ذابح کا اعتبار ہے۔	۲۶۹
اس سلسلہ میں مسئلہ ظفر بخلاف جنس کا تذکرہ۔	۲۶۴	مختلف نیتوں کا تفصیلی بیان۔	۲۶۹
یہی مسئلہ پھر مکرر۔	۲۶۴	عالمگیری، جامع الفتاوٰی، تاتارخانیہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۷۰
شیخ سدو ایک روح خبیث ہے۔	۲۶۵	نیت ذبح میں بھی خاص وقت ذبح کی نیت کا اعتبار ہے۔	۲۷۰
شیخ سدو کے نام سے مرغ ذبح کرنے اور موقعہ پر میلاد پڑھوانے اور کھانا کھلانے کا "سوال"۔	۲۶۵	اس امر کی تائید دیگر امور شرعیہ سے۔	۲۷۰
اگر وہاں میلاد پڑھے تو ایسی روحوں کی تعظیم سے منع کرے گا جن کا اسلام تک معمول نہیں، ان کے لئے جو مرغ ذبح ہو وہ بلکہ ان کا کھانا نہ کھائے۔	۲۶۶	ذبح سے پہلے کی شہرت وپکار خصوصاً غیر ذابح کی اس کا کچھ اعتبار نہیں۔	۲۷۱
ایسے مولوی صاحب کے متعلق سوال جنھوں نے غیر اللہ کے نام کا جانور کرنے والوں کے گھر کھانا کھایا۔	۲۶۶	اضافت کا مطلب عبادت نہیں، اس لئے اس کا یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں کہ ان جانوروں سے ان بزرگوں کی عبادت کی جائے گی۔	۲۷۱
مااھل بہ لغیر اللہ اور ذبح اولیاء وغیرہ کی تفصیل وتشریح۔	۲۶۶	نماز، روزہ حج، زکوٰۃ وغیرہ سے اس کی مثال۔	۲۷۱

جو لوگ اضافت کی بنیاد پر ان کو حرام بتاتے ہیں شریعت پر جرأت کرتے ہیں۔	۲۷۱	ایسی صورت میں عدم تبدیل سے عوام کی تصریح کے خلاف عبادت کا الزام سراسر زیادتی ہے۔	۲۷۷
حدیث اور کتب فقہ سے ایسی ضافتوں کا ثبوت خاص ذبح کی مختلف اضافتوں کا حدیث سے ثبوت۔	۲۷۱	بالفرض کسی نے ایسی نیت کی ہو تو حکم کفر اسی پر مقصور رہے گا عام حکم لگانا صحیح نہ ہوگا۔	۲۷۸
حسب تصریح علماء مطلقًا اضافت کو سبب حرمت قرار دینے والا جاہل ہے	۲۷۲	مسئلہ کا خلاصہ حکم۔	۲۷۸
درمختار اور شامی سے ذبح کی جائز اضافتوں کی نصوص۔	۲۷۳	آیۃ لاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کی تشریح تفسیر کبیر سے۔	۲۷۹
اگر کوئی جاہل یہ اضافت بہ نیت عبادت کرے اس کو ہم بھی کافر کہتے ہیں لیکن ذابح کی یہ نیت نہ ہو اور وہ اللہ کے واسطے ذبح کرے تو جانور حلال ہوگا۔	۲۷۳	جنین کی علت وحرمت کا "سوال وجواب"	۲۷۹
قرآن وحدیث واقوال بزرگان دین سے بدگمانی کی مذمت۔	۲۷۳	ایضا مسئلہ مذکورہ بالا۔	۲۷۹
خاص مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں منیہ، ذخیرہ، شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہ کی تصریح کہ ہم اس ذبح سے تقرب الی غیر اللہ کی بدگمانی نہیں کرسکتے۔	۲۷۵	غیر مسلموں سے گوشت خریدنے کا "سوال"	۲۸۰
شامی اور قاضی خاں سے بسم اللہ بنام خدا بنام محمد کا جزئیہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام تعظیما لیا ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اللہ کے ساتھ شرکت مراد لی ہو تو ذبیحہ حرام ہے۔	۲۷۵	مشرک غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں حلال وحرام میں کافر کا قول بالکل معتبر نہیں۔	۲۸۱
شامی اور درمختار سے بنام خدا وبنام محمد کا جزئیہ اور عدم کفر کا فتوٰی۔	۲۷۶	ایک استثنائی شکل۔	۲۸۲
ایسے جانور کی مطلقًا حرمت کا فتوٰی دینے والوں کو تنبیہ اور ان کی تجہیل	۲۷۶	اس حکم کے خلاف حرام اور اس کو بناوٹی بتانے والے پر لزوم کفر ہے۔ توبہ وتجدید اسلام ضروری ہے۔	۲۸۲
قصد عبادت کی تائید میں مخالف کی دلیل کا رد۔	۲۷۶	اب بھی جو نہ مانے اور ان سے گوشت خریدے مسلمان اس کا مقاطعہ کریں۔	۲۸۲
تخصیص اور عدم تبدیل بھی بے اصل نہیں۔	۲۷۷		

گوشت کی خریداری میں غلط قسم کی شرط پر صلح ناجائز۔	۲۸۳	ایضاً مسئلہ شراء اللحم من الکافر،	۲۸۸
مسئلہ بالا کا اس اضافہ کے ساتھ سوال کہ مذبح سرکاری ہے اور ذبح پر مسلمان مقرر ہے۔	۲۸۳	قابل نفرت لوگوں سے حلال طریقے پر بھی گوشت خریدنا نہیں چاہئے۔	۲۸۹
صورت مسئولہ میں گوشت خریدنا، کھانا، کھلانا جائز نہیں۔	۲۸۳	جانور مذبوح ملا، ذابح معلوم نہیں اگر اس علاقہ میں صرف مسلمان ہی بستے ہوں تو حلال ہے اور اگر ایسے لوگ بھی بستے ہوں جن کا ذبیحہ جائز نہیں، تو حلال نہیں۔	۲۹۰
جانور جب تک زندہ تھا بالیقین حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگا، اور طریقہ مذکورہ پر اس کا حصول نہ ہوا۔	۲۸۳	مسئلہ پر متروک التسمیہ سے اعتراض کا جواب۔	۲۹۰
بیچنے والا غیر مسلم اگر یہ کہے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے۔ تو دیانات میں اس کی خبر معتبر نہیں۔	۲۸۳	غصب کا جانور ذبح سے حلال ہوگا مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے ذابح گنہگار ہوا۔	۲۹۰
درمختار، شامی، ہدایہ، تبیین، ہندیہ، اشباہ، فتح القدیر سے نصوص۔	۲۸۳	ایسا جانور اگر قربانی کا ہو تو اس پر چند مسائل کی تفریع	۲۹۰
دیانات اور معاملات میں فرق اور ہندیہ سے اس کی مثال۔	۲۸۳	گوشت حلال ہوتے ہوئے بھی وہ گوشت ذابح اور دوسروں کو کھانا حرام۔	۲۹۱
ایک استثنائی صورت کا بیان۔	۲۸۴	یہ حرمت ملک غیر کی وجہ سے ہے۔	۲۹۱
مسلمان نے جانور ذبح کیا اور غیر مسلم نوکر کے ذریعہ گھر بھیجا کیا حکم ہے۔	۲۸۶	مغصوب میں تصرف کے بعد اس کا لوٹانا ناممکن ہو مالک صرف تاوان لے سکتا ہے۔	۲۹۱
اس خبر کا تعلق معاملات سے اگر دل جمے کہ سچ کہہ رہا ہے، مان لیا جائے۔	۲۸۶	درمختار، اشباہ، تنویر، درر، ہدایہ وغیرہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور حدیث سے تائید۔	۲۹۱
تبیین الحقائق اور درمختار کا جزئیہ۔	۲۸۶	کافر نے چھوڑے ہوئے جانور کو ارادہ بدل کر کسی کو ہبہ کردیا تو ایسا جانور موہوب لہ کے لئے جائز، اسے مااھل بہ لغیر اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔	۲۹۳
اس کی بات میں کچھ شبہہ معلوم ہو تو نہ کھائے۔	۲۸۷	شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو اس باب میں روشن علماء کے خلاف فتوٰی دیتے ہیں، وہ بھی تادم ذبح استمرار اہلال لغیر اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔	۲۹۳

ان کی مستدل حدیث اور عبارت نیشا پوری کا یہی مفاد ہے بلکہ شاہ صاحب نے اپنی تفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے۔	۲۹۴	آیہ حرمت علیکم المیتة کی تفسیر۔	۲۹۸
حکم مسئلہ یہ کہ نیت بدل جانے سے وہ جانور حلال ہوگیا۔	۲۹۴	اس تفسیر سے مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں مسلک وہابیہ کا رد۔	۲۹۸
مذبوحہ جانور جس کے ذابح کا پتہ نہ ہو "سوال وجواب"	۲۹۵	زخمی یا مریض جانور اس کی حالت کتنی ہی سقیم ہو اگر زندگی ثابت ہو تو ذبح سے حلال ہوجائے گا۔	۲۹۹
مدار صاحب کے مرغ کا "سوال"	۲۹۵	زندگی کے ثبوت کے بعد زندگی کی کسی علامت کی ضرورت نہیں۔	۲۹۹
جو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے اور اسی کے لئے اس کی جان لے وہ حلال ہے۔	۲۹۸	وجیز کردری سے اس امر کا جزئیہ کہ درندہ سر کھا جائے یا پیٹ پھاڑ دے اور جانور زندہ ہو تو ذبح جائز ہے۔	۲۹۹
مرغ کو نہ مزار پر لے جانا چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے۔ ثواب البتہ ان بزرگوں کی روح کو پہنچادے۔	۲۹۵	وجیز کردری میں رگ کے سلسلہ میں قطع کا لفظ ہے۔ قطع اور ہے سوراخ کرنا اور ہے۔	۳۰۰
بڑے پیر صاحب کے بکرے کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتوی حرمت سے "سوال"	۲۹۵	وجیز کی عبارت میں تین فرعوں کا ذکر ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔	۳۰۰
شاہ صاحب نے اس مسئلہ میں اپنے فتاوی اور تفسیر دونوں جگہ غلطی کی ہے۔	۲۹۶	ان اقوال کے درمیان مصنف کی نفیس توفیق۔	۳۰۱
امام مالک فرماتے ہیں بے دلیل تو صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول مقبول ہے بقیہ کوئی عالم معصوم نہیں۔	۲۹۶	ایک دوسری توفیق اور فوات محل ذبح میں تحقیق مناط کی بے مثال تقریر۔	۳۰۱
بزرگوں کے نام کے جانور سے "سوال وجواب"	۲۹۶	تمام فروع مختلفہ کا اتفاق اور سوال استفتاء کا جواب۔	۳۰۳
درندہ نے حلال جانور کی رگ چھید ڈالی تو وہ جانور بشرط حیات پھر ذبح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اور کل مذبح کھا جائے تو کیا حکم ہے۔	۲۹۶	کتے کے پکڑے زخمی جانور کے ذبیحہ سے "سوال"	۳۰۴
کشمیر کے ایک مفتی صاحب کے فتوے کے جواب میں مصنف کی تحریر (حاشیہ)	۲۹۷	کتا شکاری ہو اور بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو تو زخم سے مرجائے تب بھی حلال ہے۔	۳۰۴

زندہ ہے تو ذبح کرلیا جائے، کتے کے ڈالے ہوئے زخم سے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔	۳۰۴	ذبح بقر اور قطع شجر جائز ہے۔ قرآن کی آیت سے اس کا ثبوت ہے اور اس بارے میں لوگوں میں جو قول مشہور ہے بے اصل ہے۔	۳۰۶
ذبح کے کچھ دیر کے بعد خون دینے اور عورت اور بچہ کے ذبیحہ سے "سوال۔	۳۰۴	شارب خمر ضرر معذب ہے لیکن مسلمان ہے تو دائمی نہیں، ایسا شخص زیر مشیت الٰہی ہے اور انجام بلاشبہ مغفرت ہے۔	۳۰۷
حلت کی علت جانور کا وقت ذبح زندہ ہونا ہے خون فورًا یا بعد میں دے یا نہ دے۔	۳۰۴	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۳۰۷
عورت یا بچہ مطابق شرع ذبح کرے تو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۳۰۴	جو شخص گوشت اجرت میں لینے کی عادت بنالے فاسق معلن ہے۔ اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۳۰۷
خون نہ دینے کی صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔	۳۰۴	ہندوؤں کا جانور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ہے مگر مسلمانوں کو یہ فعل مکروہ ہے۔	۳۰۸
بھینس جس کی زندگی کے بارے میں یقین نہیں ذبح کرکے دس روپیہ میں قصاب کو دی اس نے گوشت دفن کردیا اور کھال چھ روپیہ میں بیچ دی اس پر کتنا مطالبہ ہوا۔	۳۰۵	اور ہندوؤں کی نیت پر کرے تو جانور مردار، اور اس کے ایمان میں بھی خطرہ، لیکن مسلمان پر ایسی بدگمانی نہ کرنی چاہئے البتہ ایسے شخص کی امامت سے پرہیز بہتر ہے۔	۳۰۸
مذکورہ بھینس اگر بالیقین زندہ تھی یا ذبح کے وقت زندگی کی علامت پائی گئی پورے دس روز ورنہ کچھ نہیں۔	۳۰۵	خاکروب کے بنائے ہوئے بکرے کا "سوال"	۳۰۸
صدقہ کا جانور بلاذبح مصرف کو دینے کا "سوال"	۳۰۵	مسلمان نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو تو اس کے حلال ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۰۹
صدقہ واجبہ ہو اور وجوب خاص ذبح کا تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، ہاں ذبح کا وقت نکل گیا ہو تو زندہ ہی صدقہ کیا جائے۔	۳۰۶	غیر مسلم بھنگیوں کا بنایا اس لئے ہو کہ اس نے اپنے بتوں کے نام چڑھایا تو ایسا گوشت مسلمان کو کھانا حرام ہے۔	۳۰۹
ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۳۰۶		

اگر بکرا مسلمان کا تھا اور اس نے بنوایا اور وہ اپنا ناپاک پیشہ بھی کرتا ہے۔ تو اگر خوب اچھی طرح اس نے صفائی نہ کرلی ہو تو یہ سخت بے احتیاطی ہے۔	۳۰۹	ایضا گھوڑے کے گوشت اور دودھ کے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے گوشت میں احتیاط قول امام میں ہے۔ جس قول میں دودھ کو حلال کہا اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ گوشت کے حرمت کی وجہ تقلیل آلہ جہاد ہے۔ اور دودھ میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔	۳۱۱
اور اگر صفائی کرلی ہو تو دیکھا جائے گا کہ لوگ وہاں اس کے چھوئے ہوئے کو کھانے سے پرہیز کرتے ہیں یا نہیں۔ پرہیز کرتے ہیں تو بنوانے والے نے بے پروائی کی اور مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔	۳۰۹	گدھا، خچر اور گھوڑے کے گوشت سے "سوال"	۳۱۲
یہ سارا حکم اس وقت ہے کہ ذبح کے وقت سے بناکے دوران اور مسلمان کے ہاتھ میں آنے تک برابر مسلمان کی نگاہ میں رہا۔	۳۰۹	گدھا حرام ہے۔ یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا، گھوڑا امام اعظم کے مذہب میں مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔	۳۱۲
تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوا تو حرام۔	۳۰۹	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
گھوڑے کا گوشت صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام صاحب مکروہ فرماتے ہیں۔ کراہت تحریمی ہے۔	۳۱۰	الو کی حلت وحرمت سے سوال اور عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان، اور حیواۃ الحیوان کا حوالہ کہ شافعیہ کے نزدیک حرام اور حنفیّہ کے یہاں حلال ہے مگر عالمگیری میں یہ قول لفظ قیل کے ساتھ بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔	۳۱۲
قاضی خاں نے اس کی تصحیح کی وہ فقیہ النفس ہیں فتوی انھیں کی تصحیح پر ہوگا۔	۳۱۰	لحیوۃ الحیوان کا حوالہ غلط ہے اس میں حنفیّہ کی طرف حلت کی نسبت نہیں، البتہ شافعیہ کے دو قول ہیں۔	۳۱۴
قہستانی نے اس کی تصحیح کی، اور خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی سے قاضی خان نے نقل کی اسی پر متون ہیں جن کی وضع نقل مذہب کے لئے ہوئی اور جن پر فتوی ہوتا ہے۔	۳۱۰	ان تین کتابوں کے علاوہ تمام کتب فقہ اور احادیث میں پنجہ اور کیلہ والے شکاری جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان شعرانی سے اس موضوع پر نصوص۔	۳۱۴
کفایہ میں اس کے خلاف کو ظاہر الروایہ کہنا یا جمہور کا فتوی اس کے خلاف ہونا اس کو مضر نہیں۔	۳۱۱		

ایسے جانوروں کے حرمت کی حکمت یہ ہے کہ ان کی خصلت شر عابری ہے تو کھانے والا بھی ایسا ہی بد خصلت ہو جائے گا۔ ۳۱۴
ایسے جانور کی حرمت پر امام اعظم، شافعی واحمد کا اتفاق ہے۔ ۳۱۵
الو کے پنجہ والے شکاری جانور ہونے میں شبہ نہیں۔ ۳۱۵
اس بات کی عینی شہادتوں کا بیان۔ ۳۱۵
عجائب المخلوقات مرأت الاصطلاحات اور امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شعر سے الو کے شکاری جانور ہونے کا ثبوت۔ ۳۱۶
اس شبہ کا جواب کہ بعض کتابوں میں لفظ بوم کے ساتھ یو کل کا لفظ آیا ہے۔ ۳۱۷
یہ روایتیں قاعدہ کلیہ فقہیہ اور مشاہدات کے معارض نہیں ہو سکتیں۔ ۳۱۷
عرب میں لفظ بوم صرف الو کے لئے ہی موضوع نہیں۔ ۳۱۷
ہر رات میں اڑنے والے پرند کو عربی میں بوم کہتے ہیں۔ ۳۱۷
بوم غیر ذی مخلب پرند کو بھی کہتے ہیں۔ ۳۱۷
چمگادڑ کی حلت وحرمت سے "سوال" ۳۱۸
چمگادڑ کی حلت وحرمت میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے۔ ۳۱۸
فوائد حنفیہ کے مطابق وہی قول حلت ہے۔ ۳۱۸
مطلقًا دانت ہونا موجب حرمت نہیں بلکہ اس سے شکار کرنا حرمت کا موجب ہے۔ ۳۱۸
چمگادڑ شکاری جانور نہیں۔ ۳۱۸
دانہ خور کوے اور دانہ ونجاست دونوں کھانے والے کوے سے "سوال" ۳۱۹
دانہ خور کوے کو غراب الزرع کہتے ہیں، جو چھوٹا سیاہ اور اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ ۳۱۹
اور مردار خور کوے کو غراب البقع، اس کے رنگ میں سیاہی کے ساتھ سفیدی بھی ہوتی ہے اس میں وہ پہاڑی کوا بھی داخل ہو جو بڑا او بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ ۳۱۹
جمع کرکے کھانیوالے کو عقعق کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ ۳۲۰
کوے اور الو سے "سوال وجواب" ۳۲۰
پیلوں کے انڈے اور گوشت، اور ایسے مرغ کے پالنے سے "سوال وجواب"۔ ۳۲۰
گائے کی حلت قرآن سے ثابت ہے حضور نے کھایا یا نہیں۔ یہ اس وقت پیش نظر نہیں۔ ۳۲۰
گائے کا گوشت سرکار نے تناول فرمایا یا نہیں۔ "سوال جواب" ۳۲۱
گائے کا گوشت سرکار نے کھایا۔ (حاشیہ) ۳۲۱
کبوتر کا گوشت اور عقیقہ کا گوشت ماں باپ کے لئے حلال ہیں۔ ۳۲۱
کون سا خرگوش جائز ہے پنجہ والا یا کھر والا "سوال" ۳۲۲

خرگوش کے پنجہ ہی ہوتا ہے وہی حلال ہے۔ کھر والا خرگوش دنیا کے پردے پر نہیں۔	۳۲۲	علامہ قزوینی کے ذکر کردہ فروق کا بیان۔	۳۲۵
تالاب میں کفار کی ڈالی ہوئی مچھلیوں اور مشترکہ کمپنی کی شرکت اور حصص کی فروخت سے "سوال"	۳۲۲	مصنف کی تحقیق کہ جریث اور مارماہی دو علیحدہ علیحدہ مچھلیاں ہیں۔	۳۲۵
مچھلیاں پکڑنے والے کی ملک ہوتی ہیں، دوسرے تالاب میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتی تو ایسی مچھلیوں کے کھانے کی ممانعت ملک غیر کی وجہ سے ہوگی لیکن یہاں ایسی مچھلیاں مباح الاصل ہیں۔	۳۲۳	مارماہی کی تشریح اور مختلف زبانوں میں اس کے نام کا بیان۔	۳۲۵
اگر شرکت کی وہ تجارت. بروجہ شرعی ہو تو شرکت جائز، خریدے ہوئے حصوں کی فروخت البتہ ناجائز ہے۔	۳۲۳	مارماہی کی پیدائش کے بارے میں مختلف نظریات اور خود مصنف کا نظریہ،	۳۲۵
غیر مسلم کے ہاتھ کی پکڑی ہوئی مچھلی جائز ہے کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں۔	۳۲۳	جری، صلور اور انکلیس کے بارے میں اہل فن کے اختلافات کا ذکر۔	۳۲۵
عجیب وغریب سمندری جانور اور جریث اور سگی کی تشریح سے "سوال"	۳۲۳	ارشاد الساری مجمع بحار الانوار، قاموس تاج العروس حیوۃ الحیوان عجائب قزوینی اور ملتقی الابحر سے مارماہی کی تعیین۔	۳۲۵
مذکورہ بالا مچھلی اگر ہو تو ایسی نادر ہے کہ عوام کے علم سے باہر ہے۔ یہ مچھلی جریث نہیں ہو سکتی۔	۳۲۴	عمدۃ القاری، مجمع بحار الانوار، تاج العروس، حیاہ الحیوان سے ایسی روایتوں کی تخریج جس میں جریث اور مارماہی کو ایک لکھا ہے۔	۳۲۹
جریث کے بارے میں مبسوط کی ایک روایت کہ یہ کثیر الوجود مچھلی ہے۔	۳۲۴	مصنف کی تحقیق کہ فقہاء کے نزدیک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔	۳۳۰
علامہ قزوینی نے جریث کو مارماہی کہا، اور بعضوں نے اس کو جریث کہا ہے۔	۳۲۴	مغرب، ایضاح، حاشیہ الکشمری، درمختار، عمدہ، فتح اللّٰہ المعین، حاشیہ کنز الازہری طحطاوی اور شامی سے دونوں کے علیحدہ ہونے کی شہادت۔	۳۳۰
انھوں نے اس نادر مچھلی کو عجائب بحر فارس اور جریث کو عجائب بحر ہند میں لکھا ہے۔	۳۲۵	سگی اردو زبان کا لفظ نہیں اس لئے اس سے لاعلمی۔	۳۳۱

چھوٹی مچھلیوں کا کھانا شافعی مذہب کے نزدیک حرام اور باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔ مگر جواہر الاخلاطی میں اس کی حرمت کی تصریح۔ لہٰذا احتیاط اولٰی	۳۳۲	جھینگے کے بارے میں علماء کے دونوں طرح کے قول ہیں۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی اور اس کے حرام کہنے والے کے بارے میں سوال۔	۳۳۳	مصنف کی تحقیق کہ ہمارے یہاں مچھلی کے علاوہ سب حرام ہیں، تو جن کے یہاں جھینگا مچھلی ہے حرام نہیں، اور جن کے وہاں مچھلی نہیں حرام ہے۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی حلال ہے۔ اس کو حرام کہنے والا جاہل ہے تو سمجھا یا جائے، اور عالم ہے تو اس کو تجدید نکاح اور تجدید اسلام کا حکم دیا جائے۔	۳۳۳	کتب طب وعلم الحیوان میں جھینگے کو بالاتفاق مچھلی کہا گیا۔	۳۳۶
ریگ ماہی کو عالمگیری میں حشرات الارض لکھا ہے لہٰذا حرام ہے۔	۳۳۳	قاموس، صحاح، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تحفہ، تذکرہ داؤد انطاکی کے نصوص۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی اور سوکھے گوشت میں پکانے کے بعد بو ہو تو اس کا کھانا مکروہ لطافت طبع اور نظافت اسلام کے خلاف۔ ایسے آدمی کی بو کی حالت میں مسجد میں جانا منع، اور اگر جسم کو ضرر دے تو اس کا کھانا حرام	۳۳۴	حیاۃ الحیوان، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار سے مضمون بالا کے نصوص۔	۳۳۷
مچھلی ذبح نہ کرنے کی حکمت کا "سوال"	۳۳۴	مصنف کی رائے کہ جواہر اخلاطی میں چھوٹی مچھلی جس کی الائش دور نہ کی جائے اس کو مکروہ لکھا ہے تو جھینگے کو ایسی مچھلی کے حکم میں ہونا چاہئے اس کی صورت مچھلی سے زیادہ جانور کے مشابہ اور لفظ مچھلی کا اطلاق غیر مچھلی پر بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی وغیرہ، تو احتیاط اولٰی ہے۔	۳۳۸
ذبح کی حکمت دم مسفوح کا نکالنا ہے۔ ٹیڑی اور مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہوتا لہٰذا ذبح نہیں۔	۳۳۴	جھینگے، پوست بیضہ، مکڑی کے جالے کے کھانے کا "سوال"	۳۳۹
ہمارے نزدیک یہی دو جانور بے ذبح جائز، شوافع کے نزدیک باقی دریائی جانور بھی، تو وہ سب کو بے ذبح کھاتے ہیں۔	۳۳۴	جھینگے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پوست بیضہ کا حکم بیضہ کا ہے۔ جالے کا جزئیہ نظر میں نہیں، مگر ظاہر ممانعت جیسے بھڑ کا چھتہ کہ دونوں ان کے تھوک سے بنے ہیں۔	۳۳۹
مچھلی کی آنت سمیت کھانے کا۔ "سوال وجواب"	۳۳۶	ملائم ہڈی کھانا جائز ہے۔	۳۴۰

كتاب الصيد		اگر حیات ثابت ہو تو کسی علامت حیات کی ضرورت نہیں، اور حیات میں شبہہ ہو تو علامات سے پتہ چلے گا۔	۳۴۵
شکار سے "سوال"	۳۴۱	حیات کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۵
شکار کھیل و تفریح کی غرض سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔	۳۴۱	مدارک اور معالم سے موقوذہ کا بیان۔	۳۴۶
علامات تفریح کا بیان۔	۳۴۱	مصنف کی تحقیق کہ بندوق کا مارا ہوا موقوذہ ہے۔	۳۴۶
ایضًا شکار سے "سوال"	۳۴۲	ایضا بندوق کے شکار کا "سوال وجواب"	۳۴۷
شکار دوا یا غذا کے لئے مباح، تفریح کے لئے حرام۔	۳۴۲	بندوق سے شکار کا ایک اور سوال۔	۳۴۸
بضرورت شکار ہونے کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۲	کتے کے پکڑے ہوئے شکار سے "سوال"	۳۴۹
مچھلی کا شکار اور کانٹے میں زندہ گھیر لگانا بضرورت جائز، تفریحا ناجائز ہے۔	۳۴۳	معلم کتے کا بیان۔	۳۴۹
زندہ گھیسا پرونا جائز اور مار کر پرونا جائز، شکار ہر دو صورت میں جائز ہے۔	۳۴۳	معلم کے ساتھ میں دوسرے غیر معلم اور غیر مسلم کے کتے نہ ہونے کی شرط۔	۳۴۹
بندوق کی گولی تیر کے حکم میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔	۳۴۳	دوسری شرط کہ کتے والے کو شروع سے آخر تک اسی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔	۳۴۹
ذبح میں آلہ کا جارح ہونا شرط ہے گولی ایسی نہیں ہوتی۔	۳۴۳	شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے کی کل چودہ شرطیں ہیں۔	۳۴۹
شامی کی تشریح کہ اس میں خرق و قطع نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کوئی گولی ایسی بنائی جائے جس میں دھار ہو تب بھی یہ یقین نہیں کہ جانور دھار سے ہی قطع ہوا۔	۳۴۳	شکار میں ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے۔ تو ذبح ضروری ہے۔	۳۵۱
ہدایہ سے مسئلہ کی تشریح۔	۳۴۴	دانت لگنے سے شکار کے ناپاک ہونے کا خیال غلط ہے۔	۳۵۱
بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور میں اگر حیات ہو اور ذبح کرلیا جائے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔	۳۴۵	اوّلاً شکار کے وقت کتا غصہ میں ہوتا ہے۔ غصہ کی حالت میں کتے کا لعاب خشک ہوجاتا ہے۔ ثانیا خون بھی ناپاک ہے زخمی ہونے کے بعد جس کا نکلنا ضروری ہے۔	۳۵۱

کتاب الاضحیۃ		در مختار اور علامہ رحمتی کا جزئیہ۔	۳۵۸
ہلال عید الاضحیٰ کے بعد ناخن اور بال ترشوانے کا "سوال"	۳۵۳	مطلع شمس ہر تین ۳ میل پر بدلتا ہے اور مطلع قمر بہتر ۷۲ میل پر۔	۳۵۸
عشرہ ذوالحجہ میں ناخن، بال وغیرہ نہ ترشوانے کا حکم استحبابی ہے۔	۳۵۳	انتیس کی ثبوت رؤیت کے اعتبار سے تیرھویں کی قربانی کے گوشت کی رقم صدقہ کرنے کا حکم وجوبی ہوگا۔	۳۶۰
اگر کسی وجہ سے چالیس دن ہوگئے ہوں تو عشرہ ذوالحجہ میں ہی کٹوائے کہ چالیس دن سے زیادہ تک نہ کٹوانا گناہ ہے۔ مستحب کے لئے گناہ نہیں کیا جاسکتا۔	۳۵۳	رؤیت ہلال کے بارے میں اخبار کی خبر کا "سوال وجواب"	۳۶۰
قربانی کے وقت کا "سوال"	۳۵۴	رامپور اور بریلی کے مطالع اور ان کے فرق کا بیان۔	۳۶۰
بارہ ذوالحجہ تک قربانی جائز ہے تیرھویں کو نہیں۔	۳۵۴	گھروں میں جتنے آدمیوں کے نام قربانی واجب تھی کچھ کی طرف سے قربانی نہ ہوسکی تو بقیہ لوگ اپنے اپنے حصہ کی قربانی کی قیمت صدقہ کریں۔	۳۶۱
ایک جگہ ذوالحجہ کی رؤیت تیس کے حساب سے ہوئی، اور دوسری جگہ انتیس کے حساب سے تیس والوں نے قربانی اپنے حساب سے آخری دن کی، اگر انتیس والوں کی خبر تیس والوں کے یہاں بے ثبوت شرعی پہنچی تو ان کی قربانی ہوگئی اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط کیا کہ سب سے مفضول ہے۔ اور انتیس کا احتمال ہونے کی صورت میں محتمل دن قربانی کی ان کے لئے احتیاطا یہ حکم ہوگا کہ جتنا گوشت اپنے اور احباب کے صرفہ میں لائے اتنے کی زندہ جانور کی قیمت صدقہ کریں۔	۳۵۵	چند مکان سکونت سے زائد ہوں تو قربانی واجب ہے یا نہیں۔	۳۶۱
قہستانی اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۳۵۶	حاجت سے زائد مکان کی نقد قیمت مقدار نصاب پر ہو تو قربانی واجب ہے۔ مکان چند ہوں یا ایک اور ان کو کرایہ پر چلاتا ہو یا چھوڑ رکھا ہو۔	۳۶۱
اگر بطریق موجب شرعی ثبوت ہلال ہوگیا تو یہاں کے لئے بھی تیس کی رؤیت ہوئی۔	۳۵۷	صاحب نصاب پر لازم آنیوالے حقوق کی تفصیل۔	۳۶۲
دربارہ عید الاضحیٰ علامہ شامی اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔	۳۵۸		

خزانہ میں زعفرانی کے اس قول کو مقدم کیا کہ اعتبار قیمت کا ہے۔	۳۶۳	قرض مردہ والے پر بھی زکوٰۃ وقربانی نہیں۔	۳۶۹
ہندیہ اور بزازیہ سے تائید مزید۔	۳۶۳	گھر کا مالک قربانی کرے تو گھر بھر کی طرف سے ہوجائے گی یا نہیں۔	۳۶۹
متون وشروح کی کثیر روایات سے یہی ثابت ہے۔	۳۶۳	ایک قربانی سب گھر والوں کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔	۳۶۹
ہدایہ سے ضرورت اصلیہ کی توضیح۔	۳۶۳	اور مالک نصاب کے علاوہ کسی پر قربانی واجب نہیں۔	۳۶۹
مسئلہ میں اختلاف متاخرین کی طرف سے ہے مگر جو ہم نے ذکر کیا وہی احوط ہے۔	۳۶۴	نفلی قربانی کا بھی یہی حکم ہے کہ ایک چند کی طرف سے نہیں ہوسکتی البتہ کرنے والا اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچا سکتا ہے۔	۳۶۹
مختلف کتب فقہ سے ان عبارتوں کی تخریج جن میں ایسے شخص کے لئے اخذ زکوٰۃ جائز رکھا ہے۔	۳۶۴	وجوب قربانی کے لئے مقدار نصاب سے چاندی یا سونا دیگر مال اسی قیمت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔	۳۶۹
مصنف کی تطبیق کہ دونوں حکم علیحدہ علیحدہ ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں زکوٰۃ لے سکتا ہے اور قربانی اس پر واجب ہوگی۔	۳۶۵	مالک نصاب ہونے کے لئے حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک ہونا ضروری ہے۔	۳۷۰
نصاب صدقہ فطر اور قربانی کا "سوال"	۳۶۶	کاشتکار کے ہل بیل، حاجت اصلیہ میں ہیں۔	۳۷۰
جس شخص کے پاس پچاس روپیہ کا طلائی اور بیس روپیہ کا نقرئی زیور ہے۔ دونوں ملاکر وہ نصاب ہے زکوٰۃ فطرہ قربانی سب اس پر واجب ہے۔	۳۶۷	یہ امر خلاف واقعہ ہے کہ ہزار روپے ماہوار آمدنی والا قربانی کے دن چھپن روپے کا مالک نہ ہو، بااں ہمہ ایسا ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں۔	۳۷۰
جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو اس پر زکوٰۃ فطرہ اور قربانی کچھ نہیں۔	۲۶۷	وہ جس پر قربانی واجب ہے اگر پاس نقد نہ ہو تو ادھار لے یا اپنا کوئی مال بیچے۔	۳۷۰
نابالغ مالک نصاب پر نہ خود زکوٰۃ وقربانی نہ اس کی طرف سے اولیاء پر۔	۳۶۹	جس بکری کو قربانی کے لئے خریدا، دودھ والی یا گابھن دیکھ کر اس کے عوض میں دوسری کرنا، اور اس کے دودھ وغیرہ کے انتظام کے متعلق "سوال"	۳۷۰

صاحب نصاب کے لئے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا پالنا یا بیچنا اور اس کا دودھ پینا روا ہے۔	۳۷۱	مختصر جواب اور صورت مسئولہ کا حکم۔	۳۷۷
گابھن یا دودھ والی بکری کی قربانی ہو تو جاتی ہے لیکن ناپسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔	۳۷۱	قربانی کے ایام کی تخفیف پر حکام کے سامنے اظہار رضامندی کا "سوال"	۳۷۷
قربانی کس کس پر واجب یا فرض ہے۔	۳۷۱	مسئلہ تطبیق فی الرکوع کی سند کا "سوال"	۳۷۷
غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی موقوف کرنا کیسا ہے۔	۳۷۱	غیر مقلدین کا حکم، ان کے بعض غلط مسائل کا بیان، اور خوشنودی کفار کے لئے ایام قربانی میں تخفیف پر ان کی ملامت۔	۳۷۸
قربانی صاحب نصاف پر واجب ہے اور کسی کی خوشنودی کے لئے بند کرنا حرام ہے۔	۳۷۱	شہر اور قریہ میں قربانی کے اوقات اور اہل شہر کی اپنی قربانیاں دیہات میں بھیجنے سے "سوال"	۳۷۸
مال شرکت سے شرکاء کی اجازت سے قربانی کرنے سے "سوال"	۳۷۲	شہری دیہاتیوں کی طرف سے بھی قربانی قبل نماز عید ممنوع۔	۳۷۹
نصاب سے کم مال رکھنے والے کی قربانی سے "سوال"	۳۷۲	شہر سے دیہات میں قربانی بھیجنے کی ترکیب اور فنائے مصر وغیرہ کا بیان۔	۳۷۹
نصاب سے کم مال رکھنے پر قربانی واجب نہیں، کرلے تو ہو جائے گی۔	۳۷۲	دیہات میں قربانی واجب ہونے اور نہ ہونے کا "سوال وجواب"۔	۳۸۰
ایسے شخص نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اسی کی قربانی واجب ہوگئی بدلنا جائز نہیں۔	۳۷۲	○ **هادی الاضحیه بالشاة الهندية**	۳۸۱
مال مشترک سے کسی ایک شریک کے نام سب کی اجازت سے قربانی ہو جائے گی۔	۳۷۲	بھیڑ کی قربانی جائز یا ناجائز ہونے کا "سوال"	۳۸۱
مسئلہ شرکت کی تفصیل اور اس کی پانچوں قسموں کا بیان۔	۲۷۳	اس سلسلہ میں کسی مولوی صاحب کے عدم جواز کے فتوے کی نقل۔	۳۸۲
ہر صورت کی علیحدہ علیحدہ تفصیل، سب کا حکم اور کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا جزئیہ۔	۳۷۳	مصنف علیہ الرحمۃ کا جواب اور فتوائے عدم جواز کا رد۔	۲۹۳
		اصل حکم کہ یہ جانور بہیمہ انعام میں سے ہے اور بکری کی ہی ایک قسم ہے اور اس کی قربانی باجماع اہل اسلام جائز ہے۔	۳۹۴

اس مسئلہ میں اہل اسلام کا تواتر ثابت ہے۔ اور کسی ایک آدمی کو بھی اختلاف یا شک نہیں۔	۳۹۴	جس کو بھیڑ کے بہیمۃ الانعام ہونے میں شبہ ہو وہ بھیڑ کی نوع متعین کرے کہ وہ جانور کی کس قسم میں ہے۔	۳۹۶
سب کو گمراہ اور گمراہ گر قرار دینا سرکشی ہے واضح مسائل کا انکار کرنے والوں کا جواب خاموشی ہے۔	۳۹۴	تنبیہ نمبر ۲	۳۹۷
منازع کو خاموش اور غافلوں کی تنبیہ کے لئے ہم نے یہ تحریر لکھی۔	۳۹۴	انعام کی تقسیم کہ آیت قرآن میں حمولۃ سے مراد اونٹ اور بیل، اور فرشا سے مراد بکری اور بھیڑ ہے۔ اور آیت اولیٰ سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ انعام قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
قارئین سے گزارش کہ جلدی نہ کریں، پوری تحریر پڑھ کر فیصلہ کریں۔	۳۹۵	تنبیہ نمبر ۳	۳۹۷
تنبیہ نمبر۱	۳۹۵	یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ غنم قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ پھر بھی میں پوری جدوجہد کروں گا۔	۳۹۵	بھیڑ کا غنم کی نوع ہونا بھی طے شدہ امر ہے۔	۳۹۷
آیات قرانی سے ثابت ہے کہ قربانی صرف بہیمۃ الانعام کی جائز ہوگی۔	۳۹۵	شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونے کا ثبوت۔	۳۹۷
بھیڑ یقینا بہیمۃ الانعام میں سے ہے۔	۳۹۶	تنبیہ نمبر ۴	۳۹۷
معالم التنزیل سے بہیمۃ الانعام کی توضیح اور تفسیر۔	۳۹۶	ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے۔ اور جس کو بھی عربی وفارسی واردو پر عبور ہوجاتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔	۳۹۷
گھوڑا، خچر، گدھا بہیمۃ الانعام سے نہیں۔	۳۹۶	ترجمہ رفیعیہ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ، ذخیرہ عقبیٰ، صحاح، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب رشیدی وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت۔	۳۹۸
مصباح سے بہیمۃ الانعام کی تصریح۔	۳۹۶	اب صورت یہی رہ گئی ہے کہ ایک بھیڑ لے کر تینوں ملک میں پھرا جائے، اور ایک ایک سے پوچھا جائے یہ کون جانور ہے۔	۳۹۸

تنبیہ نمبر ۵	۴۰۰	دونوں میں تیرہ چیزوں میں فرق کا بیان۔	۴۰۳
اس بات پر دلیل تنویری کہ مذکورہ بالا طریقہ ہی اس بات کے حل کا آخری ذریعہ ہے۔	۴۰۰	بھینس کی قربانی خلاف قیاس جائز ہے۔	۴۰۳
تنبیہ نمبر ۶	۴۰۰	عرفاً گائے اور بھینس میں فرق ہونے کا بیان۔	۴۰۴
یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ قربانی میں بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ اور بھیڑ کو بکری کے ساتھ لاحق نہیں کرسکتے۔	۴۰۰	گائے اور بھینس میں صرف اعضاء میں اتحاد ہے، یہ اتحاد تو گھوڑے اور گدھے میں بھی ہے لیکن یہ دونوں مبائن نوعیں ہیں۔	۴۰۴
قربانی کا مسئلہ ہی غیر قیاسی ہے۔ تو اس میں کسی کو کسی کے ساتھ لاحق کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔	۴۰۰	گائے اور بھینس کے اعضاء میں بھی فرق کا بیان۔	۴۰۴
علامہ اتقانی، عینی، اور طوری کا بیان کہ اراقۃ الدم کا عبادت ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اپنے مورد پر مقصور ہوگا۔	۴۰۱	ہندی بھیڑ عربی مینڈھے کے ساتھ ملحق ہونے کی بھینس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔	۴۰۴
وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں۔	۴۰۱	بھیڑ اور دنبہ کے تشابہ کا بیان۔	۴۰۵
بھینس بقر کی ایک نوع ہے اس لئے لفظ بقر اس کو شامل ہے، الحاق کی ضرورت نہیں۔	۴۰۱	بھیڑ اور دنبے میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی دم چوڑی اور دوسرے کی گول ہوتی ہے۔	۴۰۵
اگر کنز کے لفظ "الجاموس کالبقر" سے شبہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے "البخت کالاعراب"	۴۰۲	بعض علاقوں کے انسانوں، اونٹوں، دنبوں کے درمیان بعض اعضاء میں اختلاف کا بیان۔	۴۰۵
خود مجیب اول نے شامی، مفاتیح اور اشعۃ سے ایسے اقوال نقل کئے ہیں کہ یہ بقر کی ہی ایک نوع ہے۔	۴۰۲	جب ایک نوع کے دو افراد میں ان اعضاء میں عدم وجود میں یہ اختلاف ہے تو پھر بھیڑ اور دنبہ کی دم چوڑی اور گول ہونے کی بنیاد پر انھیں دو نوعیں شمار کرنا سخت غلطی ہے۔	۴۰۶
مجیب اول نے جان بوجھ کر بھینس کو ایک الگ نوع اور بقر کا مقابل قرار دیا۔	۴۰۳	تنبیہ نمبر ۷	۴۰۶
اگر لاحق کرنے کی ہی بات ہوتی تب بھینس اور گائے میں غیر معمولی فرق ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کرنا عقلاً جائز ہی نہیں ہوتا۔	۴۰۳	جملہ اہل تفسیر، اہلحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں ضان اور معز۔	۴۰۶

کفایۃ الراضی، مجمع بحارالانوار، مرقاۃ، شرح الکنز، قاموس، مختار الصحاح، ذخیرہ العقبٰی، غیاث کی عبارت سے اس کا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جس کو ضان کہتے ہیں فارسی میں اس کو میش۔	۴۰۷	یہ سوچنا غلط ہے کہ مسئلہ مبحوثہ میں بھی بعض مشارکات سے ہی تمیز مطلوب ہے۔	۴۱۰
شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید۔	۴۰۸	شیخ کی عبارت میں ایسے حکم کا بیان ہے جو ضان کے ساتھ خاص ہے تو لفظ میش سے اس کی تفسیر تفسیر بالاعم ہو ہی نہیں سکتی۔	۴۱۰
جب غنم کی دو ہی قسمیں ہیں تو جو (بز) بکری نہ ہو لامحالہ (ضان) دنبہ میں داخل ہے۔	۴۰۸	تنبیہ نمبر ۱۰۔	۴۱۰
اس جانور کا انعام میں ہونا متفق علیہ ہے اور انعام صرف چار ہی ہیں۔	۴۰۸	جو استدلال اطلاقات کی بنیاد پر ہو اس کو احتمال کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔	۴۱۰
یہ جانور ابل اور بقر سے تو ہے نہیں، لامحالہ یہ ضان ہوگا یا معز معز تو نہیں کہ وہ بال والا ہے۔ اور یہ اون والا تو لامحالہ ضان ہی ہوگا۔	۴۰۹	امام ابن ہمام نے بنت زنا کی حرمت کی دلیل یہی دی کہ وہ لغۃً بنت ہے اور اس لفظ کا اس معنی میں منقول ہونا ثابت نہیں۔	۴۱۰
اس شبہ کا جواب کہ دنبہ اور بھیڑ میں چکتی کا فرق ہے۔	۴۰۹	تنبیہ نمبر ۱۱	۴۱۱
تنبیہ نمبر ۸۔	۴۰۹	علمائے تفسیر وحدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	۴۱۱
مجیب کی تدقیق کا مدار اس پر ہے کہ فرق کی بنیاد چکتی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔	۴۰۹	مذکورہ بالا علوم کی کتابوں سے مسئلہ بالا پر حوالے۔	۴۱۱
اگر اس کو بنیادی فرق مانا جائے تو غنم کی دو کے بجائے تین نوعیں ہونگی۔	۴۱۰	امام احمد کی روایت کہ وہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اس کی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر وصوف کا ہے۔	۴۱۲
تنبیہ نمبر ۹۔	۴۱۰	تنبیہ سابع میں گزری ہوئی نو نصوص کا مآل بھی یہی ہے کہ ان دونوں میں صرف شعر وصوف کا فرق ہے۔	۴۱۲
ضان کی تعریف میں لفظ میش وارد ہونے پر اس شبہہ کا جواب کہ جب بعض مشارکات میں تمیز منظور ہو تو لفظ اعم کے ساتھ تعریف ہوسکتی ہے۔	۴۱۰		

یہاں تک کی ۲۱ نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضان کی تفسیر میش اور ذوات الصوف ہے۔	۴۱۳
متقدمین عام کے ساتھ تعریف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کو عمدہ نہیں کہتے۔	۴۱۳
شرح مواقف اور حاشیہ تلویح سے مذکورہ بالا امر کا ثبوت	۴۱۳
علماء جس کو غیر جید بتارہے ہیں ان کی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	۴۱۴
تنبیہ نمبر ۱۲	۴۱۴
تعریف میں مساواۃ کی شرط ظاہر ہے اور بلادلیل ظاہر کے خلاف پر حمل جائز نہیں۔	۴۱۴
امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴
کسی چیز کا فی نفسہٖ جائز ہونا اور بات ہے اور کسی کلام کا اس پر محمول ہونا اور بات ہے۔	۴۱۵
تنبیہ نمبر ۱۳	۴۱۵
ہمارے نزدیک عام سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جب مراد واضح اور اس پر قرینہ ہو ورنہ تلبیس کی وجہ سے ایسی تعریف ممنوع ہے۔	۴۱۵
اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر غیر معین مسئلہ بالا کی مثال سے تفہیم۔	۴۱۵
شرعیات میں بدون قیام قرینہ اعم سے تفسیر باطل ہے۔	۴۱۶
مسئلہ کفارہ صوم سے دلیل تنویری۔	۴۱۶
امام غزی کی تحریر سے مقام تقیید میں اطلاق عام کی شناعت۔	۴۱۶
خود بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ میں اسی مجیب نے سارے عوام کو اسی تفسیر عام کی بنیاد پر گمراہ بتادیا۔	۴۱۷
مزید مسائل کی تفریع۔	۴۱۷
تنبیہ نمبر ۱۴۔	۴۱۸
تحدید کا مسئلہ نقلی ہے۔ تو امام رازی، صدر الشریعۃ، قاضی عضد الدین بیضاوی، تفتازانی، قطب الدین رازی فتاوٰی وغیرہ اکابر کی مساواۃ کی تصریح کے مقابلہ میں فاضل لاہوری کا قول کیا سند رکھتا ہے۔ وہ بھی ایسی کتاب سے جو علم نحو کی ہو۔	۴۱۸
تنبیہ نمبر ۱۵	۴۱۹
متقدمین نے جس طرح تعریف بالاعم جائز رکھی اسی طرح تعریف بالاخص بھی بلکہ مباین سے بھی۔	۴۱۹
حسن، چلپی، سید شریف، بحر العلوم کی عبارتوں سے مسئلہ بالا کی تائید۔	۴۱۹
تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میش والی تفسیر بالمساوی ہو اور الیہ والی تفسیر بالاخص۔	۴۲۰
تنبیہ نمبر ۱۶	۴۲۱
مجیب اول کے اس شبہ کا جواب کہ ضان کی تفسیر میں جن لوگوں نے ذات الصوف کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے ساتھ لفظ "من" بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذوات الصوف میں سے بعض ہے۔	۴۲۱

اوّلاً "من" کا لفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیاً یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کالفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر ۱۹	۴۲۵
یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اهل النطق"	۴۲۱	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر ۲۰	۴۲۵
تنبیہ نمبر ۱۷	۴۲۲	اگر کوئی غنم بے الیہ والی ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کے نزدیک ناجائز۔	۴۲۵
جان کی تعریف میں "من" تبعیضہ ہونیکے دوسرے قرینہ کا جواب۔	۴۲۲	اگر کسی ضان کا الیہ دم کی طرح ہو تو بالاتفاق بین الطرفین قربانی جائز ہے۔	۴۲۶
بکری کی تعریف میں "مالہ شعر" میں بعض مراد لینا اس بات کا قرینہ نہیں کہ ضان کی تعریف میں بھی "من" تبعیضہ ہی ہو کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ دو متصل جملوں کا ایک حکم ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔	۴۲۲	اجناس، خلاصہ، وجیز، خزانہ، انوار الابرار للاردبیلی شافعی کا حوالہ۔	۴۲۶
معز کی تعریف میں "ماکان ذوات الشعر" کا لفظ مساوی ہی ہے۔	۴۲۳	تو جس کے چکتی نہ ہو وہ بھی ضان ہی رہے گا۔	۴۲۶
اسی بنیاد پر گائے بیل اور بھینس سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ مقسم سے خارج ہے۔	۴۲۳	الیہ کے بغیر ضان نہ ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بکری نہ ہو اس کی قربانی ناجائز یہ مہمل بات ہوگی۔	۴۲۷
تنبیہ نمبر ۱۸	۴۲۳	تنبیہ نمبر ۲۱	۴۲۸
اس تعریف کو عموم پر حمل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔	۴۲۳	جانور میں اطراف بمنزلہ اوصاف ہیں۔	۴۲۸
جملہ اہل لسان کا یہ فیصلہ ہے کہ صوف ضان کے ساتھ خاص ہے۔	۴۲۴	جانور میں اطراف کے مقابلہ میں کوئی دام نہیں ہوتا۔	۴۲۸
		مشتری کے پاس باندی اندھی ہوگئی تو اس کے بلا اظہار عیب مرابحۃ بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸

چکتی نہ ہو تب بھی دنبہ دنبہ ہی رہے گا۔	۴۲۹	امام صاحب کے قول پر فتوٰی ہونے کی تصریح عبارات ائمہ سے۔	۴۳۲
تنبیہ نمبر ۲۲	۴۲۹	تذییل، مجیب اول کی پیش کردہ تین عبارتوں میں ذات الیہ والی تعریف نہیں۔	۴۳۳
چوڑی، موٹی، خوب چربی دار کا نام ہی چکتی نہیں۔	۴۲۹	مولانا عبدالحیٰ صاحب لکھنوی کے فتوٰی کا بیان اور ان کے اور مجیب اول کے قول میں فرق کا بیان۔	۴۳۴
چکتی میں چھوٹی بڑی ہونے کی کوئی قید نہیں۔	۴۲۹	مولانا عبدالحیٰ صاحب نے بھیڑ کے قربانی کا جانور ہونے کا انکار نہیں کیا، اس کے چھ ماہہ بچے کی قربانی منع کی۔	۴۳۴
قاموس سے چکتی کی تعریف۔	۴۳۰	مولوی صاحب موصوف کے منشاء غلط کا بیان۔	۴۳۴
یہ تعریف بھیڑ پر بھی صادق آتی ہے۔	۴۳۰	مصنف کے ایک فتوٰی کا ذکر جس کو مولانا کے کسی شاگرد کے جواب میں لکھا تھا۔	۴۳۵
چکتی کی کوئی مقدار متعین نہیں۔	۴۳۰	دعا اور ختم رسالہ۔	۴۳۵
تنبیہ نمبر ۲۳	۴۳۰	بھیڑ کے شش ماہہ بچہ کی قربانی کا سوال اور مولوی عبدالحیٰ صاحب کے فتوٰی ممانعت کا ذکر۔	۴۳۶
فقہاء نے ضان کی تین تعریفیں کیں، ذات الصوف، ذات الیہ، خلاف المعز، اور اردو ترجمہ میش و بھیڑ۔	۴۳۱	بھیڑ کے چھ ماہہ بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۶
بیان احکام، تعریف یا ترجمہ جو کچھ ہو صرف مساوی سے ہی ہو سکتا ہے۔	۴۳۱	دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں، اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔	۴۳۶
اس لئے پانچوں الفاظ مساوی اور ہم معنی ہیں۔		شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے استدلال کہ انھوں نے ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا۔	۴۳۷
تنبیہ نمبر ۲۴	۴۳۱	فارسی لغت سے ثبوت کہ ضان اور میش ایک ہی ہے۔	۴۳۷
بھیڑ کی دم بھی الیہ کامل ہے۔ اس کا دبلی ہونا عیب نہیں لہٰذا اس کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۱	علمائے لغت و تفسیر کا حوالہ کہ انھوں نے ضان کی تفسیر اون والی بکری فرمایا۔	۴۳۷
تنبیہ نمبر ۲۵	۴۳۲	محاورات عرب اور قرآن سے دونوں کے اتحاد پر استدلال۔	۴۳۸
بھیڑ کی دم کو الیہ نہ تسلیم کیا جائے تو یہ مسئلہ طرفین کا خلافی ہوا۔ اور فتوٰی قول امام پر ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۲		

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ کہ انھوں نے بھی ضان کا ترجمہ میش کیا۔	۴۴۰	سال بھر سے کم کے بکرا بکری کی قربانی کا "سوال"	۴۴۲
بھیڑ کا ضان سے خارج مانا جائے تو انعام کی چار کے بجائے پانچ قسمیں ہوجائیں گی۔	۴۴۰	سال بھر سے کم کی نہ قربانی جائز نہ اس کی قربانی کی نیت صحیح۔	۴۴۳
نہایہ کی عبارت کی توضیح۔	۴۴۰	جس جانور کو قربانی کی نیت سے پالا اس کا بدلنا مکروہ ہے۔	۴۴۳
مولانا عبدالحیَ صاحب کی غلط فہمی کا منشاء۔	۴۴۰	خصی کی قربانی کرنے اور قربانی کرنے والے کے روزہ رکھنے کا "سوال"	۴۴۴
چکتی کی تحقیق۔	۴۴۰	خصی کی قربانی افضل ہے۔	۴۴۴
قاضی خاں کا جزئیہ کہ الیہ صغیر والے کی قربانی جائز ہے۔	۴۴۱	بقر عید کے دن اور اس کے بعد تین دن کا روزہ حرام ہے۔	۴۴۴
جانوروں بلکہ آدمیوں کے بعض اعضاء میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔	۴۴۱	پہلی سے نویں ذوالحجہ کے روزے افضل ہیں۔	۴۴۴
دو کوہان والے اونٹوں کا بیان۔	۴۴۱	سب نفلی روزوں میں عرفہ کا روزہ افضل ہے۔	۴۴۴
چینیوں، تاتاریوں، زنگیوں، زنان مغربیہ واتراک کے اعضاء میں اختلاف۔	۴۴۱	قربانی کرنے والا قربانی سے قبل کچھ نہ کھائے۔	۴۴۴
یہ سب اختلافات نوع کا سبب نہیں، تو ہندی اور عربی دنبوں میں دم کے فرق سے کیوں نوع بدلے گی۔	۴۴۱	قربانی کے گوشت میں سے پہلے کھائے مگر یہ روزہ نہیں۔	۴۴۴
چھ مہینہ کے خصی کی قربانی کا "سوال"	۴۴۲	بکری کا بچہ جو کتیا کا دودھ پی کر پلا ہو اس کی قربانی کا "سوال و جواب"	۴۴۴
صرف مینڈھے کا استثناء ہے۔	۴۴۲	آدمی کے دودھ سے پرورش پانیوالے بکری کے بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۴۴
خصی سال بھر سے کم کا جائز نہیں۔	۴۴۲		

اس مسئلہ پر بچہ کی رضاعت کے مسئلہ سے شبہ کا جواب۔	۴۴۵	خاص قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور ابھی وقت ہے تو اسی کی قربانی کریں، کم قیمت کی بدل کر قربانی کرکے بقیہ دام کا کفارہ نہ دیں کہ یہ جسارت ہے۔	۴۴۸
دوسرے کے جانوروں کو اپنے تصرف میں رکھنا اسے اپنی لڑکی کے جانور سے بدلنا اور بے سینگ کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۴۶	بہ ضرورت بائیں ہاتھ میں قرآن مجید لے کر تلاوت کرسکتے ہیں۔	۴۴۸
دوسرے کا جانور اپنے تصرف میں رکھنا غصب ہے، اس کو بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام۔ اور بدلے ہوئے جانور کی قربانی حرام۔ اس کا ذبح کرنا حرام۔ البتہ لڑکی اپنے جانور کا معاوضہ اگر باپ سے لے لے تو باپ کی طرف سے قربانی ادا ہو جائیگی۔	۴۴۶	دو گائیں مشترکہ خریدی گئیں اور چودہ حصے کئے گئے، دونوں کی الگ الگ شرکت نہ کی گئی تو دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۴۸
جانور کی عمر پوری ہو تو قربانی جائز ہے۔ چاہے عمر بھر سینگ نہ نکلے۔	۴۴۶	اس نیت سے گائے خریدنا کہ حصہ دار ملیں گے تو شریک کرینگے جائز ہے۔	۴۴۹
صاحب نصاب قربانی کا جانور کسی مجبوری کی وجہ سے بدلے اور بدلے ہوئے جانور کی قیمت کچھ زائد دینا پڑے تو ایسا کرسکتا ہے اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں پہلے خریدے ہوئے جانور کے دام پر کچھ منافع لے تو خیرات کردے۔	۴۴۷	فقراء کے گوشت میں آنت اور اوجھڑی ملا دینا بے جا ہے۔	۴۴۹
قربانی کے ایسے جانور سے "سوال" جسے کسی عذر کے سبب وقت پر ذبح نہ کرسکے، اس کے بدلے دوسری کردے۔	۴۴۷	سر، پیر سقی اور حجام کو، ایک پارچہ قصاب کو دینا کیسا ہے۔	۴۴۹
ایسے جانور سے "سوال" جسے قربانی کے لئے متعین کرکے خریدا، یا اس نیت سے کہ پسند آئی تو قربانی کردینگے۔	۴۴۷	عقیقہ ونیاز کا کھانا بھنگی کو دینا برا ہے۔	۴۴۹
قرآن عظیم بائیں ہاتھ میں لے کر تلاوت کریگا "سوال"	۴۴۷	جانور میں کتنوں کی شرکت نقصان دہ ہے۔	۴۴۹
قربانی کے لئے متعین کرکے خریدنے کی صورت میں صاحب نصاب کو جانور بدلنے کا اختیار تو ہے لیکن اس کے بدلے میں اگر اس سے کم قیمت کی قربانی کی تو بقیہ رقم فقیروں کو خیرات کریں۔	۴۴۸	قربانی میں سے فقیروں کو تہائی گوشت دینا مستحب ہے۔	۴۴۹

سقے، حجام اور قصاب کا قربانی میں کوئی حق نہیں یوں دے سکتے ہیں، اجرت میں دیا تو حرام ہوا۔	۴۴۹	غنی کے قبل از ایام قربانی نیت قربانی سے جانور خریدے ہوئے جانور کے بارے میں "سوال"	۴۵۱
نصف جانور میں تین شریک ہو سکتے ہیں چار شریک ہوگئے تو قربانی صحیح نہیں۔	۴۴۹	شہر وقریہ کی تشریح سے "سوال"	۴۵۱
ایک شریک کے قیمت نہ دینے کا "سوال"	۴۴۹	کسی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں چند کس بالغ آزاد ہیں وہاں جمعہ جائز ہے۔ تو قربانی کا کیا حکم ہے۔	۴۵۱
بیع عقد سے تمام ہوگئی اور خریدار مبیع کا مالک ہوگیا۔	۴۵۰	فقیر بہ نیت قربانی جانور خریدے تو اس جانور کی قربانی اس پر واجب ہو جاتی ہے۔	۴۵۱
ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں۔	۴۵۰	جانور فقیر کی ملک میں ہو، اور بعد میں قربانی کی نیت کی، خریدتے وقت نیت نہ تھی، بعد میں نیت کی، تو اس پر قربانی واجب نہ ہوئی۔	۴۵۱
مذکورہ صورت میں قربانی سب کی ہوگئی اور قیمت نہ دینے والا قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔	۴۵۰	مالدار پر ایک قربانی خود واجب کی، اور قربانی کی منت مانے گا تو دوسری بھی اس پر واجب ہوگی البتہ اس پر خریداری کی وجہ سے واجب نہ ہوگی۔	۴۵۱
اگر اس کی نیت خراب ہوگئی، وہ قربانی چاہتا ہی نہیں۔ تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی	۴۵۰	شہر کی صحیح تعریف اور اس امر کا بیان کہ شہر کے علاوہ مقامات پر صبح سے قربانی جائز ہے۔	۴۵۲
نفلی قربانی کرنے والا ذبح کے بعد ایک حصہ دوسرے کو منتقل نہیں کرسکتا۔	۴۵۰	قربانی کا جانور کھو جائے اور بعد ایام نحر دستیاب ہو جائے تو سب شرکاء مل کر اسے خیرات کریں، ان میں جو صاحب نصاب تھے ان پر ایام نحر میں دوسری قربانی واجب تھی، نہ کی تو گنہ گار ہوئے۔	۴۵۳
قربانی کی کھال کا "سوال"	۴۵۱	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے کا "سوال"	۴۵۳
قربانی کی کھال باقی رکھ کر اسے اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے اپنے مصرف میں لانے کی نیت سے کھال بیچی تو اس کا صدقہ واجب ہے۔ سید یا کسی اور کار خیر کے لئے بیچی تو ان کو دے سکتے ہیں۔	۴۵۱	جس کی طرف سے قربانی ہو اس کی اجازت ضروری ہے خواہ صریحی ہو خواہ عرفی۔	۴۵۳
تین حصہ کرنے کا گوشت کا حکم ہے۔	۴۵۱	عرفی اجازت کی مختلف صورتوں کا بیان اور اس مسئلہ پر در مختار کی عبارت۔	۴۵۳

چھوٹے بچوں کی طرف سے باپ پر قربانی ہے یا نہیں۔	۴۵۴	کئی مردوں کے نام سے ایک قربانی کا "سوال"	۴۵۷
ایک آدمی پر کتنی قربانی ہے۔	۴۵۴	قربانی اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ اس کا ثواب جتنوں کو پہنچایا سب کو پہنچے گا، اور ان سب نے اگر اس کی وصیت کی ہو تو سب کی طرف سے ان کے مال سے جدا جدا کی جائے۔	۴۵۷
باپ پر چھوٹے بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں مستحب ہے۔	۴۵۴	ایک جانور دو کی طرف سے قربان نہیں ہوسکتا۔	۴۵۷
ایک شخص پر ایک قربانی واجب ہے زائد جو کرے گا نفلی ہوگی۔	۴۵۴	ایک جانور میں قربانی اور عقیقہ دونوں کی نیت کا "سوال"	۴۵۷
قربانی کی کلیجی قبر میں دفن کردی تو قربانی ہوگئی کلیجی ضائع ہوگئی، اور یہ فعل ناجائز ہوا۔	۴۵۵	بڑے جانور میں سات شریک ہوسکتے ہیں کم بھی، لیکن کسی کا حصہ ایک مکمل حصہ سے کم نہ ہو، ورنہ کسی کی قربانی نہ ہوگی۔	۴۵۷
اگر ذبیحہ بنیت قربانی نہ ہو بلکہ کوئی ٹوٹکا ہو تو قربانی نہ ہوئی۔	۴۵۵	ایک بڑے جانور میں عقیقہ اور قربانی دونوں جائز ہے۔	۴۵۸
میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کی تقسیم کا وہی حکم ہے جو عام قربانی کا ہے البتہ میت کی وصیت پر کرے تو سب صدقہ کرے۔	۴۵۵	خصی کی قربانی سے "سوال"	۴۵۸
مصنف کے معمول کا ذکر۔	۴۵۶	ہر طرح کی خصی کی قربانی جائز ہے اس میں اس سے کمال پیدا ہوتا ہے۔	۴۵۸
قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینے کا سوال۔	۴۵۶	چرے ہوئے کان اور سینگ کی نوک ترشی ہوئی ہو تو قربانی جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔	۴۵۸
فقیر اپنی قربانی کا گوشت کسی حربی کو دے تو اتنی قیمت صدقہ کرے۔ اور غنی کو دے تو مستحب کے خلاف کیا۔	۴۵۶	شرقاء، خرقاء، مقابلہ مدابرہ سے حدیث کی ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔	۴۵۹
سوال مکرر۔	۴۵۶	سینگ گودے کی نوک تک ٹوٹ گیا ہو تو قربانی ناجائز ہوگی۔	۴۵۹
اوجھڑی غیر مسلم کو دینے کا "سوال"۔	۴۵۷	ٹوٹے ہوئے سینگ کا "سوال وجواب"	۴۵۹
اوجھڑی کھانے کی چیز نہیں، غیر مسلم لے جائے تو حرج نہیں، گوشت دینا جائز نہیں۔	۴۵۷		

پیدائشی کان اور دم نہ رکھنے والے جانور کی قربانی امام صاحب کے یہاں جائز اور امام محمد رحمہ اللہ کے وہاں ناجائز۔	۴۶۱	کھال سے باقی رہنے والی چیز بنا کر اپنے صرفہ میں بھی لاسکتے ہیں۔	۴۶۶
جواز کے قول کے قابل اعتماد نہ ہونے کی وجہیں۔	۴۶۲	بخاری ومسلم سے اس مضمون کی حدیثیں۔	۴۶۷
(۱) ان اکیس کتابوں کا ذکر جن میں عدم جواز پر نص، اور خلاف کا ذکر نہیں۔	۴۶۲	گوشت اور کھال کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا بھی جاسکتا ہے۔	۴۶۷
(۲) حدیث مبارک میں بھی عدم جواز مذکور ہے۔	۴۶۴	گوشت یا کھال بعینہٖ یا اس کی کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء اس سے خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہے۔	۴۶۷
(۳) جب مقطوع اُذن جائز نہیں تو بے اذن کیسے جائز ہوگی۔	۴۶۴	اس کے لئے تملیک شرط نہیں اباحت کافی ہے۔	۴۶۸
(۴) اصلی اور طاری دونوں قسم کے عیب کا حکم یکساں ہے۔	۴۶۴	یہ حکم حدیث کے لفظ اطعموا سے مستفاد ہے۔	۴۶۸
(۵) اسی میں احتیاط ہے۔	۴۶۴	اپنے اور اہل وعیال کے لئے ہلاک ہونے والی چیزوں سے بیچنا جائز نہیں کہ یہی تمول ہے۔ مصارف خیر کے لئے ایسی اشیاء سے بیچنا تمول نہیں اس لئے جائز ہے۔	۴۶۹
تہائی دم کٹی اور کان چری کی قربانی جائز ہے۔	۴۶۵	قربانی کی کھال میں صدقہ کرنے کے حکم کا مطلب تملیک نہیں بلکہ ہر مصرف خیر میں صرف کرنا ہے۔	۴۷۰
قربانی کی کھال سید، ماں، باپ، اولاد، میاں بیوی ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں صدقہ کی نیت ہو صدقہ نافلہ ہے۔ ورنہ ہدیہ ہے۔	۴۶۵	اس مسئلہ میں مولوی رشید احمد صاحب کے اختلاف کی طرف اشارہ۔	۴۷۰
قربانی کی کھال صدقہ کی نیت سے بیچ کر مسجد میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۶۶	مسئلہ بالا مکرر۔	۴۷۱
صدقہ کی نیت اور صرفہ مسجد دونوں قربت ہیں اور کھال میں قربت ہی مقصود لہٰذا جائز ہے۔	۴۶۶	کھالیں پہلے مسجد کو دی گئیں یا ان کو کار خیر کی نیت سے فروخت کرکے مسجد کے لئے دینا جائز ہے، ہاں اپنے کے لئے بیچا تو فقیر کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے۔	۴۷۱
قربانی میں قربت مقصودہ خون بہانا ہے۔ اسی لئے گوشت وغیرہ کا صدقہ واجب نہ ہوا۔	۴۶۶	سوال وجواب متعلقہ مسئلہ بالا۔	۴۷۲
مصارف قربانی کے بیان کی ایک حدیث۔	۴۶۶	حدیث نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفسیر از امام زیلعی۔	۴۷۵

حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کا محمل صحیح۔	۴۷۵	قربانی کی کھال اپنا حق سمجھ کر زبردستی وصول کرنیوالے امام، اس کی مدد کرنے والے عوام، اس کے موافق فیصلہ کرنے والے اور حشر کی باز پرس کا ذمہ لینے والے مولوی سے متعلق "سوال"	۴۸۱
قربانی کی کھال کی عدم تملیک سے متعلق مسلسل تین "سوال و جواب"	۴۷۶	قربانی کی کھال کے جائز مصارف کا بیان۔	۴۸۲
کانجی ہاؤس کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۷۷	یہ کہنا غلط ہے کہ ایک کھال یا اس کی قیمت دو فقیروں کو نہیں دی جاسکتی۔	۴۸۳
کانجی ہاؤس کی راس خریدنا جائز نہیں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔	۴۷۷	جو امام جبرا وصول کرنے کو جائز کہے یا جو اس کی مدد کرے دونوں ظالم اور گنہ گار ہیں اور حشر کی باز پرس کو ہلکا سمجھنا کفر ہے۔	۴۸۳
کانجی ہاؤس کی نیلامی بیع فضولی ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔	۴۷۷	ایسے امام کو نہ دینے والے کو جس نے بددعا دی وہ خود ہی مستحق عذاب الٰہی ہوا۔	۴۸۳
کچہری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہو اور زائد مالک کو دیا اور اس نے لے لیا تو اجازت ہو گئی اور خریدار جانور کا مالک ہو گیا اور قربانی جائز ہو گی۔	۴۷۷	قربانی کی کھال کے مصارف کا "سوال وجواب"	۴۸۳
بلا استحقاق ازراہ اعانت صاحب نصاب یا فقراء کو قربانی کی کھال دینا۔ یا سید کو دینا اور اس صرفہ میں لانا۔	۴۷۸	مسئلہ کے متعلق دو صاحبوں کے اختلاف کا منصفانہ فیصلہ۔	۴۸۸
کھال کو بعینہٖ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔	۴۷۸	سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے گودا ٹوٹے تو قربانی منع ہے۔	۴۸۸
قربانی کی کھال سادات کو دے سکتا ہے مالدار کو دے سکتا ہے۔ امام کو بھی دے سکتا ہے	۴۷۸	قربانی کی کھال مسجد ومدرسہ میں صرف کرنے کا "سوال و جواب"	۴۸۸
اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے الصافیۃ الموحیۃ کا حوالہ اور سید کو زکوۃ دینے کے لئے الزھر الباسم کا حوالہ۔	۴۷۸	قربانی کی کھال معلم کی تنخواہ، مدرسہ کی تعمیر اور طلبہ کی کتاب وغیرہ میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۹۱
مسئلہ بالا کا "سوال وجواب"	۴۷۹	قربانی کی کھال کے احکام۔	۴۹۱

(۱) باقی رکھ کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔ حدیث شریف کے لفظ ادخروا سے استدلال۔	۴۹۱	(۱۴) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶
(۲) ایسی چیزوں سے بدل سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہوں۔	۴۹۱	سود حرام ہے۔	۴۹۶
(۳) اپنے لئے داموں سے بیچ نہیں سکتے، بیچی تو صدقہ کریں۔	۴۹۱	جو عمارت مدرسہ پر وقف کی اس کا کرایہ تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۹۶
اس دام سے باقی رہنے والی چیز بھی خریدنا جائز نہیں، تصدق ہی ضروری ہے۔	۴۹۲	(۱۵) کتابوں سے بدل کر کتاب طلبہ کو دے سکتے ہیں۔	۴۹۶
(۴) خرچ ہونیوالی چیزوں سے اپنے لئے بدلنا جائز نہیں اس کی قیمت صدقہ کریں۔	۴۹۲	قربانی کی کھال کی قیمت تنخواہ مدرسین میں دینے کا "سوال وجواب"	۴۹۶
(۵) باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اس کو کرایہ پر نہیں دے سکتے۔	۴۹۳	چرم قربانی کی رقم تنخواہ مدرسین میں دینے پر اعتراض کہ وہ اپنی اجرت میں دیتا ہے جو زکوۃ سے ادا نہیں کی جاسکتی۔	۴۹۶
(۶) اپنے اوپر آتے ہوئے مطالبہ میں نہیں دے سکتے۔	۴۹۳	زکوۃ اور چرم قربانی میں فرق کا بیان اور رسالہ "الصافیہ" کا حوالہ۔	۴۹۸
(۷) اپنی زکوۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے۔	۴۹۳	اسی مسئلہ کا ایک اور فارسی "سوال وجواب"	۴۹۸
(۸) فقیر کو دینے کے لئے داموں سے بیچ سکتے ہیں۔	۴۹۳	وہی مسئلہ مکرر۔	۵۰۰
(۹) غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں۔	۴۹۴	قربانی عقیقہ کی کھال اپنے مصرف میں بیچ کر صرف کرنے کا "سوال وجواب"	۵۰۱
(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں (حدیث شریف حضرت نبیشہ ہذلی)	۴۹۴	چرم قربانی کی رقم براہ راست مسجد میں صرف ہوسکتی ہے تملیک فقیر ضروری نہیں ہے۔	۵۰۲
(۱۱) ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں (حدیث مذکور)	۴۹۵	جس چرم کو اپنے مصرف کے لئے بیچا اس کا تصدق ضروری ہے وہ مسجد میں نہیں لگ سکتی۔	۵۰۲
(۱۲) کار قربت میں دینے کی نیت سے بیچنا بھی جائز ہے	۴۹۵	چرم قربانی کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر کتب خانہ میں رکھنے کا "سوال وجواب"	۵۰۳
(۱۳) تعلیم میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶	چرم قربانی کی رقم دینی انجمن میں لگانا جائز ہے مگر یہ تحقیق ضروری ہے کہ واقعۃً وہ انجمن اہل سنت وجماعت کی ہے۔ آج کل اظہار مقاصد کے الفاظ بڑے دل خوش کن ہوتے ہیں۔	۵۰۳

وہی سوال مکرر۔	۵۰۳	اگر چرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تو اسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم کھانا پکواکر محرم میں بھوکوں کو کھلانا بہت خوب اور کار ثواب ہے اور امامین کریمین کو اس کا ایصال ثواب بھی ہوسکتا ہے یہ ان کی نذر ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی میں مطلقًا تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰
مصنف کی طرف سے اس امر کی وضاحت کہ میں خود صدقہ و زکوۃ نہیں لیتا، جو احباب ایسی رقم بھیجتے ہیں وہ ان کی رائے کے موافق انھیں مصارف خیر میں خرچ کردی جاتی ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی کا استعمال مالدار کو بھی مباح ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم سے سلطان ترکی کی مدد کا "سوال"	۵۰۵	چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع ہے جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم خاص فقراء کا حق نہیں اس وقت سلطان ترکی کی مدد بڑی ضروری ہے اس لئے اس میں دیا جائے۔	۵۰۵	امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱
مخلوط تعلیم کے مدرسہ میں چرم قربانی صرف کرنے کا "سوال"	۵۰۶	چرم قربانی کا مصرف نہ تو صرف کار خیر ہے نہ کوئی ایسی بات پیدا ہوئی جس سے تصدق واجب ہو۔	۵۱۱
ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں، اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مدرسہ میں خرچ ہوسکے تو جائز ہے۔	۵۰۶	اپنے لئے بیچا تو تمول ہوا، لہٰذا اس کا صدقہ واجب ہوا۔	۵۱۱
چرم قربانی سے اس مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال و جواب"۔	۵۰۷	قربانی کا اصل مقصد خون بہانا ہے تصدق نہیں۔	۵۱۱
○الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة۔	۵۰۹	جب تک خون نہ بہہ لے اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۵۱۱
چرم قربانی کی رقم ایسے مصارف خیر میں صرف کرنے کا سوال جہاں تملیک نہیں ہوسکتی۔	۵۰۹	اراقۃ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲

چونکہ قربانی کے جانور ذبح کرکے خدا کی عبادت کی گئی ہے۔ اس لئے اب اس کو ثواب کے کام میں ہی صرف کیا جاسکتا ہے۔	۵۱۲	ابوداؤد سے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	۵۱۵
قربانی کو تمول کے طور پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ کار نفس ہے۔	۵۱۲	"ایتجار" کالفظ تمام کار ثواب کو عام ہے تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	۵۱۶
قربانی ہلاک ہونے والی چیز سے بدلنا مطلقاً تمول ہے۔	۵۱۲	بخاری شریف میں "ایتجروا" کے بجائے لفظ "تصدقوا" آیا ہے۔ تو ایتجار سے مراد تصدق ہی ہے۔	۵۱۶
دراہم بھی تو خرچ ہونے والے ہیں، ان سے خیرات کی نیت سے چرم قربانی کو بدلنا جائز ہے تمول نہیں۔	۵۱۳	بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، تو صدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ، نافلہ ہی مراد ہوگا۔	۵۱۶
چرم قربانی اپنے لئے بیچے تب بھی تمول ہے اور خبث ہے اور اس کا صدقہ واجب ہے۔	۵۱۳	اس اصول فقہی کی بحث کہ حادثہ اور حکم ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔	۵۱۶
تمول کے طور پر حاصل کی ہوئی رقم کا تصدق ازالہ خبث کے لئے واجب ہے۔ حصول ثواب کے لئے نہیں۔	۵۱۳	یہ حکم مطلقاً ضروری نہیں، جہاں دونوں میں تنافی ہو وہاں ایسا کیا جائے گا، اور تنافی نہ ہو تو مطلق کو مطلق ہی رکھا جائے گا۔	۵۱۷
کسی نے ایسے صدقہ سے امید ثواب کی تو ڈبل گناہ ہوا۔	۵۱۳	دونوں کلمے اگر حکم منفی میں واقع ہوں یا اسباب متعدد میں واقع ہوں، تو ان میں تنافی نہیں اور حمل ضروری نہیں۔	۵۱۷
خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تصدق کی نیت سے چرم قربانی فروخت کرنا جائز اسی طرح دیگر امور خیر کی نیت سے بھی۔	۵۱۴	امتناع جمع بین المطلق والمقید وجوب حمل المطلق علی المقید کی مثال۔	۵۱۸
ایک سوال اور اس کا جواب۔	۵۱۴	جمع کا حکم وجوبی میں ہے جواز و استحباب میں نہیں۔	۵۱۹
ایک دوسرے عنوان کا بیان۔	۵۱۵	علامہ شامی کے ایک اعتراض کی تضعیف اور جد الممتار کا حوالہ۔	۵۲۰
قربانی میں مصرف کی تین جہتیں ہیں: کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔	۵۱۵	ایک معارضہ اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوگا کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اپنے اطلاق پر ہے اور کھلانے میں اباحت کافی ہے۔	۵۲۰

صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	ایسی بیع میں اکل وادخار مفقود ہے اور اپنی ذات کے لئے ہونے سے ایتجار بھی مفقود ہے بخلاف اس کے جو باقی رہنے والی سے بیچنے میں ادخار پایا جاتا ہے اور کار ثواب کے لئے مستہلک سے بیچنے میں گو اکل وادخار مفقود ہے لیکن ایتجار متحقق ہے تو یہ بیع جائز ہوگی۔	۵۲۶
ہدایہ سے تائید۔	۵۲۲	ایک دوسری تقریر، لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہوسکتے ہیں۔	۵۲۷
علامہ اتقانی کے کلام سے تائید۔	۵۲۳	نیز بیع مبادلۃ المال ہے مال جب ہوگا کہ اپنے لئے ہو، اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
حاکم کی روایت من باع جلد الاضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
یہ حدیث گو سندا ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	مولوی عبدالرشید صاحب کی متدل عبارت ہدایہ کی توضیح کی تائید۔	۵۲۹
اس حدیث میں مطلقاً بیع کی ممانعت نہیں ہوسکتی باتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴	علامہ اتقانی کی شرح ہدایہ سے توضیح کی تائید۔	۵۳۲
قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	۵۲۵	اس امر کا بیان کہ امور خیر کے لئے چرم قربانی کی بیع کے جواز کا فتوی ۱۲۰۵ھ تک دیتا رہا۔	۵۳۳
حدیث کے لفظ فلا اضحیۃ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	۵۲۵	۱۲۰۵ھ کے بعد اس مسئلہ میں علماء دیوبند کی طرف سے خلاف ظاہر ہوا۔	۵۳۳
بیع للتصدق بیع برائے امور خیر اکل، ادخار تو شرعا مامور ہیں، تو ان پر فلا اضحیہ لہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو مستہلک سے ہو اور اپنی ذات کے لئے ہو۔	۵۲۵	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوی کی عبارت کی تنقید۔	۵۳۵
		ہدایہ اور درمختار کی عبارتوں کی توضیح کہ مطلقاً بیع ممنوع نہیں، بروجہ تمول ممنوع ہے۔	۵۳۶

مولوی رشید احمد صاحب کی تصریح بیع بنیت تمول یا بنیت تصدق سب کا صدقہ واجب ہے۔	۵۳۶	زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحۃ کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔	۵۴۲
ان دونوں باتوں میں صاف تغایر ہے تو جو ثانی کو اول سے ثابت مانے ایسا ہی ہے کہ کوئی لااعبد ماتعبدون سے ثابت کرے کہ نماز نہ پڑھو۔	۵۳۷	مولوی عبدالحیّ صاحب کے کلام پر تنقید وہ بھی تصدق جلود اضحیہ کے لئے تملیک ضروری قرار دیتے ہیں۔	۵۴۲
مولوی رشید احمد صاحب کے اس قول کی تردید کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ صدقہ واجب ہے تو اس کو سید اور مدرسہ پر صرف نہیں کرسکتے۔	۵۳۸	تنقید مجمل، تصدق کے لئے تملیک ضروری ہونے سے جمیع کار ثواب کے لئے تملیک لازم ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
تنقید، اور کہو کہ تمول کے لئے بیع ہو تو صدقہ واجب ہے۔ تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ مطلقًا بیع ہو تو صدقہ واجب ہے تو یہ ان عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں۔	۵۳۸	پوری بات یوں کہنی چاہئے تھی کہ یہاں تصدق کا حکم ہے نہ کہ تقرب کا، اور تصدق کے لئے تملیک ضروری ہے تو استدلال میں صغرٰی کا ایک جزدب گیا اس لئے نتیجہ غلط ہوا۔	۵۴۳
مولوی عبدالرشید صاحب کے اس قول کی تردید کہ صدقہ کے لئے مطلقًا تملیک ضروری ہے چاہے بطور اباحت ہو یا بطور تملیک تام۔	۵۳۹	منشاء غلط کا بیان۔	۵۴۳
علماء نے نص کی کہ اباحت اور تملیک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔	۵۳۹	صدقہ کے اطلاقات کا بیان۔	۵۴۳
فقہاء کا ضابطہ کہ اطعام کا لفظ اباحۃ کے لئے ہے اور ایتاء کا تملیک کے لئے	۵۴۰	(۱) تملیک المال من الفقیر، یہ اطلاق زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے لئے خاص ہے اس میں اعارۃ، اباحۃ اور کفارہ داخل نہیں۔	۵۴۳
امام غزالی، امام علائی، صدرالشریعۃ اور علامہ شمس محمد اور شامی کی تصریح کہ تملیک واباحۃ الگ الگ دو تصرف ہیں۔	۵۴۰	(۲) تملیک الفقیر من المال اس میں تملیک ضروری نہیں، اس میں انتفاع استہلاک تصرف اور اباحت سب جائز ہے۔ اس معنی پر کفارہ بھی صدقات میں شامل ہے۔	۵۴۴
زین ابن نجیم وغیرہ کی تصریح کہ مباح لہ مباح کو بیع کی ملک پر خرچ کرتا ہے اور خرچ کے بعد بیع کی ملک سے نکل جاتی ہے لیکن مباح لہ کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔	۵۴۱		

مولوی رشید احمد صاحب کی غلطی کا منشا یہی ہے کہ انھوں نے کفارات واجبہ میں بھی اباحت کافی دیکھی تو کہہ دیا کہ صدقات واجبہ میں بھی مطلقاً اباحت کافی ہے۔	۵۴۵	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	۵۵۲
مولوی رشید احمد کے اس استدلال میں حد اوسط مکرر نہیں۔	۵۴۵	(۶)اس اطلاق میں غیر سے بھی قطع نظر کرلی جاتی ہے اور اپنے کو نفع پہنچانے کا نام بھی صدقہ ہونا ہے۔	۵۵۴
نقایہ کی تصریح کہ تصرف تملیک سے کفارات مستثنیٰ ہے۔	۵۴۶	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	۵۵۴
(۳)اس اطلاق میں صدقہ سے فقر کو قطع نظر کرلیا جاتا ہے تو اس میں اباحت تملیک اور مالدار وغریب سب شامل ہوتے ہیں۔	۵۴۶	فقہاء کے قول فی الاضاحی یتصدق بالثلث میں تصدق سے مراد معنی اول نہیں کہ تملیک ضروری ہو۔	۵۵۵
حدیث شریف اور شامی سے اس کی تائید۔	۵۴۷	دلیل قرآن عظیم میں اس موقع پر اطعام کا لفظ ہے جس کے لئے اباحت کافی ہے۔	۵۵۵
(۴)اس اطلاق میں نہ تملیک سے غرض نہ اباحت سے، اس میں نفع مسلمین کے لئے ہر تصرف مال داخل ہے۔ جیسے نہر اور کنویں بنوانا۔	۵۴۷	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں، اکل، ادخار اور تصدق، اسی کو کہیں "ایتجروا" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "اطعموا" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ تو تصدق کے ایسے ہی معنی مراد لینے ہوں گے جو ان سب کو عام ہو اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے، اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہوسکیں گے۔	۵۵۵
حدیث مبارک، اقوال صدر الشریعہ۔ صاحب ہدایہ خیر الدین رملی سے اس کی توضیح وتائید۔	۵۴۷	اگر صدقہ واجبہ ضروری التملیک مراد نہ ہو تو کونسا صدقہ مراد ہے۔	۵۵۶
خانیہ اور دیگر کتب فتاوٰی کے ایک جزئیے سے تائید مزید۔	۵۴۹	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
(۵)اس اطلاق میں مال کی قید سے بھی قطع نظر کرلی جاتی ہے اور مطلقاً نفع رسانی کا نام صدقہ ہوتا ہے۔	۵۵۲	اول کے علاوہ جو بھی مراد لے لیں ہم کو مضر نہیں کہ اور کسی میں تملیک ضروری نہیں۔	۵۵۷

مولوی عبدالحیٔ صاحب کے استدلال کا جواب، ہم کو ان کے اس قول سے اختلاف ہے کہ قربانی میں جہتیں صرف تین ہیں۔	۵۵۷	بکر کہتا ہے تمام حوالوں کا تعلق حج کے جانور ہدی سے ہے۔ اور یہ مسئلہ باب الاضحیہ کا ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں۔ کس کا قول درست ہے۔	۵۶۰
قدوری، حلبی، شامی، ظہیریہ سے مزید جہتوں کا بیان۔	۵۵۷	خطام کے معنی کیا ہیں۔	۵۶۱
چند اور جہتوں کا اضافہ۔	۵۵۸	زمام اور خطام کا فرق، اور خطام کے چار اطلاقات۔	۵۶۱
جب تین میں حصر پر کوئی دلیل نہیں تو ان امور خیر میں صرف کرنے کی ممانعت کے لئے الگ سے دلیل ضروری، اور وہ مفقود و تو ہمارا دعوی ثابت۔	۵۵۸	لغت، فقہ، حدیث کی ۱۲ کتابوں سے اطلاقات بالا کا ثبوت۔	۵۶۱
رسالہ کا نام اور سن تقالیف۔	۵۵۹	عمدۃ الرعایہ میں ذکر کی ہوئی خطام کی تعریف۔ کلمات اہل فن کے مطابق نہیں۔	۵۶۷
دیہات میں نماز عید سے قبل مرغ کی قربانی، قصاب کی اجرت میں چرم دینے، اور طالبعلم، مؤذن، ملاجی وغیرہ کو چرم قربانی دینے سے "سوال وجواب"	۵۶۰	عمدہ میں بخاری ومسلم کی طرف منسوب حدیث میں لفظ خطام کا اضافہ غلط ہے۔	۴۶۷
مرغ کی قربانی ناجائز ہے۔	۵۶۰	صحیح بخاری میں بدنہ کے جھول کے تصدق کی حدیث پانچ جگہ مروی ہے اور مسلم میں پانچوں حدیث ایک ہی جگہ مذکور ہیں کسی میں خطام کا لفظ نہیں۔	۵۶۷
دیہات والے جائز قربانی صبح صبح کر سکتے ہیں۔	۵۶۰	دونوں کتابوں میں مروی الفاظ حدیث کی تفصیل۔	۵۶۷
اجرت میں کھال دینا جائز نہیں۔	۵۶۰	عمدۃ الرعایۃ میں صیغہ امر کے ساتھ روایت بھی تمام روایتوں کے خلاف ہے۔	۵۶۹
مصارف چرم قربانی کا بیان۔	۵۶۰	اس امر کی بحث کہ لفظ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا صیغہ امر سے۔	۵۶۹
ایک مناظرہ کے فیصلہ کا "سوال"	۵۶۰	امام ابن حجر کی تصریح کہ روایت میں لفظ خطام نہیں ہے۔	۵۶۹
ہدایہ، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، درمختار، بدایہ اور تنقیح ضروری کے حوالہ سے زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی اور جھول صدقہ کرنا چاہئے۔	۵۶۰	ہدایہ اور کافی امام نسفی میں البتہ حدیث انھیں الفاظ میں مروی ہے جو عمدہ میں مذکور ہیں۔ تو حافظ ابن حجر کا نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔	۵۷۰

ابن ہمام کا فرمان کہ مشائخ کی ذکر کردہ دو حدیثوں کو ہم اپنی کوتاہی نگاہ کی وجہ سے نہ پاسکے۔	۵۷۰	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۲
غیر مقلد پر رد کہ ائمہ کی حدیثوں پر سلب مطلق کا دعوٰی کرتے ہیں۔	۵۷۰	حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۴
اصل بحث خطام جس کا ذکر ہوا حج کی ہدی میں ہے، قربانی کے اونٹوں میں نہیں۔	۵۷۱	حجۃ الوداع کھلی بہار کے موسم میں تھا تو یہ جھولیں سردی سے بچنے کی معمولی جھولیں نہ تھیں۔	۵۷۵
قربانی اور ہدی میں فرق ہے، یہ خاص حرم میں ہوگی، اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، اصل مقصود اراقۃ الدم میں دونوں برابر ہیں۔	۵۷۱	مصنف کی یہ تحقیق کہ یہ حج ۹/ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق چھٹی مارچ ۶۳۲ء روز جمعہ کو تھا جو اس وقت کی تعبیر تھی۔	۵۷۵
ہدایہ وبدائع وغیرہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں حدیث ہدی سے استدلال ہوا، جھول اور رسیوں کے بارے میں نہیں۔	۵۷۱	امام ابن حجر اور امام قسطلانی نے اس کو تحویل حمل کے مہینہ میں فرمایا۔	۵۷۵
ہدی کے مذکورہ جھول اور عام جانوروں کی جھول میں فرق تھا۔ وہ صرف ہدی کے اونٹوں کے لئے بنتیں اور روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتیں۔	۵۷۱	مصنف نے زیج الغ بیگی اور زیج اجد بہادر خانی سے اس دن کے نصف النہار کی تقویم نکالی۔	۵۷۶
اس کام کے لئے ان کا بنانا سنت اور تقلید واشعار کی طرح یہ بھی شعائر اللہ کی علامت ہے۔	۵۷۱	اس کے عمل کی فنی تفصیل حاشیہ میں۔	۵۷۶
اس زمانہ میں بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور خاص میں نیزہ سے خفیف زخم بھی لگاتے۔	۵۷۱	مستخرجہ تقویم کا موسم مکہ معظمہ میں نہایت معتدل ہوتا ہے تو یہ جھولیں خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں۔	۵۷۷
ان جھولوں کا بھیجنے والے کی حیثیت کے موافق ہونا مستحب ہے۔	۵۷۲	ہدی کے جانوروں کے مذکورہ نکیل بھی قربانی کی رسیوں کی طرح نہیں کہ وہ حرم تک لے جاتی ہیں۔	۵۷۸
		دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی نحر ہوتا ہے تو مہار اور جھل وقت قربانی اس کے بدن پر رہتی ہیں اور قربانی کی رسی گلے سے کھول کر ذبح کرتے ہیں تو دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔	۵۷۸

اور مطلقًا نسبت کا خیال ہو تو کھونٹا بھی صدقہ کرنا چاہئے جس سے قربانی کا جانور بندھا تھا۔	۵۷۸	عقیقہ سے جانور کی عمر سے "سوال"	۵۸۳
فتح الباری وغیرہ سے تصدق جھل کی وجہ کا بیان۔	۵۷۸	عقیقہ میں سال بھر سے کم کی بکری جائز نہیں اور اس کی عمر میں شک ہو تب بھی جائز نہیں۔	۵۸۳
مصنف کی طرف سے توضیح مزید۔	۵۷۸	مکرر "سوال وجواب"	۵۸۳
خلاصہ: آدمی اپنا سارا گھر ہی صدقہ کردے تو اور بات ہے لیکن حدیث وفقہ سے رسی کے تصدق کا حکم ثابت نہیں۔	۵۷۹	قصاب کی بات کا اعتبار نہیں۔ سال بھر میں شبہ ہو تب بھی عقیقہ نہ کریں۔	۵۸۴
باب العقیقۃ		مسائل عقیقہ سے متعلق گیارہ باتوں کا "سوال" عقیقہ کے جانور کے وہی مسائل ہیں جو قربانی کے جانور کے ہیں۔	۵۸۴
ایک جانور میں کئی بچوں کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا سب کے لئے علیحدہ علیحدہ جانور ہونا چاہئے۔	۵۸۱	عقیقہ میں گوشت بھی مثل قربانی کے تین حصہ کرنا مستحب ہے۔	۵۸۴
بڑے جانور میں سات بچے اور بکرے میں صرف ایک بچے کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔	۵۸۱	والدین بھی عقیقہ کا گوشت کھاسکتے ہیں۔	۵۸۵
چرم قربانی کا عوض اپنے پاس سے دے کر طعام عقیقہ میں ملادیا اور فقراء خویش واقارب سب کو کھلایا پتہ چلا کہ چمڑا صدقہ کرنا چاہئے۔ تو بیع فسخ کرکے چمڑہ کو اشیائے باقیہ سے بدل لیا اس کا کیا حکم ہے۔	۵۸۱	عقیقہ میں جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ مسلمان ہو، غیر مسلم دائیاں یا مرد ڈاکٹر بلانا حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی حق مقرر نہیں۔	۵۸۵
صورت مذکورہ میں پیسہ دونوں میں اس کا تھا اس لئے اس میں جو نصف کیا جائز ہوا۔ اس کو چمڑہ کی قیمت سمجھنا اس کی غلط فہمی تھی، اب جب کہ غیر مستہلک چیز سے اس کو بدل لیا تو ان چیزوں سے اس کو انتفاع جائز ہے لیکن چونکہ اس کی نیت صدقہ کرنے کی تھی اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو فقراء پر ہی صرف کرے۔	۵۸۲	عقیقہ کے پوست کا دام کرکے اپنے صرف میں لانا منع ہے۔	۵۸۵
		عقیقہ کے پوست کو قیمت میں مجرا کرنے کی تفصیل۔	۵۸۵

باب ذبح پر قادر ہو تو عقیقہ کا جانور اسی کو ذبح کرنا افضل ہے۔	۵۸۵	سرنائی، ران کافر جنائی، گوشت والدین کو کھانا، اور چیل کوؤں کو کھلانے کا "سوال"	۵۸۸
عقیقہ کی دعا۔	۵۸۵	عقیقہ کے جانور کا سرنائی کو دینے کا نہ حکم نہ ممانعت۔	۵۸۸
عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں۔ نہ توڑنا اور زمین میں دفن کرنا افضل ہے۔	۵۸۶	کافرہ کو جنائی بنانا حرام اور ان کو عقیقہ سے کچھ دینا منع ہے۔	۵۸۸
عقیقہ کا دنوں کا بیان۔	۵۸۶	عقیقہ کے گوشت کا وہی حکم ہے جو قربانی کا چیل کوؤں کو کھلانا بے معنی ہے مسکینوں کو دیں۔	۵۹۰
لڑکے کے عقیقہ کے لئے کم سے کم ایک بکرا اور دو افضل ہے۔	۵۸۶	عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنے اور کھال اور ہڈی زمین میں دفن کرنے کا "سوال"	۵۹۰
گوشت بنانے کی اجرت چرم عقیقہ کے دام میں مجرا کرسکتا ہے۔	۵۸۶	ہڈی توڑنے میں کوئی حرج نہیں دلیل وہ ہے جو منع کرے خالی ہڈی دفن کریں کھال دفن کرنا حرام ہے۔	۵۹۰
سری پائے چاہے خود کھائے چاہے سب سقا، حجام کو دے شرع میں اس کا کوئی حکم نہیں۔	۵۸۶	ماں باپ، نانی نانا کے عقیقہ کا گوش کھانے کا "سوال"	۵۹۰
مکرر "سوال وجواب"	۵۸۶	عقیقہ کا گوشت سب کھا سکتے ہیں اس کا حکم قربانی کے گوشت کا ہے۔	۵۹۰
عقود الدریہ سے مسائل کی تفصیل۔	۵۸۶	عقیقہ کی ہڈی توڑنے میں کوئی حرج نہیں نہ توڑنا بہتر۔ امام مالک کا حکم ہے، اور امام شافعی توڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہمارے مذہب میں کوئی حکم نہ ہو تو امام مالک کے مذہب کے موافق حکم ہے۔	۵۹۱
عیدالاضحیٰ کے روز عقیقہ جائز ہونے کا "سوال وجواب"	۵۸۷	عقیقہ کا گوشت والدین کے کھانے کا "سوال وجواب"	۵۹۱
بال برابر چاندی حجام کو دینے اور سری حجام اور ران بھنگن کو دینے کا سوال۔	۵۸۷	مردہ کی طرف سے عقیقہ کا "سوال"	۵۹۲
غیر مسلم کو جنائی بنانا حرام ہے حجام مالدار ہو تو چاندی اس کو دے کر برا کیا، عقیقہ ہوگیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں، جس کو چاہے دے۔	۵۸۸	مردہ کی طرف سے قربانی جائز ہے۔	۵۹۲

عقیقہ کا مرنے کے بعد ثبوت نہیں۔	۵۹۳	عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرے، اور دونوں کی علت مشترکہ جاننے، قربانی اور عقیقہ کے اشتراک اور بڑے جانور میں عقیقہ کی تعداد کا "سوال"	۵۹۴
بچہ اگر سات دن کے بعد مرا اور عقیقہ نہ ہوا تو ماں باپ اس کے شفاعت کے حقدار نہیں۔	۵۹۳	عقیقہ وقربانی میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں دونوں اراقۃ الدم لوجہ اللہ کے عموم میں شامل ہیں۔	۵۹۵
مکرر سوال وجواب۔	۵۹۳	قربانی اور عقیقہ دونوں کی شرکت ایک ساتھ جائز ہے۔	۵۹۵
بڑے جانور میں کتنے عقیقے ہوسکتے ہیں۔	۵۹۳	مردہ کا عقیقہ کا "سوال"	۵۹۵
مردے کا عقیقہ نہیں اس کی طرف سے قربانی ہے۔	۵۹۳	جو لڑکے سات دن سے قبل مرگئے ان کا عقیقہ نہیں، مگر ان کی شفاعت ہے۔ البتہ جو سات دن کے بعد مرے اور باوجود استطاعت ان کا عقیقہ نہیں کیا تو ان کی شفاعت والدین کو نہیں ملے گی۔	۵۹۶
بڑے جانور میں سات تک عقیقے ہوسکتے ہیں۔	۵۹۳	حدیث شریف الولد مرتھن بعقیقة کی توضیح وتشریح۔	۵۹۶
اس میں قربانی کی بھی شرکت ہوسکتی ہے دوسری کسی غرض کے لئے ہو تو عقیقہ ادا نہ ہوگا۔	۵۹۳	بعض کے نزدیک نابالغ بچے کی طرف سے ماں باپ پر قربانی واجب ہے وہ زندہ کے لئے ہے بعد موت لازم نہیں۔	۵۹۷
زنا کے بچہ کا عقیقہ زانی نہیں کرسکتا ماں کرسکتی ہے۔	۵۹۴		

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ		انعام کی تقسیم کہ آیت قرآن میں حمولۃ سے مراد اونٹ اور بیل، اور فرشا سے مراد بکری اور بھیڑ ہے۔ اور آیت اولٰی سے یہ ثابت ہوچکاہے کہ انعام قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
آیات قرآنی سے اشہاد کے معنی کی تائید۔	۱۶۶	**فوائد حدیثیہ**	
آیۃ لاتاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ کی تشریح تفسیر کبیر سے۔	۲۷۹	ذابح بقر اور قاطع شجر کے بارے میں جو حدیث روایت کرتے ہیں موضوع ہے۔	۲۵۰
آیہ حرمت علیکم المیتۃ کی تفسیر۔	۲۹۸	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
اس تفسیر سے مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں مسلک وہابیہ کا رد۔	۲۹۸	مصارف قربانی کے بیان کی ایک حدیث۔	۴۶۶
مدارک اور معالم سے موقوذہ کا بیان۔	۳۴۶	حدیث نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفسیر از امام زیلعی۔	۴۷۵
مصنف کی تحقیق کہ بندوق کا مارا ہوا موقوذہ ہے۔	۳۴۶	حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کا محمل صحیح۔	۴۷۵
معالم التنزیل سے بہیمۃ الانعام کی توضیح اور تفسیر۔	۳۹۶		

ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	۵۱۵	اس حدیث میں مطلقًا بیع کی ممانعت نہیں ہو سکتی بالاتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴
"ایتجار" کالفظ تمام کارثواب کو عام ہے تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	۵۱۶	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
بخاری شریف میں "ایتجروا" کے بجائے لفظ "تصدقوا" آیا ہے۔ توایتجار سے مراد تصدق ہی ہے۔	۵۱۶	عمدہ میں بخاری ومسلم کی طرف منسوب حدیث میں لفظ خطام کا اضافہ غلط ہے۔	۵۶۷
بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، توصدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ نافلہ ہی مراد ہوگا۔	۵۱۶	صحیح بخاری میں بدنہ کے جھول کے تصدق کی حدیث پانچ جگہ مروی ہے اور مسلم میں پانچوں حدیث ایک ہی جگہ مذکور ہیں کسی میں خطام کا لفظ نہیں۔	۵۶۷
ایک معارضہ اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوگا کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اطلاق پر ہے اور کھلانے میں اباحت کافی ہے۔	۵۲۰	دونوں کتابوں میں مروی الفاظ حدیث کی تفصیل۔	۵۶۷
صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	عمدۃ الرعایۃ میں صیغہ امر کے ساتھ روایت بھی تمام روایتوں کے خلاف ہے۔	۵۶۹
حاکم کی روایت من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	امام ابن حجر کی تصریح کہ روایت میں لفظ خطام نہیں ہے۔	۵۷۰
یہ حدیث گوسندا ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	ہدایہ اور کافی امام نسفی میں البتہ حدیث انھیں الفاظ میں مروی ہے جو عمدہ میں مذکور ہیں۔ تو حافظ ابن حجر کا نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔	۵۷۰

ابن ہمام کا فرمان کہ مشائخ کی ذکر کردہ دو حدیثوں کو ہم اپنی کوتاہی نگاہ کی وجہ سے نہ پاسکے۔	۵۷۰	طلب مواثبت میں طلبت کما علمت اور علمت منذ کذا افطلبت کا فرق۔	۱۳۶
حدیث شریف الولد مرتھن بعقیقة کی توضیح وتشریح۔	۵۹۶	باب طلب میں عبارات علماء کی مراد کی تعیین۔	۱۳۸
فوائد فقہیہ		شفعہ میں نہ روپیہ لے جانا ضروری ہے نہ مشتری سے اس کا ذکر ضروری، خبر سنتے ہی طلب مواثبت فی الحال ضروری ہے۔	۱۴۸
خالد نے جب بکر کی خریداری پر اس کو مبارکباد دی تو اگر وہ شفیع ہو تو بھی اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا۔	۹۸	شفعہ کھلے کافر کی جائداد میں بھی ہوسکتا ہے۔	۱۶۰
بیع یا ہبہ بالعوض کی صورت میں شفعہ لازم ہے۔	۹۹	کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا اور طلب اشہاد کو جانے کے لئے چھڑی کے بغیر چل نہ سکتا ہو تو چھڑی کے لئے گھر میں جانا تاخیر نہیں، ورنہ ضرور تاخیر ہے۔	۱۷۰
شفیع خلیط کی تعریف اور اس کے احکام۔	۱۰۵	مرور مدت سے کاشتکار کو استقرار کا حق حاصل نہیں ہوتا، زمین کیسی ہی ہو اور چاہے کتنی ہی مدت کاشت کرے۔	۱۷۹
حق شفعہ میں شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔	۱۰۷	جس صورت میں زراعت سے زمین کا نفع نقصان کچھ معلوم نہ ہو فقہاء اس کا صریح حکم نہیں لکھتے۔	۱۹۹
صرف بیع ہی سے حق شفعہ ثابت ہوجاتا ہے قبضہ کی ضرورت نہیں۔	۱۱۱	تسمیہ شرط ذبیحہ ہے اور اس کے ساتھ تکبیر سنت ہے۔	۲۱۸
احاطہ اور دروازہ واحد ہو تو "دار" واحد کہا جائے گا جو اس کے کسی جزء سے متصل ہو پورے گھر کا شفیع ہوگا۔	۱۱۲	معین ذابح وہ ہے کہ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر چھری پھیرنے میں مدد دے، ان دونوں پر تسمیہ واجب ہے۔	۲۱۸
ہبہ۔ صلہ رحمی، میراث اور وصیت کی صورت میں حق شفعہ نہیں۔	۱۱۶	ذبیحہ کا مدار رگ کٹنے پر ہے۔ ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ کا لحاظ نہیں۔	۲۱۹
دیہہ مملوکہ اور غیر مملوکہ کی تفریق۔	۱۲۰	ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ میں قول فیصل کیا ہے۔	۲۲۰

ذبح کامدار کم سے کم تین رگوں کے کٹنے پر ہے فوق العقدہ اور تحت العقدہ پر نہیں شامی سے قول فیصل کا بیان۔	۲۲۰	ایضا گھوڑے کے گوشت اور دودھ کے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے گوشت میں احتیاط قول امام میں ہے۔ جس قول میں دودھ کو حلال کہا اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ گوشت کے حرمت کی وجہ تقلیل آلہ جہاد ہے۔ اور دودھ میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔	۳۱۱
ذابح معین اور پکڑنے والے کے فرق کا بیان۔	۲۲۱	اس شبہ کا جواب کہ بعض کتابوں میں لفظ بوم کے ساتھ یوکل لفظ آیا ہے۔	۳۱۷
ذبیحہ کے اجزائے ممنوعہ سے "سوال"	۲۳۴	یہ روایتیں قاعدہ کلیہ فقہیہ اور مشاہدات کے معارض نہیں ہوسکتیں۔	۳۱۷
کس کس کا ذبیحہ جائز ہے۔	۲۴۲	چمگادڑ کی حلت وحرمت میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے۔	۳۱۸
معین ذابح کی تشریح۔	۲۴۴	دانہ خور کوے کو غراب الزرع کہتے ہیں، جو چھوٹا سیاہ اور اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ اس میں وہ پہاڑی کوا بھی داخل ہو جو بڑا اور بالکل سیاہ ہوتا ہے۔	۳۱۹
خاص ذبح کی مختلف اضافتوں کا حدیث سے ثبوت۔	۲۷۱	جمع کرکے کھانیوالے کو عقعق کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۳۲۰
درمختار اور شامی سے ذبح کی جائز اضافتوں کی نصوص۔	۲۷۳	خرگوش کے پنجے ہی ہوتا وہی حلال ہے۔ کھروالا خرگوش دنیا کے پردے پر نہیں۔	۳۲۲
دیانات اور معاملات میں فرق اور ہندیہ سے اس کی مثال۔	۲۸۳	غیر مسلم کے ہاتھ کی پکڑی ہوئی مچھلی جائز ہے کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں۔	۳۲۳
وجیز کردری میں رگ کے سلسلہ میں قطع کا لفظ ہے۔ قطع اور ہے سوراخ کرنا اور ہے۔	۳۰۰	مصنف کی تحقیق کہ جریث اور مارماہی دو علیحدہ علیحدہ مچھلیاں ہیں۔	۳۲۵
گھوڑے کا گوشت صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام صاحب مکروہ فرماتے ہیں۔ کراہت تحریمی ہے۔	۳۱۰	ذبح کی حکمت دم مسفوح کا نکالنا ہے۔ ٹڈی اور مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہوتا لہٰذا ذبح نہیں۔	۳۳۴

ہمارے نزدیک یہی دو جانور بے ذبح جائز، شوافع کے نزدیک باقی دریائی جانور بھی، تو وہ سب کو بے ذبح کھاتے ہیں۔	۳۳۴	دربارہ عیدالاضحیٰ علامہ شامی اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔	۳۵۸
مصنف کی تحقیق کہ ہمارے یہاں مچھلی کے علاوہ سب حرام ہیں، تو جن کے یہاں جھینگا مچھلی ہے حرام نہیں، اور جن کے وہاں مچھلی نہیں حرام ہے۔	۳۳۶	ہدایہ سے ضرورت اصلیہ کی توضیح۔	۳۶۳
بضرورت شکار ہونے کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۲	وجوب قربانی کے لئے مقدار نصاب چاندی یا سونا دیگر مال اسی قیمت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔	۳۶۹
بندوق کی گولی تیر کے حکم میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔	۳۴۳	مالک نصاب ہونے کے لئے حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک ہونا ضروری ہے۔	۳۷۰
ذبح میں آلہ کا جارح ہونا شرط ہے گولی ایسی نہیں ہوتی۔	۳۴۳	کاشتکار کے ہل بیل، حاجت اصلیہ میں ہیں۔	۳۷۰
شامی کی تشریح کہ اس میں خرق وقطع نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کوئی گولی ایسی بنائی جائے جس میں دھار ہو تب بھی یہ یقین نہیں کہ جانور دھار سے ہی قطع ہوا۔	۳۴۳	قربانی کس کس پر واجب یا فرض ہے۔	۳۷۱
حیات کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۵	یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ غنم قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
معلم کتے کا بیان۔	۳۴۹	بھیڑ کا غنم کی نوع ہونا بھی طے شدہ امر ہے۔	۳۹۷
شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے کی کل چودہ شرطیں ہیں۔	۳۴۹	یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ قربانی میں بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ اور بھیڑ کو بکری کے ساتھ لاحق نہیں کرسکتے۔	۴۰۰
شکار میں ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے۔ تو ذبح ضروری ہے۔	۳۵۱	وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں۔	۴۰۱
دانت لگنے سے شکار کے ناپاک ہونے کا خیال غلط ہے۔	۳۵۱	بھینس کی قربانی خلاف قیاس جائز ہے۔	۴۰۳
		جب غنم کی دو ہی قسمیں ہیں تو جو (بز) بکری نہ ہو لامحالہ (ضان) دنبہ میں داخل ہے۔	۴۰۸

اس جانور کا انعام میں ہونا متفق علیہ ہے اور انعام صرف چار ہی ہیں۔	۴۰۸	تمول کے طور پر حاصل کی ہوئی رقم کا تصدق ازالہ خبث کے لئے واجب ہے۔ حصول ثواب کے لئے نہیں۔	۵۱۳
شہر کی صحیح تعریف اور اس امر کا بیان کہ شہر کے علاوہ مقامات پر صبح سے قربانی جائز ہے۔	۴۵۲	کسی نے ایسے صدقہ سے امید ثواب کی تو ڈبل گناہ ہوا۔	۵۱۳
شرقاء، خرقاء، مقابلہ مدابرہ سے حدیث کی ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔	۴۵۹	خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تصدق کی نیت سے چرم قربانی فروخت کرنا جائز اسی طرح دیگر امور خیر کی نیت سے بھی۔	۵۱۴
قربانی کی کھال میں صدقہ کرنے کے حکم کا مطلب تملیک نہیں بلکہ ہر مصرف خیر میں صرف کرنا ہے۔	۴۷۰	قربانی میں مصرف کی تین جہتیں ہیں: کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔	۵۱۵
قربانی کی کھال کے احکام۔	۴۹۱	صدقہ کے اطلاقات کا بیان۔	۵۴۳
چرم قربانی میں مطلقًا تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں، اکل، ادخار اور تصدق، اسی کو کہیں "**ایتجروا**" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "**اطعموا**" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ تو تصدق کے ایسے ہی معنی مراد لینے ہوں گے جو ان سب کو عام ہو اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے، اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہو سکیں گے۔	۵۵۵
اراقۃ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲	عمدۃ الرعایہ میں ذکر کی ہوئی خطام کی تعریف۔ کلمات اہل فن کے مطابق نہیں۔	۵۶۷
قربانی ہلاک ہونے والی چیز سے بدلنا مطلقًا تمول ہے۔	۵۱۲	اصل بحث خطام جس کا ذکر ہوا حج کی ہدی میں ہے، قربانی کے اونٹوں میں نہیں۔	۵۷۱
دراہم بھی تو خرچ ہونے والے ہیں، ان سے خیرات کی نیت سے چرم قربانی کو بدلنا جائز ہے تمول نہیں۔	۵۱۳	قربانی اور ہدی میں فرق ہے، یہ خاص حرم میں ہوگی، اور قربانی ہر جگہ ہو سکتی ہے، اصل مقصود اراقۃ الدم میں دونوں برابر ہیں۔	۵۷۱
چرم قربانی اپنے لئے بیچے تب بھی تمول ہے اور خبث ہے اور اس کا صدقہ واجب ہے۔	۵۱۳		

ہدایہ وبدائع وغیرہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں حدیث ہدی سے استدلال ہوا، جھول اور رسیوں کے بارے میں نہیں۔	۵۷۱	قرآن عظیم میں ایسے جانوروں کو حرام قرار دینا کافروں کا کام بتایا، اور اس کو رد فرمایا۔	۲۶۰
ہدی کے مذکورہ جھول اور عام جانوروں کی جھول میں فرق تھا۔ وہ صرف ہدی کے اونٹوں کے لئے بنتیں اور روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتیں۔	۵۷۱	اس کو مااہل بہ لغیر اللہ سے کوئی علاقہ نہیں نہ بتوں کے تھان کی مٹھائی اس میں داخل ہے۔	۲۶۱
اس کام کے لئے ان کا بنانا سنت اور تقلید واشعار کی طرح یہ بھی شعائر اللہ کی علامت ہے۔	۵۷۱	ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ مااہل بہ لغیر اللہ ہے۔	۲۶۱
ہدی کے جانوروں کی مذکورہ نکیل بھی قربانی کی رسیوں کی طرح نہیں کہ وہ حرم تک لے جاتی ہیں۔	۵۷۸	کافر بتوں کے نام کہے اور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے۔	۲۶۱
دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی نحر ہوتا ہے تو مہار اور جھل وقت قربانی اس کے بدن پر رہتی ہیں اور قربانی کی رسی گلے سے کھول کر ذبح کرتے ہیں تو دونوں میں فرق ہونا چاہیے۔	۵۷۸	شیخ سدو ایک روح خبیث ہے۔	۲۶۵
جو لڑکے سات دن سے قبل مرگئے ان کا عقیقہ نہیں، مگر ان کی شفاعت ہے۔ البتہ جو سات دن کے بعد مرے اور باوجود استطاعت ان کا عقیقہ نہیں کیا تو ان کی شفاعت والدین کو نہیں ملے گی۔	۵۹۲	شیخ سدو کے نام سے مرغ ذبح کرنے اور موقعہ پر میلاد پڑھوانے اور کھانا کھلانے کا "سوال"۔	۲۶۵
عقائد وکلام		ما اھل بہ لغیر اللہ اور ذبح اولیاء وغیرہ کی تفصیل وتشریح۔	۲۶۶
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق "سوال"	۲۶۰	ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی عبادت ہو تو ذبیحہ مردار ہوجائے گا اور عبادت کی نیت نہ کی اور ذبح اللہ کے نام سے کیا تو ذبیحہ حلال ہوا۔	۲۶۷
بحیرہ اور سائبہ کا بیان	۲۶۰	اضافت کا مطلب عبادت نہیں، اس لئے اس کا یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں کہ ان جانوروں سے ان بزرگوں کی عبادت کی جائے گی۔	۲۷۱

جو لوگ اضافت کی بنیاد پر ان کو حرام بتاتے ہیں شریعت پر جرات کرتے ہیں۔	۲۷۱	**جنائز**	
شامی اور قاضی خاں سے بسم اللہ بنام خدا بنام محمد کا جزئیہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام تعظیما لیا ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اللہ کے ساتھ شرکت مراد لی ہو تو ذبیحہ حرام ہے۔	۲۷۵	فاسق کا ذبیحہ جائز، نماز جنازہ اس کی واجب، اور اس کی دعوت قبول کرنے اور نہ کرنے میں سلف صالحین کے اندر اختلاف ہے۔	۲۵۳
شامی اور درمختار سے بنام خدا وبنام محمد کا جزئیہ اور عدم کفر کا فتوٰی۔	۲۷۶	**روزہ**	
بزرگوں کے نام کے جانور سے "سوال وجواب"	۲۹۶	بے دستہ کی چھری ذبیحہ اور گرم مقامات پر گرمی میں روزہ سے "سوال"	۲۲۷
شارب خمر ضرر معذب ہے لیکن مسلمان ہے تو دائمی نہیں، ایسا شخص زیر مشیت الٰہی ہے اور انجام بلاشبہ مغفرت ہے۔	۳۰۷	مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے جس سے روزہ رکھنے میں بیمار پڑ جائے۔	۲۲۸
احکام مسجد		اگر ایسے کام کے ترک پر قدرت نہ ہو، روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو قضاء رکھے۔	۲۲۸
سوکھی مچھلی اور سوکھے گوشت میں پکانے کے بعد بو ہو تو اس کا کھانا مکروہ لطافت طبع اور نظافت اسلام کے خلاف۔ ایسے آدمی کی بو کی حالت میں مسجد میں جانا منع، اور اگر جسم کو ضرر دے تو اس کا کھانا حرام۔	۳۳۴	بقر عید کے دن اور اس کے بعد تین دن کا روزہ حرام ہے۔	۴۴۴
چرم قربانی کی رقم براہ راست مسجد میں صرف ہو سکتی ہے تملیک فقیر ضروری نہیں ہے۔	۵۰۲	پہلی سے نویں ذوالحجہ کے روزے افضل ہے۔	۴۴۴
جس چرم کو اپنے مصرف کے لئے بیچا اس کا تصدق ضروری ہے وہ مسجد میں نہیں لگ سکتی۔	۵۰۲	سب نفلی روزوں میں عرفہ کا روزہ افضل ہے۔	۴۴۴
امامت		قربانی کرنے والا قربانی سے قبل کچھ نہ کھائے۔	۴۴۴
جو شخص گوشت اجرت میں لینے کی عادت بنالے فاسق معلن ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۳۰۷		

قربانی کے گوشت میں سے پہلے کھائے مگر یہ روزہ نہیں۔	۴۴۴	اور مطلقًا نسبت کا خیال ہو تو کھونٹا بھی صدقہ کرنا چاہئے جس سے قربانی کا جانور بندھا تھا۔	۵۷۸
زکوٰۃ		فتح الباری وغیرہ سے تصدق جھل کی وجہ کا بیان۔	۵۷۸
جس شخص کے پاس پچاس روپیہ کا طلائی اور بیس روپیہ کا نقرئی زیور ہے۔ دونوں ملا کر وہ نصاب ہے زکوٰۃ فطرہ قربانی سب اس پر واجب ہے۔	۳۶۷	خلاصہ: آدمی اپنا سارا گھر ہی صدقہ کردے تو اور بات ہے لیکن حدیث وفقہ سے رسی کے تصدق کا حکم ثابت نہیں۔	۵۷۹
جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو اس پر زکوٰۃ فطرہ اور قربانی کچھ نہیں۔	۳۶۷	**ایصال ثواب**	
نابالغ مالک نصاب پر نہ خود زکوٰۃ وقربانی نہ اس کی طرف سے اولیاء پر۔	۳۶۹	نفلی قربانی کا بھی یہی حکم ہے کہ ایک چند کی طرف سے نہیں ہوسکتی البتہ کرنے والا اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچاسکتا ہے۔	۳۶۹
قرض مردہ والے پر بھی زکوٰۃ وقربانی نہیں۔	۳۶۹	قربانی اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ اس کا ثواب جتنوں کو پہنچایا سب کو پہنچے گا، اور ان سب نے اگر اس کی وصیت کی ہو تو سب کی طرف سے ان کے مال سے جدا جدا کی جائے۔	۴۵۷
زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔	۵۴۲	چرم قربانی کی رقم کھانا پکوا کر محرم میں بھوکوں کو کھلانا بہت خوب اور کار ثواب ہے اور امامین کریمین کو اس کا ایصال ثواب بھی ہوسکتا ہے یہ ان کی نذر ہے۔	۵۰۴
صدقہ وخیرات		**نذر**	
صدقہ کا جانور بلاذبح مصرف کو دینے کا "سوال"	۳۰۵	مالدار پر ایک قربانی خود واجب کی، اور قربانی کی منت مانے گا تو دوسری بھی اس پر واجب ہوگی البتہ اس پر خریداری کی وجہ سے واجب نہ ہوگی۔	۴۵۱
صدقہ واجبہ ہو اور وجوب خاص ذبح کا تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، ہاں ذبح کا وقت نکل گیا ہو تو زندہ ہی صدقہ کیا جائے۔	۳۰۶		

نکاح		آج کل کے نصارٰی گلا گھونٹ کر بھی مار ڈالتے ہیں اور گلے میں چھری پیوست کرکے بھی۔	۲۴۴
پر بلا ثبوت زناء کا حکم لگانا حرام ہے۔ بلکہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں تو ان کے میاں بیوی ہونے کی گواہی دی جاسکتی ہے اور زانی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔	۲۵۲	آج کل کے شیعہ تبرائی کافر و مرتد ہیں۔	۲۴۴
کفارہ		روافض زمانہ کے کچھ عقائد کا بیان۔	۲۴۴
مسئلہ کفارہ صوم سے دلیل تنویری	۴۱۶	روافض کا ذبیحہ مردار حرام ہے۔	۲۴۶
نفقہ		مرتدین وقت سے نیچری اور وہابیہ کے عقائد واحکام کا ذکر۔	۲۴۶
مدعی کو خرچہ دلانا حکم شرع کے خلاف ہے۔	۱۸۹	ان کے ذبیحہ کے حرام ہونے کا بیان اور دیگر احکام۔	۲۴۶
سِیَر		ان سے کم درجہ کے گمراہوں کا ذکر اور ان کا حکم۔	۲۴۶
بوہرہ اگر صرف بدعتی ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور مرتد ہو تو نہیں۔	۲۴۳	آج کل کے یہود و نصارٰی کا ذبیحہ کا "سوال"	۲۴۶
آج کل کے نصارٰی کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔	۲۴۳	یہود و نصارٰی الوہیت مسیح و عزیر کے قائل ہیں، ان کا ذبیحہ حرام، اسی پر فتوٰی اور یہی ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۶
اکثر مشائخ اس کو حرام فرماتے ہیں۔	۲۴۳	قادیانی اور وہابی کا ذبیحہ کا "سوال وجواب"	۲۴۹
اسی پر فتوٰی اور اسی کو ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۳	دیوبندی کے بھیجے ہوئے گوشت سے "سوال وجواب"	۲۴۹

گائے کا گوشت سرکار نے کھایا۔ (حاشیہ)	۳۲۱	مسئلہ شرکت کی تفصیل اور اس کی پانچوں قسموں کا بیان۔	۴۷۳
غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی موقوف کرنا کیسا ہے۔	۳۷۱	ہر صورت کی علیحدہ علیحدہ تفصیل، سب کا حکم اور کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۷۳
قربانی صاحب نصاف پر واجب ہے اور کسی کی خوشنودی کے لئے بند کرنا حرام ہے۔	۳۷۱	دو گائیں مشترکہ خریدی گئیں اور چودہ حصے کئے گئے، دونوں کی الگ الگ شرکت نہ کی گئی تو دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۴۸
قربانی کے ایام کی تخفیف پر حکام کے سامنے اظہار رضامندی کا "سوال"	۳۷۷	**ھبہ**	
غیر مقلدین کا حکم، ان کے بعض غلط مسائل کا بیان، اور خوشنودی کفار کے لئے ایام قربانی میں تخفیف پر ان کی ملامت۔	۳۷۸	اگر مکان کو ہبہ بشرط العوض کیا ہو تو قبضہ کے بغیر شفعہ لاگو نہ ہوگا۔	۹۹
شرکت		مجرد ہبہ میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔	۹۹
سیل ماء کے اشتراک سے شریک خلیط نہ ہوگا بلکہ صرف جار قرار دیا جائے گا۔	۱۰۹	ہبہ مشروط بالعوض ابتداء ہبہ بعد قبضہ بیع ہے۔	۹۹
ہر فریق وشریک برابر کا حق شفعہ رکھتا ہے حصہ شرکت کی کمی بیشی کا اس حق پر اثر نہیں۔	۱۲۰	کافر نے چھوڑے ہوئے جانور کو ارادہ بدل کر کسی کو ہبہ کردیا تو ایسا جانور موہوب لہ کے لئے جائز، اسے مااھل بہ لغیر اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔	۲۹۳
چند شرکاء حق میں اگر جار ملاصق بھی ہے تو اسے ان باقیوں پر کوئی فضیلت نہیں۔	۱۴۶	**وکالت**	
مشترکہ گاؤں میں بے اذن شرکاء کسی ایک شریک کے کاشت کرنے کا "سوال"	۱۹۷	وکیل بالشراء شفیع ہوسکتا ہے۔	۱۱۳
اگر شرکت کی وہ تجارت بروجہ شرعی ہو تو شرکت جائز، خریدے ہوئے حصوں کی فروخت البتہ ناجائز ہے۔	۳۲۳	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے کا "سوال"	۴۵۳
مال شرکت سے شرکاء کی اجازت سے قربانی کرنے سے "سوال"	۳۷۲	جس کی طرف سے قربانی ہو اس کی اجازت ضروری ہے خواہ صریحی ہو خواہ عرفی۔	۴۵۳
		عرفی اجازت کی مختلف صورتوں کا بیان اور اس مسئلہ پر درمختار کی عبارت۔	۴۵۳

اجارہ		صورت بالا میں جب کا شتکار اول دوسرے کے لئے دستبردار ہوچکا اور زمیندار نے دوسرے کو قبول کرلیا تو اب یہی مستاجر	۲۰۳

		ہو گیا، اور خراج جو زمیندار آئندہ لے گا اس کو ادا کرنا ہوگا۔	
اجارہ کی مدت تمام ہونے کے بعد زمیندار زمین خالی کراسکتا ہے اور اس میں مکان بنایا یا درخت لگایا ہو تو زمین خالی کرے، درخت کاٹ لے اور ملبہ لے جائے۔	۱۸۳	دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں، سال تمام پر عقد ختم ہو جاتا ہے۔	۲۰۵
درخت کٹنے اور مکان اکھاڑنے میں زمین کا زیادہ نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور اجڑے ہوئے ملبہ کی قیمت کٹائی اور گھر کھدوائی کی مزدوری مہیا کرنے کے بعد ادا کرکے وہ درخت اور ملبہ زمیندار خود لے لے۔	۱۸۳	عدم ادائیگی کی صورت میں لگان میں سال بسال اضافہ کی شرط ناجائز اور اس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔	۲۰۹
سال بسال کا پتہ ہوتا ہو تو ہر سال کے ختم پر زمیندار کو علیحدہ کرنے کا حق ہے۔	۱۸۳	پندرہ بیگھہ اراضی ہزار روپیہ پر پانچ سال تک اجارہ دینے اور زر اجارہ پیشگی وصول کرنے کا "سوال وجواب"	۲۰۹
اس امر کی تفصیل کہ ارض مملوکہ میں غرس وبنا پر کب مالک قیمت دے گا اور کب اجیر زمین کی قیمت دے گا، اور مصنف کی ترجیح۔	۱۸۵	خانیہ، شامی اور بزازیہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور اس امر کی تصریح کہ قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔	۲۵۵
منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا "سوال"	۲۰۲	ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۳۰۶
ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال دوران کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔	۲۰۳	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۳۰۷
		سقے، حجام اور قصاب کا قربانی میں کوئی حق نہیں یوں دے سکتے ہیں، اجرت میں دیا تو حرام ہوا۔	۴۴۹

قربانی کی کھال کی قیمت تنخواہ مدرسین میں دینے کا سوال و جواب،	۴۹۶	**بیوع**	
چرمِ قربانی کی رقم تنخواہ مدرسین میں دینے پر اعتراض کہ وہ اپنی اجرت میں دیتا ہے جو زکوۃ سے ادا نہیں کی جاسکتی۔	۴۹۷	ہبہ بالعوض ابتداء اور انتہاء ہر طرح ہے۔	۹۹
اجرت میں کھال دینا جائز نہیں۔	۵۶۰	کچہریوں کی طرف سے جبرا نیلام کی ہوئی جائداد کی بیع شرعا بیع فضولی ہے اگر مالک بے اجازت مر گیا تو بیع باطل۔ ایسی صورت میں حق شفعہ ثابت نہیں۔	۱۱۵
گوشت بنانے کی اُجرت چرمِ عقیقہ کے دام میں مجرا کرسکتا ہے۔	۵۸۶	بیع کے بعد مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے۔	۱۲۲
غصب		جار ملاصق کے بجائے جار بعید کے ہاتھ بیع اور تبادلہ کا "سوال"	۱۲۴
خلاصہ حکم دیہات مملوکہ کی زمین میں کاشتکار کو کوئی حق موروثی نہیں اور اس پر جبرا قابض رہنا ضرور ظلم ہے۔	۱۸۹	جار ملاصق کو حق شفعہ پہنچتا ہے جار بعید کے ساتھ بیع کرے یا تبادلہ کہ اعتبار معانی کا ہے۔	۱۲۴
اگر شرکاء کے رد یا اذن کے بغیر از خود کاشت کرلی تو اگر زمین کو نقصان پہنچا غاصب ہے اس صورت میں نہ زمین کے نقصان کا تاوان نہ لگان کچھ نہیں۔	۱۹۸	مال کا مال سے بدلنا معنی بیع ہے۔	۱۲۴
غصب کا جانور ذبح سے حلال ہوگا مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے ذابح گنہگار ہوا۔	۲۹۰	غیر مسلموں سے گوشت خریدنے کا "سوال"	۲۸۰
مغصوب میں تصرف کے بعد اس کا لوٹانا ناممکن ہو مالک صرف تاوان لے سکتا ہے۔	۲۹۱	ایضا مسئلہ شراء اللحم من الکافر،	۲۸۸
دوسرے کا جانور اپنے تصرف میں رکھنا غصب ہے، اس کو بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام۔ اور بدلے ہوئے جانور کی قربانی حرام۔ اس کا ذبح کرنا حرام۔ البتہ لڑکی اپنے جانور کا معاوضہ اگر باپ سے لے لے تو باپ کی طرف سے قربانی ادا ہوجائیگی۔	۴۴۶	قابل نفرت لوگوں سے حلال طریقے پر بھی گوشت خریدنا نہیں چاہئے۔	۲۸۹

مشتری کے پاس باندی اندھی ہوگئی تو اس کے بلااظہار عیب مرابحۃ بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸	ایک دوسری تقریر، لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہوسکتے ہیں۔	۵۲۷
بیع عقد سے تمام ہوگئی اور خریدار مبیع کا مالک ہوگیا۔	۴۵۰	نیز بیع مبادلۃ المال ہے مال جبھی ہوگا کہ اپنے لئے ہو، اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں۔	۴۵۰	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
کانجی ہاؤس کی راس خریدنا جائز نہیں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔	۴۷۷	**سُود**	
کانجی ہاؤس کی نیلامی بیع فضولی ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔	۴۷۷	اپنی رعایا کو سال بھر کا بلاسودی قرض اس طور پر دینا کہ سال بھر کے لگان میں تم کو اتنا زائد دینا ہوگا، یا قرضدار سے پچھلا بقایا وصول کرکے یہ کہنا کہ مزید اتنا سلم کے دے اور زائد رقم حساب فہمی کے وقت حساب میں دکھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟	۲۰۶
کچہری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہو اور زائد مالک کو دیا اور اس نے لے لیا تو اجازت ہوگئی اور خریدار جانور کا مالک ہوگیا اور قربانی جائز ہوگی۔	۴۷۷	یہاں کے غیر مسلموں کو اس شرط پر قرض دینا جائز ہے اور مسلمانوں کو ناجائز۔	۲۰۷
چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع نہیں جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰	یہاں کے غیر مسلموں سے اگر معاہدہ کاشتکاری کے وقت ہی اس طرح معاملہ کیا جائے کہ سال بسال اتنی لگان اور اگر کسی سال باقی پڑ گئی تو اس سال کی اتنی زائد تو جائز ہے اور معاہدہ کے بعد اضافہ کیا تو حرام۔	۲۰۸
امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہٰذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱	ہاں باقی وصول کرنے کے بعد تاخیر کے حرجانہ کے طور پر غیر مسلموں سے کچھ وصول کرلے تو جائز ہے چاہے نام اس کا بیع سلم ہی رکھے۔	۲۰۸

مدرسہ دینیہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶	اس اضافہ شدہ لگان کے بدلے مقدمہ کے خرچہ کے نام سے جو ملے لے سکتا ہے۔	۱۹۱
سود حرام ہے۔	۴۹۶	اس کا قاعدہ کلیہ کہ کب خرچہ کے نام سے لے سکتا ہے اور کب نہیں۔	۱۹۲
وقف		باجازت دیگر شرکاء کاشت جائز ہے۔ اور جب تک تصریح نہ ہو کہ لگان نہ لیا جائے گا شرکاء کے حصہ کا بھی لگان دینا واجب ہے۔	۱۹۷
جو عمارت مدرسہ پر وقف کی اس کا کرایہ تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۹۶	**شہادت**	
چرم قربانی کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر کتب خانہ میں رکھنے کا "سوال وجواب"	۵۰۳	شفیع نے تصریح کردی کہ طلب اشہاد کے وقت ہی مجھے علم ہوا اور اسی وقت طلب کی تو شفیع کو طلب مواثبت کے لئے جداگانہ گواہی کی ضرورت نہیں، اس کا قول ہی حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۳۰
صلح		اس صورت میں مشتری حصول علم فی الماضی کا مدعی ہے اور شفیع منکر، تو گواہی مشتری کے ذمہ ہے۔	۱۳۰
گوشت کی خریداری میں غلط قسم کی شرط پر صلح ناجائز ہے۔	۲۸۳	جہاں شفیع طلب مواثبت کا زمانہ طلب اشہاد سے پہلے بتا چکا ہو وہاں گواہی ضروری ہے۔	۱۳۶
کسب		مشتریہ دار مشفوع بہاکہ منکر ملکیت، اور تسلیم شفعہ کی مدعی ہے۔ دونوں نے گواہ پیش کئے۔ شرعی حکم کیا ہوگا۔	۱۴۹
قصاب کا پیشہ جائز ہے۔	۲۵۴	دار مشفوعہ بہا کی ملکیت کے گواہوں نے اگر گواہی اس طرح نہ دی ہو کہ دار مشفوع بہا پر ملکیت بیع سے پہلے اور مستمر الی الآن ہے۔ تو یہ گواہی نامقبول اور شفعہ ساقط ہے۔	۱۴۹
لگان		تسلیم شفعہ کے گواہوں کے الفاظ صحیح ہیں، اگر عادل ہوں تو تسلیم شفعہ ثابت اور شفعہ ساقط اس کے مقابلہ میں عدم تسلیم شفعہ کے گواہ نامقبول کہ وہ عدم کے گواہ ہیں۔	۱۵۰
اضافہ لگان پر کاشتکار خموش ہے اور زمین نہ چھوڑے تو شرعاً وہی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۸۹	شفیع کے گواہوں پر تنقید۔	۱۵۴
خود ہی لگان کی شرح بڑھ گئی ہو اور انکار کے باوجود کاشت کار کاشت کرتا رہا تو بڑھی ہوئی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۹۰		

قضاودعوی		شفیع کے گواہوں کی ضرورت ہے جو یہ ثابت کریں کہ بیع کے قبل سے اب تک دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہیں یہ نہ ہو تو مدعی علیہا کی قسم وہ قسم سے انکار کرے تو شفعہ ثابت۔	۱۵۲
بیع کے پہلے خریدنے سے انکار کیا اور بعد میں دعوی شفعہ کیا دعوی صحیح ہے۔	۱۱۳	قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔	۱۷۶
شرکاء میں سے کسی نے دعوی شفعہ کیا اور دوسروں نے مزاحمت نہ کی تو پوری جائداد اسی شریک کو دلادی جائے گی، اور مزاحمت کی صورت میں جائداد کی سب تقسیم ہوگی۔	۱۲۰	**حظر واباحت**	
شرکت خواہ کتنی ہی ہو کل مبیعہ کے حق شفعہ کا دعوی ضرور ہے۔ ورنہ دعوی ساقط ہو جائیگا۔	۱۲۰	ایسے نام سے جس میں بدنامی ہونہ لے کہ شریعت میں برے کام اور برے نام دونوں سے بچنے کا حکم ہے۔	۱۹۳
طلب اشہاد بینہ عادلہ سے ہوچکی ہو تو طلب مواثبہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر شفیع طلب مواثبت کا وقت طلب اشہاد سے پہلے بتائے تو اس کا ثبوت بے بینہ نہ ہوگا۔	۱۲۶	جھوٹ بولنا حرام ہے۔	۱۹۶
جو اصل کے خلاف دعوی کرے دلیل سے دعوی ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔	۱۲۷	اپنا حق وصول کرنے اور اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کہہ سکتے ہیں جبکہ صدق میں مضر نہ ہو۔	۱۹۶
جس چیز کے استناف کافی الحال مالک نہ ہو گزرے زمانے میں اس کا دعوی کرے تو بے بینہ مقبول نہیں۔	۱۲۷	صدق کا مفسدہ کذب سے بڑھ جائے تو مجبوری کذب کی بھی اجازت ہے۔	۱۹۷
عبارت علماء میں جہاں جہاں یہ تصریحات ہیں کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں اس کا مطلب یہی صورت ہے۔	۱۲۷	مقرر مالگزاری کا ادانہ کرنا ظلم وگناہ ہے۔	۲۰۶
طلب اشہاد بینہ سے ثابت نہ ہو، یا ثابت ہو اور شفیع طلب مواثبت کا زمانہ مقدم میں دعوی کرتا ہو، ان دونوں صورتوں میں شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے لے کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ مدعی نے طلب مواثبت کی ہے۔	۱۲۸	رات کا ذبیحہ مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
نہ تو مطلقًا اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی، نہ صرف اتنا کہنا کافی کہ میں نے بمجرد علم طلب کی۔	۱۳۵	کراہت بھی اس فعل میں ہے۔ صحیح ذبح ہو جائے تو ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳

ذبح کرنے والے اور ذبیحہ دونوں کو قبلہ رو ہونا سنت ہے۔	۲۱۶	ایسی مٹھائی لینا ذلت بھی ہے اور کافروں کی مراد کے موافق استعمال بھی۔	۲۶۱
درانتی سے ذبح ایسا ہی مکروہ ہے جیسا کند چھری سے۔	۲۲۵	البتہ ایسے جانوروں کا کھانا ان کی مراد کے خلاف ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو۔	۲۶۱
ضرورت کے وقت اس سے بھی ذبح جائز ہے۔	۲۲۵	فتنہ سے بچنا لازم ہے۔	۲۶۱
ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر علیحدہ کرنا اور کھال اتارنا تعذیب بلافائدہ ہے۔	۲۲۵	بتوں کے نام پر کان کٹے ہوئے جانور کو خرید کر اپنے طور پر ذبح کرنے اور کھانے کا "سوال وجواب"	۲۶۲
کھانا ایسے ذبیحہ کا بہر حال حلال ہے۔	۲۲۵	چھوڑے ہوئے سانڈ اور کچوے وغیرہ حرام اشیاء کو جلا کر یا تیل میں پکا کر پکے ہوئے تیل کھانے کا "سوال"	۲۶۲
ذبیحہ کے ان سات اعضاء کا ذکر جن کا کھانا حرام ہے۔	۲۳۳	خاص مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں منیہ، ذخیرہ، شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہ کی تصریح کہ ہم اس ذبح سے تقرب الی غیر اللہ کی بدگمانی نہیں کرسکتے۔	۲۷۵
مچھلی اور ٹیڑی کے علاوہ کسی جانور کے علیحدہ شدہ عضو کا کھانا حرام ہے۔	۲۴۱	مشرک غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔	۲۸۱
قربانی کے گوشت کا تین حصہ کرنا امر استحبابی ہے سارا گوشت خود بھی کھاسکتے ہیں البتہ یہ گوشت یہاں کے غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں۔	۲۵۳	اب بھی جو نہ مانے اور ان سے گوشت خریدے مسلمان اس کا مقاطعہ کریں۔	۲۸۲
کتیا کے دودھ سے پرورش پانے والے بکری کے بچے کو دودھ چھوڑے مدت گزر گئی ہو تو بے خرخشہ حلال ہے۔ مدت کے اندر دو چار روز اس دودھ سے پرہیز کرکے حلال کیا تب بھی حلال ہے۔	۲۵۶	مسلمان نے جانور ذبح کیا اور غیر مسلم نوکر کے ذریعہ گھر بھیجا کیا حکم ہے۔	۲۸۶
اسی حالت میں ذبح کیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔	۲۵۶	جانور مذبوح ملا، ذابح معلوم نہیں اگر اس علاقہ میں صرف مسلمان ہی بستے ہوں تو حلال ہے اور اگر ایسے لوگ بھی بستے ہوں جن کا ذبیحہ جائز نہیں، توحلال نہیں۔	۲۹۰
بتوں کے چڑھاوے کی مٹھائی مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے۔	۲۶۱	مذبوحہ جانور جس کے ذابح کا پتہ نہ ہو "سوال وجواب"	۲۹۵

مدار صاحب کے مرغ کا "سوال"	۲۹۵	غیر مسلم بھنگیوں کا بنایا اس لئے ہو کہ اس نے اپنے بتوں کے نام چڑھایا تو ایسا گوشت مسلمان کو کھانا حرام ہے۔	۳۰۹
جو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے اور اسی کے لئے اس کی جان لے وہ حلال ہے۔	۲۹۵	گدھا حرام ہے۔ یونہی وہ خچر ہو گدھی سے پیدا ہوا، گھوڑا امام اعظم کے مذہب میں مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔	۳۱۲
مرغ کو نہ مزار پر لے جانا چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے۔ ثواب البتہ ان بزرگوں کی روح کو پہنچادے۔	۲۹۵	دانہ خور کوّے اور دانہ ونجاست دونوں کھانے والے کوّے سے "سوال"۔	۳۱۹
وجیز کردری سے اس امر کا جزئیہ کہ درندہ سر کھاجائے یا پیٹ پھاڑ دے اور جانور زندہ ہو تو ذبح جائز ہے۔	۲۹۹	پیلوں کے انڈے اور گوشت، اور ایسے مرغ کے پانے سے "سوال وجواب"۔	۳۲۰
کتا شکاری ہو اور بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو تو زخم سے مرجائے تب بھی حلال ہے۔	۳۰۴	کبوتر کا گوشت ماں باپ کے لئے حلال ہے۔	۳۲۱
عورت یا بچہ مطابق شرع ذبح کرے تو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۳۰۴	چھوٹی مچھلیوں کا کھانا شافعی مذہب کے نزدیک حرام اور باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔ مگر جواہر الاخلاطی میں اس کی حرمت کی تصریح۔ لہٰذا احتیاط اولٰی۔	۳۳۲
ذبح بقر اور قطع شجر جائز ہے۔ قرآن کی آیت سے اس کا ثبوت ہے اور اس بارے میں لوگوں میں جو قول مشہور ہے بے اصل ہے۔	۳۰۶	ریگ ماہی کو عالمگیری میں حشرات الارض لکھا ہے لہٰذا حرام ہے۔	۳۳۳
ہندوؤں کا جانور بسم اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ہے مگر مسلمانوں کو یہ فعل مکروہ ہے۔	۳۰۸	مصنف کی رائے کہ جواہر اخلاطی میں چھوٹی مچھلی جس کی الائش دور نہ کی جائے اس کو مکروہ لکھا ہے تو جھینگے کو ایسی مچھلی کے حکم میں ہونا چاہئے اس کی صورت مچھلی سے زیادہ جانور کے مشابہ اور لفظ مچھلی کا اطلاق غیر مچھلی پر بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی وغیرہ، تو احتیاط اولٰی ہے۔	۳۳۸
اور ہندوؤں کی نیت پر کرے تو جانور مردار، اور اس کے ایمان میں بھی خطرہ، لیکن مسلمان پر ایسی بدگمانی نہ کرنی چاہئے البتہ ایسے شخص کی امامت سے پرہیز بہتر ہے۔	۳۰۸	جھینگے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پوست بیضہ کا حکم بیضہ کا ہے۔ جالے کا جزئیہ نظر میں نہیں، مگر ظاہر ممانعت جیسے بھڑ کا چھتہ کہ دونوں ان کے تھوک سے بنے ہیں۔	۳۳۹
مسلمان نے بسم اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو تو اس کے حلال ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۰۹		

ملائم ہڈی کھانا جائز ہے۔	۳۴۰	بھیڑ کے چھ ماہہ بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۶
شکار کھیل و تفریح کی غرض سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔	۳۴۱	جس جانور کو قربانی کی نیت سے پالا اس کا بدلنا مکروہ ہے۔	۴۴۳
مچھلی کا شکار اور کانٹے میں زندہ گھیر لگانا بضرورت جائز، تفریحا ناجائز ہے۔	۳۴۳	آدمی کے دودھ سے پرورش پانیوالے بکری کے بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۴۴
زندہ گھیسا پرونا ناجائز اور مار کر پرونا جائز، شکار ہر دو صورت میں جائز ہے۔	۳۴۳	بہ ضرورت بائیں ہاتھ میں قرآن مجید لے کر تلاوت کرسکتے ہیں۔	۴۴۸
بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور میں اگر حیات ہو اور ذبح کرلیا جائے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔	۳۴۵	عقیقہ و نیاز کا کھانا بھنگی کو دینا برا ہے۔	۴۴۹
کتے کے پکڑے ہوئے شکار سے "سوال"	۳۴۹	جانور میں کتنوں کی شرکت نقصان دہ ہے۔	۴۴۹
عشرہ ذوالحجہ میں ناخن، بال وغیرہ نہ ترشوانے کا حکم استحبابی ہے۔	۳۵۳	قربانی میں سے فقیروں کو تہائی گوشت دینا مستحب ہے۔	۴۴۹
اگر کسی وجہ سے چالیس دن ہوگئے ہوں تو عشرہ ذوالحجہ میں ہی کٹوائے کہ چالیس دن سے زیادہ تک نہ کٹوانا گناہ ہے۔ مستحب کے لئے گناہ نہیں کیا جاسکتا۔	۳۵۳	قربانی کی کھال باقی رکھ کر اسے اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے اپنے مصرف میں لانے کی نیت سے کھال بیچی تو اس کا صدقہ واجب ہے۔ سید یا کسی اور کار خیر کے لئے بیچی تو ان کو دے سکتے ہیں۔	۴۵۱
صاحب نصاب کے لئے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا پالنا یا بیچنا اور اس کا دودھ پینا روا ہے۔	۳۷۱	قربانی کی کلیجی قبر میں دفن کردی تو قربانی ہوگئی کلیجی ضائع ہوگئی، اور یہ فعل ناجائز ہوا۔	۴۵۵
گابھن یا دودھ والی بکری کی قربانی ہوتو جاتی ہے لیکن ناپسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔	۳۷۱	اگر ذبیحہ بنیت قربانی نہ ہو بلکہ کوئی ٹوٹکا ہو تو قربانی نہ ہوئی۔	۴۵۵
		فقیر اپنی قربانی کا گوشت کسی حربی کو دے تو اتنی قیمت صدقہ کرے۔ اور غنی کو دے تو مستحب کے خلاف کیا۔	۴۵۶

اوجھڑی کھانے کی چیز نہیں، غیر مسلم لے جائے تو حرج نہیں، گوشت دینا جائز نہیں۔	۴۵۷	ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں، اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مد میں خرچ ہوسکے تو جائز ہے۔	۵۰۶
ہر طرح کی خصی کی قربانی جائز ہے اس میں اس سے کمال پیدا ہوتا ہے۔	۴۵۸	چرم قربانی سے مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال وجواب"۔	۵۰۷
چرے ہوئے کان اور سینگ کی نوک ترشی ہوئی ہو تو قربانی جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔	۴۵۸	اگر چرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تو اسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۱۰
قربانی کی کھال سید، ماں، باپ، اولاد، میاں بیوی ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں صدقہ کی نیت ہو صدقہ نافلہ ہے۔ ورنہ ہدیہ ہے۔	۴۶۵	چونکہ قربانی کے جانور ذبح کرکے خدا کی عبادت کی گئی ہے۔ اس لئے اب اس کو ثواب کے کام میں ہی صرف کیا جاسکتا ہے۔	۵۱۲
قربانی کی کھال صدقہ کی نیت سے بیچ کر مسجد میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۶۶	قربانی کو تمول کے طور پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ کار نفس ہے۔	۵۱۲
صدقہ کی نیت اور صرفہ مسجد دونوں قربت ہیں اور کھال میں قربت ہی مقصود لہٰذا جائز ہے۔	۴۶۶	مرغ کی قربانی ناجائز ہے۔	۵۶۰
کھال کو بعینہٖ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔	۴۷۸	دیہات والے جائز قربانی صبح صبح کرسکتے ہیں۔	۵۶۰
قربانی کی کھال سادات کو دے سکتا ہے مالدار کو دے سکتا ہے۔ امام کو بھی دے سکتا ہے۔	۴۷۸	بڑے جانور میں سات بچے اور بکرے میں صرف ایک بچے کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔	۵۸۱
سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے گودا ٹوٹے تو قربانی منع ہے۔	۴۸۸	عقیقہ میں سال بھر سے کم کی بکری جائز نہیں اور اس کی عمر میں شک ہو تب بھی جائز نہیں۔	۵۸۳
چرم قربانی کی رقم دینی انجمن میں لگانا جائز ہے مگر یہ تحقیق ضروری ہے کہ واقعۃً وہ انجمن اہل سنت وجماعت کی ہے۔ آج کل اظہار مقاصد کے الفاظ بڑے دل خوش کن ہوتے ہیں۔	۵۰۳	والدین بھی عقیقہ کا گوشت کھاسکتے ہیں۔	۵۸۵
		عقیقہ میں جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ مسلمان ہو، غیر مسلم دائیاں یا مرد ڈاکٹر بلانا حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی حق مقرر نہیں۔	۵۸۵

عقیقہ کے پوست کادام کرکے اپنے صرف میں لانا منع ہے۔	۵۸۵	**میراث**	
عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں۔ نہ توڑنا اور زمین میں دفن کرنا افضل ہے۔	۵۸۶	کل جائداد صرف چند ورثہ میں تقسیم کرنے کا" سوال"	۱۷۵
غیر مسلم کو جنائی بنانا حرام ہے حجام مالدار ہو تو چاندی اس کو دے کر برا کیا، عقیقہ ہوگیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں، جس کو چاہے دے۔	۵۸۸	ایسی تقسیم باطل ہے۔ پنچ کا فیصلہ صرف انھیں لوگوں کے حق میں نافذ ہوگا جنھوں نے انھیں بنایا، دوسروں کے حق میں انھیں تصرف کا اختیار نہیں۔	۱۷۵
عقیقہ کے جانور کا سر نائی کو دینے کا نہ حکم نہ ممانعت۔	۵۸۸	قاضی نے اگر ایسا فیصلہ اس گواہی کے بعد کیا کہ مزید کوئی وارث نہیں، تو وارث ظاہر ہونے کے بعد تقسیم توڑ دی جائے گی	۱۷۶
کافرہ کو جنائی بنانا حرام اور ان کو عقیقہ سے کچھ دینا منع ہے۔	۵۸۸	**فوائد اصولیہ**	
عقیقہ کا گوشت سب کھاسکتے ہیں اس کا حکم قربانی کے گوشت کا ہے۔	۵۹۰	شفیع کا طالب شراء ہونا اس سے حق شفعہ کو باطل کرتا ہے۔	۹۶
عقیقہ کی ہڈی توڑنے میں کوئی حرج نہیں نہ توڑنا بہتر۔ امام مالک کا حکم ہے، اور امام شافعی توڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہمارے مذہب میں کوئی حکم نہ ہو تو امام مالک کے مذہب کے موافق حکم ہے۔	۵۹۱	انعدام شفعہ کی علت اعراض عن شراء کو قرار دینا غلط ہے۔	۹۶
مردہ کی طرف سے قربانی جائز ہے۔	۵۹۲	شفیع طلب اشہاد بھی گواہی سے ثابت نہ کرسکے تو طلب مواثبہ پر اس کی قسم ہرگز مسلم نہیں۔	۱۲۶
احیاء الموات		شفعہ میں مدعی اور مشتری منکر ہے اور شرعاً حلف منکر پر ہے۔	۱۲۶
زمین کو کاشت کے قابل بنایا ہو، اس میں چوگزی وغیرہ کھودی، دوسری زمین سے مٹی لاکر پاٹی، درخت بویا یا مکان بنایا تو سلطانی زمین میں اس کو حق استقرار مل جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو بھی بلاوجہ شرعی بے دخل نہ کیا جائے گا۔	۱۸۰		

طلب اشہاد کے لئے اقرب کو چھوڑ کر ابعد کی طرف جانے پر اس کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اقرب ابعد کے راستہ میں نہ پڑے۔	۱۶۶	ان اقوال کے درمیان مصنف کی نفیس توفیق۔	۳۰۱
حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے، جو گھر ومکان میں ذکر حدود اربعہ ہے۔	۱۶۷	ایک دوسری توفیق اور فوات محل ذبح میں تحقیق مناط کی بے مثال تقریر۔	۳۰۱
اختلاف علماء سے بچنا مؤکد ہے۔	۲۱۷	حلت کی علت جانور کا وقت ذبح زندہ ہونا ہے خون فورا یا بعد میں دے یا نہ دے۔	۳۰۴
جب مبیح اور محرم جمع ہوں تو غلبہ حرام کو ہوگا۔	۲۲۱	مطلقاً دانت ہونا موجب حرمت نہیں بلکہ اس سے شکار کرنا حرمت کا موجب ہے۔	۳۱۸
متون میں جب کراہت کا لفظ مطلق وارد ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے۔	۲۳۵	مچھلیاں پکڑنے والے کی ملک ہوتی ہیں، دوسرے تالاب میں چھوڑنے سے ملک خارج نہیں ہوتی تو ایسی مچھلیوں کے کھانے کی ممانعت ملک غیر کی وجہ سے ہوگی لیکن یہاں ایسی مچھلیاں مباح الاصل ہیں۔	۳۲۳
اوجھڑی کی کراہت بطور دلالۃ النص یا بطور اجزائے علت منصوصہ ثابت ہے۔	۲۳۸	آیات قرانی سے ثابت ہے کہ قربانی صرف بہیمۃ الانعام کی جائز ہوگی۔	۳۹۵
حرام شے جلنے کے بعد بھی حرام رہے گی، اور حلال میں مخلوط ہو تو اسے بھی حرام کردے گی۔	۲۶۳	بھیڑ یقینا بہیمۃ الانعام میں سے ہے۔	۳۹۶
حلال وحرام میں کافر کا قول بالکل معتبر نہیں۔	۲۸۲	قربانی کا مسئلہ ہی غیر قیاسی ہے۔ تو اس میں کسی کو کسی کے ساتھ لاحق کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔	۴۰۰
ایک استثنائی شکل۔	۲۸۲	علامہ اتقانی، عینی، اور طوری کا بیان کہ اراقۃ الدم کا عبادت ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اپنے مورد پر مقصور ہوگا۔	۴۰۱
اس حکم کے خلاف حرام اور اس کو بناوٹی بتانے والے پر لزوم کفر ہے۔ توبہ وتجدید اسلام ضروری ہے۔	۲۸۲	جو استدلال اطلاقات کی بنیاد پر ہو اس کو احتمال کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔	۴۱۰
وجیز کی عبارت میں تین فرعوں کا ذکر ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔	۳۰۰	امام ابن ہمام نے بنت زناء کی حرمت کی دلیل یہی دی کہ وہ لغۃ بنت ہے اور اس لفظ کا اس معنی میں منقول ہونا ثابت نہیں۔	۴۱۰

تعریف میں مساواۃ کی شرط ظاہر ہے اور بلادلیل ظاہر کے خلاف پر حمل جائز نہیں۔	۴۱۴	یہ حکم مطلقًا ضروری نہیں، جہاں دونوں میں تنافی ہو وہاں ایسا کیا جائے گا، اور تنافی نہ ہو تو مطلق کو مطلق ہی رکھا جائے گا۔	۵۱۷
کسی چیز کافی نفسہٖ جائز ہونا اور بات ہے اور کسی کلام کا اس پر محمول ہونا اور بات ہے۔	۴۱۵	دونوں کلمے اگر حکم منفی میں واقع ہوں یا اسباب متعدد میں واقع ہوں، توان میں تنافی نہیں اور حمل ضروری نہیں۔	۵۱۷
شرعیات میں بدون قیام قرینہ اعم سے تفسیر باطل ہے۔	۴۱۶	امتناع جمع بین المطلق والمقید وجوب حمل المطلق علی المقید کی مثال۔	۵۱۸
امام غزی کی تحریر سے مقام تقیید میں اطلاق عام کی شناعت۔	۴۱۶	جمع کا حکم حکم وجوبی میں ہے جواز واستحباب میں نہیں۔	۵۱۹
جانور میں اطراف بمنزلہ اوصاف ہیں۔	۴۲۸	قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	۵۲۵
جانور میں اطراف کے مقابلہ میں کوئی دام نہیں ہوتا۔	۴۲۸	حدیث کے لفظ فلا اضحیۃ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	۵۲۵
قربانی میں قربت مقصودہ خون بہانا ہے۔ اسی لئے گوشت وغیرہ کا صدقہ واجب نہ ہوا۔	۴۶۶	بیع للتصدق بیع برائے دیگر امور خیر اکل، ادخار تو شرعا مامور ہیں، توان پر فلااضحیہ لہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو مستہلک سے ہو اور اپنی ذات کے لئے ہو۔	۵۲۵
چرم قربانی کا مصرف نہ تو صرف کار خیر ہے نہ کوئی ایسی بات پیدا ہوئی جس سے تصدق واجب ہو۔	۵۱۱	صاحب ہدایہ کی نص کی اباحۃ اور تملیک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔	۵۳۹
اپنے لئے بیچا تو تمول ہوا، لہٰذا اس کا صدقہ واجب ہوا۔	۵۱۱	فقہاء کا ضابطہ کہ اطعام کا لفظ اباحۃ کے لئے ہے اور ایتاء کا تملیک کے لئے	۵۴۰
قربانی کا اصل مقصد خون بہانا ہے تصدق نہیں۔	۵۱۱	امام غزالی، امام علائی، صدر الشریعۃ اور علامہ شمس محمد اور شامی کی تصریح کہ تملیک واباحۃ الگ الگ دو۲ تصرف ہیں۔	۵۴۰
اس اصول فقہی کی بحث کہ حادثہ اور حکم ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔	۵۱۶		

زین ابن نجیم وغیرہ کی تصریح کہ مباح لہ مباح کو مبیع کی ملک پر خرچ کرتا ہے اور خرچ کے بعد مبیع کی ملک سے نکل جاتی ہے لیکن مباح لہ کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔	۵۴۱	ان کی مستدل حدیث اور عبارت نیشاپوری کا یہی مفاد ہے بلکہ شاہ صاحب نے اپنی تفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے۔	۲۹۴
نقایہ کی تصریح کہ تصرف تملیک سے کفارات مستثنٰی ہیں۔	۵۴۶	بڑے پیر صاحب کے بکرے کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتوی حرمت سے "سوال"	۲۹۵
اس امر کی بحث کہ لفظ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا صیغہ امر سے۔	۵۶۹	شاہ صاحب نے اس مسئلہ میں اپنے فتاوٰی اور تفسیر دونوں جگہ غلطی کی ہے۔	۲۹۶
عقیقہ وقربانی میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں دونوں اراقۃ الدم لوجہ اللہ کے عموم میں شامل ہیں۔	۵۹۵	امام مالک فرماتے ہیں بے دلیل تو صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول مقبول ہے بقیہ کوئی عالم معصوم نہیں۔	۲۹۶
افتاء ورسم المفتی		کشمیر کے ایک مفتی صاحب کے فتوے کے جواب میں مصنف کی تحریر (حاشیہ)	۲۹۷
سوال گول ہے جس پر قطعی حکم ممکن نہیں۔	۱۲۶	قاضی خاں نے اس کی تصحیح کی وہ فقیہ النفس ہیں فتوی انھیں کی تصحیح پر ہوگا۔	۳۱۰
سانڈ حلال ہے۔ اور مولوی عبدالحئی صاحب کے اسے حرام کہنے کی تردید، لیکن وہ مباح بھی ممنوع ہوجاتا ہے جو مسلمانوں کو ذلت پر پیش کرے۔	۲۶۲	قہستانی نے اس کی تصحیح کی، اور خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی سے قاضی خان نے نقل کی اسی پر متون ہیں جن کی وضع نقل مذہب کے لئے ہوئی اور جن پر فتوی ہوتا ہے۔	۳۱۰
حسب تصریح علماء مطلقًا اضافت کو سبب حرمت قرار دینے والا جاہل ہے	۲۷۲	کفایہ میں اس کے خلاف کو ظاہر الروایہ کہنا یا جمہور کا فتوی اس کے خلاف ہونا اس کو مضر نہیں۔	۳۱۱
ایسے جانور کی مطلقًا حرمت کا فتوی دینے والوں کو تنبیہ اور ان کی تجہیل	۲۷۶	سوکھی مچھلی حلال ہے۔ اس کو حرام کہنے والا جاہل ہے تو سمجھا یا جائے، اور عالم ہے تو اس کو تجدید نکاح اور تجدید اسلام کا حکم دیا جائے۔	۳۳۳
شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو اس باب میں روش علماء کے خلاف فتوی دیتے ہیں، وہ بھی تادم ذبح استمرار اہلال لغیر اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔	۲۹۳		

سب کو گمراہ اور گمراہ گر قرار دینا سرکشی ہے۔	۳۹۴	شیخ کی عبارت میں ایسے حکم کا بیان ہے جو ضان کے ساتھ خاص ہے تو لفظ میش سے اس کی تفسیر تفسیر بالاعم ہو ہی نہیں سکتی۔	۴۱۰
واضح مسائل کا انکار کرنے والوں کا جواب خاموشی ہے۔	۳۹۴	متقدمین عام کے ساتھ تعریف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کو عمدہ نہیں کہتے۔	۴۱۳
بھیڑ کی دم کو الیہ نہ تسلیم کیا جائے تو یہ مسئلہ طرفین کا خلافی ہوا۔ اور فتوی قول امام پر ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۲	شرح مواقف اور حاشیہ تلویح سے مذکورہ بالا امر کا ثبوت	۴۱۳
امام صاحب کے قول پر فتوی ہونے کی تصریح عبارات ائمہ سے۔	۴۳۲	ہمارے نزدیک عام سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جب مراد واضح اور اس پر قرینہ ہو ورنہ تلبیس کی وجہ سے ایسی تعریف ممنوع ہے۔	۴۱۵
منطق		متقدمین نے جس طرح تعریف بالاعم جائز رکھی اسی طرح تعریف بالاخص بھی بلکہ مباین سے بھی۔	۴۱۹
بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ پھر بھی میں پوری جدوجہد کروں گا۔	۳۹۵	حسن، چلپی، سید شریف، بحر العلوم کی عبارتوں سے مسئلہ بالا کی تائید۔	۴۱۹
گائے اور بھینس میں صرف اعضاء میں اتحاد ہے، یہ اتحاد توگھوڑے اور گدھے میں بھی ہے لیکن یہ دونوں مباین نوعیں ہیں۔	۴۰۴	ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میش والی تفسیر بالمساوی ہو اور الیہ والی تفسیر بالاخص۔	۴۲۰
جب ایک نوع کے دو افراد میں ان اعضاء میں عدم وجود میں یہ اختلاف ہے تو پھر بھیڑ اور دنبہ کی دم چوڑی اور گول ہونے کی بنیاد پر انھیں دو نوعیں شمار کرنا سخت غلطی ہے۔	۴۰۶	معز کی تعریف میں "ماکان ذوات الشعر" کا لفظ مساوی ہی ہے۔	۴۲۳
ضان کی تعریف میں لفظ میش وارد ہونے پر اس شبہہ کا جواب کہ جب بعض مشارکات میں تمیز منظور ہو تو لفظ اعم کے ساتھ تعریف ہوسکتی ہے۔	۴۱۰	اسی بنیاد پر گائے بیل اور بھینس سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ مقسم سے خارج ہے۔	۴۲۳
یہ سوچنا غلط ہے کہ مسئلہ مبحوثہ میں بھی بعض مشارکات سے ہی تمیز مطلوب ہے۔	۴۱۰	**نحو**	
		بکری کی تعریف میں "مالہ شعر" میں بعض مراد لینا اس بات کا قرینہ نہیں کہ ضان کی تعریف میں بھی "من" تبعیضیہ ہی ہو کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ دو متصل جملوں کا ایک حکم ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔	۴۲۲

لُغت		ترجمہ رفیعیہ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ، ذخیرہ عقبٰی، صحاح، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب رشیدی وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت۔	۳۹۸
عرب میں لفظ بوم صرف الو کے لئے ہی موضوع نہیں۔	۳۱۷	بھینس بقر کی ایک نوع ہے اس لئے لفظ بقر اس کو شامل ہے، الحاق کی ضرورت نہیں۔	۴۰۱
رات میں اڑنے والے ہر پرند کو عربی میں بوم کہتے ہیں۔	۳۱۷	اگر کنز کے لفظ "الجاموس کالبقر" سے شبہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے "البخت کالاعراب"	۴۰۲
بوم غیر ذی مخلب پرند کو بھی کہتے ہیں۔	۳۱۷	عرفاً گائے اور بھینس میں فرق ہونے کا بیان۔	۴۰۴
مارماہی کی تشریح اور مختلف زبانوں میں اس کے نام کا بیان۔	۳۲۵	جملہ اہل تفسیر، اہلحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں ضان اور معز۔ کفایۃ الراضی، مجمع بحار الانوار، مرقاۃ، شرح الکنز، قاموس، مختار الصحاح، ذخیرۃ العقبٰی، غیاث کی عبارت سے اس کا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جس کو ضان کہتے ہیں فارسی میں اس کو میش۔	۴۰۷
سنگی اردو زبان کا لفظ نہیں اس لئے اس سے لاعلمی۔	۳۳۱	شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید۔	۴۰۸
گھوڑا، خچر، گدھا بہیمۃ الانعام سے نہیں۔	۳۹۶	علمائے تفسیر وحدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	۴۱۱
مصباح سے بہیمۃ الانعام کی تصریح۔	۳۹۶	امام احمد کی روایت کہ وہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اس کی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر وصوف کا ہے۔	۴۱۲
شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونے کا ثبوت۔	۳۹۷	امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴
ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے۔ اور جس کو بھی عربی وفارسی واردو پر عبور ہو جانتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔	۳۹۷	اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر شے معین مراد لیتے ہیں اور معرفہ بول کر غیر معین۔	۴۱۵

مسئلہ بالا کی مثال سے تفہیم۔	۴۱۵
جملہ اہل لسان کا یہ فیصلہ ہے کہ صوف ضان کے ساتھ خاص ہے۔	۴۲۴
توجس کے چکتی نہ ہو وہ بھی ضان ہی رہے گا۔	۴۲۶
چکتی نہ ہو تب بھی دنبہ دنبہ ہی رہے گا۔	۴۲۹
چکتی میں چھوٹی بڑی ہونے کی کوئی قید نہیں۔	۴۲۹
قاموس سے چکتی کی تعریف۔	۴۳۰
یہ تعریف بھیڑ پر بھی صادق آتی ہے۔	۴۳۰
چکتی کی کوئی مقدار متعین نہیں۔	۴۳۰
فقہاء نے ضان کی تین تعریفیں کیں، ذات الصوف، ذات الیہ، خلاف المعز، اور اردو ترجمہ میش و بھیڑ۔	۴۳۱
بیان احکام، تعریف یا ترجمہ جو کچھ ہو صرف مساوی سے ہی ہوسکتا ہے۔	۴۳۱
اس لئے پانچوں الفاظ مساوی اور ہم معنی ہیں	۴۳۱
دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں، اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔	۴۳۶
شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے استدلال کہ انھوں نے ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا۔	۴۳۷
فارسی لغت سے ثبوت کہ ضان اور میش ایک ہی ہے۔	۴۳۷
علمائے لغت وتفسیر کا حوالہ کہ انھوں نے ضان کی تفسیر اون والی بکری فرمایا۔	۴۳۷
محاورات عرب اور قرآن سے دونوں کے اتحاد پر استدلال۔	۴۳۸
شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ کہ انھوں نے بھی ضان کا ترجمہ میش کیا۔	۴۴۰
چکتی کی تحقیق۔	۴۴۰
خطام کے معنی کیا ہیں۔	۵۶۱
زمام اور خطام کا فرق، اور خطام کے چار اطلاقات۔	۵۶۱
لغت، فقہ، حدیث کی ۱۲ کتابوں سے اطلاقات بالا کا ثبوت۔	۵۶۱

ضمان وتاوان

اور چندہ کرکے متولی کو دیا اور اس نے بلاضرورت زائد قیمت دی تو زیادت فاحش پر متولی گنہگار ہوگا اور مسجد کے نقصان کا متولی کو تاوان دینا پڑے گا۔	۱۷۳
کاشتکار کے حق استقرار اور مقدمہ بے دخلی کے تاوان سے "سوال"	۱۷۹
اگر اور شرکاء کی مرضی کے خلاف کاشت کی تو ظالم اور غاصب ہے اور زمین کو کاشت سے نقصان پہنچا ہو تو تاوان دے اور نقصان نہ پہنچا ہو تو لگان عائد نہیں۔	۱۹۸
بھینس جس کی زندگی کے بارے میں یقین نہیں ذبح کرکے دس روپیہ میں قصاب کو دی اس نے گوشت دفن کردیا اور کھال چھ روپیہ میں بیچ دی اس پر کتنا مطالبہ ہوا۔	۳۰۵

ترغیب وترہیب		امام ابن حجر اور امام قسطلانی نے اس کو تحویل حمل کے مہینہ میں فرمایا۔	۵۷۵
مسلمان پر بدگمانی حرام ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۰	متخرجہ تقویم کا موسم مکہ معظّمہ میں نہایت معتدل ہوتا ہے تو یہ جھولیں خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں۔	۵۷۷
دل کے ارادے پر حکم لگانے کی ممانعت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۱	**قرض**	
براگمان برے دل سے نکلتا ہے۔	۲۳۱	اپنے حق کی وصولی کی تدبیر۔	۱۸۹
قرآن وحدیث واقوال بزرگان دین سے بدگمانی کی مذمت۔	۲۷۳	**حِیَل**	
تاریخ وتذکرہ		شہر سے دیہات میں قربانی بھیجنے کی ترکیب اور فنائے مصر وغیرہ کا بیان۔	۳۷۹
۱۲۰۵ھ کے بعد اس مسئلہ میں علماء دیوبند کی طرف سے خلاف ظاہر ہوا۔	۵۳۳	**مناظرہ وردِّ بدمذہباں**	
اس زمانہ میں بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور خاص اونٹوں پر جھول بھی ڈالتے اور ان کے کوہان میں نیزہ سے خفیف زخم بھی لگاتے۔	۵۷۱	دیوبندی مسئلہ کی تغلیط۔	۲۱۸
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۲	وہابیہ کے جاہلانہ خیال کارد۔	۲۶۱
حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۴	قصد عبادت کی تائید میں مخالف کی دلیل کارد۔	۲۷۶
حجۃ الوداع کھلی بہار کے موسم میں تھا تو یہ جھولیں سردی سے بچنے کی معمولی جھولیں نہ تھیں۔	۵۷۵	تخصیص اور عدم تبدیل بھی بے اصل نہیں۔	۲۷۷
مصنف کی یہ تحقیق کہ یہ حج ۹/ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق چھٹی مارچ ۶۳۲ء روز جمعہ کو تھا جو اس وقت کی تعبیر تھی۔	۵۷۵	ایسی صورت میں عدم تبدیل سے عوام کی تصریح کے خلاف عبادت کا الزام سراسر زیادتی ہے۔	۲۷۷
		بالفرض کسی نے ایسی نیت کی ہو تو حکم کفر اسی پر مقصور رہے گا عام حکم لگانا صحیح نہ ہوگا۔	۲۷۸

جس کو بھیڑ کے بہیمۃ الانعام ہونے میں شبہ ہو وہ بھیڑ کی نوع متعین کرے کہ وہ جانور کی کس قسم میں ہے۔	۳۹۶	تحدید کا مسئلہ نقلی ہے۔ تو امام رازی، صدر الشریعۃ، قاضی عضد الدین بیضاوی، تفتازانی، قطب الدین رازی فتاوٰی وغیرہ اکابر کی مساواۃ کی تصریح کے مقابلہ میں فاضل لاہوری کا قول کیا سند رکھتا ہے۔ وہ بھی ایسی کتاب سے جو علم نحو کی ہو۔	۴۱۸
اب صورت یہی رہ گئی ہے کہ ایک بھیڑ لے کر تینوں ملک میں پھرا جائے، اور ایک ایک سے پوچھا جائے یہ کون جانور ہے۔	۳۹۸	مجیب اول کے اس شبہ کا جواب کہ ضان کی تفسیر میں جن لوگوں نے ذات الصوف کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے ساتھ لفظ "من" بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ذوات الصوف میں سے بعض ہے۔	۴۲۱
اس بات پر دلیل تنویری کہ مذکورہ بالا طریقہ ہی اس بات کے حل کا آخری ذریعہ ہے۔	۴۰۰	اوّلاً "من" کا لفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیاً یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کا لفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱
مجیب اول نے جان بوجھ کر بھینس کو ایک الگ نوع اور بقر کا مقابل قرار دیا۔	۴۰۳	یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اھل النطق"	۴۲۱
اگر لاحق کرنے کی ہی بات ہوتی تب بھینس اور گائے میں غیر معمولی فرق ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کرنا عقلاً جائز ہی نہیں ہوتا۔	۴۰۳	مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱
مجیب کی تدقیق کا مدار اس پر ہے کہ فرق کی بنیاد چکنی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔	۴۰۹	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
اگر اس کو بنیادی فرق مانا جائے تو غنم کی دو کے بجائے تین نوعیں ہونگی۔	۴۱۰	تذییل، مجیب اول کی پیش کردہ تین عبارتوں میں ذات الیہ والی تعریف نہیں۔	۴۳۳
علماء جس کو غیر جید بتا رہے ہیں ان کی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	۴۱۴	مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی کے فتوٰی کا بیان اور ان کے اور مجیب اول کے قول میں فرق کا بیان۔	۴۳۴
خود بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ میں اسی مجیب نے سارے عوم کو اسی تفسیر عام کی بنیاد پر گمراہ بتادیا۔	۴۱۷		

مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھیڑ کے قربانی کا جانور ہونے کا انکار نہیں کیا، اس کے چھ ماہہ بچے کی قربانی منع کی۔	۴۳۴	تنقید مجمل، تصدق کے لئے تملیک ضروری ہونے سے جمیع کار ثواب کے لئے تملیک لازم ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
مولوی صاحب موصوف کے منشاء غلط کا بیان۔	۴۳۴	پوری بات یوں کہنی چاہئے تھی کہ یہاں تصدق کا حکم ہے نہ کہ تقرب کا، اور تصدق کے لئے تملیک ضروری ہے تو استدلال میں صغرٰی کا ایک جز دب گیا اس لئے نتیجہ غلط ہوا۔	۵۴۳
بھیڑ کو ضان سے خارج مانا جائے تو انعام کی چار کے بجائے پانچ قسمیں ہوجائیں گی۔	۴۴۰	منشاء غلط کا بیان۔	۵۴۳
مولانا عبدالحیٔ صاحب کی غلط فہمی کا منشاء۔	۴۴۰	مولوی رشید احمد صاحب کی غلطی کا منشا یہی ہے کہ انھوں نے کفارات واجبہ میں بھی اباحت کافی دیکھی تو کہہ دیا کہ صدقات واجبہ میں بھی مطلقًا اباحت کافی ہے۔	۵۴۵
یہ سب اختلافات اختلاف نوع کا سبب نہیں، تو ہندی اور عربی دنبوں میں دم کے فرق سے کیوں نوع بدلے گی۔	۴۴۱	مولوی رشید احمد کے اس استدلال میں حد اوسط مکرر نہیں۔	۵۴۵
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوٰی کی عبارت کی تنقید۔	۵۳۵	غیر مقلد پر رد کہ ائمہ کی حدیثوں پر سلب مطلق کا دعوٰی کرتے ہیں۔	۵۷۰
مولوی رشید احمد صاحب کی تصریح بیع بنیت تمول یا بنیت تصدق سب کا صدقہ واجب ہے۔	۵۳۶	**فلکیات وہیئت**	
ان دونوں باتوں میں صاف تغایر ہے تو جو ثانی کو اول سے ثابت مانے ایسا ہی ہے کہ کوئی لااعبد ماتعبدون سے ثابت کرے کہ نماز نہ پڑھو۔	۵۳۷	مطلع شمس ہر تین میل پر بدلتا ہے اور مطلع قمر بہتر میل پر۔	۳۵۸
مولوی رشید احمد صاحب کے اس قول کی تردید کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ صدقہ واجب ہے تو اس کو سید اور مدرسہ پر صرف نہیں کرسکتے۔	۵۳۸	رامپور اور بریلی کے مطالع اور ان کے فرق کا بیان۔	۳۶۰
مولوی عبدالرشید صاحب کے اس قول کی تردید کہ صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے۔	۵۳۹	**تقویم**	
مولوی عبدالحیٔ صاحب کے کلام پر تنقید۔	۵۴۲	مصنف نے زیج الغ بیگی اور زیج احد بہادر خانی سے اس دن کے نصف النہار کی تقویم نکالی۔	۵۷۶

اس کے عمل کی فنی تفصیل حاشیہ میں۔	۵۷۶	عمدۃ القاری، مجمع بحار الانوار، تاج العروس، حیاۃ الحیوان سے ایسی روایتوں کی تخریج جس میں جریث اور مارماہی کو ایک لکھا ہے۔	۳۲۹
حیوٰۃ الحیوان		مصنف کی تحقیق کہ فقہاء کے نزدیک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔	۳۳۰
الو کے پنجہ والے شکاری جانور ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۱۵	مغرب، ایضاح، حاشیہ الکشمری، در مختار، عمدہ، فتح اللہ المعین، حاشیہ کنز الازہری طحطاوی اور شامی سے دونوں کے علیحدہ ہونے کی شہادت۔	۳۳۰
اس بات کی عینی شہادتوں کا بیان۔	۳۱۵	کتب طب و علم الحیوان میں جھینگے کو بالاتفاق مچھلی کہا گیا۔	۳۳۶
عجائب المخلوقات مرأت الاصطلاحات اور امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شعر سے الو کے شکاری جانور ہونے کا ثبوت۔	۳۱۶	قاموس، صحاح، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تحفہ، تذکرہ داؤد انطاکی کے نصوص۔	۳۳۶
چمگادڑ شکاری جانور نہیں۔	۳۱۸	حیاۃ الحیوان، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار سے منصوص بالا کے نصوص۔	۳۳۷
عجب وغریب سمندری جانور اور جریث اور سگی کی تشریح سے "سوال"	۳۲۳	گائے اور بھینس کے اعضاء میں بھی فرق کا بیان۔	۴۰۴
مذکورہ بالا مچھلی اگر ہو تو ایسی نادر ہے کہ عوام کے علم سے باہر ہے۔ یہ مچھلی جریث نہیں ہو سکتی۔	۳۲۴	ہندی بھیڑ عربی مینڈھے کے ساتھ ملحق ہونے کی بھینس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔	۴۰۴
جریث کے بارے میں مبسوط کی ایک روایت کہ یہ کثیر الوجود مچھلی ہے۔	۳۲۴	بھیڑ اور دنبہ کے تشابہ کا بیان۔	۴۰۵
علامہ قزوینی نے جریث کو مارماہی کہا، اور بعضوں نے اس کو جریث کہا ہے۔	۳۲۴	بھیڑ اور دنبے میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی دم چوڑی اور دوسرے کی گول ہوتی ہے۔	۴۰۵
انھوں نے اس نادر مچھلی کو عجائب بحر فارس اور جریث کو عجائب بحر ہند لکھا ہے۔	۳۲۵	جانوروں بلکہ آدمیوں کے بعض اعضاء میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔	۴۴۱
ارشاد الساری مجمع بحار الانوار، قاموس تاج العروس، عجائب قزوینی اور ملتقی الابحر سے مارماہی کی تعیین۔	۳۲۵	دو۲ کوہان والے اونٹوں کا بیان۔	۴۴۱

چینیوں، تاتاریوں، زنگیوں، زنان مغربیہ واتراک کے اعضاء میں اختلاف۔	۴۴۱	ایسے جانور کی حرمت پر امام اعظم، شافعی واحمد کا اتفاق ہے۔	۳۱۵
متفرقات		کون ساخرگوش جائز ہے پنجہ والا یا کھر والا "سوال"	۳۲۲
صاحب قنیہ اور قاضی خاں کے اقوال میں تطبیق۔	۱۲۱	مارماہی کی پیدائش کے بارے میں مختلف نظریات اور خود مصنف کا نظریہ،	۳۲۵
بدائع کی ایک عبارت کی توضیح اور مصنف کی تحقیق کہ صرف دو رگیں قلب سے دماغ تک متصل ہیں، حلقوم اور مری نہیں۔	۲۲۱	جری، صلور اور انکلیس کے بارے میں اہل فن کے اختلافات کا ذکر۔	۳۲۵
مختلف نیتوں کا تفصیلی بیان۔	۲۶۹	علامات تفرتح کا بیان۔	۳۴۱
الو کی حلت وحرمت سے سوال اور عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان، اور حیوۃ الحیوان کا حوالہ کہ شافعیہ کے نزدیک حرام اور حنفیّہ کے یہاں حلال ہے مگر عالمگیری میں یہ قول لفظ قیل کے ساتھ بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔	۳۱۲	بعض علاقوں کے انسانوں، اونٹوں، دنبوں کے درمیان بعض اعضاء میں اختلاف کا بیان۔	۴۰۵
لحیوۃ الحیوان کا حوالہ غلط ہے اس میں حنفیّہ کی طرف حلت کی نسبت نہیں، البتہ شافعیہ کے دو قول ہیں۔	۳۱۴	نہایہ کی عبارت کی توضیح۔	۴۴۰
ان تین کتابوں کے علاوہ تمام کتب فقہ اور احادیث میں پنجہ اور کیلہ والے شکاری جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان شعرانی سے اس موضوع پر نصوص۔	۳۱۴	علامہ شامی کے ایک اعتراض کی تضعیف اور جد الممتار کا حوالہ۔	۵۲۰
ایسے جانوروں کے حرمت کی حکمت یہ ہے کہ ان کی خصلت شرعًا بری ہے تو کھانے والا بھی ایسا ہی بد خصلت ہو جائے گا۔	۳۱۴		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الشفعۃ

(شفعہ کا بیان)

مسئلہ ۱: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو ایک قطعہ زمین کا مالک تھا، اپنے کارندے کی معرفت سب اہل محلّہ پر ارادہ بیع کا اعلان کرتا رہا، کسی نے خواہش خریداری نہ کی، بکر مسلمان نے جو بذریعہ فیصلہ ثالثی ایک قطعہ زمین ملحق قطعہ مذکورہ کا قبل بیع مالک ہو چکا تھا، اسے خریدا، اور یہ قطعہ بکر قطعہ خالد کا جزء تھا کہ اب تقسیم ہو گئی ہے۔ اور قطعہ خالد کہ وہ بھی مسلمان ہے قطعہ زید کی پشت پر واقع ہے۔ مگر اس کی راہ قطعہ زید کی راہ سے بالکل جدا ہے اور قطعہ زید قطعہ بکر دونوں کے راہ ایک کوچہ سربستہ میں ہے، تکمیل بیع سے چھ دن بعد خالد نے بکر مشتری سے کہا یہ زمین میرے ہاتھ بیچ ڈال ورنہ میں بذریعہ شفعہ لے لوں گا۔ بکر نے کہا میں خود شفیع تھا، میرے سامنے تیرا شفعہ نہیں خالد ڈیڑھ مہینے تک خاموش رہا اور وپیہ پیش نہ کیا، بلکہ کہا تمھیں مبارک ہو، بعدہ روپیہ پیش کیا اور آمادہ خریداری ہوا، اس صورت میں خالد شفیع ہے یا نہیں؟ اور اس کا حق شفعہ ساقط ہوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ہرگز استحقاق شفعہ نہیں۔

اوّلاً: وہ جار ملاصق ہے۔ اور بکر شریک فی حق المبیع۔ در مختار میں ہے:

لو کان المشتری شریکا وللدار جارفلا شفعة للجار مع وجودہ[1] اھ ملخصا۔	اگر مشتری مکان میں خود شریک ہو تو اس کی موجودگی میں پڑوسی کو اس مکان میں شفعہ کا حق نہیں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

عقودالدریہ میں ہے:

لوکان الثالث جارا فقط فلاشفعہ لہ لان المشتری خلیط، فیقدم علی الجار[2]۔	اگر تیسرا آدمی صرف پڑوسی ہو تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ مشتری خود شریک ہے لہٰذا وہ پڑوسی پر مقدم ہے۔ (ت)

ثانیاً: اگر شفیع ہوتا بھی تو اس کا مشتری سے طالب بیع ہونا خود ہی اسقاط شفعہ کے لئے بس ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلھا ان استاجرھا اوساومھا بیعا اواجارۃ ملتقی" او طلب منہ ان یولیہ عقد الشراء[3]۔	مبیع کو اجارہ پر مانگا۔ یا اجارہ یا بیع کے طور پر بھاؤ لگایا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ ملتقی یا مشتری سے شراء کا متولی ہونا چاہا۔ (ت)

منح الغفار میں ہے:

لان بالاقدام علی الشراء من المشتری اعرض عن الطلب وبہ تبطل الشفعۃ انتہی[4]۔ **اقول:** ومن ھٰھنا علم جھل بعض من یدعی[عـــہ] العلم۔ حیث قال فی جواب ھذاالسوال معللا لانعدام شفعۃ	کیونکہ اس کا مشتری سے خریدنے کا اقدام شفعہ کے طلب سے اعراض ہے جبکہ اس اعراض سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے انتہی (ت)

عـــہ: وھو امیر احمد سہسوانی ۱۲۔

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ہی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] العقود الدریۃ کتاب الشفعۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۸۱

[3] درمختار کتاب الشفعۃ باب یبطل الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[4] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

خالد ان خالدا اعرض عن الاشتراء من المشترى هذه المدة فلایفید عرض الثمن بعد ذلك اھ بالتعریب۔ فانظر کیف جعل المسقط مثبتا، و الاعراض عن المسقط مسقطا۔ ومن جهله ایضا التعلیل بعدم طلب المواثبة، فانه لاذکر له فى السوال، فمن این لك انه لم یواثب ومن جهله ایضا التعلیل الثالث بان قطعة بکر لما کانت جزء من قطعة خالد، فالبکر شفیع بنفسه، لان الرجل فى امثال الصورة یکون شفیعا بدون القبض فکیف والبکر قابض، قال فى الهندیة ولوا شترى دار اولم یقبضها حتى بیعت دار اخرى بجنبها، فله الشفعة کذا فى محیط السرخسى [1]، فثبت انه لا شفعة لخالد مع بکر اھ معربا۔ **اقول:** کون قطعة بکر جزء من قطعة خالد، ان جعله شفیعا فلقطعة خالد لا لقطعة زید، وانما الکلام فى قطعة زید، وایضا شفعة بکر مبتنیة على کونه شریکا لقطعة زید فى الطریق حق، لو لم یکن هناك خالد ولاارضه لکان بکر شفیعا ایضا، فقد اخطاء من وجهین، اهمال المبنى الحقیقى والبناء على امر اجنبى وایضا کیف ینفى	ہوئے کہا کہ خالد نے اس مدت میں مشتری سے خریدنے سے اعراض کیا لہٰذا اس کے بعد خالد کا ثمن کی پیشکش کرنا مفید نہ ہوگا اھ عربی کے ساتھ، تو غور کرو اس نے کس طرح مسقط کو مثبت اور مسقط سے اعراض کو شفعہ کے لئے مسقط بنایا، اور اس کی یہ بھی جہالت ہے کہ حق شفعہ کے عدم مطالبہ کو یہاں علت بنایا حالانکہ اس کا سوال میں کوئی ذکر نہیں ہے تو اے مدعی علم! تجھے کہاں سے معلوم ہوگیا کہ اس نے اس حق کا مطالبہ نہیں کیا، اور ایک جہالت یہ بھی ہے کہ اس نے تیسری علت یہ بنائی کہ بکر کا قطعہ زمین خالد کے قطعہ کا جز ہے تو یوں بکر خود شفیع ہوا کیونکہ اس جیسی صورت میں بغیر قبضہ کے آدمی شفیع ہوجاتا ہے جبکہ بکر قابض ہے تو کیوں شفیع نہ ہو، ہندیہ میں ہے اگر مکان خریدا اور ابھی قبضہ نہ کیا تھا کہ پڑوس میں ایک مکان فروخت ہوا تو اس خریدار کو شفعہ کا حق ہے۔ محیط میں یوں ہے۔ تو ثابت کہ خالد کو شفعہ کا حق بکر کے مقابلہ میں نہیں ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) بکر کے قطعہ کا خالد کے قطعہ کا جز ہونا اگر شفعہ کو بنائے تو خالد کے قطعہ کے لئے بنائے نہ کہ بکر کے قطعہ کے لئے، حالانکہ بات بکر کے قطعہ کے ہورہی ہے، نیز یہ کہ بکر کو شفعہ کا حق زید کے قطعہ کے راستہ میں شریک ہونے پر مبنی ہے اور وہ برحق ہے خواہ وہاں خالد اور اس کی زمین نہ ہو، بکر پھر بھی شفیع ہے تو اس نے دو طرح کی خطائیں کیں، حقیقی مبنی کو مہمل بنانا اور اجنبی چیز کو مبنی بنانا، نیز یہ صاحب اپنے (بیان کی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۰۰

ھذا کون خالد شفیعا، لامکان ان یکونا شفیعین، فان فزعت الی الترجیح، فھو امرزائد علی ماذکرت، و قد کان فیہ المغنی، علی انہ لا یتم الکلام الا بضم المقدمۃ القائلۃ ان حق الشفعۃ یثبت للمشتری ایضا، وھی مقدمۃ غامضۃ، فذکر الواضح وترک الدقیق جھل فاضح، اوعدول عن الطریق وبالجملۃ فمفاسد التکبر وادعاء التصدر اکثر من ان تحصر، فانظر الی این صار حال العلم والرجل یدعی شمس العلماء، ویکتب ذٰلک مع اسمع نفسہ، مع مافیہ من البدع والطغیان، وسلاطۃ اللسان، والطعن، والوقیعۃ فی جمیع علماء الزمان، بل وکثیر ممن قبلھم من اھل السنۃ والعرفان، فاللہ المستعان و لاحول ولا قوۃالاباللہ العزیز الرحمن۔	روشنی میں) خالد کے شفعہ کی نفی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ دونوں کا شفیع ہونا ممکن ہو۔ اگر آپ کو ترجیح کی مجبوری ہے تو یہ آپ کے بیان کردہ سے زائد ہے حالانکہ اسمیں مستغنٰی کرنے والا امر موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہ کلام اس مقدمہ کے بغیر تام نہیں کہ مشتری کو بھی شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے جس کو یہاں ضم کرنا ضروری تھا اور یہ مقدمہ قابل وضاحت تھا، تو مقدمہ غامضاہ اور دقیق کو ترک کرنا اور واضح کو ذکر کرنا کھلی جہالت ہے۔ یا طریقہ بیان سے انحراف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو بڑا ظاہر کرنے اور تکبر کرنے میں بیشمار مفاسد ہیں، آپ غور کرلیں کہ کہاں علم کا یہ حال جبکہ دعوی کررہا ہے شمس العلماء ہونے کا، اور پھر خود اپنے نام کے ساتھ یہ لقب لکھتا ہے حالانکہ اس میں بدعت اور تعلی، زبان درازی، طعن اور زمانہ کے تمام علماء کرام بلکہ بہت سے پہلے کے اہل سنت واہل عرفان پر بڑائی کا دعوی ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الرحمن۔ (ت)

ثالثًا: اس کا کہنا تمھیں مبارک ہو صریح دلیل رضا و تسلیم ہے۔ اور شفعہ بعد تسلیم باطل۔

تنویر میں ہے۔ یبطلھا تسلیمھا بعد البیع[1] اھ ملخصا۔ (بعد از بیع اسے تسلیم کرنا شفعہ کو باطل کردیتا ہے اھ ملخصا۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر پر اس کی زوجہ کا دین مہر بمقدار (بیس ہزار روپیہ عہ //) کے لازم ہے۔ بکر نے ایک مکان خریدا، بعد خریداری کے وہ مکان اپنی زوجہ کے ہاتھ بعوض اس کے دین مہر کے بیع کردیا بعوض دین مہر کے بعوض کیا، تو اس صورت میں خالد کہ مکان مذکور کا شفیع ہے اس کا شفعہ پہنچتا ہے یا

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہیں اور اگر زوجہ کو بلا عوض ہبہ مجرد کردے تو شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بعوض مہر بیع کی یا ہبہ بالعوض کیا، یعنی یوں کہا یہ مکان میں نے بعوض تیرے مہر کے تجھے دیا، اور زوجہ نے قبول کیا تو شفعہ لازم ہے۔ اگرچہ مکان قبضہ زوجہ میں نہ آیا ہو۔

لان الشفعة تعتمد زوال الملك عن المالك والملك فی البیع الصحیح یزول بمجرد العقد من دون توقف علی القبض والهبة بعوض بیع ابتداء وانتهاء، کما فی الهدایة[1] والدرالمختار[2] وغیرهما من الاسفار۔	کیونکہ شفعہ کا مدار مالک سے ملکیت کے زوال پر ہے جبکہ صحیح بیع میں عقد بیع سے ہی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ مشتری کے قبضہ پر موقوف نہیں ہوتی، اور ہبہ بالعوض ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہما کتب میں ہے۔ (ت)

اور اگر ہبہ بشرط العوض کیا یعنی یوں کہا کہ یہ مکان میں نے تجھے ہبہ کیا بشرطیکہ تو مجھے مہر ہبہ کردے، اور زوجہ نے مہر بخش دی، تو شفعہ ثابت نہ ہوگا، جب تک مکان قبضہ زوجہ میں نہ آجائے، جب باذن شوہر زوجہ قبضہ کاملہ کرے گی، اس وقت شفیع کا شفعہ ثابت ہوگا۔

لانها هبة ابتداء فلا یزول الملك الا بالقبض، فاذا وجد القبض عادت بیعا، فتثبت الشفعة۔	کیونکہ یہ ابتداءً ہبہ ہے لہٰذا ہبہ میں قبضہ کے بغیر واہب کی ملکیت زائل نہ ہوگی، تو جب قبضہ پایا جائے گا تو ہبہ بیع بن جائے گا تو شفعہ ثابت ہوجائے گا۔ (ت)

اور اگر ہبہ مجرد کیا تو اصلاً شفعہ نہیں،

فی الهدایة لا شفعة فی هبة الا ان تکون بعوض مشروط لانه بیع انتهاءً ولا بد من القبض وان لا یکون الموهوب ولا عوضه شائعا لانه هبة ابتداءً[3]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہدایہ میں ہے ہبہ میں شفعہ نہیں ہوتا مگر جب وہ عوض کے ساتھ مشروط ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ انتہاءً بیع قرار پاتا ہے تو قبضہ ضروری ہے۔ اور موہوب اور اس کا عوض شائع نہ ہو کیونکہ یہ ابتداءً ہبہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الہبہ باب مایصح رجوعہ ومالایصح مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۹۔۲۸۸

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] الہدایہ کتاب الشفعۃ باب ماتجب فیہ الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۰۲

مسئلہ ۳: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۲۳ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی خریدا، اور واسطے ثبوت اپنے قبضہ کے ایک شاخ درخت واقع اراضی مشریہ کو قطع شروع کیا، اس وقت بکر کو اطلاع بیع لینے اراضی کی ہوئی، بکر اسی وقت موقع پر زید کے پاس گیا اور کہا میں اس اراضی کا شفیع ہوں مجھ کو دے دو، زید نے کہا تمھارا شفعہ دو وجہ سے جائز نہیں، ایک نظیرا، دوسرے میں خود شفیع ہوں۔ پھر کچھ گفتگو نہ ہوئی، بعد ایک مہینہ بارہ روز کے بکر نے زید سے کہا کہ روپیہ لے لو، جس قیمت کو یہ اراضی خریدی ہے اور اراضی مجھ کو دے دو، زید نے روپیہ نہ لیا اور کہا کہ حق مواثبت جاتا رہا اور بعد چند عرصہ کے زید نے وہ اراضی بذریعہ ہبہ مطلق منتقل کردی اور دستاویز مصدق پر رجسٹری کردی، وقت اطلاع ہبہ شفیع مدعی ہوا کہ مجھ کو اطلاع ہبہ کی نہ تھی، اب جو مجھے اطلاع ہوئی تو میں اس انتقال کا بھی شفیع ہوں، ان صورتوں میں شفعہ بکر جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ انتقال ہبہ قبل تصفیہ باہمی زید وبکر کے درست ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

شفیع اگر بفور استماع خبر طلب شفعہ کرکے مشتری یا مکان کے پاس جاکر طلب تقریر کرے، اور اگر مبیع ہنوز قبضہ بائع میں ہو تو اس کے پاس طلب بھی کافی ہے۔ اور اس طلب دوم میں بھی بشرط قدرت دیر نہ لگائی تو ان امور سے اس کا شفعہ مستقر ہو جاتا ہے کہ بے صدور مبطل باطل نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

یطلبھا لشفیع طلب المواثبۃ ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذایدا و عند العقار، وھذا لابد منہ، حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول، ولم یشھد بطلت شفعتہ، وان لم یتمکن منہ لاتبطل[1] اھ ملخصا۔	شفیع استقرار حق طلب کرکے پھر بائع کے پاس گواہ بنائے اگر پراپرٹی اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے ہاں گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو، یا فروخت شدہ زمین پر ایسا کرے۔ اور یہ ضروری ہے حتی کہ اگر اس کو یہ بذریعہ خط یا بذریعہ قاصد بھی ممکن ہو اور وہ ایسا نہ کرے تو اس کا شفعہ باطل ہو جائے گا اور اگر اس کو یہ قدرت نہ ہوئی تو باطل نہ ہوگا اھ ملخصا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الحق متی ثبت واستقر لایسقط	اور حق جب ثابت ہو جائے اور استقرار ہو جائے

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

الا باسقاطه[1] الخ۔	توخود ساقط کئے بغیر ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تستقر بالا شهاد ای بالطلب الثانی، وهو طلب التقریر، والمعنی اذا اشهد علیها لاتبطل بعد ذٰلك بالسکوت الا ان یسقطها بلسانه اویعجز عن ایفاء الثمن فیبطل القاضی شفعته[2] الخ۔	شفعہ کا گواہ بنانے یعنی دوسری طلب پر استقرار ہو جاتا ہے یہ دوسری طلب برائے پختگی ہے اور معنی یہ ہوا کہ جب شفعہ پر گواہ بنالیے تو اس کے بعد سکوت سے باطل نہ ہوگا ہاں اگر خود اپنی زبان سے ساقط کرے یا ثمن کی ادائیگی سے عاجز رہے تو قاضی اس کے شفعہ کو باطل قرار دے گا۔ الخ (ت)

پس اگر تمام مدارج طلب ابتدائی وطلب ثانی کے بجالا یا تو بیشک اس کا حق مؤکد ہوگیا، اور مشتری کا خود شفیع ہونا اس کے حق کا مانع نہیں، غایب یہ ہے کہ اگر دونوں مساوی درجہ کے شفیع ہے اور مشتری مزاحمت کرے تو مبیع دونوں میں نصف نصف ہو جائے۔

فی الدر المختار لو کان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلهما الشفعة[3]۔	درمختار میں ہے کہ اگر مشتری شریک ہو اور مبیع مکان میں کوئی اور شریک بھی ہو تو دونوں شریکوں کو شفعہ کا حق ہوگا۔ (ت)

اور روپیہ بطور طلب شفعہ پیش کرنا کہ میں شفیع ہوں اپنا روپیہ لے۔ اور شیئ مشفوع مجھے دے کچھ مضر نہیں۔

لانه لایدل علی الرغبة عنها بل فیها فی الدر المختار الاصل ان الشفعة تبطل باظهار الرغبة عنها لافیها[4]۔	کیونکہ یہ اس سے اعراض پر دال نہیں ہے بلکہ اس میں دلچسپی کا اظہار ہے درمختار میں ہے قائدہ یہ ہے کہ اعراض کرنے سے شفعہ ساقط ہوتا ہے اس دلچسپی سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

ہاں یوں روپیہ پیش کرنا کہ قیمت لے اور مکان میرے ہات بیچ ڈال، البتہ مسقط شفعہ ہے۔

فی الدر المختار یبطلها ان طلب منه ان یولیه عقد الشراء[5]۔	درمختار میں ہے کہ شفیع اگر یہ مطالبہ کرے کہ مجھ سے شراء کر تو اس مطالبہ سے شفعہ کا باطل ہو جائے گا۔ (ت)

---

[1] الهدایہ کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۹

[3] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[4] درمختار کتاب الشفعة باب ما تثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[5] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

اور ہبہ مجردہیں اگرچہ شفعہ نہیں، مگر مشتری بوجہ ہبہ خواہ کسی طریقہ انتقال کے حق شفیع کو ساقط نہیں کرسکتا کہ اس کا دعوٰی شفعہ بربنائے بیع ہے۔ جو مالک اول نے اس مشتری کے ہاتھ کی، نہ بربنائے اس ہبہ کے جو یہ مشتری دوسرے کے لئے کرتا ہے، ایسی حالت میں شفیع کو اختیار ہوتا ہے کہ مشتری کے تمام تصرفات کو رد کردے اور مبیع بذریعہ شفعہ لے لے۔

فی الدرالمختار ینقض الشفیع جمیع تصرفاتہ ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ زیلعی وزاھدی[1]۔ (جواب نامکمل ملا)	درمختار میں ہے کہ شفعہ حاصل کرلینے کے بعد شفیع مشتری کے تمام تصرفات ختم کردے گا حتی کہ وقف، مسجد، مقبرہ اور ہبہ تک کو توڑدے گا، زیلعی وزاہدی (ت)

مسئلہ ۴: ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ از بدایوں مرِدہی ٹولہ شیخ حامد حسن صاحب مختار

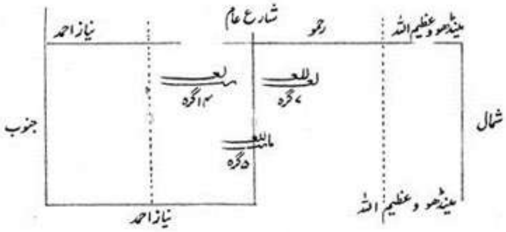

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مکان تعدادی (ماسہ للعہ ۹ گرہ) جانب شمال مینڈھو عظیم اللہ کا تھا۔ اس کے جانب جنوب رحمو کا مکان تعدادی (صہ للعہ ۵ گرہ) کا، اس سے جنوب کو نیاز احمد کا مکان تھا، رحمو کا مکان مینڈھو و نیاز احمد نے خرید کیا، اور باہم تقسیم ہوگئی (لعہ للعہ ۷ گرہ) اراضی شمال مینڈھو کو ملی، اس نے اپنے مکان شمال میں شامل کرلی اب مینڈھو و عظیم اللہ کا مکان (ماسہ لعہ) علاوہ آبچک کے ہوگیا، اور (مہ لعہ ۱۴ گرہ) جنوبی نیاز احمد کو ملی، اس نے اپنے مکان جنوبی میں ملالی نیاز احمد اپنا مکان جس میں اراضی مشتری یہ بھی شامل تھی بدست وزیر الدین بیع کردیا، تخمیناً دس برس ہوئے کہ وزیر الدین مشتری نے ہر چہار سمت سے بطور خود اپنا پختہ مکان تعمیر کرلیا، فرمائے کہ جب تقسیم ہوکر تین مکان سے دو مکان ہوگئے، اور درمیان میں دیوار موجود ہے اور کوئی شرکت دیوار میں

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

بھی نہیں، اور راستے دکانوں مکانوں کے جانب غرب شارح عام میں ہیں اور دونوں کی آبچکن جانب شرق اپنی اپنی جداگانہ زمین میں۔ تو وزیر الدین مشتری مکان نیاز احمد کو نسبت (لعہ للعہ ے گرہ) اراضی مشتریہ مینڈھوں کی، حق خلیط کا حاصل ہے یا شفیع جار کا، وزیر الدین گمان کرتا ہے کہ رحمو کا مکان میرے بائع نیاز احمد اور مینڈھو نے مشتر کا خریدا تھا، لہٰذا مجھے حق خلیط حاصل ہے، یہ گمان اس کا شرعا صحیح یا باطل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ نہ ایک مکان کی راہ دوسرے میں نہ دونوں کی کسی کوچہ سربستہ غیر نافذہ میں، نہ ایک کو دوسرے سے آبچک کا تعلق، تو بالاتفاق ان میں سے کسی کے مالک کو دوسرے سے علاقہ خلیط نہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کا مجاز محض ہے۔ درمختار میں ہے:

للخلیط فی حق البیع ھو الذی قاسم وبقیت لہ شرکۃ فی حق العقار کالشرب والطریق خاضین فلو عامین فلاشفعۃ بھما[1] اھ ملخصا۔	تقسیم شدہ مبیع کے حقوق میں شرکت مثلا پانی اور راستہ خاص ہوں یا عام۔ باقی ہو تو بھی خلیط کو اس شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں اھ ملخصًا۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

جار ملاصق بابہ فی سکۃ اخرٰی، اویکون بابہ وباب ذٰلك الجار معا الی الطریق العام[2]۔	پڑوسی جس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو یا دونوں کا شارع عام کی طرف سے ملا ہو۔ (ت)

وزیر الدین کا خیال ہے میرا بائع مینڈھو ایک زمین مشترک کے خلیط تھے جس کا ایک حصہ میرے بائع اور ایک مینڈھو کے مکان میں پڑا، لہٰذا میں اس کا خلیط ہوں، محض باطل ہے۔ کہ جب تقسیمیں ہوگئیں حدیں پڑ گئیں، دیواریں کھنچ گئی، راہیں پڑ گئیں، پھر خلط کہاں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعۃ اخرجہ الامام البخاری[3]۔	جب حد بندی ہو جائے اور راستہ تبدیل ہو جائے تو اب شریک کو شفعہ کا حق نہیں، اس کو بخاری

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۸

[3] صحیح البخاری بؤاب الشرکۃ فی الارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۹

وغیرہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور دیگر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اقتسما الارض وخطا خطا فی وسطها ثم اعلی کل منهما شیئا حتی بنیا حائطا، فکل منهما جار لصاحبه فی الارض[1]۔	جب دو شریکوں نے زمین تقسیم کرلی اور درمیان میں خط کھینچ لیا پھر دونوں نے کچھ خرچہ کرکے دیوار بنادی تو دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی قرار پائیں گے۔ (ت)

غرض اگلے وقتوں کی شرکت پر اب دعوی حق خلط کرنا عجب دعوی ہے جس کا بطلان ہر ذی عقل پر ظاہر۔ فضلا عن ذی فضل۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: از بدایوں مِردی ٹولہ شیخ حامد حسن وکیل ۱۶ رجب ۱۳۰۷ھ

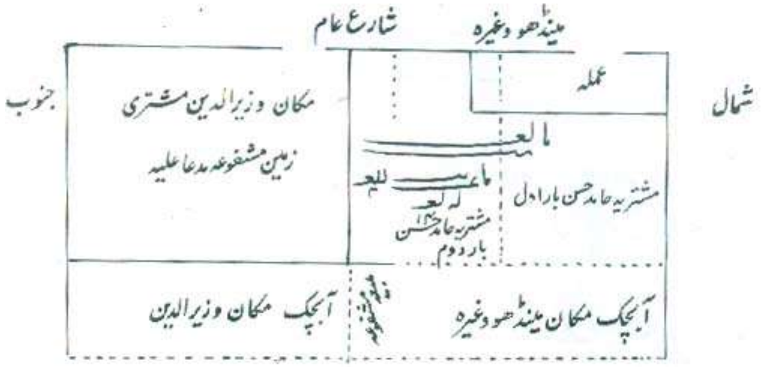
شارع عام
مینڈھو وغیرہ
جنوب
شمال
علمہ
مکان وزیرالدین مشتری
زمین مشفوعہ مدعا علیہ
ما لعہ
ما عہ
للعہ
لہ لعہ
مشتریہ حامد حسن بار دوم
مشتریہ حامد حسن بار اول
آبچک مکان وزیرالدین
آبچک مکان مینڈھو وغیرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مینڈھو و عظیم اللہ کا مکان (ما صہ للعہ) گز کا ہے جس میں جانب شمال (ما مہ للعہ ۹ گرہ) ان کی موروثی اور (لعہ للعہ ۷ گرہ) جنوبی خاص مشتریہ مینڈھو ہے جو اسے بذریعہ شراء بعد تقسیم نیاز احمد ملی تھی، مینڈھو عظیم اللہ نے منجملہ مکان تعدادی (ماصہ لعہ) گز کے ===== گز کے زمین جانب شمال میں باستثنائے آبچک شرقی وعلمہ بدین تعینین کہ شرقا غربا (عہ عہ) گز را اور جنوبا شمالا ہے گز بدست حامد حسن بیع کی (ما عہ عہ) گز منجملہ مکان باقی رہی، اس بقیہ (ماعہ سہ) گز سے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز اراضی شمالی تنہا مینڈھو نے بایں الفاظ بدست حامد حسن مذکور بیع کی کہ منجملہ (ماعہ سہ گز کے لعہ ۱۴ گرہ) گز میری اراضی. بروئے تقسیم خانگی باہمی اراضی عظیم اللہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

سے جانب شمال ہے۔ لہٰذا باستثنائے آبچک بیع کی) اس (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز منجملہ اس (لعہ للعہ) گز کے بھی شامل ہے جو خاص مشریہ مینڈھو تھی، اور یہ کل تعدادی (ماسہ لعہ) گز اس وقت تک بلا کسی حد فاصل کے ہے، نقشے میں جہاں جہاں نقطے دئے گئے ہیں وہاں کوئی دیوار یا حد نشان نہیں صرف تعیین سمت و مقدار گز کے اسے ایک ذہنی امتیاز ہے۔ یہم قطعہ زمین سے جسے آبچک کہا جاتا ہے یہ بھی بلا کسی حد فصل کے مجموعہ مکان کا ایک غیر متمیز ٹکڑا ہے جسے بے پیمائش کے تعین نہیں کر سکتا، غرض کل مکان قطعہ واحدہ ہے۔ اس میں سے بقیہ (للعہ ۲ گرہ) گز جنوبی و کل آبچک و عملہ واقعہ مشریہ حامد حسن کو مینڈھو و عظیم اللہ نے بدست وزیر الادین ہمسایہ جنوبی بیع کیا، اس مکان اور مکان وزید الدین مشتری کے بیچ میں ایک دیوار خاص مملوک وزیر الدین فاصل ہے۔ دونوں مکان کی راہیں جانب غرب شارع عام میں ہیں۔ اور دونوں کی آبچکیں اپنی اپنی خاص زمین میں جانب مشرق ہیں، دونوں کا پانی اپنی خاص زمین میں ہوتا ہوا شرق مکانات مختلفہ میں گزر جاتا ہے۔ فرمائیے کہ ایسی صورت میں اراضی مبیعہ حامد حسن کو حق شفیع خلیط ہے یا نہیں؟ اور شرعا اس استحقاق سے وہ کل زمین حامد حسن کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وزیر الدین اس مکان مینڈھو وغیرہ کا جار محض ہے کہ نہ اسے کوئی شرکت نفس مبیع میں، نہ حق مبیع میں، اور تقریر و نقشہ سوال سے ظاہر کہ آبچک کی زمین بھیج باہم مشترک نہیں، بلکہ دونوں آبچکیں ایسے مختلف مکانوں کے جداگانہ ٹکڑے ہیں جن میں ایک کا کوئی حق دوسرے سے متعلق نہیں، صرف اتصال ہی اتصال ہے توجوار سے زیادہ اسے کوئی استحقاق نہیں، نفی خلط کے لئے بیچ میں دیوار ہی ہونا ضروری نہیں کہ اراضی آبچک میں جہاں دیوار نہیں شرکت وخلط مانیں، بلکہ مجرد و تعیین و امتیاز کافی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا کان نهر علاہ لرجل واسفله لرجل فاشتری رجل نصیب صاحب اعلی النهر فطلب اسفل النهر الشفعة فالشفعة له بالجوار وکذلك لواشتری رجل نصیب اسفل النهر فالشفعة لصاحب الاعلی بالجوار، کذا فی المبسوط[1] اھ ملخصا۔	اگر ایسی نہر ہو کہ اس کا اوپر والا حصہ ایک شخص کو اور نیچے والا دوسرے کا ہو تو کسی آدمی نے اوپر والے کا حصہ خرید لیا تو نیچے والے کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس کا یہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا، اور یونہی اگر کسی نے نیچے والے کا حصہ خریدا ہو تو اوپر والے کا شفعہ ہو تو وہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہے اھ ملخصا (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۱

اور حامد حسین خلیط فی حق المبیع ہے کہ مکان واحد کا ایک حصہ مشاع خریدنے سے مشتری شریک فی العین ہو جاتا ہے۔ یوں ہی اس میں سے ایک حصہ معین محدود بتعین سمت و مقدار خریدنے سے خلیط فی الحق ہو جاتا ہے۔ جب تک حدیں فاصل ہو کہ انقطاع تعلق نہ ہو جائے زیر قول در مختار:

ان باع رجل عقارا الا ذرا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعة لعدم الاتصال وکذا لاشفعة لو ووھب ھذ القدر للمشتری وقبضه[1]۔	اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی مگر شفیع کی حد کی طرف ایک گز کو فروخت نہ کیا تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ اس کی حد سے اتصال نہ پایا گیا، اور یوں ہی اگر اس نے اتنا حصہ مشتری کو ہبہ کر دیا اور قبضہ دے دیا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان المرد وھبة بعد بیع ماعداھذا القدر بقرینة قوله للمشتری ومثله مالو باعه له لانه صار شریکا فی الحقوق، فلاشفعة للجار[2] اھ یعنی مثل الھبة فی عدم الشفعة مالو باع البائع ھذا الزراع الباقی فی البیع الاول المشتری القطعة الاولیٰ، لانه بشرائه القطعة الاولی صار شریکا فی حقوق القطعة الثانیة، وھی الذراع المبیع ثانیا، فجار الدار وان کان له حق الجوار فی ھذا الذراع، لوجود الاتصال لکن لاشفعة له لان المشتری خلیط فی الحقوق فلا شفعة معه للجار المحض۔	ظاہر یہ ہے کہ اس کی مراد بیع کے بعد مشتری کو ہبہ کرنا ہے اس پر قرینہ للمشتری کا لفظ ہے اور یونہ اگر وہ اتنا حصہ اس نے بعد میں مشتری کو فروخت کر دیا ہو، کیونکہ وہ مشتری اب حقوق میں شریک ہو چکا ہے اس لئے اب پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا اھ یعنی شفعہ نہ ہونے میں وہ صورت کہ بائع نے پہلی بیع میں سے باقیماندہ گز کو پہلے مشتری کے پاس فروخت کیا تو ہبہ کی طرح پڑوسی کا شفعہ نہ ہوگا کیونکہ وہ مشتری پہلے قطعہ کو خریدنے کی بناء پر دوسرے باقیماندہ حصہ کے حق میں شریک ہوگیا تو اگرچہ جگہ کے پڑوسی کو پڑوس کی وجہ سے اس باقیماندہ میں اتصال ہے لیکن اس کا شفعہ نہیں کیونکہ مشتری حقوق میں شریک بن گیا لہٰذا اس کے مقابلہ میں محض پڑوسی کو حق شفعہ نہ رہا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

اسی میں ہے:

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار کما قدمناہ[1]۔	باقیماندہ گز میں مشتری حقوق کا شریک ہوگیا لہٰذا وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ (ت)

پس حامد حسن نے جس وقت پہلا قطعہ ===== گز بتعیین سمت ومقدار خریدا باقی تمام زمین مملوکہ مینڈھو وعظیم اللہ میں خلیط فی الحق ہوگیا، اسی طرح دوسرے بار کی خریداری نے اس کا بھی استحقاق قائم رکھا، اور جبکہ وہ مکان مع آبچک وغیرہ بتمامہ قطعہ واحدہ ہے، تو اس کے مجموع سے حق حامد حسن متعلق ہوا، جس سے کسی جز کو مستثنٰی ماننے کی کوئی وجہ نہیں کما لا یخفی علی احد (جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ت) اور خلیط فی الحق جار محض پر شرعا مقدم کہ جار خریدے تو یہ بذریعہ شفعہ اس سے سب پر واپس لے سکتا ہے۔ کما فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ معتبر کتب میں ہے۔ت) عالمگیری میں ہے:

یراعی فیها الترتیب فیقدم الشریك علی الخلیط، والخلیط علی الجار[2]۔	اس میں ترتیب کی رعایت ہوگی تو شریک مقدم ہوگا خلیط پر، اور خلیط مقدم ہے پڑوسی پر۔ (ت)

پس ثابت ہوا کہ جس قدر زمین آبچک وغیرہ آبچک بدست وزیر الدین جار محض بیع کی گئی تمام وکمال حامد حسن شفیع خلیط فی حق المبیع کو بذریعہ شفعہ ملنی چاہئے، اگر وہ شرائط طلب کما ینبغی بجالایا ہو، اور عملہ اگرچہ جب اپنی زمین سے بیچا جائے محل شفعہ نہیں، شرح المجمع علامہ ابن ملک میں ہے:

وبیع النخل وحدہ اوالبناء وحدہ فلا شفعة لانهما الاقرار لهما بدون العرصة[3]۔	کھجور کے درخت کی علیحدہ یا عمارت کی علیحدہ بیع میں شفعہ نہیں کیونکہ زمین کے بغیر ان کو قرار حاصل نہیں ہے۔ (ت)

مگر اس کا بیع میں داخل ہونا زمین میں استحقاق شفعہ کا مانع نہیں، ردالمحتار میں ہے:

الصفقة وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیه الشفعة، وعلی ما لیست فیه	سودا ایک ہو اور وہ ایسے حصوں پر مشتمل ہو کہ بعض شفعہ ہو سکتا ہے اور دوسرے بعض میں نہیں ہو سکتا تو شفعہ والے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعه باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعه الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۶۔۱۶۵

[3] ردالمحتار بحوالہ شرح المجمع کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

فیحکم بھا فیما تثبت فیہ اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع اھ[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	میں بندے کا حق ہونے کی وجہ سے پورے سودے پر شفعہ کا حکم ہوگا کہ بندے کا حق ادا ہوسکے، جیسا کہ درالبحار اور شرح المجمع میں ہے اھ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶: از بدایوں شیخ حامد حسن صاحب وکیل ۹ رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

بدایوں سے دوبارہ یہ سوال بعبارات طوال آیا جس کا خلاصہ یہ کہ کل مکان ۲۰۲ گز کا ظاہر کیا گیا ہے اور بیع اول بدست حامد حسن مین سے = = = = = = = = = گز نکل کر (ماعہ عہ) گز باقی تھا، اس میں سے منجملہ (ماعہ عہ) گز کے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز شمالی کہ بروئے تقسیم خانگی حق مینڈھو ٹھہری، مینڈھو نے بایں حدود معینہ بدست حامد حسن بیع کی اراضی آبچک زمین مبیعہ مملوکہ مقرو بردار مقرو بعد مکان سعد اللہ وغیرہ۔

غربی	جنوبی	شمالی
راستہ	اراضی عظیم اللہ	اراضی مشریہ حامد حسن

پھر باقی بدست وزیر الدین بیع ہوئی، اس مکان اور مکان وزیر الدین کا پانی اپنی اپنی خاص آبچکوں میں ہو کر شرقی مکانوں کے صحن مملوکہ سعد اللہ وغیرہ میں ملتا ہے۔ اور وہاں یہ دونوں پانی اور ان مکانوں کے پانی سب ایک ہو کر اسی صحن مملوک کے دروازے سے نکل کر راہ میں گزر جاتے ہیں، اس صورت میں وزیر الدین کو دعوی شرکت فی حقوق المبیع ہے۔ اور حامد حسن شفیع کو بدیں وجہ کہ کوئی تمیز خارجی نہیں دعوی شرکت فی نفس المبیع ہے، پس شرعا کیا حکم ہے۔ اور عملہ کہ اس مبیع بارسوم پر قائم اور بیع میں داخل ہے شفعہ میں داخل رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حامد حسن کو حق شفع حاصل ہے۔ اور وزیر الدین کو اس کے مقابل کوئی استحقاق مزاحمت نہیں کہ اگرچہ زمین کا محدود بحدود معینہ ہونا ہی اس کے امتیاز وابطال شیوع کے لئے بس ہے۔ جس قطعہ کا آغاز وانجام جدا بتا سکیں وہ مشاع کب ہوا، مگر از انجا کہ ہنوز مکان میں حدیں فاصل نہ پڑیں، دیواریں نہ کھنچیں، راہیں نہ پھریں، صرف ذہنی امتیازات ہیں، تو حامد حسن کو بیع میں ایک اعلٰی درجہ کا حق خلیط فی حقوق المبیع حاصل ہے۔ اور یہ استحقاق اس کے لئے اسی وقت سے ثابت ومسلم تھا جب سے اس نے = = گز کا پہلا قطعہ خریدا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کماقدمناہ[1]۔	باقیماندہ گز کو خریدنے والا مشتری حقوق میں شریک بن گیا ہے تو وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کیا۔ (ت)

اور مکان وزیر الدین کو اس مبیع کے سیل آب سے جو علاقہ ہے اگر روایت تاتارخانیہ پر نظر کیجئے تو اصلاً قابل التفات نہیں۔ اس میں صاف تصریح ہے کہ ایک مکان کا پانی خود اس دار مبیعہ میں بہتا ہو جب بھی یہ شرکت فی الحقوق نہ ٹھہرے گی اور صرف جوار محض قرار پائے گا، عالمگیریہ میں ہے:

لرجل مسیل ماء فی داربیعت کانت له الشفعة بالجوار لابالشرکة ولیس المسیل کالشرب کذا فی التتارخانیة[2]۔	فروخت ہونے والی حویلی میں سے دوسرے شخص کا پانی بہتا ہے تو اس پانی والے کو حویلی میں پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق شریک والا شفعہ نہ ہوگا اور پانی کا بہنا، سیرابی کا حکم نہیں رکھتا۔ یوں تاتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر روایت محیط وذخیرہ پر عمل کیجئے تو حامد حسن کہ شریک فی الطریق ہے۔ وزیر الدین سے جو صرف میل آب میں ایک علاقہ رکھتا ہے قطعاً مقدم ہے کہ اس کے ہوتے اسے کوئی استحقاق نہیں مزاحمت نہیں، عالمگیری میں ہے:

صاحب الطریق اولی بالشفعة من صاحب مسیل الماء کذافی المحیط[3]۔	راستے والا شفعہ میں پانی کے بہاؤ والے سے اولٰی ہے، یوں محیط میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

قال فی الدرالمنتقی ونقل البرجندی ان الطریق اقوی من المسیل فراجعه انتہٰی[4]۔ **قلت** نقله عن الذخیرة کمارأیته فیه۔	الدرالمنتقی میں فرمایا جس کو برجندی نے نقل کیا کہ راستہ کا حق پانی کے بہاؤ سے اقوی ہے۔ تو اس کی طرف مراجعت چاہئے، **میں کہتاہوں** کہ انھوں نے اس کو ذخیرہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۰

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[4] ردالمحتار کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

بہر حال حامد حسن اس تمام زمین مبیع کو مع اس کے جو اس مبیع پر قائم اور اس بیع میں داخل ہے بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے عملہ جب اپنی زمین کے ساتھ بیع میں آئے تو بالتبع وہ بھی محل شفعہ ہو جاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

خرج البناء والاشجار فلا شفعة فیها الا بتبعیة العقار وان بیع بحق القرار، درمنتقی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت خارج ہوگئے تو ان میں شفعہ نہ ہوگا بغیر زمین کے تابع بنے، اگرچہ قرار وبقاء کی شرط پر فروخت کئے ہوں درمنتقی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷: ۳ شوال ۱۳۱۰ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس صورت میں کہ ملوخاں نے ایک قلعہ حویلی معہ اراضی جس کے شمال میں ملحق حویلی محمد خاں، جنوب میں ملحق رفیع الدین کی ہے۔ کلن خاں اور علی حسن خان شخص غیر کے ہاتھ بیع کردی، اور اس کی خبر پاکر محمد خان ورفیع الدین ہمسایہ بائع متدعی شفعہ ہوئے، چنانچہ کلن خاں وعلی حسن خان مشتری حال نے حسب دعوی شفعہ محمد خاں کے نام بیعنامہ لکھ دیا، رفیع الدین نے نالش شفعہ کی ہے۔ پس رفیع الدین مدعی بذریعہ شفعہ بمقابلہ محمد خاں مشتری شفعہ کے کامیابی شرعا حاصل ہوسکتا ہے، یا دونوں شفیعوں کو قطعہ مشفوعہ تقسیم ہوسکتا ہے تو کس مقدار سے یعنی مساوی یا کم وبیش؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں رفیع الدین کل مکان مشفوع بذریعہ شفعہ محمد خاں سے پائے گا کہ محمد خاں کا اس کو مشتری اول سے خریدنا اس کے ملک کو تسلیم کرنا ہے اور اس کی ملک تسلیم کرنا بیع اول کے تسلیم شفعہ سے اعراض، اور شفعہ سے اعراض حق شفعہ کا مسقط، تو محمد خاں اس مکان کا شفیع نہ رہا اور رفیع الدین کا استحقاق باقی، لہٰذا وہ کل مکان محمد خان سے لے سکتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

لوکان الشفیع الحاضر اشتری الدار من المشتری ثم حضر الغائب فان شاء اخذ کل الدار بالبیع الاول،	ایک حاضر شفیع نے مشتری سے مکان خرید لیا، پھر دوسرا شفیع جو غائب تھا حاضر ہوگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پورا مکان پہلے سودے پر

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

وان شاء اخذ کلھا بالبیع الثانی [1]	اور چاہے دوسرے سودے پر پورا مکان شفعہ کے ذریعہ حاصل کرلے۔ (ت)

اسی میں ہے:

قد بطل حق الشفیع الحاضر بالشراء لکون الشراء دلیل الاعراض [2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	حاضر شفیع نے اپنا حق شفعہ خریداری کی وجہ سے باطل کرلیا کیونکہ خریدنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۸ تا ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں: **بینوا توجروا**

(۱) بعد علم بیع قبل قبضہ کرنے مشتری کے شیئ مبیع پر دعوی شفعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے احاطہ واحدہ میں چند منازل ہیں جن کا دروازہ ایک ہی ہے اور حدود اربعہ اس کی ایک ہی ہیں، اس احاطہ کے ایک طرف زید کا مکان ملحق ہے۔ اب یہ کل مکان بیع کیا جائے، تو آیا اس صورت میں زید اس قطعہ کو بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے، جو اس کے مکان سے متصل ہے یا کل مکان کو۔

(۳) جس محلّہ میں رواج شفعہ نہ ہو وہاں شرعا دعوی شفعہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر قبل بیع ہمسایہ خریداری سے انکار کرے۔ پھر بعد بیع دعوی شفعہ کرے تو مسموع ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر شفیع مشتری کی طرف سے وکیل خریدنے کا ہو تو اس کا شفعہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) شفعہ بمجرد بیع ثابت ہوتا ہے۔ قبضہ مشتری کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

یشھد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ معناہ لم یسلم الی المشتری [3]۔	اگر مبیع زیر قبضہ بائع ہو تو وہاں گواہی قائم کرے اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی مشتری کو نہ سونپا ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[3] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

درمختار میں ہے:

ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذاید[1] باختصار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر زمین بائع کے قبضہ میں ہو تو وہاں گواہی قائم کرے یا مشتری کے پاس گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو باختصار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

(۲) کل کو کہ جب احاطہ واحد، دروازہ واحد ہے تو وہ دار واحد ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الدار اسم لما ادیر علیہ الحدود[2]۔	جس دائرہ پر حدود قائم کی گئی ہیں اس کو دار کہتے ہیں۔(ت)

اور واحد کے کسی ٹکڑے سے جسے اتصال ہو وہ کل دار کا شفیع ہے، حتی کہ اگر ایک شخص صرف ایک جانب بقدر ایک بالشت کے اتصال رکھتا ہو اور دوسرا تینوں جانب، بروجہ کمال تو دونوں شفعہ میں برابر ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

الملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب، فھما سواء اتقانی[3]۔	ایک جانب سے اتصال اگرچہ ایک بالشت ہو تو وہ باقی تین اطراف والے سے اتصال کے برابر ہے اتقانی(ت)

یہاں تک کہ اگر دار واحد اپنے جمیع منازل کے ساتھ شخص واحد کے ہاتھ بیچے، اور شفیع چاہے کہ بذریعہ شفعہ ان میں سے صرف وہ منزل لے جس سے اس کا مکان متصل ہے۔ تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اگرچہ بیچنے والے جدا جدا ہوں بلکہ کل لے یا کل ترک کرے۔ عالمگیری میں ہے:

ان اراد الشفیع ان یاخذ بعض المشترٰی دون البعض وان یاخذ الجانب الذی یلی الدار دون الباقی لیس لہ ذٰلك بلا خلاف بین اصحابنا، ولکن یاخذ الکل او یدع،	ایک غیر ممتاز مبیع میں سے شفیع بعض حصہ کو لینا چاہے اور کچھ چھوڑنا چاہے اور اپنے دار سے متصل حصہ کو شفعہ میں لینا اور باقی کو چھوڑنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہیں، اس میں ہمارے اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں، لیکن وہ سب کو لے یا سب کو

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] الھدایۃ کتاب البیوع باب الحقوق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۸

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

لانه لواخذ البعض دون البعض تفرقت الصفقه علی المشتری سواء اشتری واحد من واحد او واحد من اثنين اوا کثر حتی لوارادالشفيع ان يأخذ نصيب احد البائعين ليس له ذٰلك الخ[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	چھوڑے کیونکہ اگر بعض کو لے اور بعض کو نہ لے تو اس سے مشتری پر سودا متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع سے ایک نے متعدد حصہ داروں سے خریدا ہو حتی کہ اگر دوفروخت کرنے والوں میں سے ایک کے حصہ کو لینا چاہے تو شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) بیشک ہوسکتاہے اگرچہ شہر بھر میں رواج نہ ہو کہ شفعہ حکم شرعی ہے۔ رواج وغیرہ پر مبنی نہیں وھذا ظاہر جدا (یہ بالکل ظاہر ہے۔ ت) واللہ اعلم۔

(۴) ضرور مسموع ہوگا، حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتاہے۔ تو قبل از انکار کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

يبطلها تسليمها بعد البيع لاقبله[2]۔	بیع کے بعد شفعہ کو چھوڑنا اس کو باطل کرتاہے بیع سے پہلے باطل نہیں کرتا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

تسليم الشفعة قبل البيع لايصح وبعده صحيح[3]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (۵) نعم فی الدرالمختار تثبت لمن شری اصالة او وكالة[4]۔	بیع سے قبل شفعہ کو چھوڑنا صحیح نہیں، اس کے بعد صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت) ہاں درمختار میں ہے اصالۃً یا وکالۃً جو خریدے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

وكيل المشتری اذا ابتاع فله الشفعة[5] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مشتری کا وکیل اگر خریدے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۵

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[4] درمختار کتاب الشفعۃ ماثبت ھی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۵

[5] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب مایبطل به الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۰۵

مسئلہ ۱۳: از اوجین محلّہ مرزا باڑی مرسلہ میاں آفتاب حسین ۲۲ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو اپنا مکان فروخت کرتا ہے زید ہمسایہ عمرو خریداری پر مستعد ہے مگر مالک مکان غیر ہمسایہ کو مکان دیتا ہے۔ پس حق شفعہ خرید کر مکان میں اول میں درجہ ہمسایہ کو پہنچا ہے یا غیر کو؟

الجواب:

شفیع کے لئے حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے۔ مکان جب تک بیع نہ ہو شفیع مزاحمت نہیں کرسکتا، ہاں جب مالک غیر ہمسایہ کے ہاتھ بیچ ڈالے اس کے بعد ہمسایہ کے لئے بذریعہ شفعہ حق مطالبہ ہے اگر شرائط طلب بجالا کر دعوٰی کرے گا مکان خریدار سے کراسے دلادیا جائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: **تجب بعد البیع**[1] (شفعہ بیع کے بعد لازم ہوتا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اسقط الشفیع الشفعۃ قبل الشراء لم یصح لفقد شرطہ، وھو البیع انتھی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خریداری سے قبل اگر شفیع نے شفعہ ساقط کیا تو صحیح نہیں کیونکہ شفعہ کی شرط جو کہ بیع ہے نہ پائی گئی انتھی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴: سیگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مرسلہ شیخ برکت اللہ زمیندار ۱۲جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار ہے، اس کو زمیندار نے زمین اپنی سکونت کے واسطے دی جس میں اس نے چوپال اور مکان بنایا، اور اس کاشتکار نے کھیت میں باغ لگایا اب یہ مکان چوپال اس نے فروخت بدست زمیندار کیا، ایسی حالت میں اس بائع کے شرکاء شفیع ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کاشتکار صرف عملہ مکان ودرختان مالک ہے۔ زمین اس کی ملک نہیں تو مجرد عملہ ودرخت میں کسی کے لئے شفعہ نہیں۔

فی ردالمحتار فی البزازیۃ لاشفعۃ فی الکردار لانہ نقلی کالبناء، والاشجار	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے، چوپال میں شفعہ نہیں کیونکہ وہ منقول چیز ہے جس طرح عمارت

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

ونحوہ فی النھایۃ والذخیرۃ والتتارخانیۃ عن السراجیۃ[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور درختوں وغیرہ میں نہیں ہے۔ نہایہ، تاتارخانیہ اور ذخیرہ میں سراجیہ سے منقول ہے۔ اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے (مامہ عہ) روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کردئے جبکہ مدت گزری ار روپیہ ادانہ ہوا، بکر نے نالش کرکے مع سود وخرچہ (مالہ لعہ لعہ) کے ڈگری پائی، اس میں تینوں مکان جن کی قیمت کی حیثیت قریب پانسو روپیہ کے تھی، چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہوگئے، نیلام کارندہ بکر نے خریدا اور بعدہ، اپنے آقا کے لئے خرید اظاہر کرکے بنام بکر لکھ دیا، بکر نے ان مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اس سے قبل از نیلام خواہ اس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یا رضامندی پر دلیل ہو، یہاں تک کہ دونوں انتقال کرگئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کرکے ڈگری دخلیابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کردی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے۔ اس صورت میں عمرو حویلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کردے اور حق دخلیابی سے بعوض یا بلاعوض دستبردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیا حالت ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوی شفعہ نہیں پہنچتا کہ شفعہ کے لئے مکان کا ملک مالک سے خارج ہونا ضروری ہے۔

فی ردالمحتار فی الفتاوی الصغری الشفعۃ تعتمد زوال الملک عن البائع[2] الخ۔	ردالمحتار میں فتاوٰی صغری سے منقول ہے۔ شفعہ کامدار بائع کی ملکیت کا زوال ہے۔ الخ (ت)

اور یہاں وہ مکانات شرعاً ملک زید سے خارج نہ ہوئے، یہ بیع نیلام جو بلااجازت واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں، اور وہ اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔

فی فتاوی الامام قاضی خاں اذا باع الرجل	امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے جب بائع نے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك[1]۔	غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ (ت)

اب کہ زید خود ہی ان مکانات پر قابض رہا، پھر وہ بلااجازت انتقال کرگیا بیع باطل ہوگئی، یہاں تک کہ وارثان زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں۔

فی الهندیة اذا مات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث[2]۔	ہندیہ میں ہے کہ جب مالک فوت ہوجائے تو وارث کی اجازت سے بیع نافذ ہوگی۔ (ت)

درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار پر ڈگری، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے وبس، اور دعوی شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے نہ انتقال بوراثت میں،

فی العالمگیریة لا تجب الشفعة مالیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لا تجب بالهبة والصلة والمیراث و الوصیة[3]۔	عالمگیری میں ہے، جب تک بیع یا معنی بیع نہ پایا جائے تو شفعہ لازم نہ ہوگا۔ حتی کہ ہبہ، صلہ، میراث اور وصیت میں لازم نہ ہوگا۔ (ت)

پس عمرو کو زنہار استحقاق شفعہ حاصل نہیں، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے۔ اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: زید ہندو ہے۔ اس نے ایک مکان بنایا، ایسی زمین دیہہ میں کہ آبادی واراضی اس دیہہ کی ملکیت مشترکہ ہے دس بارہ اشخاص کی، اب اس زید مذکور نے صرف اس مکان وبناء سکنی اپنی کو بہ ثمن متعدد ہاتھ ایک شخص کے کہ مکان خاص رہنے اس کے کا تخمینا پچاس قدم کے فاصلہ سے ہے فروخت کیا، مگر راضی داخل بیع نہیں ہے۔ صرف عملہ وبناء کو فروخت کیا ہے۔ اب بعد انقضائے عرصہ دوماہ کے منجملہ اور شرکاء کے ایک شریک کہ وہ بھی پچاس قدم اس مکان مبیعہ سے رہتا ہے، بگمان شفیع ہونے کے شفعہ شرعی بربنائے دعوی قائم کرتا ہے۔ ایسی صورت میں عندالشرع شریف اس عملہ مبیعہ زید ہندو پر شفعہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۰

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ وہ فی نفسہ شفیع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور طلب مواثبت واشہاد وغیرہما امور لازمہ جس کے بغیر شفعہ باطل ہوجاتا ہے بجالایا یا نہیں۔ دعوی اس کا صورت مستفسرہ میں راسا باطل ہے کہ بناء محل شفعہ نہیں اور اس میں قصدا وبالذات شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا۔

کمافی تنویر الابصار وشرحه الدرالمختار لاتثبت قصدا الا فی عقار لا بناء ونخل اذا بیعا قصدا ولو حق القرار خلافا لما فهمه ابن الکمال لمخالفته المنقول کما افادہ شیخنا الرملی[1] اھ ملخصا۔ وذکرہ من قبل فقال فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمها تبعا للبزازیة وغیرها فلیحفظ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ تنویر الابصار میں اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ شفعہ قصدا صرف زمین میں ہوسکتا ہے عمارت اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں، جب ان کو قصدا فروخت کیا جائے اگرچہ بشرط قرار فروخت کیا جائے، یہ ابن کمال کے فہم کے خلاف ہے کہ انھوں نے منقول کے خلاف کہا جیساکہ ہمارے شیخ رملی نے افادہ کیا اھ ملخصا انھوں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے اور کہا کہ ہمارے شیخ رملی نے اس کا رد کیا ہے اور عدم شفعہ کا فتوی بزازیہ وغیرہا کی اتباع میں دیا ہے پس اسے محفوظ کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کوٹھری جس کا صحن مملوک عمرو اور اس صحن میں اس کوٹھری کے اور عـــہ ہے اور سقف اس کی ملک بکر ہے۔ اور اس کی دوجانب بھی مکانات بکر واقع ہیں بکر کے ہاتھ فروخت کی، اس صورت میں شفیع اس کا بکر ہے یا عمرو، اور عمرو کو بدعوی شفعہ وہ کوٹھری مل سکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شفیع اس کا عمرو ہے نہ کہ بکر، اور اگر عمرو شرائط شفعہ بجالایا تھا تو بدعوی شفعہ

عـــہ: اصل میں اس طرح ہے، اغلب یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو "اسی کوٹھری کے برابر ایک کوٹھری اور ہے" عبدالمنان اعظمی۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ہی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

اس کوٹھری کو بکر سے لے سکتا ہے کہ جب طریق اس مکان کا زمین عمرو میں ہے تو عمرو خلیط فی حق المبیع ہوا، اور بکر اسی وجہ سے کہ مالک علو ہے اور اس کے مکانات کوٹھری کے دونوں جانب ہیں محض جوار ہے۔ اور خلیط جار پر شرعاً مقدم مکانات بکر دونوں جانب ہونے سے وہ صرف جار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قابض علو ہونا بھی اگر بوجہ ملک ہو تو فقط مثبت جوار ہے۔ ورنہ لغو بحث۔

فی الفتاوٰی العالمگیریۃ سفل بین رجلین و لاحدھما علیه علو بینه وبین اٰخر فباع الذی له نصیب فی السفل والعلو نصیبه فلشریکه فی السفل الشفعة فی السفل و لشریکه فی العلو الشفعة فی العلوا ولاشفعة لشریکه فی السفل فی العلو ولا لشریکه فی العلو فی السفل لان شریکه فی السفل جار للعلو و شریك فی حقوق العلو ان کان طریق العلو فیه وشریکة فی العلو جار للسفل اوشریك فی الحقوق اذا کان طریق العلو فی تلك الدار فکان الشریك فی عین البقعة اولی[1]۔ وفی الفتاوٰی قاضی خاں باع صاحب السفل سفله کان لصاحب العلوان یاخذ السفل بالشفعة لان السفل متصل بالعلو فکانا جارین[2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے نچلی منزل دو حضرات کی مشترکہ ہے اور دونوں میں سے ایک کا اس پر بالاخانہ ہے جس میں کوئی تیسرا شخص بھی شریک ہے تو نچلی منزل والوں میں سے جس کا بالاخانہ میں حصہ ہے اس نے اپنے نچلے اور اوپر والے حصوں کو فروخت کیا تو نچلے شریک کو نچلے حصہ میں اور اوپر والے شریک کو اوپر والے حصہ میں شفعہ کا حق ہے نیچے والے کو اوپر اور اوپر والے شریک کو نیچے والے حصہ میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ نیچے والا شریک بالاخانہ کا پڑوسی ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ مشترکہ ہو تو وہ بالاخانہ کے حقوق میں بھی شریک ہے اور یوں ہی بالاخانہ کا حصہ دار نیچے والے حصہ کا پڑوسی ہے اگر راستہ بالاخانہ نیچے والی منزل میں سے گزرتا ہو تو بھی نچلی منزل کے حقوق میں شریک ہوگا لہٰذا پڑوسی یا حقوق میں شریک کی بنسبت عین مبیع میں شریک کا حق مقدم اور اولٰی ہے۔ اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ نچلی منزل والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اوپر والے کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ نچلی اور اوپر منزل میں اتصال ہے تو دونوں پڑوسی قرار پائیں گے۔ (ت)

غرض بہر حال بکر جار محض سے زائد نہیں اور عمرو خلیط فی حق المبیع ہے کہ راستہ مکان مبیع کا اس

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۴

کی زمین مملوک ہے۔ اور شرعا خلیط جار پر مقدم۔ **کما ھو فی عامۃ الکتب** (جیسا کہ یہ عام کتب میں ہے۔ ت) پس صورت مسئولہ میں برتقدیر مدعی ہونے کسی شریک فی نفس المبیع کے عمرو ہے۔ نہ بکر اور عمرو شرائط شفعہ بجالایا تو درصورت عدم مزاحم مکان مبیع کو بکر سے لے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان واقع کوچہ غیر نافذہ ایک شخص اجنبی کے ہاتھ کہ اس مکان سے کوئی علاقہ شفعہ نہیں رکھتا فروخت ہوا، راستہ اسی مکان کا اراضی پیش دروازہ زید ہے۔ اور راہ دونوں کو شارع عام تک مشترک، پس زید بعد بجاآوری شرائط شفعہ بحسب شفعہ دعوٰی کرتا ہے۔ اس صورت میں وہ مکان زید کو مل سکتا ہے یا نہیں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید خلیط فی حق المبیع ہے۔ اور حق شفع اس کے لئے ثابت، پس جس صورت میں کہ وہ سب شرائط بجالایا اگر کوئی خلیط فی نفس المبیع مدعی شفعہ نہ ہو، تو مکان اسے قطعاً مل سکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

الجواب الصحیح محمد نقی علی میاں

مسئلہ ۱۹: ۲۷ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کی اراضی میں زید کے چند ورثہ شریک ہیں، ان میں سے بعض نے اپنے حصے عمرو شخص اجنب کے ہاتھ بیع کردئے، پھر ان اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے حصے بیع نہیں کئے تھے ایک نے اسی عمرو کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردیا، اب ان اشخاص مذکورین میں ایک شخص شفیع ہے۔ تو یہ شخص عمرو اجنب پر ترجیح رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس اراضی مبیعہ کو عمرو سے شفعہ میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

عمرو جبکہ ایک حصہ اسی زمین کا خرید چکا ہے۔ اور ہنوز حدود جدا نہ ہوں تو وہ بھی شریک ہے اور یہ شفیع بھی شریک ہے تو کسی دوسری پر ترجیح نہیں، اگر اس شریک نے بیع ثانی کی کل مبیع کا مطالبہ بذریعہ شفعہ کیا اور عمرو دینے پر راضی نہ ہوا، تو نصف شفیع کو دلادیں گے، اور عمرو راضی ہوگیا تو کل دلادیں گے۔

فی ردالمحتار باع احد شریکین فی دار حصه منها للاخر فجاء ثالث وطلب الشفعة فان کان شریکا قسمت بینه وبین المشتری لانهما شفیعان ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الأخر[1] اھ مختصرا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے ایک مکان میں دو شریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ شریک کے پاس فروخت کیا تو ایک تیسرا شخص آیا اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا اگر وہ بھی مکان میں شریک ہو تو وہ مکان شفیع اور مشتری میں مشترکہ قرار پائے گا کیونکہ وہ دونوں شفعہ کے حقدار ہیں یعنی جب تیسرے نے اپنا حق شفعہ نہ چھوڑا اور مطالبہ پر قائم رہا اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: از دیورنیا تحصیل بہیڑی ۱۷ صفر مظفر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ موضع دیورنیا میں تخمینا دو بسوہ زمینداری ہے۔ منجملہ اس کے تخمینا ۵ کچوانسی خلیل الدین کے پاس، اور ۱۰ کچوانسی خواجہ بخش کے پاس، او نمبرداری دونوں بسوہ پر خواجہ بخش کی ہے۔ دیگر نے انہی دو بسوہ سے ۱۶ بسوانسہ خلیل الدین کے ہاتھ بیع کی، تو شفعہ خواجہ بخش اور خلیل الدین کس کو کتنا پہنچتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ دیہہ مملوکہ ہے کہ زمیندار اس میں اپنے اپنے حصوں کے مالک ہیں، تو بلا شبہ اس میں حق شفعہ جاری ہے اور خلیل الدین مشتری اور خواجہ بخش دونوں شفیع ہیں، خواجہ بخش اگر طلب مواثبت وغیرہ شرائط بجالایا اور کل مبیع ۱۶ بسوانسی پوری پر بذریعہ شفعہ دعوٰی کیا تو اگر خلیل الدین مزاحمت کرے تو آٹھ بسوانسی خلیل الدین کے پاس رہیں گے، اور آٹھ بسوانسی شفعہ خواجہ بخش کو دلادی جائینگی اس بات پر کچھ لحاظ نہ ہوگا کہ ان میں ایک دو کچوانسی کا مالک ہے اور دوسرا دس کا، اور اگر خلیل الدین مزاحمت نہ کرے بلکہ کل دے دے تو کل خواجہ بخش کو ملے گی، اور اگر خواجہ بخش نے کل مبیع پر دعوٰی نہ کیا بلکہ یہ سمجھ کر کہ مجھے آدھی ملیں گی، ابتداءً آٹھ ہی بسوانسی پر شفعہ چاہا، تو اس کا حق شفعہ ساقط ہوا، اب کچھ نہ پائے گا، ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الخیریة ان کون الارض عشریة او خراجیة لا ینافی الملك ففی کثیر من الکتب ارض الخراج او العشر	خیریہ میں مذکور ہے کہ زمین کا عشری یا خراجی ہونا ملکیت ہونے کے منافی نہیں ہے تو بہت سی کتب میں ہے کہ مملوکہ عشری یا خراجی زمین کا فروخت کرنا، وقف

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

مملوکۃ یجوز بیعھا وایقافھا وتورث فتثبت فیھا الشفعۃ بخلاف السلطانیۃ التی تدفع مزارعۃ لاتباع فلا شفعۃ فیھا[1] الخ۔	کرنا، میراث ہونا جائز ہے، توان میں شفعہ ثابت ہوگا۔ بخلاف سرکاری زمین جو مزارعت میں دی جائے اور قابل فروخت نہ ہو اس میں شفعہ نہیں ہے الخ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوکان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلھما الشفعۃ[2]۔	اگر خریدار خود شریک تھا جبکہ اس میں کوئی اور بھی شریک ہو تو دونوں کو شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیۃ اشتری الجار دارا ولھا جار اٰخر فطلب الشفعۃ وکذا المشتری فھی بینھما نصفین، لانھما شفیعان قال ابن الشحنۃ فقولہ وکذا المشتری ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر، وفی کلام ابن الشحنۃ اشارۃ الی ان قول القنیۃ فطلب الشفعۃ المراد بہ انہ لم یسلم الکل للاخر لاحقیقۃ الطلب، فلاینا فی ماقدمناہ عن الخانیۃ ان الاصیل لایحتاج الی الطلب[3]۔	قنیہ میں ہے ایک نے پڑوس والا مکان خریدا جبکہ اس مکان کا پڑوسی ایک اور شخص بھی ہے تو اس نے شفعہ کا مطالبہ کیا تو وہ اور مشتری دونوں اس مکان میں شریک ہونگے، کیونکہ وہ دونوں برابر کے شفیع ہیں، ابن شحنہ نے کہا، تو اس کا قول یوں مشتری بھی، یعنی جب وہ شفعہ کا مطالبہ کرے اور دوسرے کو اپنا حق نہ چھوڑے، اور ابن شحنہ کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ قنیہ کے قول "تو شفعہ طلب کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو کل نہ سونپا، یہ مراد نہیں کہ حقیقتاً طلب کیا، تو یوں خانیہ سے ہمارے ذکر کردہ کے منافی نہ ہوا کہ اصل شخص طلب کرنے کا محتاج نہیں ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

تملك بلاخذ بالتراضی او بقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لاالملك[4]۔	رضامندی یا قاضی کی قضاء سے شفعہ کرنے والوں کی تعداد کے مطابق نہ کہ ملکیت کے مطابق حاصل کرنے پر مالک ہوجائیں گے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الجھاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۵۶

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب ما تثبت ھی فیہ اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

درمختار میں ہے:

لو طلب احد المشریکین النصف بناء علی انه یستحقه فقط بطلت شفعته اذ شرط صحتها ان یطلب الکل کما بسطه الزیلعی فلیحفظ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں شریک حضرات میں، سے ایک نے نصف کا مطالبہ صرف اپنے استحقاق کے مطابق کیا تو شفعہ باطل ہوگیا کیونکہ شفعہ کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ کل کا مطالبہ کرے، جیسا کہ زیلعی نے اس کو مبسوط پر بیان کیا، اسے محفوظ کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان پابند شرع برحق اس مسئلہ میں، ایک چشمہ گنگا بائی ومتھرا بائی کے مکان کا شرق رویہ ملحق مکان حکیم رحمت علی صاحب اور طرف جنوب شارع عام اور مغرب رویہ اس مکان کے صرف مکان رحمت علی صاحب ہے، اس چشمہ کو ایک برہمن غیر محلّہ کو سات سو روپیہ میں فروخت کیا، ازاں جملہ دس روپیہ بیعنامہ ہوا، اس برہمی سے لے لئے، جب حکیم صاحب کو خبر پہنچی تو بوقت دستاویز دعوی حق شفعہ کیا تو اس عورت نے بعدم دعوی حق شفعہ حکیم صاحب اس چشہ کو جو منضم مکان حکیم صاحب ہے اس برہمن کو خیرات کردیا، اس خیال سے کہ دعوی حکیم صاحب رد ہوجائے، اس صورت میں بحق شفعہ دعوی حکیم صاحب درست ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

اگر شفیع شرائط طلب بجالایا تو اس کا حق شفعہ ثابت ہے۔ اور اس خیرات کردینے سے شفعہ حاصل نہ ہوا، جب بیع تمام ہوچکی مشتری کا مالک ہوگیا، بائعہ کی اس میں ملک نہ رہی، اب یہ اسی کا مال اس پر خیرات کرنے والی کون، اور اگر خیرات یوں واقع ہوئی کہ بعد دعوی شفعہ بائعہ ومشتری نے باہم بیع کو فسخ کرلیا، پھر بائع نے مبیع مشتری پر خیرات کردی، تو یہ مشتری کا ایک تصرف تھا جسے شفیع توڑ سکتا ہے، بائع ومشتری کا باہم بیع فسخ کرلینا تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے یعنی مشتری نے اب وہ چیز بائع کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مشتری کی بیع درکنار وقف تک کو شفیع رد کرسکتا ہے ان تصرفات سے اس کے حق شفعہ میں کوئی خلل

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

نہیں آتا، درمختار میں ہے:

ینقض الشفیع جمیع تصرفات المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ۔ زیلعی وزاھدی[1]۔	مشتری کے کئے ہوئے تصرفات حتی کہ وقف، مسجد مقبرہ، ہبہ جیسے کو بھی شفیع کالعدم کردے، زیلعی وزاہدی۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لوتصرف المشتری فی الدار المشتراۃ قبل اخذ الشفیع بان وھبھا وسلمھا اوتصدق بھا اوأجرھا او جعلھا مسجدا وصلی فیھا او وقفھا وقفا اوجعلھا مقبرۃ ودفن فیھا۔ فللشفیع ان یاخذ وینقض تصرف المشتری کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں[2]۔	اگر مشتری نے خرید کردہ پراپرٹی میں شفیع کے قبضہ سے قبل تصرفات کئے یوں کہ ہبہ کرکے قبضہ دے دیا، اس کو صدقہ کردیا، اُجرت پر دے دیا، اس کو مسجد قرار دے کر اس میں نماز پڑھی گئی، مکمل وقف کردیا، یا قبرستان بنا کر اس میں دفن کا عمل کیا تو شفیع کو قبضہ کرکے ان تمام تصرفات کو ختم کرنے کا حق ہے۔ قاضی خاں کی شرح جامع الصغیر میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

المشتری له ان یبیع ویطیب له الثمن غیر ان للشفیع ان ینقض[3] اھ مختصرا۔	مشتری کو فروخت کرنے کا جواز ہے اور وہ ثمن اس کے لئے طیب ہے مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ وہ ان تصرفات کو توڑ دے اھ مختصراً۔ (ت)

تنویر میں ہے:

الاقالۃ فسخ فی حق المتعاقدین بیع فی حق ثالث[4] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقالہ فریقین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں وہ جدید بیع ہے اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[4] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۔ ۳۳

مسئلہ ۲۲: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی سید کرامت علی ۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت غراء محمدیہ اس صورت میں کہ زید کا ہمسایہ عمرو ہے اور دونوں کے مکان ایک ہی قطعہ میں واقع ہے۔ صرف دیوار پر درمیان میں ہے۔ اور دروازہ دونوں کا متصل ہر ایک جانب کو بفاصلہ تین چار گز رکے، اور کوئی دوسرا شخص ایسا قریب نہیں رہتا جس کا دروازہ ملحق بدروازہ زید ہو۔ سوائے عمرو مذکور کے، اب زید نے بنظر تکلیف دہی عمرو کی اپنی زمین مذکورہ کا تبادلہ بکر کے زمین سے جو بفاصلہ تقریبا دوصد گز ہے کرکے اقرار نامہ تحریر کردیا یعنی اپنی زمین بکر کے بیع کردیا، اب اس حالت میں عمرو کو حق شفعہ زمین پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور حق شفعہ پہنچتا ہے اگرچہ بجائے لفظ بیع مبادلہ زمین بزمین کہا، اگرچہ بجائے بیعنامہ اس مبادلہ کا اقرار نامہ لکھا، اس لئے کہ ان عقود میں معنی ہی معتبر ہیں، خاص لفظ کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

اعطیتك بکذا اوخذہ بکذا فی معنی قولہ بعت واشتریت لانہ یؤدی معناہ المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود[1]۔	میں نے تجھے اتنے عوض میں دیا یا اتنے عوض میں لے، یہ بعت و اشتریتُ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ان کے ہم معنٰی ہیں اور ان عقود میں معنی ہی معتبر ہے۔ (ت)

اور مال کا مال سے بدلنا بھی معنا بیع ہے، عالمگیری میں ہے:

اما تعریفة فمبادلة المال بالمال بالتراضی ھکذا فی الکافی[2]۔	بیع کے تعریف، رضامندی سے مال کا مال کے بدلے دینا، کافی میں اس طرح ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوقال لاٰخر عوضت فرسی بفرسك فقال وانا فعلت ایضا فھذا بیع[3]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا، میں نے اپنا گھوڑا تیرے گھوڑے کے بدلے میں دیا، دوسرے نے کہا میں نے بھی کر لیا، تو یہ بیع ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵

اسی کی کتاب شفعہ میں ہے:

اما شرطها فانواع منها عقدا لمعاوضة وهو البیع او ماہو بمعناہ(الی ولہ)ومنها معاوضة المال بالمال[1]۔	شفعہ کے شرائط کئی ہیں، ان میں ایک عقد معاوضہ ہے۔ اور وہ بیع یا اس کا ہم معنی ہے (تا اس کے قول) اور ان میں سے مال کا مال سے تبادلہ ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا ملك العقار بعوض هو مال وجبت فیه الشفعة[2]۔	جب پراپرٹی کا کسی مال کے عوض مالک بن گیا تو اس میں شفعہ لازم ہوتا ہے۔ (ت)

یہ خاص جزئیہ اس مسئلہ کا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳: از ریاست رامپور محلّہ بنگلہ آزاد خاں مطبع دبدبہ سکندری مرسلہ فاروق حسن خاں ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

زید نے دعوٰی دلا پانے ایک قطعہ سراکا جس کا منفرد عمرو مشتری ہے۔ اور دوسرے قطعہ سراکا جس کے عمرو مذکور وبکر وخالد وفہیم ونعیم پانچ اشخاص مشترکا خریدار ہیں، باظہار حق شفعہ بہ نمبر ہائے جداگانہ بنام مشتریان مذکور عدالت میں رجوع کیا، مشتریان مذکور بعد علم بالبیع ادائے طلب مواثبت واشہاد زید کے منکر ہیں، زید نے جو شہادتیں دربارہ طلب مواثبت عدالت میں پیش کیں ان سے طلب مذکور ثابت نہ ہوئی، پس زید اعتراف عدم ثبوت طلب موثبت اپنی طلب مواثبت پر خود خواستگار بجاآواری حلف کا ہے۔ علماء ماہرین علم فقہ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بصورت مسئلہ نسبت ادائے طلب مواثبت قول زید کا مع الیمین مقبول ہوگا یا باقتضائے روایات مفتی بہا واقوال مستندہ فقہیہ بسبب ہونے تحلیف علی فعل الغیر مشتریان سے علم طلب مواثبت زید پر قسم لی جائے گی، اور فریق ثانی نے جو استفتاء عدالت میں پیش کیا ہے اس کی نقل بجنسہٖ ہمرشتہ سوال ہذا ہے۔ نظر بمضمون سوال ہذا وتوجہ بروایات وعبارات سوال وجواب مندرجہ استفتاء گزرانیدہ، فریق ثانی بحوالہ روایات مفتی بہا باستدلال اقوال مستندہ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الآرا ومزلۃ الاقدام ہے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۰

[2] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب ماتجب فیہ الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۰۰

عبارات کثیرہ علماء کو بظاہر نہایت متخالف و متعارض تھیں بکثرت جمع کیں، اور ان کے محو انظار و منزع کلام و منظر مراد وملحظ مرام پر بتوفیقہ تعالٰی نظریں ڈالیں اور بعد تحقیق و تدقیق و تطبیق وتوفیق وہ حکم نفیس مشید بالاصول و مؤید بتظافر العقول والمنقول منقح کرلیا جس نے بحمد اللہ تعالٰی ان تمام عبارات متعارضہ کو یک زبان کردیا اور تصادم و تزاحم یک لخت اٹھ گیا، اور مختلف ظنوں کو مختلف مناشی سے اکابر علماء مثل علامہ ابن قاضی سماوہ وعلامہ حموی وعلامہ ابوالسعود ازہری وعلامہ سائحانی اور شامی رحمہم اللہ تعالٰی کو پیدا ہوئے تھے بعونہ سبحانہ سب کا کشف حجاب واظہار صواب کیا، فقیر نے اس تحریر کامل التحریر کا نام "اَفْقَهُ الْمُجَاوَبَةِ عَنْ حَلَفِ الطَّالِبِ عَلٰی طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ" رکھا۔ وضاحت مرام وازاحت اوہام تو اسی تحریر پر محمول۔ یہاں نفس حکم بکمال اجمال مذکور۔ سوال کہ یہاں ارسال ہوا، اور دوسرا کہ فتوٰی منسلکہ میں تھا دونوں نہایت گول اور ناتمام ہیں ان میں سے کسی پر ایک حکم قطعی کہ یہاں شفیع کا حلف لیں گے یا مشتری کا، ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ حق تفصیل ہے۔ اولا نظر کی جائے، آیا شفیع نے طلب اشاد بینہ عادلہ سے ثابت کردی یا وہ بھی ناکام رہی، درصورت ثانیہ ہرگز شفیع کا حلف نہ لیا جائے گا۔ نہ مسموع ہوگا کہ شفیع ثبوت حق شفعہ کا دعوٰی کرتا ہے۔ اور مشتری منکر ہے۔ اور شرعا حلف منکر پر ہے نہ کہ مدعی پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر۔[1]	مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم لازم ہے۔ (ت)

ولہٰذا عامہ کتب معتمدہ میں تصریح فرمادی کہ بحال انکار مشتری شفیع اپنی طلب بے گواہوں کے ثابت کرہی نہیں سکتا۔ ہدایہ و تبیین الحقائق و تکملہ طوری میں ہے:

لانہ یحتاج الی اثبات طلبہ عند القاضی ولایمکنہ ذٰلك الابالاشھاد۔[2]	کیونکہ قاضی کے ہاں وہ اپنی طلب کو ثابت کرنے کا محتاج ہے جبکہ یہ گواہ بنائے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں۔ (ت)

اور اگر طلب شہاد بینہ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے۔ تو اب طلب مواثبت کے باب میں تین صورتیں ہیں:

(ا) اگر شفیع اپنی طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد مشہود و معہود ثابت بالبینہ سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن باب اذا اختلف الراھن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی البینۃ علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

[2] الھدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۰

پہلے بیان کیا اور مدعی ہوا ہے کہ اسی وقت بمجرد علم بالبیع میں طلب مواثبت بجالایا تھا، تو ہرگز بے بینہ مسموع نہیں، نہ شفیع کا حلف اصلا قابل سماعت کہ وہ باقرار خود سبقت علم مان چکا ہے اور اس کی معیت کا ایک ایسی طلب کے لئے مدعی ہے جو ہنوز مجہول وغیر ثابت ہے۔

فکیف یصدق فیما ھو غیر بین ولا مبین مع توقف ثبوت حقه علیه۔	تو غیر واضح چیز میں وہ کیسے تصدق کرے جبکہ اپنے حق کو ثابت کرنا خود اس پر موقوف ہے۔ تو اور کون واضح کرے گا۔ (ت)

وہ حصول طلب فی الماضی کا مدعی ہے اور مشتری منکر۔

والاصل العدم ومن ادعی خلاف الاصل فعلیه تنویر دعواہ بالبینة۔	عدم اصل ہے اور جو شخص اصل کے خلاف کا دعوٰی کرے اس پر اپنے دعوٰی کو روشن کرنا گواہی کے ساتھ ضروری ہے۔ (ت)

وہ ایک ایسی چیز کی حکایت کررہا ہے جو اس وقت اس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ سبقت علم کا مقر ہوا، اور طلب مواثبت کا وقت اسی فور میں تھا اس وقت احداث طلب پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور جو ایسی شیئ کا حاکی ہو اس کا قول بے بینہ مسموع نہیں، درر وغرر میں ہے:

من حکی مالا یملك استئنافه للحال، لایصدق فیما حکی بلا بینة[1]۔	جس کو فی الحال نافذ کرنے کا مالک نہیں تو اس کی حکایت بغیر گواہی قابل تصدیق نہ ہوگی۔ (ت)

یہی معنی ہیں تصریحات کے کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں ہوسکتی۔

ای اذا کان طلب المواثبة وحدہ بخلاف مایاتی فانه لم یثبت فیه انفرادہ عن طلب الاشہاد، کما ستعلم، وطلب واحد ربما یقوم مقام الطلبین فبعد اثبات طلب الاشہاد بالشہود اوثبوته باقرار المشتری لایحتاج الی اثبات طلب المواثبة	یعنی جب طلب مواثبت الگ ہو یہ آئندہ آنیوالی صورت کے برخلاف ہے جہاں طلب مواثبت میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ طلب اشہاد سے خالی ہے جیسا کہ عنقریب تجھے معلوم ہوگا جبکہ ایک ہی طلب وہ مطالبوں کے قائم مقام ہوسکتی ہے تو گواہوں کے ذریعہ طلب اشہاد کے اثبات یا خود مشتری کے اقرار سے ثبوت کے بعد شفیع کو اب طلب مواثبت کے اثبات

---

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

منفرزاعنه. فان ادعی المشتری الانفراز بتقدم العلم علی الاشجار فعلیه البینة لاعلی الشفیع۔	کی الگ طور پر ضرورت نہیں، تو اگر مشتری یہ دعوی کرے کہ شفیع کو طلب اشہاد سے قبل بیع کا علم تھا اور اس نے مواثبت نہ کی تو اس صورت میں مشتری پر لازم کہ وہ اس پر گواہی پیش کرے نہ کہ شفیع پر۔ (ت)

غایۃ البیان شرح الہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

المراد من المطالبة طلب المواثبت والاشهاد فیه فی المجلس لیس بشرط والشراط هو نفس الطلب۔ و انمایشهد فیه لانه لایصدق علی الطلب الابینة[1]۔	مطالبہ سے مراد طلب مواثبت ہے۔ رہا شہاد (گواہ بنانا) تو اس کا اس مجلس میں پایا جانا شرط نہیں ہے شرط صرف نفس طلب ہے۔ اس میں گواہ بنانا صرف اس لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر طلب کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔ (ت)

نہایہ امام سغناقی و معراج الدرایہ پھر نتائج الافکار و شروح ہدایہ میں ہے:

طلب المواثبة لاینفك عن الاشهاد فی حق علم القاضی[2]۔	طلب مواثبت قاضی کے علم کے اعتبار سے اشہاد سے جدا نہیں ہوسکتی۔ (ت)

ان دونوں صورتوں میں سبیل یہی ہے کہ شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے۔ اور یہاں حلف فعل غیر پر ہے۔ مشتری کا حلف محض علم پر ہوگا کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس زید مدعی نے یہ طلب مواثبت جس کا یہ مدعی ہے ادا کی ہو، تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لوانکر المشتری طلب المواثبة فانه یحلف علی العلم[3]۔	اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرے تو وہ اپنے علم کی قسم کھائے گا (کہ یہ مجھے معلوم نہیں)۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

انکر طلب الشفیع مواثبة حلفه علی العلم، وان طلبه عند	مشتری نے شفیع کی طلب مواثبت کا انکار کیا تو اپنے علم کی قسم کھائے گا اور اگر شفیع نے مشتری سے

---

[1] غایۃ البیان

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ بر فتح القدیر کتاب الشفعة باب مایبطل به الشفعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۳۶

[3] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

لقائه فعلی البتات۔[1]	ملاقات کے وقت طلب کا دعوی کیا تو اس صورت میں مشتری قطعی قسم کھائے گا (کہ شفیع نے قبل ازیں مواثبت نہیں کی)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

انکر المشتری طلب الشفعة حین علم فالقول له مع یمینه علی نفی العلم۔[2]	مشتری نے طلب کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو مشتری اپنے علم کی قسم کھائیگا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفعة عند سماع البیع فالقول له مع الیمین علی العلم باللّٰه ما یعلم ان الشفیع حین علم بالبیع طلب۔[3]	مشتری نے طلب شفعہ کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو اپنے علم کی قسم پر اس کی بات قبول کرلی جائے گی اور یوں کہے گا کہ اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ شفیع نے سن کر موقعہ پر طلب کی ہو۔ (ت)

ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفیع الشفعة عند سماع البیع یحلف علی العلم، وان انکر طلبه عند لقائه حلف علی البتات۔[4]	شفیع کا بیع کی خبر سننے پر طلب کا اگر مشتری انکار کرے تو اپنے علم کی قسم دے گا۔ اور اگر اس کی ملاقات کے موقعہ پر طلب کا مشتری انکار کرے تو قطعی قسم دے۔ (ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے۔ اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

اذا انکر المشتری طلب الشفعة فیقول له لم تطلب الشفعة حین علمت بل ترکت الطلب وقمت عن المجلس والشفیع	مشتری طلب شفعہ کا انکار کرتے ہوئے شفیع کو کہے کہ تو نے بیع کی خبر سن کر شفعہ طلب نہ کیا بلکہ تو مجلس سے اٹھ گیا اور طلب کو ترک کیا، اور شفیع کہے کہ میں نے

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشفعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۷

[3] خزانۃ المفتین کتاب الشفعۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

یقول طلبت فالقول قول المشتری فلا بد من الاشہاد وقت الطلب توثیقا[1]۔	اس وقت طلب کیا ہے تو مشتری کی بات مانی جائے گی اسی لئے کہ وقت الشہاد ضروری ہے تاکہ معاملہ پختہ ہو۔ (ت)

اور اگر شفیع نے طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب الشہاد ومشہود سے پہلے نہ بیان کیا، بلکہ صراحۃً تصریح کردی کہ جس وقت میں نے طلب اشہاد کی اسی وقت مجھے علم ہوا تھا اس سے پہلے علم بالبیع نہ تھا، تو شفیع ہی کا قول حلف کے ساتھ مقبول ہے۔ اسے طلب مواثبت پر جداگانہ گواہی دینے کی حاجت نہیں، مشتری اگر دعوی کرے کہ طلب اشہاد سے پہلے شفیع کو علم بالبیع ہولیا تھا، اور اس نے اس وقت طلب مواثبت نہ کی تو اب مشتری مدعی ہے۔ یہ گواہی دے، اسی لئے کہ اب یہ حصول علم فی الماضی کا ادعا کرتا اور شفیع منکر ہے۔

والحادث یضاف الی اقرب الاوقات، والاصل العدم فمن خالف ہذین الاصلین فعلیہ البینۃ۔	نیا معاملہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا، اور یہ کہ عدم اصل ہے۔ جو شخص ان دونوں قاعدوں کے خلاف کرے تو اس پر گواہ لازم ہوں گے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال الشفیع لم اعلم بالشراء الا الساعۃ کان القول قولہ، وعلی المشتری البینۃ انہ علم قبل ذٰلك ولم یطلب[2]۔	اگر شفیع کہے کہ مجھے خریداری کا علم نہ تھا اب ہوا ہے، تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور مشتری گواہی پیش کرے کہ اس کو پہلے علم ہوچکا اور اس نے طلب نہ کیا۔ (ت)

سراجیہ میں ہے:

الشفیع اذا طلب الشفعۃ فقال المشتری علمت بالبیع قبل ہذا ولم تطلب وقال الشفیع علمت بہ الساعۃ فالقول للشفیع[3]۔	شفیع نے طلب کیا تو مشتری نے کہا تجھے قبل ازیں بیع کا علم ہوگیا تھا تو نے مطالبہ نہ کیا جبکہ شفیع کہے کہ مجھے ابھی علم ہوا ہے تو شفیع کی بات قبول ہوگی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی ظہیریہ اور عالمگیری میں محیط سے ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

لو قال الشفیع علمت الساعة وانا اطلبها وقال المشتری علمت قبل ذٰلك ولم تطلب فالقول قول الشفیع[1]۔	اگر شفیع نے کہا مجھے اب علم ہوا اور طلب کر رہا ہوں مشتری نے کہا تو نے پہلے علم ہونے کے باوجود طلب نہیں کیا ہے تو شفیع کی بات مانی جائے گی۔ (ت)

یوہیں اگر شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی اور طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم اصلا معین نہ کیا بلکہ لوگوں مجمل کہا کہ معا علم ہوتے ہی میں نے شفعہ طلب کیا تو اس صورت میں بھی شفیع کا حلف معتبر ہے اگر واقع میں اسی وقت طلب اشہاد سے پہلے علم نہ ہوا تھا جب تو ظاہر اور ہو چکا تھا اور فورا طلب مواثبت کرلی تھی اگرچہ اس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا ت وہ اپنے اس حلف میں عنداللہ سچا ہے اور قاضی اس گول لفظ کو اسی طلب معلوم مشہود پر حمل کرے گا اور اس سے زیادہ تفصیل وقت کی شفیع کو تکلیف نہ دیگا یہی منشا ہے ان عبارات کا کہ شفیع کو اگرچہ تنہائی میں علم بالبیع ہو معا زبان سے طلب شفعہ کرلے کہ عند اللہ تعالٰی اس کا شفع ساقط نہ ہو اور وقت حاجت حلف کرسکے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یصدق علی انه طلب کما علم مع الحلف[2]۔	شفیع نے کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کردی جائے گی۔ (ت)

درر میں ہے:

اذا اسمع بالبیع فی مکان خال عن الشهود فسکت تبطل شفعته، واذا قال طلبت الشفعة ولم یسمعه احد لا تبطل، حتی اذا حضر عند القاضی، وقال الشفیع طلبت الشفعة ولم اترکها وحلف علی ذٰلك کان بارا فی یمینه، ویثبت طلب المواثبة[3]۔	جب ایسی جگہ اس نے بیع کی خبر سنی جہاں کوئی گواہ نہ تھا تو یہ خاموش رہا، اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور جب یہ کہے کہ میں نے وہاں طلب کیا اور کسی نے نہ سنا شفعہ باطل نہ ہوگا حتی کہ جب قاضی کے ہاں حاضر ہو کر شفیع نے کہا میں نے شفعہ طلب کیا اور ترک نہیں کیا اور قاضی نے اس پر قسم لی اور اس نے قسم کھائی تو اپنی قسم میں سچا ہوگا۔ اور طلب مواثبت ثابت ہوجائے گی۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان لم یکن بحضرته احد یطلب من غیر اشهاد، لان هذا الطلب صحیح من غیر اشهاد والاشهاد لمخالفة الجحود۔ والطلب لا بد منه کیلا یسقط حقه فیما بینه وبین الله تعالٰی ولیمکنه الحلف اذا حلف[4]۔	اگر کوئی بھی حاضر نہ ہو تب بھی طلب بغیر گواہی کردے، کیونکہ یہ بغیر گواہوں کے طلب صحیح ہوگی اور گواہی تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہوتی ہے جبکہ طلب ضروری ہے تاکہ اس کا عنداللہ حق ساقط نہ ہو اور اس سے قسم لی جائے تو قسم دینا ممکن ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب الشفعة الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۶

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون هی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۵

[4] تبیین الحقائق کتاب الشفعة باب طلب الشفعة المکتبة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۵/ ۲۴۳

کفایہ میں ہے:

ذکر فی المبسوط لو لم یکن بحضرته احد حین سمع ینبغی ان یطلب الشفعة، والطلب صحیح من غیر اشھاد، والاشھاد لمخالفة الجحود فینبغی له ان یطلب حتی اذا احلفه المشتری امکنه ان یحلف انه طلبھا کما سمع[1]۔	مبسوط میں ذکر فرمایا کہ اگر کوئی بھی اس کے پاس موجود ہو تو بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ طلب کرنا مناسب ہے جبکہ بغیر گواہ بنائے طلب صحیح ہے گواہ تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہے تو اس کو طلب کرنا مناسب ہے، تاکہ جب اس سے مشتری قسم لے تو اس کو یہ قسم دینا ممکن ہو کہ میں نے سنتے ہی طلب کیا ہے۔ (ت)

تتبع کلمات علماء بہت جگہ تصریح پائے گا کہ جب دربارہ میں طلب شفیع و مشتری میں اختلاف ہے قول قول مشتری ہے۔ اور بہت جگہ یہ کہ قول قول شفیع ہے، اس ظاہری اضطراب میں توفیق و تطبیق بتانے والی وہی عبارات کثیرہ ہیں جن میں تفصیل فرمادی کہ شفیع نے طلب مواثبت کو وقت سابق کی طرف مسند کیا تو قول قول مشتری ہے۔ اور گول چھوڑا کوئی وقت اس کا بیان نہ کیا صرف اتنا کہ بمجرد علم میں نے بطلب کی تو قول قول شفیع ہے۔ خانیہ وبزازیہ ودرر وغرر وجامع الفصولین وسراجیہ وواقعات المفتین وفتاوٰی صغرٰی ومحیط ومبسوط وفتاوٰی ظہیریہ ووہبانیہ وخزانۃ المفتین وتکملہ طوری وحواشی رملی وشامی وشرح وہبانیہ وغیرہا کتب کثیرہ میں یہ توفیق وتفصیل ارشاد ہوئی، امام اجل قاضی الشرق والغرب شیخ المذہب سیدنا امام ابویوسف نوادر میں فرماتے ہیں:

اذا قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فالقول قوله، ولو قال علمت امس و طلبت اوکان البیع امس و طلبتھا فی ذٰلك الوقت لم یصدق الا ببینة[2] اھ نقله العلامة الطوری فی تکملة البحر۔	جب شفیع کہے میں نے علم ہونے پر شفعہ طلب کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اس نے کہا مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کیا یا یوں کہا کہ بیع گزشتہ روز ہوئی اور میں نے طلب کیا، اسی وقت، تو بغیر گواہی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اھ اس کو علامہ طوری نے بحر کے تکملہ میں نقل کیا ہے۔ (ت)

امام جلیل خصاف شرح ادب القاضی میں فرماتے ہیں:

---

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۷

[2] تکملہ من البحر الرائق کتاب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۲۹

قال المشتری اشتریت ھذہ الدار منذ سنة وقد علم الشفیع شرائی ولم یطلب فأساله عن ذٰلک۔ فان القاضی یسأل المدعی متی اشتریت ھذہ الدار فان قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فان القاضی یکتفی منه بھذا المقدار، لان لایمکنه ان یقول اشتراھا منذ سنة لاحتیاجه الی اثباته فاحترز عنه بذکر طلب الشفعة۔ فان قال له المشتری طلبت حین علمت فالقول للشفیع، لانه فی ھذہ الحلة ظھر علمه للقاضی مقارنا للطلب، بخلاف ما اذا قال الشفیع علمت منذکذ اوطلبت وقال المشتری ما طلبت کان القول للمشتری اذا لم یظھر للقاضی بالاسناد لذٰلك الوقت فیحتاج الی الاثبات، ونظیرہ البکر اذا زوجت[1] اھ، نقله العلامة الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔	مشتری نے کہا میں نے یہ دار ایک سال سے خرید رکھا ہے اور شفیع کو میری خریداری کا علم ہوا اور طلب نہ کی، تو اس سے سوال کریں تو اگر قاضی مدعی شفعہ سے سوال کرے کہ اس دار کی خریداری کب ہوئی، تو شفیع نے اگر کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کی تو قاضی اس کی اس قدر بات کو کافی قرار دے گا کیونکہ شفیع کو یہ ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے کہ مشتری نے سال سے خرید رکھا ہے وہ طلب کے اثبات کا محتاج بنے، لہٰذا اس بیان سے احتراز کرتے ہوئے طلب شفعہ کو ذکر کیا ہے۔ تو اگر مشتری اس کو کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب کیا تھا تو شفیع کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس حالت میں طلب اور علم اکٹھے قاضی پر ظاہر ہوئے، اس کے برخلاف اگر شفیع یوں کہے کہ میں نے اتنی مدت سے جانا اور طلب کی اور مشتری طلب کا انکار کردے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قاضی پر اس وقت کی طلب ظاہر نہ ہوئی تو اثبات کا محتاج ہوگا۔ اور اس کی نظیر باکرہ لڑکی کا نکاح ہے۔ اس کو علامہ شرنبلالی نے تیسیر القاصد شرح نظم الفرائد میں نقل فرمایا ہے۔ (ت)

امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں:

ان قال المشتری انی قد اشتریت ھذہ الدار التی یرید ان یاخذھا بالشفعة منذ سنة وقد علم ھذا المدعی بشرائی	اگر مشتری کہے کہ میں نے یہ دار سال سے خرید کر رکھا ہے جس کو وہ شفعہ کی بناء پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مدعی شفعہ کو میری خریداری کا علم ہوا تو

---

[1] شرح ادب القاضی للخصاف تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔

ولم یطلب الشفعة یقول القاضی للمدعی متی اشتری ھذہ الدار فان قال المدعی طلبت الشفعة حین علمت کان صحیحا اکفاہ ذٰلك فان قال المشتری ماطلبت حین علمت کان القول الشفیع، وان قال الشفیع علمت منذ سنة وطلبت وقال المشتری لم تطلب کان القول قول المشتری، وھو کالبکر اذا زوجت فبلغھا الخبر فردت فاختصما الی القاضی فقال الزوج حین بلغھا الخبر سکتت، وقالت رددت حین علمت، کان القول قولھا، وان قالت علمت یوم کذا و رددت لا یقبل قولھا(الی ان قال)ولو قیل للشفیع متی علمت، فقال امس اوفی یومی قبل ھذہ الساعة لایقبل قولہ الاببینة[1]۔	اس نے طلب نہ کی تو اس صورت میں قاضی مدعی سے کہے گا کہ یہ دار کب سے خریدا گیا تو مدعی نے اگر جواب میں کہا کہ میں نے علم کے وقت ہی طلب کی تھی تو مدعی کا یہ بیان صحیح ہوگا اور قاضی اس کو کافی قرار دے گا تو مشتری اگر کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب نہ کی تو شفیع کی بات معتبر ہوگی، اور اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے سال سے جانا اور طلب کی اور مشتری کہے تو نے اس وقت طلب نہ کی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا، یہ معاملہ باکرہ لڑکی کے نکاح کی طرح ہے کہ اس کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے نکاح کو رد کیا تو خاوند بیوی کا یہ اختلاف قاضی کے سامنے پیش ہو تو خاوند کہے اس کو جب نکاح کی خبر پہنچی تو یہ خاموش رہی اور عورت کہے میں نے علم ہوتے ہی رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر ہوگی اور اگر عورت کہے کہ مجھے فلاں روز علم ہوا اور میں نے رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر نہ ہوگی (یہاں تک فرمایا) اور اگر شفیع کو کہا گیا تو نے کب معلوم کیا تو اس نے کہا گزشتہ روز یا آج ایک گھنٹہ قبل تو شفیع کی بات بغیر گواہی قبول نہ ہوگی۔ (ت)

علامہ مولٰی خسرو غرر میں فرماتے ہیں:

قال الشفیع طلبت حیط علمت فالقول لہ بیمینہ، ولو قال علمت امس وطلبتہ کلف اقامة البینة[2]۔	شفیع کہے جس وقت مجھے علم ہوا اس وقت میں طلب کی تو اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، اور اگر کہے مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی تو اسے گواہی کا پابند کیا جائے گا۔ (ت)

درر میں ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعة فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعه باب ماتکون ہی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

کلف اقامة البینة ولایقبل قوله لانه اضاف الطلب الی وقت ماض فقد حکی مالایملك استئنافه للحال، و من حکی مالا یملك استئنافه للحال لایصدق فیما حکی بلا بینة، واذا لم یضف الطلب الی وقت ماض بل اطلق الکلام اطلاقا تامافقد حکی مایملك استئنافه للحال لانه نجعله کانه علم بالشراء الآن، وطلب الشفعة الآن فلذا جعل القول قوله کذا فی العمادیة وغیرھا[1]۔	اس کو گواہی کا پابند کیا جائے گا اور اس کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے طلب کو ماضی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسی بات کو حکایت کیا جس کو فی الحال نافذ کرنے پر قادر نہیں، اور جو شخص ایسی بات کی حکایت کرے جس کو وہ فی الحال ابتداء نافذ کرنے کا مالک نہ ہو تو اس حکایت میں اس کی تصدیق بغیر گواہی نہ ہوگی، اور شفیع جب طلب کو ماضی کی طرف منسوب نہ کرے گا بلکہ کلام کو مطلقاً ذکر کرے تو یہ ایسی بات کی حکایت ہوگی جس کو ابتداء نافذ کرنے کا فی الحال مالک ہے کیونکہ ہم اس کو یوں سمجھیں گے کہ ابھی اس کو خریداری کا علم ہوا ہے اور ابھی شفعہ طلب کیا ہے اس لئے شفیع کی بات معتبر ہوگی، عمادیہ وغیرہ میں یوں ہے۔ (ت)

اقول: وباللّٰه التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) ان عبارات توفیق کا جس طرح یہ مطلب نہیں کہ مجرد اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کو دے گا کہ اسے قاضی کے حضور اضافت الی الماضی سے کیاچارہ کہ دونوں مواثبت واشہاد کا طلب عندالقاضی سے پہلے ہونالازم، یہاں تک کہ اگر بفور علم طلب تملک سے آغاز کیا اور وہ طلبیں پہلے نہ کرلیں شفعہ باطل ہوجائے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرح علمائنا قاطبة انه متی تمکن من طلب الاشهاد لم یشهد بطلت شفعته فلو اضرب عنه ومضی الی المحکمة ابتداء وطلب عند القاضی بطلت والطلب عند القاضی متأخر عن الطلبین ای طلب المواثبة و الاشهاد فاذا قدمه علیهما او علی احدهما	ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب بھی طلب اشہاد پر قدرت ہوئی اور گواہی نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور اگر اس نے اول وقت میں طلب نہ کی اور محکمہ قضاء کی طرف چل پڑا اور قاضی کے پاس جاکر طلب کی شفعہ باطل ہوگا جبکہ قاضی کے ہاں طلب پہلی دو طلب کے بعد ہوتی ہے پہلی طلب مواثبت ہے دوسری طلب اشہاد ہے اور جب قاضی کے ہاں طلب کو پہلی دونوں یا ایک

---

[1] الدرالحکام شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون هی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

بطلت شفعته۔ ولیس فی ھذا اختلاف بین ائمتنا فیما علمت[1]۔	طلب سے مقدم کردیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگا۔ اور میرے علم کے مطابق اس میں ہمارے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

ناچار عندالقاضی نسبت الی الماضی ہی کرے گا، ولہٰذا فتح اللہ المعین میں فرمایا:

انه لایستحلف الا اذا اسند الطلب الی الزمن الماضی[2]۔	شفیع سے قسم نہ لی جائے گی مگر جب اس نے طلب کو زمانہ ماضی کی طرف منسوب کیا قسم لی جائیگی۔ (ت)

اسی طرح یہ معنی بھی زنہار مراد نہیں ہوسکتا کہ شفیع کا اتنا کہہ دینا کہ "میں نے بمجرد علم طلب کی" مطلقاً کافی ووافی ہے اگرچہ اس طلب کا زمانہ طلب اشہاد سے مقدم بتا چکا ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہو جس صورت میں اہل توفیق نے قول شفیع معتبر نہ رکھا، یعنی علمت امس وطلبت (مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی۔ ت) واجب تھا کہ اس میں بھی قبول ہوتا۔ اور فرق محض ضائع رہتا کہ شفیع یہاں طلب مواثبت سے خبر دے رہا ہے۔ اور وہ نہیں ہوتی مگر بفور علم، تو اس طلبت کے معنی قطعاً یہی ہے کہ طلبت کما علمت (میں نے طلب کیا جب مجھے معلوم ہوا۔ ت) ولہٰذا اس صورت میں عدم قبول قول شفیع کو سراجیہ میں بلفظ فاء تعقیب بیان کیا کہ:

الشفیع لو قال طلبت الشفعة حین علمت کان القول له، ولو قال علمت منذ کذا فطلبت وقال المشتری ماطلبت فالقول للمشتری[3]۔	شفیع نے اگر کہا میں نے اسی وقت طلب کی جب مجھے علم ہوا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہا مجھے فلاں دن سے معلوم ہے تو میں نے طلب کی تھی اور مشتری کہے تو نے طلب نہ کی تھی تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔ (ت)

شرح مبسوط میں خاص انھیں الفاظ اتصال پر حکم عدم قبول دیا:

حیث قال کما نقل عنه فی جامع الفصولین برمز "شصل" بلغت بکر افقالت	جہاں انھوں نے فرمایا جیسا کہ ان سے جامع الفصولین میں منقول ہے۔ برمز "شصل" باکرہ لڑکی بالغ ہوئی

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۵۴

[2] فتح المعین کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۲۹

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

رددت کما بلغت، والزوج یقول سکت فالقول للزوج، فکذا لو قال طلبت الشفعۃ کما سمعت فقال المشتری سکت فالقول للمشتری[1]۔	تو اس نے کہا میں نے اپنا نکاح رد کیا جب یہ خبر پہنچی اور خاوند کہتا ہے تو خاموش رہی تو خاوند کی بات معتبر ہوگی تو یوں ہی اگر شفیع کہے جب مجھے معلوم ہوا میں نے شفعہ طلب کیا تو مشتری کہے تو خاموش رہا، تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

لو لم یکن عندھا شھود فاذا وجدتھم فلو بلغت بحیض تقول حضت الاٰن و نقضتہ، فاشھدوا علیہ و لو بلغت باحتلام اوبسن تقول کما بلغت نقضتہ، فاشھدوا اوتقول اشھدوا، انی بلغت ونقضتہ فان قالوا متی بلغت تقول کما بلغت نقضتہ ولا تزید علی ھذا الانھا لو قالت بلغت قبل ھذ اونقضتہ حین بلغت لاتصدق[2]۔	اگر بالغ ہونے کے وقت گواہ موجود نہ تھے اور اس نے گواہ پاکر گواہی بنائی تو اگر وہ لڑکی حیض کے ساتھ بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے کہ مجھے ابھی حیض آیا ہے اور میں نکاح کو توڑتی ہوں تم اس پر گواہ ہو جاؤ، اور اگر وہ احتلام یا عمر کی بناء پر بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے جونہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا تو تم گواہ ہو جاؤ، یا کہے تم گواہ بن جاؤ میں بالغ ہوئی اور میں نے نکاح توڑ دیا، اگر وہ پوچھیں تو کب بالغ ہوئی، جواب میں کہے جیسے ہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑ دیا اور اس پر مزید کچھ نہ کہے، کیونکہ اس نے کہا میں قبل ازیں بالغ ہوئی اور میں نے توڑ دیا، جب بالغ ہوئی تو اس کی بات قابل تصدیق نہ ہوگی۔(ت)

دیکھو زمانہ متقدم بتانے کی حالت میں ادعائے فوراً اتصال کو بھی رد فرمادیا، غرض نہ مدار قبول مجرد ادعائے اتصال پر ہے، نہ مناط عدم قبول محض اضافت بماضی، بلکہ طلب شہود معہود سے اتصال کا صراحۃً بیان یا طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم علی وقت الاشہاد نہ بیان کرنا، اور صرف بیان اتصال پر قانع ہونا درکار ہے کہ عیناً یا احتمالاً یہی طلب مشہود مراد ہوسکے، اور طلب مشہود سے تقدم علم کا اقرار موجب عدم قبول قول ہے۔ اگرچہ لاکھ مدعی اتصال ہوں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح طلبت کما علمت

---

[1] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

[2] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

(علم ہوتے ہی میں نے طلب کی۔ ت) سے طلب عند القاضی مراد نہیں ہو سکتی،

لما علمت ان اتصاله بالعلم مبطل للشفعة لعدم تقدم الطلبين۔	اس وجہ کی بناء پر جو تجھے معلوم ہوئی کہ قاضی کے ہاں علم سے متصل گواہی شفعہ کو باطل کرتی ہے کیونکہ اس سے قبل د وطلب نہ پائی گئیں (ت)

یوہیں کوئی طلب مجہول جس کا بیان محض مدعی کی زبان سے ہو، مقصود ماننا بھی بدیہی البطلان ہے۔

لما تقدم ان مدع فيه فكيف يقبل قوله ولما علمت انه يضيع على هذا الفرق المطبق عليه من اهل التوفيق، ولما من نصوص السراجية وشرح المبسوط على بطلانه۔	اور گزشتہ کی بناء پر کہ وہ مدعی ہے تو اس کا قول کیسے معتبر ہو اور اس بناء پر جو تم معلوم کرچکے کہ وہ تمام اہل توفیق کے متفقہ علیہ فرق کو نظر انداز کررہا ہے اور سراجیہ، شرح المبسوط کی اس کے بطلان پر نصوص کی بناء پر۔ (ت)

لاجرم اس سے مراد وہی طلب اشہاد ہے جبکہ مشہود و معہود اور بینہ عادلہ یا اقرار مشتری سے ثابت و معروف ہو، تو حاصل تنقیح و تحقیق وعطر تنقید وتدقیق بحمد اللہ تعالٰی وہی نکلا کہ طلب اشہاد ہرگز بے گواہان یا اعتراف مشتری ثابت نہیں ہو سکتی نہ بے اس کے ثبوت کے طلب مواثبت پر ہرگز حلف شفیع لیا جاسکتا ہے ہاں جب وہ ثابت ہو اور طلب مواثبت کے لئے کوئی زمانہ طلب شہاد سے پہلے اگرچہ ایک ہی ساعت حفیفہ ہو، بیان نہ کیا، بلکہ صراحۃ اسی طلب اشہاد کو طلب مواثبت بنایا، بایں معنی کہ اسی وقت علم ہوا تھا، معاً طلب اشہاد کی کہ دونوں طلبوں کے قائم ہوئی، یا طلب مواثبت کے لئے اصلاً کوئی وقت نہ بتایا، صرف اتنے کہنے پر قانع ہوا کہ میں نے معلوم ہوتے ہی طلب کی، تو اس صورت میں قول شفیع بحلف معتبر ہوگا۔ ورنہ قول قول مشتری ہے۔

هكذا ينبغي التحقيق۔ والله ولى التوفيق، اتقن هذا فانك لاتجده فى غير ہذا العبد الضعيف، والله بعباده لطيف، والحمد الله رب العالمين، والله تعالٰى اعلم و علمه جل مده اتم واحكم۔	تحقیق یوں مناسب ہے۔ اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ اس کو مضبوط کرلو کیونکہ اس عبد ضعیف کے بغیر اس کو نہ پاؤ گے، اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ الحمد اللہ رب العالمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۴: ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شفعہ کی اطلاع دے دی گئی ہو دو آدمیوں

کے روبرو اور اس شخص نے لینے سے انکار کیا، تو اب وہ شفعہ مانگتا ہے، استحقاق اس کا باقی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بیع ہوجانے کے بعد شفیع نے شفعہ سے انکار کیا، اگرچہ ہنوز اسے خبر بیع بھی نہ پہنچی ہو، یا خبر سن کر شفعہ لینے سے منکر ہوا، یا سکوت ہی کیا، تو شفعہ ساقط ہوگیا، اب اسے دعوی شفعہ کا استحقاق نہیں جبکہ اس خبر میں کوئی ایسی بات نہ بیان کی گئی ہو جس سے شفعہ لینے نہ لینے میں شفیع کی غرض بدلتی ہو، ورنہ اگر پیش از بیع اس سے کہا گیا کہ یہ مکان بکنے والا ہے تو شفعہ چاہے گا، اس نے انکار کردیا اور جب بکا تو فوراً طالب شفعہ ہوا، یا بعد بیع خبر بیع اسی غلط طور پر پہنچی جس سے رغبت وعدم رغبت مختلف ہو مثلاً زر ثمن زیادہ بتایا گیا یا مشتری کسی اور شخص کو ظاہر کیا گیا، پانسو کو بکا تھا، اس سے کہا گیا چھ سو کو بکا ہے تو شفعہ لے گا، اس نے انکار کیا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ پانسو بیع ہوئی ہے۔ تو فوراً شفعہ طلب کیا یا مکان زید کے ہاتھ بکا تھا، شفیع کو خبر دی گئی عمرو نے خریدا ہے۔ اس نے شفعہ سے انکار کیا، پھر اطلاع ہوئی کہ زید نے خریدا تو فوراً خواستگار شفعہ ہوا، تو ان سب صورتوں میں انکار سے شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ وہ پاسکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لایصح وبعده صحیح علم الشفیع بوجو الشفعة اولم یعلم، وعلم من اسقط الیه هذا الحق اولم یعلم کذا فی المحیط۔[1]	بیع سے قبل شفعہ کو سونپ دینا صحیح نہیں اس کے بعد صحیح ہے شفیع کو لزوم شفعہ کا علم ہو یا نہ ہو، جس کے حق میں شفعہ کا ساقط کررہا ہے اس کا علم ہو یا نہ ہو، محیط میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

مایبطل به حق الشفعة بعد ثبوته، اختیاری و ضروری والاختیاری صریح ودلالة، اما الاول نحوان یقول الشفیع ابطلت الشفعة اواسقطها، او ابرأتك عنها اوسلمتها، او	ثبوت کے بعد شفعہ کو باطل کرنے والا عمل اختیاری ہے اور ایک ضروری ہے اختیاری صریح ہے اور بطور دلالۃ بھی، لیکن اختیاری صریح مثلاً شفیع یوں کہے میں نے شفعہ باطل کیا یا میں نے ساقط کیا، میں نے تجھ کو اس سے بری کیا میں نے سونپ دیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

نحو ذٰلك سواء علم بالبیع اولم یعلم ان کان بعد البیع ھکذا فی البدائع[1]۔	ان کی مثل اور الفاظ یہ الفاظ بیع کے بعد کہے خواہ بیع کا علم ہو یا نہ ہو، بدائع میں یوں ہے۔ (ت)

اس میں ہے:

اذا قیل لہ ان المشتری فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غیرہ فله الشفعة واذا قیل له ان المشتری زید فسلم ثم علم انه عمرو وزید صح تسلیمه لزیدو کان له ان یأخذ نصیب عمرو، کذا فسرہ الجوھرة النیرة ولواخبر ان الثمن الف فسلم فاذ الثمن اقل من ذلك فھو علی شفعته فلو کان الثمن الفاء او اکثر فلاشفعة کذا فی الذخیرة[2]۔	جب اسے بتایا گیا مشتری فلاں شخص، تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اسے شفعہ کا حق باقی ہے۔ جب اسے بتایا گیا کہ مشتری زید ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ زید کے ساتھ کوئی دوسرا بھی مثلاً عمرو شریک ہے تو زید کے حق میں چھوڑنا صحیح ہوگا اور عمرو کے حصہ میں اسے شفعہ کا حق ہے ____ جوہر نیرہ نے اس کی یوں تفسیر کی ہے جب معلوم ہوا کہ مبیع کی قیمت ہزار ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم کہ ثمن اس سے کم ہے تو اس کا شفعہ قائم رہے گا، ہاں اگر ثمن ہزار یا زائد ہو تو پھر شفعہ نہ ہوگا ذخیرہ میں یوں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فالاصل فی جنس ھذہ المسائل ان ینظر ان کان لا یختلف غرض الشفیع فی التسلیم صح التسلیم و بطلت الشفعة وان کان یختلف غرضه لم یصح وھو علی شفعته کذا فی البدائع[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس قسم کے مسائل میں ضابطہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ شفعہ چھوڑنے کی غرض بعد میں تبدیل نہیں ہوتی تو چھوڑنا برقرار رہے گا اور شفعہ باطل ہوگا اور غرض تبدیل ہوجائے تو شفعہ باقی رہے گا اور ساقط نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۳

مکان زید کا ایسا واقع ہے جس پر حق شفعہ خلیط فی الطریق چند اشخاص باشندگان کوچہ مذکور پہنچا ہے۔ اور ان میں سے بعض کو علاوہ حق شفعہ خلیط فی الطریق کے حق شفعہ جار ملاصق بھی حاصل ہے۔ مکان مذکور کی پچھیت کی طرف عمرو کا مکان واقع ہے۔ اور جس کا دروازہ دوسرے کوچہ میں ہے اور اس کا حق شفعہ جار ملاصق ہے۔ زید مالک مکان مشفوعہ نے اپنے مکان کی کچھ اراضی جو پچھیت کی طرف اور مکان عمرو سے متصل تھی، وہ بدست عمرو فروخت کی، چونکہ اراضی مذکور مکان مشفوعہ باشندگان کوچہ غیر نافذہ کا جز ہے۔ اس لئے استفتاء اس امر کا مطلوب کہ وہ شفیعان خلیط فی الطریق اور شفیعان جار ملاصق کو حق شفعہ مکان مشفوعہ کے ایک جز پر شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

واسطے سہولت کے نقشہ پشت ہذا پر تحریر کیا جاتا ہے

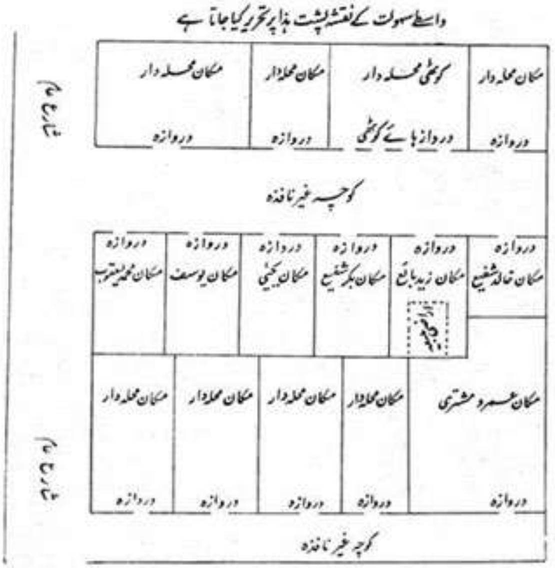
واسطے سہولت کے نقشہ پشت ہذا پر تحریر کیا جاتا ہے
مکان محلہ دار
کوٹھی محلہ دار
مکان محلہ دار
مکان محلہ دار
دروازہ
دروازہائے کوٹھی
دروازہ
دروازہ
شارع عام
کوچہ غیر نافذہ
دروازہ
دروازہ
دروازہ
دروازہ
دروازہ
دروازہ
مکان خالد شفیع
مکان زید بائع
مکان بکر شفیع
مکان یحیٰی
مکان یوسف
مکان محمد یعقوب
اراضی مبیعہ
مکان عمرو مشتری
مکان محلہ دار
مکان محلہ دار
مکان محلہ دار
مکان محلہ دار
دروازہ
دروازہ
دروازہ
دروازہ
دروازہ
شارع عام
کوچہ غیر نافذہ

الجواب:

کل مکان بیع کیا جائے گا خواہ بعض، ہر صورت میں خلیط فی نفس المبیع وشریک فی حق المبیع کا شفعہ ہے اور جار ملاصق کا بھی، اگر خاص اس جز مبیع سے اتصال رکھتا ہو، الالا، الا علی رِوَایَةٍ مُشْکِلَةٍ، درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے:

باع عقار الاذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعة لعدم الاتصال[1]۔ فی ردالمحتار استشکل السائحانی هذه الحیلة بما نقله الشرنبلالی عن عیون المسائل، دار کبیرة ذات مقاصیر باع منها مقصورة فلجار الدار الشفعة لان المبیع من جملة الدار وجار الدار جار المبیع، وان لم یکن متصلا به اھ، اقول المشکل مافی العیون لاماہنا، تأمل اھ[2]، ما قال العلامة الشامی و کتبت علیه ان المحشی قدم صدر الکتاب عن القهستانی، ان الملاصق المتصل بالمبیع ولم حکما کما اذا بیع بیت من دار فان الملاصق له ولاقصی الدار فی الشفیع سواء[3] اھوھو	کسی نے شفیع سے متصل ایک گز چھوڑ کر باقی زمین فروخت کی تو عدم اتصال کی وجہ سے شفعہ نہ ہوسکے گا، ردالمحتار میں ہے اس حیلہ پر سائحانی نے اشکال پیش کیا جس کو شرنبلالی نے عیون المسائل سے نقل کیا کہ کسی نے بڑی حویلی جو کہ کئی چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے میں سے یک چھوٹا مکان فروخت کیا تو اس حویلی کے پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ وہ مبیع مکان حویلی کا حصہ ہے تو پوری حویلی کا پڑوسی اس مبیع کا پڑوسی ہے اگرچہ یہ مبیع مکان پڑوسی سے متصل ہی نہیں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں کہ عیون المسائل کا ذکر کردہ خود مشکل ہے نہ کہ جو یہاں مذکور ہے۔ غور کرو، علامہ شامی نے جو بیان کیا وہ ختم ہوا، میں نے شامی پر حاشیہ لکھا ہے کہ محشیٰ یعنی علامہ شامی نے کتاب کی ابتداء میں قہستانی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ مبیع سے متصل اگر حکمی طور بھی ہو تو وہ متصل حصہ اور حویلی فروخت شدہ کا انتہائی حصہ شفعہ میں برابر ہیں مثلاً کسی نے حویلی میں سے ایک کمرہ فروخت کیا تو اس کمرہ سے متصل حصہ سمیت تمام دار شفعہ میں برابر ہے اھ۔

---

[1] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

مثل ما فی العیون ومثلہ ایضا فی الھندیۃ عن المحیط عن شرح ادب القاضی للخصاف، ووجہ اشکالہ ان ماھنا مصرح بہ فی عامۃ کتب المذھب العتمدۃ متونا وشروحا وفتاوٰی، فماخالفہ فھو المشکل لاھذا۔ **اقول:** ویؤید ماھنا مانص علیہ المتون ان سبب الشفعۃ اتصال ملك الشفیع بالمشتری، وظاہر ان المشتری اذا کان مفرزا مفصولا عن ملك الشفیع لم یکن بینھما اتصال، ولایکفی الاتصال بالواسطۃ والا لکان الجار الغیر الملاصق المحاذی ایضا شفیعا ولا قائل بہ۔ ولاینکر علیہ بماصرحوا بہ ان الماصق بشبر کالملاصق بجمیع حدود، وذٰلك لان الاتصال بجزالشیئ اتصال بالشیئ، ولا نسلم ان لاتصال بجزء من شیئ یکون اتصالا بجزئہ الاخر، الاتری ان العمامۃ الملاصقۃ لرأس زید ملاصقۃ لزید لا لرجلہ والنعل المتصل برجل زید متصلۃ بزید لا برأسہ، فاتضح ان روایۃ العیون مشکلۃ والحاصل ان المبیع اذا کان الکل کفی الاتصال بجزئہ واذا کان جزء معین من شیئ	یہ عیون المسائل میں مذکور کی مثل ہئے اور اسی کی مثل ہندیہ میں ہے محیط سے انھوں نے خصاف کی شرح ادب القاضی سے نقل کیا ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جو مذکور ہے وہی تمام معتمد کتب مذہب متون وشروح اور فتاوٰی میں تصریح شدہ ہے تو جوان کی تصریحات کے خلاف ہے وہ مشکل ہے نہ کہ یہ، میں کہتا ہوں یہاں پر ذکر کردہ کی تائید میں تمام متون کی نصوص ہیں کہ شفعہ کا سبب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت کا اتصال ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت سے علیحدہ فاصلہ پر ہو تو اتصال نہ ہوگا جبکہ بالواسطہ اتصال کافی نہیں ہے نہ ورنہ پڑوسی کا پڑوسی غیر اتصال والا بھی شفیع بن جائے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس پر یہ بیان وارد نہیں ہوسکتا جس کی تصریح یوں ہے کہ ایک بالشت کا اتصال جمیع حدود کا اتصال اور یہ اس لیے کہ چیز کی جز سے اتصال چیز سے اتصال ہے لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ایک جز سے اتصال اس کی دوسری جز سے اتصال ہے۔ آپ دیکھ رہے کہ عمامہ کا اتصال سرے سے ہونے کی وجہ سے زید کے پاؤں سے اتصال نہیں اور زید کے پاؤں کو اس کے جوتے کا اتصال ہے اس کے سر سے اتصال نہیں ہے۔ تو واضح ہوگیا کہ عیون المسائل والی روایت مشکل ہے اور حاصل یہ کہ جب کل مبیع ہو تو اس کی کسی جز کا اتصال شفعہ کے لئے کافی ہے اور جب کوئی معین جز مبیع ہو تو

لم یکف الاتصال بجزئه الاٰخر. فان الاتصل بالجزء اتصال بالکل مجملا، لابکل جزء منه فردا فردا فافترقا[1]۔	اس مبیع کی دوسری جزء کا اتصال کافی نہیں کیونکہ جزء کے اتصال سے کل کا اتصال مجمل ہوتا ہے نہ کہ ہر ہر جزء سے فردا فردا ہوتا ہے۔ تو یوں دونوں صورتوں میں مختلف ہیں۔ (ت)

شریک فی حق المبیع کے لئے مبیع سے اتصال ضرور نہیں۔ صرف شرکت حق مثل طریق خاص وغیرہ کافی ہے۔ درمختار میں ہے:

فی شرح المجمع وکذا للجار المقابل فی السکة الغیر النافذة الشفعة[2]۔	شرح مجمع میں ہے یونہی بند گلی کا سامنے والا پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وجهه ابوالسعود بان استحقاقها فیه الشرکة فی حق المبیع فلاتعتبر الملاصقة[3]۔	اس کی وجہ ابوسعود نے یہ بیان کی کہ بند گلی کا استحقاق شفعہ مبیع کو حقوق میں شرکت پر مبنی ہے اس میں اتصال کا اعتبار نہیں ہے۔ (ت)

اور چند شرکاء حق میں اگر ایک جار ملاصق بھی ہے باقی نہیں تو اسے ان باقیوں پر کوئی ترجیح نہ ہوگی، وہ سب یکساں ہیں، عالمگیریہ میں بدائع سے ہے:

الشفعة لاہل السکة کلھم یستووی فیھا الملاصق وغیر الملاصق لانھم کھم خلطاء فی الطریق[4]۔	بند گلی والوں کو شفعہ کا حق مساوی ہے خواہ اتصال والے ہو یا نہ ہوں کیونکہ وہ تمام گلی کے راستہ میں شریک ہیں۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں خالد، بکر، یحیٰی، یوسف، یعقوب اور سامنے کو چاروں مکان اور کوٹھی والے سب اس جز مبیع کے یکساں شفیع ہیں، ان کے ہوتے عمرو اور اس کے برابر کے چاروں محلّہ دار جن کے دروازے دوسرے کوچہ میں ہیں شفیع نہیں ہوسکتے جبکہ اور کوئی استحاق نہ رکھتے ہو، واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] درمختار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۱

[4] فتاوٰی ہندیة بحواله البدائع کتاب الشفعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

مسئلہ ۲۶: مرسلہ عبدالعزیز ونور محمد واحسان کریم قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلّہ کٹرہ پختہ بتاریخ ۴ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مملوکہ مقبوضہ اپنا جس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔ اپنی حین حیات بروئے فرائض شرعی خالد پسر، ہندہ زوجہ، کلثوم ومریم وزبیدہ ومیمونہ دختران کو تقسیم کرکے مالکانہ قابض ودخیل کرادیا، خالد اپنے حق پر جداگانہ اور ہندہ زوجہ اور ہر چہار دختران مشترکا اپنے حق پر مالکانہ قابض ہوگئے، اور درمیان مکان کی دیوار سرخ رنگ قائم کرلی، قطعہ شمالی خالد کی اور جنوبی ہندہ، اور ہرچہار دختران کے قبضہ میں رہا، بعد وفات زید کے ہندہ اور ہر چہار دختران زید نے اپناقطعہ جنوبی عبداللہ کے ہاتھ بیع کردیا، بعد فوت عبداللہ مذکور کے اس کے ورثاء نے قطعہ جنوبی مذکور بدست شیخ نوراحمد فروخت کردیا اور نوراحمد اب تک مالکانہ قابض ہے۔ خالد کے مرنے پر عمرو پسر، رضیہ زوجہ، صفیہ وذکیہ و رشدیہ وحمیدہ ودختران ورثاء خالد شمالی متروکہ خالد پر مالکانہ قابض ہوگئے۔ جوکہ محدود بدیں حدود اربعہ ہے۔ مکان اور صحن مکان عبدالعزیز مکان حافظ مظہر مکان نوراحمد مکان عبدالعزیز واحسان کریم عمرو وغیرہ۔ ورثاء خالد نے اپنا حق قطعہ شمالی بدست عبدالعزیز بیع کرنا چاہااور معاہدہ باہمی عبدالعزیز ہوگیا باخذ رسید مبلغ عــہ زربیعانہ عبدالعزیز مذکور سے حاصل کرلیا، نوراحمد شفیع بھی آمادہ خریداری تھا کہ احسان کریم مذکور نے خبر بیع مذکور سن کر کچھ قیمت بڑھائی، رشیدہ، حمیدہ ودختران خالد نے اپنے حق حقوق کابیعنامہ بنام نوراحمد شفیع کے کردیا۔ ہنوز رجسٹری نہیں ہوئی ہے کہ عمرو نے خلاف معاہدہ باہمی عبدالعزیز کے مع رضیہ مادر کے کل مکان متروکہ خالد کابیعنامہ اپنی اور رضیہ کی جانب سے بنام احسان کریم تحریر کردیا، اور ایک دستبرداری لادعوی وراثت شفیعہ وغیرہ ہشیرگان کی جانب سے تحریر کراکر بغرض تصدیق رجسٹری میں پیش کی شفیعہ ذکیہ نے تصدیق اس کی کردی، اور رشیدہ وحمیدہ نے کہ جن کی بلاعلم واطلاع کاروائی دستبرداری کی ہوئی تھی اور یہ اپنے حق کابیعنامہ بھی بنام نوراحمد تحریر کرچکی تھیں، تحریر دست برداری سے انکار کردیا، اور بیعنامہ موسومہ نوراحمد کی رجسٹری کرادی، چونکہ معاہدہ بیع پیشتر سے عبدالعزیز وعمرو وغیرہ منعقد ہوا تھا، حالانکہ گفتگو بیع کی نوراحمد مذکور سے بھی تھی، بکر، عمرو وغیرہ نے مبلغ (مہ روپیہ) بطور بیعنامہ عبدالعزیز سے بہ تحریر رسید حاصل کرلی تھی، ایسی صورت میں جبکہ عبدالعزیز دوجانب سے اور نوراحمد ایک جانب سے اور احسان کریم ایک جانب سے کچھ مکان کی وجہ سے استحقاق شفیع رکھتے ہیں، بلکہ نوراحمد بوجہ خریداری مقدم کے شفیع خلیط بقیہ حقوق عمرو ورضیہ شفیعہ وذکیہ پہنچ چکا ہے۔ تو بلحاظ واقعات متذکرہ صدر کون شخص مستحق خریداری مکان متنازعہ کا ہے۔ اور شرعا کس کو پہنچتا ہے۔ عبدالعزیز کے مکان کادروازہ بھی دوسرے محلّہ میں ہے۔ **بینوا توجروا**

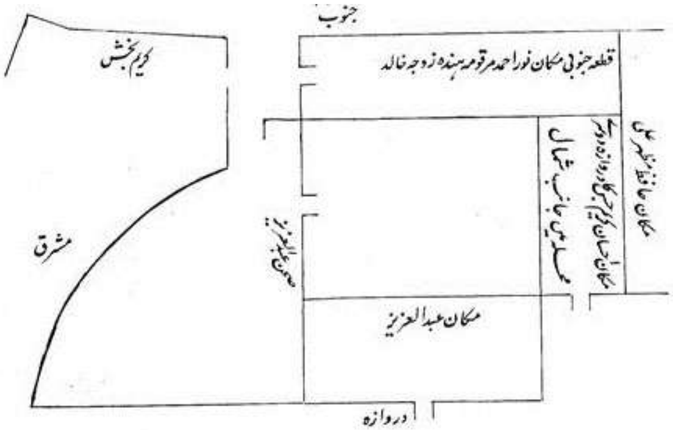

الجواب:

بیان سائلان سے واضح ہوا کہ عبدالعزیز سے صرف گفتگو بیع ہوئی تھی اور بیعنامہ دیا گیا عقد بیع تمام نہ ہوا تھا، نور احمد کلکتہ میں ہے، اس نے اپنے ایک بھائی کو اس قطعہ کی خریداری کے لئے لکھا، اس نے وکالۃً نور احمد کے لئے اس میں سے رشیدہ وحمیدہ کے حصے خرید لئے، عبدالعزیز ونور احمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں، اور احسان کریم محض جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں نہیں، جب عبدالعزیز کو معلوم ہوا خود اس کا بیان ہے کہ اس نے مشتری مذکور یعنی وکیل نور احمد سے جا کر کہا کہ میری گفتگو بیع سابق سے ہے۔ یہ حصے جتنے کو تم نے خریدے ہیں انھیں داموں کو مجھے دے دو ورنہ میں شفیع ہوں شفعہ سے لے لوں گا، اس کہنے سے عبدالعزیز کا ان دونوں حصوں میں شفعہ جاتا رہا کہ اس نے طلب شفعہ نہ کی بلکہ ابتداءً انھیں داموں کو خریدنا چاہا۔ اور نہ دینے کی حالت میں بذریعہ شفعہ لے لینے کی دھمکی دی، یہ امر مبطل شفعہ ہے، درمختار میں ہے:

یبطلها ان ساومها بیعا اواجارة اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء[1]۔	اگر شفیع نے مشتری سے بیع یا اجارہ یا اس کی شراء کا ولی (وکیل) بننے کا مطالبہ کرے تو اس سے شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعه باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

پس نور احمد دو حصوں کا مالک مستقل ہوگیا جس سے کوئی نہیں لے سکتا، اگر وہاں اور کوئی شفیع مثل کریم بخش وغیرہ بادائے شرائط طالب شفعہ نہ ہوا ہو، رہی احسان کریم کے ہاتھ بیع جس میں کل مکان صررف زوجہ وپسر خالد نے اس کے ہاتھ بیچا اور دختران خالد کو نا مستحق قرار دیا، شفیعہ، ذکیہ تو بوجہ تصدیق واقرار نا مستحق ٹھہریں، مگر رشیدہ وحمیدہ نے اقرار نہ کیا بلکہ اپنی بیع کی بنام نور احمد کے تکمیل کرادی، تو بعض مبیع احسان کریم کے ہاتھ سے نکل گیا، اور بقیہ کی بیع معرض زوال میں آگئ یعنی احسان کریم کو اختیار ہوگا، چاہئے دو حصہ رشیدہ وحمیدہ علاوہ بقیہ مکان بحصہ قیمت لینا قبول کرے۔ خواہ کل بیع کردے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا واستحق بعض قبل القبض اوبعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی، ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترک[1]۔	اگر خرید شدہ چیز ایک ہو اور اس کے بعض حصہ کا استحقاق ثابت ہو جائے خواہ قبضہ سے قبل یا بعد ثابت ہو تو مشتری کو باقی حصہ میں اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس قیمت کے حصہ پر لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔ (ت)

پس اگر احسان کریم نے بیع رد کردی تو سرے سے مبنائے شفعہ ہی کی بیع تھی جاتا رہے گا، اور وہ بقیہ قطعہ ایسا ہوجائے گا گویا بکا ہی نہیں کسی کو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر بقیہ بحصہ قیمت لینا قبول کیا، اور نور احمد شرائط شفعہ بجالایا تو اب وہی عبدالعزیز وغیرہ سب پر مرجح رہے گا کہ اب بوجہ خریداری حصہ رشیدہ وحمیدہ نور احمد خلیط فی نفس المبیع ہوچکا ہے۔ اور عبدالعزیز صرف خلیط فی حق المبیع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو کا ایک مکان اور دکان کے مالک تھے، زید عمرو کی ملکیت کا شفیع تھا، عمرو نے اپنا حصہ دکان ومکان مذکور کا بکر کے ہاتھ فروخت کیا، تو زید بفور سنے اس خبر کے مع چند آدمیوں کے جو کہ گواہ طلب شفیع کے ہیں، اور جن کے سامنے کہ زید نے شرائط شفیع بغور سننے خبر بیع کے ادا کی ہیں، جن میں سے کہ ایک زید کا قریبی رشتہ دار، ونیز عمرو بکر کا بھی رشتہ دار ہے ودیگر لوگ زید کے ملنے والے دوست ہیں، بکر کے پاس بغرض طلب شفیع گیا، روپیہ رومال میں باندھ کر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۲۶

اپنے ہاتھ میں لے گیا اور بکر سے جاکر اس نے کہا کہ میں ان حصہ دکان و مکان کا شفیع ہوں، تم نے اس حصہ کو کیسے خرید کیا میں خریدوں گا۔ زید نے زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں روپیہ لایا ہوں، قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کرو، بکر نے زید کی گفتگو کے جواب میں جائداد مذکور دینے سے انکار کردیا، زید کے اس امر کے اظہار نہ کرنے سے کہ میں روپیہ لایا ہوں قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کردو، حالانکہ روپیہ اسی نیت سے لے گیا تھا اور وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھا صرف زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا، تو ایسی حالت میں مراتب شفیع بموجب شرع شریف پورے طور سے ادا ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ روپے لے جانا ضرور نہ مشتری سے روپیہ لانا کا ذکر ضرور، یہ سب بیکار و مہمل باتیں ہیں، مگر طلب مواثبت ایسے لفظ سے جس سے فی الحال طلب ثابت ہو، ضرور ہے۔ سائل نے بعد دریافت بیان کیا کہ میں نے خبر سنتے ہی یہ لفظ کہے تھے کہ میں اس کا شفیع ہوں، ریاض الدین نے کیسی خریدی میں خریدوں گا، اس سے طلب فی الحال ثالث ثابت نہیں ہوتی "خریدوں گا" سے اگر یہ مراد ہے کہ مشتری سے خریدوں گا، جب تو ظاہر ہے کہ مشتری سے خریداری کا ذکر شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها شراء الشفیع من المشتری وکذا ان ساومها بیعا او اجارة او طلب منه ان یولیه عقد الشراء[1] (ملخصا)	شفیع کا مشتری سے خریدنا اور یونہی بیع یا اجارہ کا سودا کرنا یا عقد شراء کا ولی بننے کا مطالبہ کرنا اس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ ملخصا (ت)

اور اگر یہ مراد ہو کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ بھی طلب شفعہ نہیں، خریداری تملک بالرضا ہے۔ اور شفعہ تملک بالجبر، درمختار میں ہے:

تملیك البقعة جبرا علی المشتری بما قام علیه[2]۔	شفعہ کسی ٹکڑا زمین کا مشتری سے اس پر لازم قیمت کے ساتھ جبرا مالک بننے کا نام ہے۔ (ت)

اور اگر مجازا یہی معنی مراد لئے جائیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا، تو یہ بھی وعدہ و انذار ہے۔ طلب فی الحال نہیں، عالمگیری میں ہے:

لو قال الشفعة لی اطلبها بطلت	اگر کہا میرا شفعہ ہے میں اس کی طلب کروں گا، تو

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۰

شفعته، ولو قال للمشتری انا شفیعك وأخذ الدار منك بالشفعة بطلت[1]۔	اس کا شفعہ باطل ہوگا، اور اگر مشتری کو کہا میں تیرا شفیع ہوں اور شفعہ کی بناء پر تجھ سے دار لوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔ (ت) لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا شفعہ باطل ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از ریاست رامپور کٹرہ جلال الدین خاں مرحوم مرسلہ پیرزادہ غلام معین الدین صاحب پنجم صفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوی کیا کہ مسماۃ فلاں نے اراضی فلاں اتنی قیمت کو فلاں شخص سے میری غیبت میں خریدی، اور میں خلیط فی الطریق ہوں مشتریہ جار ملاصق ہے۔ میرا حق مقدم ہے اور میں شرائط شفعہ بھی ادا کرچکا ہوں، مسماۃ مجیب ہوئی کہ زید نے ہرگز شرائط شفعہ ادا نہ کئے، نہ مکان مشفوع بہا زید کا مملوکہ ہے۔ اور دعوی پر تمادی ہے۔ بلکہ زید تسلیم الشفعہ کرچکا ہے۔ زید اور مسماۃ سے ثبوت طلب ہوا۔ زید نے جو شہادت پیش کی عندالعدالت ناکافی قرار دے کر نامقبول فرمائی گئی، ایک وجہ عدالت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ شہادت مدعی کو نقائض سے مبرا مان لیا جائے تب بھی شہادت جو مدعی علیہا کی جانب سے گزری، اس سے تسلیم شفعہ بعد از بیع ثابت ہے۔ لہٰذا دعوی خارج اور منجانب مدعی کئی استفتاء پیش ہوئے ہیں، اس بارہ میں کہ خلیط فی الطریق جارہ ملاصق پر مقدم ہے۔ کیا یہ استفتاء مفید ہوسکتے ہیں، مدعی نے تمادی سے بچنے کی غرض سے دو گواہوں سے یہ ثابت کرایا کہ میں وقت بیع مقام رچھا میں موجود تھا یعنی رامپور میں نہ تھا، مدعی علیہا کی جانب سے جو شہادت تسلیم شفعہ کی پیش ہوئی ہیں اس سے کماحقہ ثابت ہے کہ بعد تصدیق بیعنامہ اسی روز مدعی کو علم بیع ہوا اور مدعی نے تسلیم شفعہ کیا، تو کیا شہادت مذکور منجانب مدعی واسطے ثبوت کے کافی ہے، اور تمادی مرتفع ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس مسئلہ میں زوائد سے قطع نظر کرکے صرف دو باتوں پر نظر کافی ہے۔

اوّلاً گواہان مدعیان کا ان کی ملک دار مشفوع بہا میں ہونے کی نسبت صرف اتنا بیان کہ وہ مکان مدعیوں کی ملک یا ان کا موروثی ہے اظہارات شہود و مدعیان دیکھے جائیں، اگر ان کے بیان میں صرف اسی قدر ہو کہ اور یہ ظاہر نہ کیا ہو کہ شرائے مشتریہ سے پہلے یہ مکان یا جز مکان مدعیان تھا اور اب تک ہے۔ ہمارے علم میں ملک مدعیان سے خارج نہ ہوا، تو ایسی شہادت ثبوت دعوی شفعہ کے لئے ہرگز کارآمد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

نہیں کہ مدعا علیہا دار مشفوع بہا میں ملک، مدعیان کی منکر ہے۔ اور یہ اس طریقہ پر جو شرعا درکار ہے یعنی ملک متقدم علی البیع و مستمر الی الآن پر اقامت بینہ نہ کرسکے، تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

اذا طلب الشفيع سأل القاضی الخصم عن مالكية الشفيع لما يشفع به فان اقربها او نكل عن الحلف على العلم، اوبرهن الشفيع انها مبلكه(بان يقولا انها ملك هذا الشفيع قبل ان يشترى هذا المشترى هذا العقار، وهى له الى الساعة ولم نعلم انها خرجت عن مبلكه. فلو قالا انها لهذا الجار لايكفى كما فى المحيط)سأله عن الشراء هل اشتريت ام لا[1] اھ	جب شفیع نے طلب کی تو قاضی شفیع کی اس ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کررہا ہے۔ تو اگر مخالف فریق اس کی اس ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم پر قسم دینے سے انکار کرے یا شفیع اپنی اس ملکیت پر گواہی پیش کردے کہ وہ اس کی ملکیت ہیں ہے یوں کہ دونوں گواہ کہہ دیں کہ مشتری کی خریداری سے قبل یہ زمین اس کی اب تک ملک ہے۔ اور اس کی ملکیت سے خارج ہوجانے کا ہمیں علم نہیں ہے۔ اگر گواہ یہ کہیں کہ وہ اس پڑوسی کی ہے تو کافی نہ ہوگا جیساکہ محیط میں ہے، قاضی مشتری سے سوال کرے کہ کیا تونے اسے خریدا ہے یا نہیں۔ اھ (ت)

جبکہ شہادت گواہان مدعیان اس طریقہ مطلوبہ شرع پر نہ تھی، حاکم پر لازم تھا کہ فقط اسی قدر پر مقدمہ ختم کردیتا اور دعوی خارج کرتا، مقدمہ کا آگے بڑھانا محض تطویل ہوئی۔

ثانیًا: گواہان مدعا علیہا جنھوں نے دربارہ تسلیم مدعیان شہادت دی ہے کہ روز بیع بعد بیع معین الدین خاں نے مدعیوں کو اطلاع بیع اراضی مشفوعہ دی، اور ان سے کہا کہ اگر تمھیں لینا منظور ہو لے لو، انھوں نے کہا جواب دیا کہ ہم کو ضرورت نہیں، بحیثیت ادا نہایت کافی ووافی شہادت ہے، اس کے الفاظ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں بے معنی ہے، اس میں فقط اتنا دیکھنا چاہئے کہ گواہوں کی حالت کیسی ہے اگر ان میں دو گواہ بھی قابل قبول شرع ہوں تو فیصلہ بحق مدعا علیہا لازم ہے۔ ملاحظہ تحریر سے ظاہر ہوا کہ حکم مجوز نے گواہان مشتریہ پر اعتماد کیا کہ اور ان کے بیان پر فیصلہ رہا، اور جانب مدعیان سے ان پر کوئی جرح قابل لحاظ شرع نہ کی گئی، تو اس صورت میں واقعہ میں حکم یہی ہونا چاہئے کہ دعوی شفعہ ساقط، اور مشتریہ مطالبہ سے بری ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة باب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲، ردالمحتار کتاب الشفعة باب الشفعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

اس کے مقابل مدعیوں کی یہ گواہیاں کہ ہم یہاں نہ تھے شہادت علی النفی ہیں قابل لحاظ نہیں، نہ وہ فتوٰی دوخلیط جار پر مقدم ہے۔ کچھ مفید مدعی ہوسکتے ہیں کہ اول توخلیط ہونا ہی پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، پھر بعد تسلیم شفعہ خلیط فی نفس المبیع کا بھی کچھ حق نہیں رہتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹و۳۰: از ریاست رامپور کٹرہ خلاں خاں مرحوم مرسلہ غلام معین الدین خاں ۱۱ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

(۱) حاکمان شریعت مفتیان ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ اصغر علی خاں عرف بنے خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعاعلیہا نمبری ۲/۱۹۳ دعوٰی شفعہ براراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں فیصلہ مفتی عدالت ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ پیش کرکے درخواست ہے کہ شرع مطہر کے حکم سے اس مدقدمہ میں فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا صحیح ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

مقدمہ مذکورہ کے متعلق عرضی دعوٰی وعرضِ مدعی مورخہ ۱۶مارچ ۱۹۰۷ء بجواب استفسار حکم، واظہارات عبد الطیب خاں، وڈاکٹر مدن خاں، وعلی بہادر خان، وصفدر علی خاں ولد عباس خان وبشیر الدین خان، وضیاء الدین خاں، واحمد حسن خاں، وصفدر علی خاں ولد نثار علی خاں وعبدالغنی خاں نہ کس گواہان اصغر علی خاں مدعی، وفیصلہ مفتی صاحب حاکم مجوز کی نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئے، اور سائل نے بیان کیا کہ شہنشاہی بیگم مدعاعلیہا کی طرف سے اس مقدمہ میں صرف دو گواہ نیاز حسین خاں وعزیز محمد خاں پیش ہوئے، اور ان کا بیان اس مقدمہ میں بھی بعینہٖ وہی ہے جو انھوں نے مقدمہ سید محمد شاہ میں بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ میں کیا ہے۔ اور جس کی نقول باضابطہ اس وقت یہاں دارالافتاء میں حاضر ہے۔ نیز حاکم نے فیصلہ میں ان کے بیانوں کاخلاصہ ذکر کیا، اور تحقیقات موقع پر شہادت سعید الدین خاں کا بھی بیان لکھا ہے جس میں اصغر علی خاں وسید محمد شاہ دونوں مدعیوں کا بعد بیع تسلیم شفعہ مذکور ہے، اور مجوز نے دونوں فیصلوں میں بعد اس بیان کے کہ شہادات شہود مدعیان میں نقائص ہیں، برتقدیر نقائص ان تین گواہان مدعیہ کے بیان پر مدار فیصلہ رکھا ہے کہ ان سے دونوں مدعیوں کا بعد بیع طلب شفعہ سے انکار کردینا ثابت ہے۔ تو ان کو کسی طرح استحقاق دعوٰی نہ رہا، اور گواہان اصغر علی خاں جو وقت بیع اس کارام پور میں نہ ہونا بیان کرتے ہیں گواہان نفی ہیں کہ مسموع نہیں، مگر ہماری رائے میں گواہان مدعاعلیہا اس مقدمہ میں حاجت سے محض زیادہ ہیں جن کی شہادت پر بحث کی اصلا ضرورت نہیں، ولہذا ان کے اظہارات کی نقل پیش نہ ہونا اس مقدمہ میں بیاں حکم سے مانع نہیں، نہ اس پر نظر کہ عزیز محمد خاں نے اصغر علی خاں کی نسبت کہا، ولدیت نامعلوم شکل جانتا ہوں نہ اظہار سے ثابت کہ

گواہ نے مدعی کو اشارہ سے بتایا، نہ اس پر لحاظ کی حاجت کہ سعید الدین خاں دوسرے مقدمہ کا گواہ ہے جس کا مدعی شخص آخر ہے، گو مدعا علیہ وہی ہے۔ اس کا بیان اس مقدمہ کا شاہد بنا کر کہاتک قابل استناد ہے۔ یہ سب امور زوائد ہیں، مدعی شفعہ میں لازم ہے کہ یا تو مدعہ مقر ہو کہ دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہے، یا شفیع اسے بینہ سے ثابت کرے اور یہ بھی نہ ہو تو شفیع مدعا علیہ کا حلف چاہے اور وہ قسم کھانے سے انکار کردے، بے ان صورتوں کے دعوی شفعہ ہر گز ثابت نہیں ہوسکتا، زیلعی میں ہے:

اذا تقدم الشفیع، وادعی الشراء وطلب الشفعة عندا لقاضی، ولم یخل بشیئ من شروطه، اقبل علی المدعی علیه فسأله عن الدار التی یشفع بها هل ہی ملك الشفیع ام لا، و ان کانت هی فی ید الشفیع وهی تدل علی الملك ظاهرا، لان الظاهر لایصلح للاستحقاق فلا بد من ثبوت مبلکه بحجة، فیسأله عنه فان انکر ان یکون ملکاله یقول للمدعی اقم البینة انها ملکک، فان عجز عن البینة وطلب یمینه استحلف المشتری باللّٰه مایعلم انه مالك للذی ذکرہ مما یشفع به، فان نکل اوقامت للشفیع بینة، او اقر المشتری بذلك ثبت ملك الشفیع فی الدار التی بشفع بها وثبت السبب وبعد ذٰلك یسأل القاضی	شفیع نے قاضی کے ہاں آگے بڑھ کر خریداری کا دعوی کیا اور شفعہ طلب کیا اور دعوی کی شرائط میں کوتاہی نہ ہو، پھر قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اس دار کے متعلق سوال کرے گا جس کی بناء پر شفیع شفعہ کا دعوی کرتا ہے کہ کیا یہ شفیع کی ملکیت ہے یا نہیں اگرچہ وہ دار شفیع کے قبضہ میں ہو قبضہ کے باوجود سوال حالانکہ قبضہ ملکیت پر ہی ظاہرا دلالت کرتا ہے یہ اس لیے کہ ظاہر چیز استحقاق ثابت نہیں کرتی تو اس کی ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے لہٰذا قاضی مدعا علیہ سے مدعی کی ملکیت کا سوال کرے گا، اگر مدعی علیہ اس کی ملکیت کا انکار کرے تو قاضی مدعی کو کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کر، تو اگر وہ گواہ لانے سے عاجز ہے اور مدعی علیہ سے اس پر قسم لینے کا مطالبہ کرے تو قاضی مدعی علیہ سے یوں قسم لے کہ مدعی جس بناء پر شفعہ کررہا ہے تو اس ذکر کردہ پر اس کی ملکیت کو جانتا ہے تو مدعی علیہ اگر قسم سے انکار کرے یا شفیع کے گواہ شہادت دے دیں یا خود مشتری اس کی ملکیت کا اقرار کردے تو جس دار کی بناء پر شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لئے ثابت

المدعی علیه هل اشتریت ام لا الخ ملخصا۔[1]	ہو جائیگی یوں شفعہ کا سبب ثابت ہو جائیگا اس کے بعد قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے سوال کرے کیا تو نے یہ دار خریدا ہے یا نہیں الخ ملخصا (ت)

اس مقدمہ میں ظاہر ہے کہ مدعاعلیہا ملک شفیع کی منکر ہے۔ نہ شفیع نے حلف چاہا نہ اس نے حلف سے انکار کیا، تو صرف صورت شہادت رہی، اور وہ محض ناکافی گزری، یہاں شہادت اس مضمون کی درکار ہے کہ دار مشفوعہ کی بیع سے پہلے دار مشفوع بہا شفیع کی ملک تھی اور اب تک اس کی ملک ہے ہمارے علم میں جب سے اب تک اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان یقر المدعی علیه بشراء الدار وینکر کون المدعی شفیعها بالدار التی حدها وینکر کون الدار التی حدها ملکا للمدعی، احضر المدعی الشهود وشهد کل منهم ۔ (ملخصا)۔[2] گواہی میدہم کہ خانہ کہ بفلاں موضع ست حدہائے وے کذا وکذا ملک ایں مدعی بود پیش از انکہ ایں مدعی علیہ مرایں خانہ راخرید وبرملک وے ماند تا امروز وامروز ایں خانہ ملک ایں مدعی ست۔	مدعی علیہ دار کی خریداری کا اقرار کرے اور شفیع جس مکان کی بناء پر مدعی کے بیان کردہ دار پر مدعی کی ملکیت کا انکار کرے تو مدعی گواہ پیش کرے اور ہر گواہ شہادت دے (ملخصا)۔ (ت) میں گواہی دیتا ہوں کہ جو مکان فلاں موضع میں ہے اس کی حدود یوں یوں ہیں وہ اس مدعی کی ملکیت میں دعی علیہ کے اس خاص مکان کو خریدنے سے قبل تھی اور آج یہ مکان اس مدعی کا ہے۔ (ت)

اور یہ اس لئے کہ اگر وقت بیع دار مشفوع بہا ملک شفیع میں نہ تھا، تو اس سبب سے اس میں استحقاق شفیع نہیں ہو سکتا اگرچہ بعد بیع یہ دار مشفوع بہا وراثت یا بیع یا ہبہ یا وصیت وغیرہا سے ملک مدعی میں آجاوے، عالمگیریہ میں ہے:

الشفعة شرطها ملك الشفيع وقت الشراء فی الدار التی یاخذبها	شفعہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہے جس دار کی بناء پر شفعہ کا دعوی ہے اس پر مشتری کی خریداری

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الشفعة باب طلب الشفعة المطبعة الکبرٰی الامیر بولاق مصر ۵/ ۴۵۔۲۴۴

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب المحاضر والسجلات محضر فی دعوی الشفعة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۰۷

الشفعة[1]۔	تک شفیع کی ملکیت قائم ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

رجل اوصی له بدار، ولم یعلم حتی بیعت دار بجنبها، ثم قبل الوصیة فلا شفعة له[2]۔	ایک شخص نے اس کے لئے ایک مکان کی وصیت کی حالانکہ اس کو ابھی تک وصیت کا علم نہ ہوا حتی کہ اس مکان کے پڑوس میں کوئی مکان فروخت کیا اس کے بعد اس کو علم ہوا تو وصیت قبول کی۔ تو اب شفعہ نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر شفیع بعد بیع وطلب شفہ قبل قضائے قاضی دار مشفوع بہا کو بیع کردے، تو شفعہ ساقط ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها بیع مایشفع به قبل القضاء بالشفعة مطلقًا[3]۔	جس کے سبب شفعہ کا حق ہو اس کو قاضی کے فیصلہ سے قبل فروخت کردینا شفعہ کو مطلقًا باطل کردیتا ہے۔ (ت)

تو لازم ہے کہ قبل بیع دار مشفوعہ سے اس وقت تک مشفوع بہا میں شفیع کی ملک مستمر پر شہود شہادت دیں، اس کی طرف کچھ میلان اس مقدمہ میں بظاہر صرف ضیاء الدین خاں کے بیان میں ہے کہ اس مکان مشفوعہ کے پورب کی جانب مکان اصغر علی خاں موروثی واقع ہے اور وہ قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک وہ اس پر مالک و قابض ہیں اور حقیقۃً دیکھئے تو اصلاً سے بھی اس مطلوب سے مس نہیں، مکان مشفوعہ سے پورب کی جانب ہزاروں میل تک ہے۔ نہیں معلوم کہ گواہ جس کو اصغر علی خاں کا موروثی و مملوک بملک مستمر بتارہا ہے کس عملے بلکہ کس شہر میں واقع ہے۔ جبکہ دار مشفوع بہا کی طرف نہ اشارہ نہ اس کے حدود کا بیان تو صرف اتنی تعریف کہ وہاں پورب کو ہے کیا کام دے سکتی ہے۔ باقی آٹھ گواہوں سے چار نے ملک شفیع کا اصلاً ذکر ہی نہ کیا، صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں نے اتنا کہا کہ "یہ بات کہہ کر اصغر علی خاں اپنے مکان موروثی میں گئے اصغر علی خان کو چہ غیر نافذہ میں اپنے مکان موروثی کے دروازہ پر بیٹھے تھے، میں نے آٹھ روز سے نماز نہیں پڑھی، داڑھی مظہر کی جو برابر ہے" اس کا بھی وہی حال ہے اس سے یہ بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیه کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہ کھلا کہ اصغر علی خاں کا مکان موروثی دار مشفوعہ کے محلّہ واقع ہے یا شہر کے دوسرے کنارے پر، تو مشفوع بہا کی ملک سے اس میں بھی اصلا بحث نہیں، علی بہادر خاں نے کہا سید تصور شاہ کے مکان سے پورب کو مکان موروثی مدعی کا ملا ہوا ہے۔ معلوم نہیں تصور شاہ کے کسی مکان سے؟ ہاں دو گواہیاں ملک مشفوع بہا کا پتا دے رہی ہیں، صفدر علی خاں ولد عباس خاں نے کہا مکان موروثی مدعی سے کھپریل مکان متنازعہ کے دکھن کہ دیوار ودرمیان میں ہے "اس سے جار ملاصق ہونا معلوم ہوا، اگرچہ مدعی خلیط فی المبیع ہونے کا مدعی ہے۔ بشیر الدین خاں نے کہا" جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے اس مکان سے پورب کی جانب کی مکان اصغر علی خاں کا ہے۔ اور وہ مکان اصغر علی خاں کا موروثی ہے ان دونوں مکانوں کا راستہ بھی ایک ہی کوچہ میں ہے "اور یہی گواہ بمقدمہ سید محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ بیان کرچکا ہے کہ اس کی ڈاڑھی چٹکی میں آجاتی ہے۔ اول ڈاڑھی کترواتا تھا اب توبہ کرلی اب نہیں منڈائے گا، ان سب گواہیوں میں یہی گواہی چست ہے کہ اس نے ان لفظوں سے کہ "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے "اپنے تنگ خیال کے مطابق تعیین مکان بھی کی اور دونوں کا راستہ ایک ہی کوچہ میں ہونے سے خلط فی حق المبیع بھی بتایا، مگرت، تمام نقائص سے قطع نظر کرکے ان میں سے کسی نے مورث کا نام تک نہ لیا، اس کی تاریخ موت بتانا تو بڑی بات ہے، تو نری موروثی ہونے سے کیا کھلا کہ یہ مکان کب سے اصغر علی خاں کی ملک ہے، ممکن کہ وہ مورث جس کے ترکہ سے یہ مکان مدعی کو وراثۃ بعد بیع دار مشفوعہ مراد ہو، تو اس مکان کے ذریعہ سے مدعی کو کیا استحقاق شفعہ ہوسکتا ہے، شہادت اس لئے ہوتی ہے کہ حق حاکم پر ظاہر ہو، ان شہادتوں کا اجمال واہمال یہ ہے کہ مجوز نے فیصلہ میں کہا کہ گواہان مدعی نے یہ نہ بیان کیا کہ مدعی مورث کا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا کون "جب قاضی کو مورث کا ہی پتہ نہ چلا تو تاریخ موت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے جس سے جانا جائے کہ دار مشفوعد بہا عندالبیع ملک شفیع تھی یا نہیں، لاجرم شہادتیں محض مہمل ہیں اور دعوٰی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، ردالمحتار میں ہے:

لوقالا انہا لہذا الجار لایکفی کما فی المحیط[1]۔	اگر دونوں گواہ یہ کہیں کہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہیں، جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

لہٰذا واجب تھا کہ دعوٰی خارج ہو، جیسا کہ مفتی ریاست نے کیا، اور لازم ہے کہ اپیل نامنظور، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

(۲) حکام شریعت علماء ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ سید محمد شاہ مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعا علیہا نمبری ۲۰۵/۴ دعوی شفع براراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ حاضر کرکے کہ شرع شریف کے حکم سے اس مقدمہ فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا صحیح یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب:

اس مقدمہ کے متعلق عرضی دعوی وجواب دعوی از جانب شہنشاہی بیگم، ورد جواب از جانب مدعی واظہار عثمان خاں وعبد الرزاق خاں وسید دلاور علی خاں ونتھو خان وبشیر الدین خاں وعبدالغفار خاں گواہان مدعی ونیاز حسین خاں وعزیز محمد خان وامین الدین خان وسعید الدین خاں گواہان مدعا علیہا وروبکار مفتی صاحب حاکم مجوز کے نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اس دعوی کی حالت دعوی اصغر علی خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ سے بھی بدتر ہے مشہود مدعی میں صرف تین گواہوں نے مکان مدعی ملک ہونے کی طرف توجہ کی، ازیں جملہ عبدالغفار خاں کا بیان ہے "مکان جانب مشرق مملوک بائع کا ہے، اور جانب غرب شفیع کا ہے پکھا دونوں مکان کا مشترکہ ہے" یہ گواہ ایک ایسے دو مکانوں کا قصہ بیان کرتا ہے جسکا پکھا مشترک اور ان میں ایک مملوک بائع دوسرا شفیع کا ہے، مگر اس کی شہادت کچھ پتا نہیں دیتی کہ وہ مکان کس شہر، یا شہر کے کس گوشہ میں واقع ہیں، شہادت میں نہ مکانوں کی تعیین، نہ ان کی طرف اشارہ یہ شہادت اس پایہ کی ہے کہ مقدمہ اصغر علی خاں بنام شہنشاہی بیگم میں شہادت علی بہادر خاں تھی، نتھو خاں نے کہا "یہ مکان سید محمد شاہ کا جس کی وجہ سے دعوی شفعہ کیا ہے موروثی ہے سید دلاور علی نے کہا "مکان شفیع کا مملوکہ موروثی ہے" لفظ اگرچہ مطلق تھا مگر اظہار میں لکھا کہ "نشان دہی کردی" تو انھیں دو گواہوں سے ملک مشفوع بہا کا پتا چلا شہنشاہی بیگم یہاں بھی مشفوع بہا میں ملک مدعی سے منکر ہے اور مدعی نے نہ اس سے حلف لیا نہ اس نے حلف سے انکار کیا بلکہ مدعی نے شہادت پر اپنے کام کا مدار رکھا، اور وہ حسب قاعدہ شرع ادا نہ ہوئی کہ کسی شہادت میں بیع مشفوعہ سے پہلے مشفوع بہا کا ملک مدعی ہونا اور اب تک بالاستمرار اس کی ملک میں رہنا اصلا مذکور نہیں، مقدمہ اصغر علی خاں میں اگرچہ دعوی محض مجمل تھا، بجواب استفسار حاکم اور تفصیل نہ کرسکا، تو نام موث تو بتادیا، یہاں اس قدر بھی نہیں، بیان مدعی یا بیان شاہدان کسی سے پتا نہیں چلتا کہ یہ مکان محمد شاہ کو بیع مشفوعہ کے کتنے مہینے بعد میراث میں ملا ہے، بیع مشفوعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی، اور شہادتیں ۱۳۹۹ جون ۱۹۰۷ء کو ہیں کیا اگر ۸ جون ۱۹۰۷ء تک سید محمد شاہ کا کوئی مورث باپ یا بھائی یا چچا وغیرہم اس مکان مشفوع بہا کا مالک رہا، اور اس تاریخ اس کی وفات ہوئی، اور مکان ملک سید محمد شاہ میں آیا تو ۹ جون

کو گواہوں کا کہنا کہ یہ مکان شفیع کا موروثی ہے، غلط ہوگا، ہر گز نہیں، ضرور صحیح وحق ہوگا، مگر مدعی کے کسی مصرف کا نہیں، اس کی ملک تو وقت بیع مشفوعہ سے پہلے ہو اور اب تک مستمر رہے، اس کا ثبوت درکار تھا، جس کا نام تک کسی شاہد نے نہ لیا، تو ایسی شہادتیں محض ناکافی اور بے معنٰی ہیں، اور دعوی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اجناس وذخیرہ ومحیط وغیرہا میں ہے:

ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ہذا المشتری ہذا الدار و ہی له الی ھذا الساعة لانعلمھا خرجت عن ملکه فلوقالا ان ھذہ الدار لھذا الجار لا یکفی[1]۔	گواہ یوں شہادت دیں کہ مبیع مکان کے پڑوس میں یہ مکان اس مشتری کے اس مکان کو خریدنے سے قبل شفیع کی ملکتی میں اس قت تک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج ہونا ہمیں معلوم نہیں، تو اگر صرف یہ کہیں کہ یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو اتنا کافی نہیں ہے۔ (ت)

معہذا شہنشاہی بیگم کی طرف سے جو شہادتیں نیاز حسین خان وعزیز محمد خاں وسعید الدین خاں نے دیں وہ اس پیمانے پر جو آج کل تمام ہند میں رائج اور جملہ مقدمات اور خود اس مقدمہ میں مدعی ومدعٰی علیہ سب کے شہود اسی رنگ پر چلے اور چلتے ہیں، اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ سید محمد شاہ نے بعد بیع خبر سن کر تسلیم شفعہ کر دی، اور طلب سے انکار کیا، اگر یہ پیمانہ مقبول نہیں تو خود شہادت شہود مدعی ایک اور وجہ سے مردود ہوئی، اور مقبول ہو تو بطلان شفعہ ثابت ہو گیا، جیسا کہ فیصلہ میں مذکور ہے، بہر حال دعوی شفعہ محض ناثابت ہے، اور اپیل اصلا قابل منظور نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ مکان کا قبل نکاح زبیدہ جس کا نکاح اس کے پسر کے ساتھ ہونے والا ہے۔ بدیں مضمون لکھ کر زر ثمن کی وصولیابی کا اقرار لکھ کر معاف کر دیا، اس قسم کا بیعنامہ معافی کا شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح زید یا اس کے ورثاء انکار وصولیابی زر ثمن کا کرکے کہیں کہ بیعنامہ بطور قرض لکھا گیا تھا شرعا قرض قرار پائے گا یا نہیں؟ اور کبھی شفیع کی شفعہ اس قسم کے بیعنامہ میں ہو سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزلہ مکان چنیں وچناں واقع رامپور محدودہ ذیل

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الاجناس والمحیط والذخیرۃ کتاب الشفعة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۹

مملوکہ ومقبوضہ میرا ہے۔ وہ اب میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل بلااکراہ واجبار ورغبت اپنے مع جمیع حقوق ومرافق بعوج مبلغ پانچسو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ زبیدہ جس کا نکاح حسب خواہش میری بکر پس نطفے میرے سے بتاریخ امروز ہوگا، بیچااور بیع کیامیں نے اور مکان مبیعہ مشتریہ مذکورہ کو مثل ذات اپنی کے مالک وقابض کردیا، میں نے زر ثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پایا، میں نے یعنی زر ثمن اس کا بوجہ محبت فطری بکر پسر مذکور کے زبیدہ مشتریہ کو معاف کیامیں نے پس نجشش ومعافی مجھ کواور قائم مقامان میرے کو دعوی زر ثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائع کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکارنہ ہوگا، اگر کوئی سہیم یاشریک پیدا ہو توجواب دہ میں بائع ہوں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع مطلقًا صحیح ہے، اوراگرایجاب وقبول بیع قبل معافی ثمن اقع ہوئے تھے وتو معافی ثمن بھی صحیح ہے، اب زید یاوارثان زید کواس جائداد خواہ اسکے زر ثمن میں اصلا دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر قبل قبول مشتریہ یاوکیل مشتریہ معافی ثمن بائع نے لکھی اوراس کے بعد مشتریہ کی طرف سے قبول واقع ہواتو معافی صحیح نہ ہوگی، بیع صحیح ہوگی، اور ثمن دینا آئے گاجب تک بائع بعد قبول مشتریہ کی طرف نہ کرے، رہاشفعہ وہ ہر حال میں ثابت ہے، اگرچہ ثمن معاف ہوجائے، کل ثمن شفیع اگر شرط بجالائے، لے سکے گا، کہ ثمن کی معافی سے شفیع کافائدہ نہیں اٹھاسکتا، عالمگیری میں ہے:

اذا حط کل الثمن، اووھبہ، اوأبراہ عنہ، فاٰن کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل الخ[1]۔	جب مشتری کو بائع تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا ثمن سے اس کو بری کردے تواگر ثمن پر بائع کے قبضہ سے قبل ہو تو یہ سب جائز ہے۔ الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرۃ اذا حط کل الثمن، اووھب اوأبرا عنہ، فاٰن کان قبل قبضہ صح الکل ولا یلتحق باصل العقد، فی البدائع من الشفعۃ، ولو حط جمیع الثمن و لا یسقط عنہ شیئ لان	ذخیرہ میں فرمایا، اگر تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا اس کو بری کردے اگر ثمن پر اپنے قبضہ سے قبل کرے تو سب صحیح ہے اور یہ ثمن چھوڑنا اصل عقد سے ملحق نہ ہوگا، بدائع کے شفعہ میں ہے اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کئے تووہ شفیع سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

حط کل الثمن لایلتحق باصل العقد، لانہ لو التحق لبطل البیع لانہ یکون بیعا بلاثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع و صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن اھ[1]۔	ساقط نہ ہوں گے کیونکہ کل ثمن کا اسقاط اصل عقد سے ملحق نہ ہوتا کیونکہ اگر اصل بیع سے ملحق ہو تو بیع باطل ہوجائے، اس لئے کہ وہ بیع بلا ثمن قرار پائیگی، تو وہ شفعی کے حق میں اسقاط نہ ہوگا، مشتری کے حق میں صحیح ہوگا اور مشتری کو ثمن سے برات ہوگی اھ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراہم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع، ولایبرأ المشتری عن الثمن لایجب الابعد قبول البیع، فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابرأ قبل السبب فلا یصح[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	بائع نے کہا میں نے تجھے یہ چیز دس دراہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تجھے وہ دس ہبہ کئے پھر مشتری نے بیع قبول کرلی تو بیع صحیح ہوگی اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا جبکہ ثمن کا وجوب بیع کو قبول کرنے کے بعد ہوتا ہے اگر قبول کرنے سے قبل مشتری کو بری کردے تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوگا جو کہ صحیح نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: ازبدایوں سوتھ محلّہ مرسلہ نواب عبداللہ خاں ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

حنفی المذہب جار کو وہابی غیر مقلد پر حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک حاصل ہے، تمام کتب فقہ میں حکم شفعہ عام معلق ہے، ہدایہ میں ہے:

الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس البیع، ثم للخلیط حق المبیع کشرب والطریق، ثم للجار[3]۔	عین مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق لازم ہے پھر مبیع کے حقوق میں شریک کو جیسے زمین کو سیراب کرنے والے پانی اور اس کے راستے میں شرکت ہو اس کے بعد پڑوسی کو حق ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[3] الہدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۸۷

در مختار میں ہے:

سببها اتصال ملك الشفيع بالمشترى بشركة او جوار [1]۔	شفعہ کا سبب خرید کردہ کے ساتھ شفیع کی ملک کا اتصال بطور شرکت یا بطور پڑوس ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

الشفعة للجار الملاصق [2]۔	شفعہ کا حق متصل پڑوس کو ہے۔(ت)

عالمگیری می ہے:

اذا اسلم الخليط وجبت للجار [3]۔	جب شریک شفعہ کو چھوڑ دے تو پھر پڑوسی کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

للجار حق الشفعة اذا كان الجار قد طلب الشفعة حين سمع البيع [4]۔	پڑوسی کو شفعہ کا حق تب ہے کہ اس نے بیع کو سنتے ہی طلب کی ہو۔(ت)

قاضی خاں میں ہے:

الشفعة حق شرع نظرا لمن كان شريكا اوجارا عند البيع [5]۔	حق شفعہ شریک یا پڑوسی کی رعایت کے لئے مشروعات ہے بوقت بیع (ت)

اصلا کہیں یہ قید نہیں کہ بائع یا مشتری کا مقلد ہو ناضروری ہے ورنہ حق شفع نہ ہوگا جو اس کا ادعا کرے کسی کتاب معتبر میں دکھائے، اور ہرگز نہ دکھا سکے گا۔ اور جب تمام کتب میں حکم بلاشبہہ عام ہے، تو اپنی طرف سے تخصیص کب قابل سماعت ہے۔ ناواقف جاہل کو یہاں دو ہی شبہے عارض ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ غیر مقلد شفعہ جار کا قائل نہیں تو وہ اپنے زعم میں اس مطالبہ سے بری ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر مقلد بہت مسائل اصول دین میں اہل حق کا مخالف ہے۔ وہ ایک دین ہی جداگانہ رکھتا ہے تو ہمارے دین کے احکام اسے شامل نہ ہوں گے، اور یہ دونوں شبہے محض باطل وبے معنی ہیں، کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ اگر کھلے کافر نے

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۰۔۱۱

[2] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۰۔۱۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۷

[5] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشفعۃ الباب الثانی نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۶۰

دوسرے کے ہاتھ مکان بیچا اور مسلمان اس کا شفیع ہے۔ مسلمان کو شفعہ ملے گا، تو کھلے کفار جن کے یہاں شفعہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں اور وہ صراحۃً نفس اسلام سے منکر ہیں، جبکہ اپنے خیال میں عدم شفعہ یا تخالف دین کے سبب شفعہ سے بری نہ ہوئے، تو غیر مقلد کہ اصل شفعہ کا قائل ہے، اگرچہ شفعہ جوار میں کلام کرے، اور دین اسلام کا دعوٰی رکھتا ہے اگرچہ اپنے دعوے میں غلط کار ہو، کیونکہ اپنے خیال یا تخالف مذہب کے باعث شفعہ سے بری ہو سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لواشتری ذی من دار بخمر اوخنزیر وشفیعھا ذمی اومسلم وجب الشفعۃ عند اصحابنا[1]۔	اگر کسی ذمی نے ذمی سے مکان بعوض شراب یا خنزیر خریدا اور اس پر شفعہ کرنیوالا ذمی ہو یا مسلمان ہو اس کو ہمارے اصحاب کے نزدیک شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

المسلم والکافر والکبیر والصغیر والذکر والانثٰی فی الشفعۃ لھم وعلیھم سواء[2]۔	مسلمان، کافر، بڑا، چھوٹا، مرد اور عورت شفعہ ان کے حق میں ہو یا خلاف ہو سب برابر ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذاشتری ذمی بخمر اوخنزیر ان کان شفیعھا مسلما اخذ بقیمۃ الخمر والخنزیر وبالاسلام یتاکد حقہ لا ان یبطل[3] اھ ملتقطا۔	جب شراب یا خنزیر کے عوض کسی ذمی نے مکان خریدا اگر مسلمان شفعہ کا حقدار ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت کے عوض شفعہ حاصل کرے گا، اسلام اس کے حق کو مضبوط بناتا ہے نہ کہ باطل کرتا ہے اھ ملتقطا (ت)

بالجملہ مدعا علیہ اپنے کسی خیال ومذہب کے باعث اس حق کو مدعی کے لئے باطل نہیں کر سکتا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شرع مطہر نے حق شفعہ شفیع سے وضع ضرر کے لئے مشروع فرمایا ہے، مدعی کہ اپنا ضرر دفع کرنا چاہتا ہے، مدعا علیہ یہ جواب کیونکر دے سکتا ہے کہ میرے خیال ومذہب میں تو اپنے ضرر کے دفع کا استحقاق نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۰

[3] الھدایہ کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۹۷۔۹۸

رکھتا، ایسا جواب کب قابل التفات ہوسکتا ہے، ہدایہ میں ہے:

الاتصال علی ھذہ الصفۃ انما انتصب سببا فیہ لدفع ضرر الجواب اذ ھو مادۃ المضار علی ماعرف[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس طریقہ کا اتصال پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے سبب ہے کیونکہ پڑوس محل ضرر ہے جیسا کہ معروف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: مسئولہ محمد حیدر حسن خاں رامپوری ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا حصہ فروخت ہوا، شفیع جو خلیط فی نفس المبیع ہے اس نے خبر سن کر فورا طلب مواثبت کی، ادا کے وقت چند اشخاص شفیع کے پاس موجود تھے، اور اس جگہ سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا ہے۔ شفیع طلب مواثبت کرکے خود اشخاص مذکورہ کو ساتھ لے کر مکان مبیعہ کے پاس آیا، سب آدمی مکان کے دروازے کے پاس کھڑے رہے اور شفیع مکان کے اندر چلا گیا اور وہاں پردہ کرایا، اور پھر باہر آکر سب آدمیوں کو مکان کے اندر لے گیا، تب شفیع نے طلب اشہاد ادا کی، شفیع اگر چاہتا تو جس جگہ اس نے طلب اول ادا کی تھی اور وہاں سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا تھا اس جگہ طلب ثانی بھی ادا کر سکتا تھا، یہ امر دریافت طلب ہے کہ شفیع نے جو دو تاخیریں ادائے طلب اشہاد میں کیں، یہ دونوں تاخیریں یا ان میں سے کوئی مبطل شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ شفعہ باطل ہوا نہ طلب اشہاد میں تاخیر ہوئی، نہ یہاں طلب مکرر کی حاجت تھی، بلکہ وہی طلب مواثبت جو اس نے دار مبیعہ کے منظر میں کی، جہاں وہ مکان کے سامنے اور حسب بیان زبانی سائل نے صرف پچاس قدم کے فاصلہ پر تھا، وہی دونوں طلبوں کا کام دے گئی، اصل یہ ہے کہ یہاں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم کی ہیں، ایک بفور علم اگرچہ اس وقت وہاں اور کوئی نہ ہو، دوم احد المعاقدین یا مبیع کے سامنے، اور اگر وقت علم احد البائعین حاضر یا مبیع پیش نظر ہے، تو یہی طلب اول و دوم دونوں ہوجائیں گی، پھر طلب اشہاد میں حاضرین سے یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ تم گواہ ہوجاؤ بلکہ فی الواقع دونوں میں سے کسی طلب میں گواہوں کا موجود ہونا ہی شرط نہیں، وہ صرف ثبوت دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں جبکہ مشتری انکار کرے تو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت منظر مبیعہ میں کرنا بدرجہ اولٰی طلب اشہاد

---

[1] الہدایۃ کتاب الشفعہ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۸۸

بھی ہے اگرچہ گواہوں سے نہ کہا ہو کہ گواہ رہو، اور یہیں سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد شفیع کا شہود کو دروازہ پر پھر اندر لے جانا اور طلب کرنا سب فضول وزوائد از حاجت تھا، جس کی تاخیر بلکہ عدم سے بھی شفعہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ درمختار میں ہے:

لو اشهد فی طلب المواثبة عند احد هٰؤلاء (ای البائعین والمبیع) کفاه وقام مقام الطلبین[1]۔	اگر شفعہ کی طلب پر ان میں سے کسی کے اس گواہ بنائے یعنی خرید وفروخت کرنے والوں اور مبیع کے پاس تو اس کو کافی ہے اور یہ عمل دونوں طلب کے قائم مقام ہوگا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

انما یحتاج الی طلب المواثبة ثم الی طلب الاشهاد بعد اذا لم یمکنه الاشهاد عند طلب المواثبة بان سمع الشراء حال غیبته عن المشتری والبائع والدار، اما اذا سمع عند حضرة هٰؤلاء الثلث (ای احد هم کما لایخفی) واشهد علی ذٰلك فذٰلك یکفیه، و یقوم مقام الطلبین کذا فی خزانة المفتین[2]۔	طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی ضرورت تب ہوگی جب طلب مواثبت پر وہ گوہ نہ بنا سکے، مثلاً یوں کہ شفیع نے خریداری کی خبر مشتری بائع اور مبیع مکان سے غائب ہونے پر سنی لیکن جب ان کی موجودگی میں سنی ہو اور اس وقت گواہ بھی اس طلب پر قائم کرلئے ہوں تو اسے کافی ہے اور یہ عمل دو طلب کے قائم مقام ہوگا خزانۃ المفتین میں اسی طرح ہے (ت)

قاضی خاں وعقود الدریہ وغیرہما میں ہے:

انما سمی الثانی طلب الاشهاد لا لان الشهادة شرط بل لتکمنه اثبات الطلب عند جحود الخصم[3]۔	چنانچہ دوسری طلب کا نام طلب اشہاد اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے تاکہ مخالف فریق کے انکار پر ثابت کرسکے (ت)

نتائج الافکار میں بدائع سے ہے:

---

[1] درمختار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعة فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۱

اماالاشھاد علی ھذا الطلب فلیس بشرط و انما ھو لتوثقة علی تقدیر الانکر کما فی الطلب الاول[1] ۔	دوسری طلب میں گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ اس لئے گوہ بنائے کہ مخالف کے انکار پر اپنے حق کو ثابت کرسکے جیساکہ پہلی طلب میں شرط نہیں ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

الاشھاد علی الطلب التقریر لیس بشرط کما فی البدائع[2] ۔	طلب تقریر یعنی طلب ثانی میں گواہ بنانا شرط نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے:

اما طلب الاشھاد فھو ان یشھد علی الطلب المواثبة حتی یتأکد الوجوب بالطلب علی الفور، ولیس الاشھاد شرطالصحة الطلب لکن لیتوثق حق الشفعة اذا انکر المشتری طلب الشفعة[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب اشہاد یہ ہے کہ طلب مواثبت یعنی پہلی طلب پر گواہ بنائے تاکہ فوری طورپر طلب کا وجوب پختہ ہوجائے جبکہ صحت طلب کے لئے اس وقت گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ مخالف فریق جب انکار کرے تو یہ اپنے حق شفعہ کو مضبوط بناسکے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴تا۳۸: از ریاست رامپور مسئولہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی ریاست رام پور ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۲۸ھ

مقدمہ فخر الدین خان بنام حیدر حسن خان ومسماۃ منور بیگم بنت محمد شفیع خاں میں مسل مع فتاوٰی مدخلہ بغرض ملاحظہ حاضر ہے، بعد ملاحظہ روئداد واظہارات گواہان سوالات ذیل کا جواب عطا ہو:

(۱) آیا جس حالت میں کہ شفیع کو اطلاع بیع ایسی جگہ پہنچی کہ در مشفوعہ سے قریب ہو اور دار مشفوعہ پیش نظر ہو اس وقت شہود کے سامنے طلب واحد طلب مواثبت وطلب اشہاد دونوں کی جگہ کافی ہوجائیگی یا دو طلب جداگانہ کی حاجت ہے؟

(۲) صورت مذکورہ میں اگر ایک بار طلب کرکے وہاں سے اٹھ کر دار کے پاس شہود کو لے جائے اور ہنوز طلب ثانی نہ کرے، بلکہ اندر جاکر پردہ کراکر شہود کو اندر لیجا کر وہاں طلب دوم کرے تو یہ تاخیر موجب

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۸

[2] فتح المعین کتاب الشفعة باب طلب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

بطلان شفعہ ہوگی یا نہیں؟

(۳) گواہوں کے سامنے اگر طلب بروجہ شرعی کرلی اور یہ نہ کہا کہ گواہ ہوجاؤ، تو طلب اشہاد میں کوئی خلل ہے یا نہیں؟

(۴) اگر طلب اول بروجہ کافی ایسے طور پر نہ کی کہ طلب اشہاد کے بھی قائم مقام ہوتی، اور پھر کاروائی مذکورہ سوال دوم عمل میں لایا۔ تو یہ دلیل اعراض ومسقط شفعہ ہے یا اس قیاس پر کہ مصر واحد میں اقرب کو چھوڑ کر ابعد کے پاس جانے سے حرج نہیں ہوتا شفعہ باطل نہ ہوگا؟

(۵) طلب اول کے جو الفاظ مدعی وشاہدان نے بیان کئے ہیں آیا وہ کافی ووافی ہیں جن سے وہی طلب قائم مقام طلبین ہوجائیگی یا نہیں؟ بالآخر حکم اخیر مطلوب ہے کہ اس روئداد مسلّم کی رو سے شفعہ ثابت ہے یا ساقط؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات ملاحظہ ہوئے، **پہلے تین سوالوں** کا وہی جواب ہے جو قبل ملاحظہ مسل لکھا گیا تھا، شرع مطہر نے دو۲ باتیں لازم فرمائیں، ایک طلب بفور علم، دوم اس طلب کا بتعیین مطلوب بائع یا مشتری یا مشفوع کے سامنے ہونا طلب دوم کی اتنی ہی حقیقت ہے خاص اس لفظ کی کہ گواہ ہوجاؤ، کچھ حاجت نہیں، نہ یہ کہنا داخل حقیقت اشہاد ہے۔ اشہاد اعطائے ماخذ ہے یعنی دوسرے کے لئے اپنے تصرف پر تحصیل شہادت، اور بدیہی ہے کہ حصول شہادت کے لئے شاہد کے سامنے صرف وقوع درکار ہے۔ نہ کہ متصرف اسے اشہاد باللسان بھی کرے، یہاں تک کہ اگر متصرف بعد تصرف شاہد کو شہادت سے منع بھی کردے، اصلا موثر نہیں، فتح القدیر میں ہے:

الاتفاق علی ان من سمع اقرار رجل، له ان یشهد علیه بما سمع منه، وان لم یشهده بل ولو منعه منه الشهادة بما سمع منه[1]۔	اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کسی شخص کا اقرار سنا تو وہ اس کو یہ حق ہے کہ اس کی سنی بات پر گواہی دے اگرچہ اقرار کرنے والا اس کو گواہ نہ بنائے بلکہ وہ گواہی سے منع کرے تو بھی گواہی دے سکتا ہے۔ (ت)

اور جب حصول شہادت بے اس قول کیے گوہ ہوجاؤ ثابت ہے، تو جو تصرف متصرف بمشہد شہود اس لئے کرے کہ وہ شاہد ہوجائیں، قطعاً وہ شاہد ہوجائیں گے، اور قطعاً ان کے لئے اس وصف شہادت کا حصول اس نے

---

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۲۷

چاہا۔ اور اسی کے فعل مذکورہ سے یہ وصف ان کو حاصل ہوا، تو بلاشبہ اس نے دونوں کے لئے تحصیل شہادت کی، اور اسی قدر حقیقت اشہاد ہے، قال اللہ تعالٰی "وَاَشۡهِدُوۡۤا اِذَا تَبَايَعۡتُمۡ‌"[1] خرید وفروخت کرتے وقت اشہاد کرلو، وقال اللہ تعالٰی "وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَىۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ"[2] جب طلاق دو یا رجعت کرواپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ عالم میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقود وفسوخ میں گواہ کرتے وقت متصرف کا زبان سے یہ کہنا ضرور ہے کہ گواہ ہو جاؤ، بلکہ طلب دوم خواہ اول کسی میں نفس وجود شہود ہی ضرور نہیں، کما نصوا علیہ فی البدائع والخانیۃ والمحیط واشار الیہ فی الہدایۃ وغیرھا (جیسا کہ اس پر بدائع، خانیہ اور محیط کی نصوص ہیں اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ت) بلکہ مقصود شرع وہی دو۲ باتیں ہیں ایک طلب فوری، ۲دوسری محضر، اور الثلثۃ میں طلب بتعیین، اکثر یہ ہوتا ہے کہ شفیع کو خبر بیع وہاں پہنچی ہے کہ عاقدین ومبیع سے کچھ حاضر نہیں، ناچار دو طلبوں کی حاجت ہوئی کہ محضر کا انتظار کرے تو فوری جاتا ہے۔ اور فقط فور پر قانع ہو تو محضر نہیں، اور جب خبیر عین محضر میں پہنچی تو تعداد طلب کی اصلا حاجت نہیں، طلب واحد ہی دونوں کا کام دے گا۔

لاجتماع الفور والمحضر معا والمسئلۃ دوارۃ فی الکتب وقد ذکرنا بعض نصوصھا، ولا تنس ماقدمنا من معنی الاشھاد ومن حقیقۃ طلب الاشھاد کیلا تزل من ظاھر کثیر من العبارات۔	فوریت اور حاضری دونوں کے اجتماع کی وجہ سے، جبکہ یہ مسئلہ کتب میں عام دائر ہے اور ہم نے بعض کتب کی نصوص ذکر کردی ہیں اور ہمارا بیان معنی اشہاد اور طلب کی حقیقت کو نہ بھولنا تاکہ تو بہت سی کتب کی ظاہر عبارات سے نہ پھسلے (ت)

جواب سوال چہارم: صورت مستفسرہ میں ضرور شفعہ باطل ہوجائے گا، اور قریب کہ چھوڑ کر بعید کی طرف جانے سے استناد محض باطل وخرط القتاد، مصر واحد میں اس کا جواز اس صورت میں ہے کہ بعید تک جانے میں قریب پر گزر نہ ہو، اور اگر راہ میں قریب پر گزرا اور اسے چھوڑ کر بعید کی طرف گیا، قطعاً شفعہ باطل ہوجائے گا۔ اور یہ ضرور دلیل اعراض ہے۔ محیط، سرخسی، بزازیہ، خانیہ، ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لوکان الکل فی مکان حقیقۃ وطلب من	اگر یہ تمام امور برمحل پائے جائیں اور بعید جگہ والے کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

ابعدها وترك الاقرب جاز، فكذا هذا الا ان يصل الى الاقرب ويذهب الى الابعد فحينئذ تبطل[1]۔	طلب کرے اور قریب والے کو چھوڑ دے، تو جائز ہے تو یہ بھی ایسے ہے ہاں اگر قرب پر پہنچ کر ابعد کی طرف جائے تو اس وقت شفعہ باطل ہو جائے گا۔ (ت)

اور یہاں یہی ہوا، بیرون در بھی اشہاد کر سکتا تھا، اور اسے چھوڑ کر اندر گیا، اور پردہ کرایا، اور شہود کو لے گیا، اس وقت طلب کی، تو یہ اقرب پر گزر کر ابعد کی طرف جانا ہوا، اور یہ ضرور مبطل شفعہ ہے۔

جواب سوال پنجم: بیان مدعی و گواہان مدعی کے ملاحظہ سے جو کچھ نظر فقہی میں واضح ہوتا ہے۔ ان الفاظ کا ناکافی ہونا ہے۔ حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے کہ دار میں ذکر حدود ہے۔ کتب علماء انھیں احد الوجہین سے مالامال ہیں، اور تصریح ہے کہ مجہول کی طلب صحیح نہیں۔ خلاصہ وجیز امام کردری میں ہے:

يستحق بطلب وهو نوعان مواثبة وقد ذكره اشهاد هو ان يشهد قائلا اطلبها اوعبارة يفهم منها طلب الدار ويذكر الحدود[2]۔	شفعہ کا استحقاق طلب سے ہوتا ہے اور طلب دو قسم ہے ایک طلب مواثبت جس کا ذکر انھوں نے کر دیا ہے اور دوسری قسم طلب اشہاد ہے، وہ یہ کہ میں شفعہ طلب کر رہا ہوں، یا کوئی اور عبارت جس سے جس مکان کی طلب سمجھی جائے، کہہ کر گواہ بنائے اور مکان کے حدود بھی ذکر کرے۔ (ت)

محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما يصلح طلب الاشهاد بحضرة المشترى او البائع والمبيع فيقول عند حضرة واحد منهم، ان فلانا اشترى هذه الدار و دارا ويذكر حدودها الاربعة[3] الخ۔	مشتری یا بائع یا مبیع کے پاس یوں کہے فلاں نے یہ مکان خریدا اور اس کی حدود اربعہ کو ذکر کرے تو طلب درست ہو گی الخ (ت)

فتاوٰی ذخیرہ و نتائج الافکار میں ہے:

صورة هذا الطلب اى يحضر الشفيع عند	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع اس مکان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

الدار ویقول ان فلانا اشتری ھذا الدار اویحضر المشتری ویقول ھذا مشتری من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ اوالبائع ویقول ھذا باع من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ۔[1]	کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ تحقیق فلاں نے یہ مکان خریدا ہے یا مشتری کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ اس نے فلاں حدود اربعہ والا مکان خریدا ہے یا بائع کے پاس حاضر ہو کر کہے اس نے فلاں حدود والا مکان فروخت کیا ہے۔ الخ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

صورۃ طلب الاشھاد ان یقول الشفیع للمشتری حین لقیہ اطلب منك الشفعۃ فی دار اشتریتھا من فلان التی احد حدودھا کذا والثانی کذا والثالث کذا والرابع کذا (الی قولہ) ولابد ان یبین انہ شفیع بالشرکۃ او بالجوار، اوفی الحقوق، ویبین الحدود لتصیر الدار معلومۃ۔[2]	طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع جب مشتری کے پاس آئے تو کہے میں تجھ سے اس مکان کا شفعہ طلب کرتا ہوں جو تو نے فلاں شخص سے خریدا ہے۔ اور جس کی حدود میں سے ایک یہ ہے دوسری یہ اور تیسری یہ، اور چوتھی یہ ہے (اس کے قول) اور ضروری ہے کہ وہ بیان کرے کہ میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں یا پڑوس کی بنا پر شفیع ہوں یا حقوق میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں، اور حدود کو بیان کرے تاکہ مکان متعین ہو جائے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب، ان یقول ان فلانا اشتری ھذا الدار الخ،[3]	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ فلاں نے یہ مکان خریدا ہے الخ (ت)

یہ محضر دار میں ہے، پھر فرمایا:

وعن ابی یوسف یشترط تسمیۃ المبیع وتجدیدہ، لان المطالبۃ لاتصح الا	اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ مبیع کا نام اور اس کی حدود کا ذکر شرط قرار دیا گیا ہے کیونکہ مطالبہ صرف معلوم چیز میں

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ والخصومۃ فیھا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۲

[3] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

فی معلوم [1]۔	صحیح ہوتا ہے۔(ت)

یہ غیبت دار و محضر احد العاقدین میں ہے۔ غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے:

یسمی الدار والارض والموضع ویحدو حتی یستوثق لنفسہ [2]۔	دار، زمین اور موضع کا نام لے کر ذکر کرے اور اس کی حدود کو بیان کرے تاکہ اپنے لئے معاملہ کو پختہ کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال القدوری فی شرح، وانما شرط ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی تسمیۃ المبیع والتحدید، لان المطالبۃ لا تصح الا فی معلوم، فاذا اشہد علی الطلب ولم یبین المطلوب لم یکن للمطالبۃ اختصاص بمبیع دون مبیع، ولایتعلق بہاحکم [3]۔	قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے بیع کا نام اور اس کی حدود کو ذکر کرنا شرط قرار دیا ہے کیونکہ مطالبہ معلوم چیز میں ہی صحیح ہوتا ہے تو جب اس نے طلب اشہاد کیا اور مطلوب کو نہ بیان کیا تو پھر مطالبہ کا اختصاص کسی ایک مبیع سے نہ ہوسکے گا اور نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا(ت)

یہاں جبکہ دار مشفوعہ سامنے حاضر تھی، اشارہ ضرور تھا، اس کا ذکر مسل بھر میں کہیں نہیں، لہٰذا حکم وہی چاہئے جو امام قدوری نے فرمایا: **لایتعلق بہا حکم** (نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا۔ت) ایسی مہمل طلب پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا فتوٰی مدخلہ مدعی ملاحظہ ہوا، وہ صحیح نہیں اور اس پر کلام اسی فتوٰی فقیر سے واضح، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از ریاست رامپور محلّہ مسئولہ جناب غلام حبیب خاں صاحب عرف بدھن میاں صاحب ۲۹ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد بیع کیا، بکر بحق شفعہ دعویدار ہوا اور

---

[1] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] غایۃ البیان

[3] غایۃ البیان

بکر نے گواہان طلب مواثبت واشہاد روبروئے عدالت پیش کیں، گواہان بکر کا بیان ہے کہ جس وقت مخبر نے حال مبیع کا ظاہر کیا تو بکر گھبرا کر کھڑا ہوگیا، اور فورا اس نے یہ کہا کہ جس قیمت واقعی کو نصف باغی بیع ہوا ہے اسی قیمت کو میں نے بحق شفعہ خود لیا، پس یہ امر یعنی بیٹھے سے کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا داخل تاخیر ہے یا نہیں، دوم یہ کہ بعد طلب مواثبت بکر کا چھڑی لینے گھر میں جانا اور گھر میں سے فورا واپس آکر مشتری کے مکان پر جانا اور وہاں طلب اشہاد بجالانا شرعاً تاخیر میں داخل ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

جہاں طلب اشہاد کو جانا تھا اس کے بعد اور شفیع کی حالت پر نظر کی جائے، اگر یہ اتنی دور بے عصا کے نہ جاسکتا تھا تو چھڑی لینے کے لئے گھر میں جانا اور س کے ملنے پر فوراً آکر روانہ ہونا تاخیر نہیں، اگرچہ اس کی تلاش میں دس بیس منٹ ہوگئے ہوں کہ امور ضرورت شرعاً مستثنٰی ہیں، اور اگر تلاش دیر کے بعد کی یا مل جانے کے بعد بلاضرورت دیر لگائی یا سرے سے عصا کی حاجت ہی نہ تھی، صرف حسب عادت ہاتھ لینے کے لئے یہ دیر کی تو یہ ضرور تاخیر ہے اور داخل عذر نہیں، یہ طلب اشہاد میں تھا، رہا طلب مواثبت سے پہلے اس کا کھڑا ہو جانا اور بعد قیام الفاظ ملک ادا کرنا، وہ مطلقاً مسقط شفعہ و قاطع فور ہے۔ بلکہ فور درکنار قیام سے مجلس بھی بدل گئی، تو روایت ضعیفہ پر بھی شفعہ کی گنجائش نہ رہی، ہندیہ میں ہے:

طلب الاشهاد مقدر بالتمکن من الاشهاد فمتی تمکن من الاشهاد عند حضرة واحد من هذه الاشیاء ولم یطلب الاشهاد بطلت شفعته نفیا للضرر عن المشتری، کذا فی محیط السرخسی۔[1]	طلب اشہاد کسی ایک کے پاس گواہ بنانے کی قدرت پر موقوف ہے تو جب کسی ایک کے پاس اس کو گواہ بنانے کی قدرت ہوئی اور اس نے طلب نہ کی تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا تاکہ مشتری کے ضرر کو ختم کیا جائے، محیط سرخسی میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الشفیع اذا علم فی اللیل ولم یقدر علی الخروج و الاشهاد الی کذا فی الحاوی فی الفتاوی۔[2]	جب شفیع کو خریداری کا علم رات کو ہو اور جاکر اشہاد کی طلب پر قادر نہ ہو الخ حاوی فی الفتاوی میں یوں ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

فتاوٰی امام اجل قاضی خاں میں ہے:

طلب المواثبة فوقته فور علم الشفیع بالبیع و روی هشام عن محمد۔ الی۔ یشترط الطلب فور العلم اھ مختصرا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب مواثبت کا وقت شفیع کو بیع کے علم کے فورا بعد ہے اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ علم کے فورا بعد طلب کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اھ مختصراً واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۰: از موضع شوپری تحصیل آنولہ ضلع بریلی مسئولہ واحد علی خاں ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک بڑے قطعہ اراضی میں جو صرف ایک زمیندار کی ملکیت ہے، اور بہت سے اشخاص بطور رعایا اس اراضی میں اپنے صرف لاگت سے مکان تیار کرکے رہتے ہیں، جب تک وہ آباد رہتے ہیں، ان سے زمیندار کچھ مزاحمت نہیں کرتا، اور بروقت بھاگ جانے یا اٹھ جانے کے اس ملبہ وغیرہ کا زمیندار مالک ہوجاتا ہے، یا بروقت فروخت کڑی، تختہ، اینٹ وغیرہ زمیندار اس قیمت سے چہارم لیتا ہے لیکن کسی باشندہ کو زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، ایسی حالت میں جب ایک باشندہ اپنا ملبہ وغیرہ کسی دوسرے باشندے کے ہاتھ فروخت کرے، تو تیسرا شخص جو مبیعہ کے ملحق رہتا ہے دعوٰی شفعہ کرتا ہے، تو یہ دعوٰی اس کا صحیح ہے یا باطل، اور اگر مالک زمین زمیندار مذکورہ دعوٰی اپنے حق شفعہ کرے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ وہ زمین کا مالک نہیں، اور تنہا عملہ بیچتا ہے۔ تو اس میں ہرگز حق شفعہ نہ جار کو ہے نہ مالک زمین زمیندار کو، درمختار میں ہے:

لاتثبت فی بناء ونخل بیعا قصدا ولو مع حق القرار[2] بالاختصار، واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت کی قصدا بیع میں شفعہ ثابت نہ ہوگا خواہ برقرار رکھنے کی شرط بھی رکھی ہو بالاختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۱: از شہر بریلی فراشی محلّہ مسئولہ مقصود علی خاں ۶ محرم ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعمر ۱۷ سال ہے، وہ شرائط شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کو اختیار طلب شفعہ کا شرعا حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعة فصل فی الطلب مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۰

[2] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت ھی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

الجواب:

شفعہ طلب کرسکتا ہے اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے طلب کا اختیار ہے یا نہیں طلب نہ کیا تو اب نہیں کرسکتا **لفوات المواثبۃ** (مواثبت کے فوت ہونے کی وجہ سے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: ازموضع ریونڈ، ڈاک خانہ مونڈھ ضلع مرادآباد مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں کارندہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنا مکان زید کے ہاتھ فروخت کیا، زید اس مکان میں خریدار کانہ تو شفعہ کررکھتا تھا اور نہ اس مکان پر قابض ہے اور نہ اس کے پاس کرایہ پر ہے بخلاف زید کے بکر کا مکان عمرو کے اس مکان فروخت شدہ کے درمیان دیوار کے نیچے واقع ہے۔ ایک درمیانی دیوار عمرو کے مکان اور بکر کے مکان کو قطع کرتی ہے۔ بکر اس کا شفیع ہے اور کچھ ماہ پیشتر سے یہ مکان بکر نے کرایہ پرلے کر قبضہ کررکھا ہے۔ اور اس نے جامع مسجد کے پیش امام صاحب اور اکثر مسلمانوں کے روبرو اس زید والے مکان کے خرید لینے کا اعلان کیا ہے۔ زید والے مکان میں کئی حصہ دار ہیں،

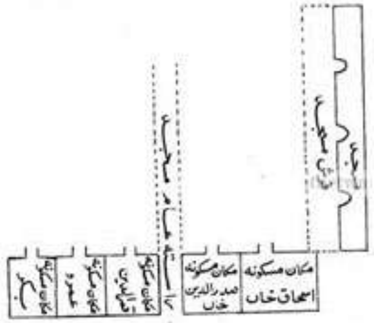

منجملہ ان حصہ داروں کے کہ جو آپس میں بھائی بہن کا رشتہ رکھتے ہیں ایک حصہ دار کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ مکان بکر کو دیا جائے گا اور اطمینان کے لئے پیشتر بذریعہ کرایہ نامہ قبضہ کرایا گیا ہے، زید نے یہ مکان جامع مسجد کے لئے چندہ فراہم کرکے خرید کیا ہے۔ جامع مسجد اس مکان سے چار مکان درمیان میں دے کر واقع ہے، مسجد نہ تو بکر کے مقابلہ میں شفعہ رکھتی ہے، نہ مسجد کے کسی صرف کا یہ مکان ہے۔ سنا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے کہ اپنا مکان جامع مسجد کی بلاقیمت دیتے ہیں، یہ شرط کی ہے کہ اگر وہ مکان جو بکر کے پاس بطور کرایہ کے ہے، اور جس میں وہ شفیع ہے بطور قیمت مسجد کے نام خرید لیا جائے گا تو میں بھی بلاقیمت مکان دے دوں گا۔ غالباً بکر کی ایذارسانی اور تکلیف مد نظر رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی گئی ہے، بکر کو اول تو مکان دیا بھی نہیں جاتا اور اگر بکراہت دینا گوارا کیا جاتا ہے تو قیمت بے حد اضافہ کرکے دینا بیان کیا جاتا ہے۔ بکر اضافہ قیمت کو بالکل گوارا نہیں کرتا اور وہ ہرگز اس بات پر رضامند نہیں ہے کہ کچھ بھی اضافہ دے،

ایسی صورت میں کیا مسجد کو ایسی خریداری جائز ہے، اور زید کا اصلی قیمت سے اضافہ لینا کس حد تک داخل حسنات ہوگا۔ اور زید کو ایسا کرنے میں کچھ ثواب مل سکتا ہے جبکہ مکان کے شفیع کا حق باطل کیا جاکر مکان خریدا جائے، اور پھر مسجد کی منفعت کے لئے قیمت اصلی سے زائد بڑھا کر دینا گوارا کیا جائے، باہم مسلمانوں میں اس بارے میں اتفاق نہیں، اکثر اس مکان کی خریداری کے خلاف ہیں کیونکہ مسجد ایک سوئی روپیہ کی مقروض ہے وہ ادا ہونا چاہیئے، پھر شامیانہ ادھر میں پڑے ہیں جس کے نہ ہونے سے نمازیوں کو تکلیف ہے، ایک مکان عین مسجد کے فرش پر واقع ہے۔ اس کو خرید نہیں کیا جاتا ہے۔ اس عمرو والے مکان سے پہلے کچھ دن ایک مکان اور مسجد کے سامنے کا فروخت ہوگیا وہ نہیں خرید کیا گیا مسجد کے بعض ممبران کی رائے اس مکان کی خریداری کی نہیں، مسجد کے پیش امام کو معلوم تھا کہ یہ مکان بکر نے خریداری کی نیت سے کرایہ پر لیا ہے۔ اور بکر کو تنگی مکان کی سخت تکلیف ہے۔ جواب براہ کرم پشت عریضہ ہذا پر مہر وغیرہ سے مرتب فرماکر مرحمت فرمایا جائے، جواب کے لئے پتہ یہ ہوگا:
بمقام موضع ریونڈ ڈاکخانہ مونڈہ، ضلع مرادآباد، ڈیرہ زمیندار میں پہنچ کر محمد اسمٰعیل خاں کارندہ کو ملے۔

الجواب:

قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، نہ پہلے سے اس کے پاس کرایہ پر ہونا۔ یا اس کا اعلان کرنا کہ میں اس مکان کو خریدوں گا۔ یا پیشتر کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا، اسے کوئی ترجیح دے سکتا ہے، بعد بیع خبر پاتے ہی اگر طلب مواثبت وطلب اشہاد بجالائے تو اس وقت ان کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور اس حالت میں اسے اضافہ کی کیا ضرورت، جتنے کو بیع ہوا اتنے ہی میں لے گا، یہاں سوال میں یہ ہے کہ بکر سے اضافہ مانگتے ہیں اور وہ اضافہ پر راضی نہیں، یہ اگر یوں ہے کہ وہ طلب مذکور بجانہ لایا، یا اس کے بعد خریدنا چاہا، اور اضافہ پر راضی نہ ہوا تو اس کا کوئی حق نہ رہا، اور اسے نہ دینا اصلا حکم نہیں۔ اور دوسرے کا شفیع نہ ہونا اسے کچھ فائدہ نہ دے گا جبکہ خود اس کا شفعہ نہ رہا، باقی جو باتیں سوال میں لکھی ہیں کہ دوسرے نے اس مکان کی خریداری پر اپنا مکان مفت دینے کو کہا، یا مسجد پر قرض ہے، یا شامیانے ادھوری ہیں یا قریب کا مکان پہلے بکا، نہ خریدا، اب موجود ہے، اسے نہیں لیا جاتا، بعض ممبروں کی رائے اس کی خریداری کی نہ تھی، امام کو بکر کا ارادہ معلوم تھا، بکر کو مکان کی تکلیف ہے، سب بے علاقہ باتیں ہیں، چندہ چندہ دہندوں کی ملک رہتا ہے۔ اگر انھوں نے سپرد متولی مسجد نہ کردیا تھا اس سے پہلے مکان مول لے کر نذر مسجد کیا، جب تو یہ سوال ہی متعلق نہیں کہ اصل قیمت سے زیادہ لینے میں کوئی گناہ ہوا، خریدار کو اختیار ہے جتنے پر چاہے رضا دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ ۟"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضا مندی کا ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

اور اگر سپرد متولی مسجد کردیا، متولی نے اصل قیمت سے زائد کو خریدا، تو اگر زیادت فاحش ہے اور اس میں کوئی مصلحت نہیں راجعہ مسجد کی نہیں، تو بیشک وہ گنہ گار ہوا اور تاوان مسجد کو دے گا۔ یا بیع فسخ کی جائے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از ضلع شاہجہان پور ڈاکخانہ جگرام پور گورہ رائے پور مسئولہ علی حسن خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین بیچنے کا ارادہ کیا تو عمرو کو کہلا بھیجا، عمرو نے کل تین ہزار روپیہ اس زمین کا لگایا، زیادہ سے انکار کیا اس پر بکر کے ہاتھ زید نے اپنی زمین مذکورہ فروخت کردی پانچ ہزار پر، اب عمرو بذریعہ حق شفعہ اس زمین کو لینا چاہتا ہے، دونوں کا یعنی عمرو بکر کا زید کی زمین سے دہرا ملا ہے، اور عمرو نے بیع زمین مذکور کے وقت سے بہت روز کے بعد اپنی ناخوشی ظاہر کی، ایسی صورت میں عمرو کو حق شفعہ اس زمین مبیع کا حاصل ہے۔ اور بیع اول باطل ہوجائے گی یا اس کے برعکس؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع سے پہلے عمرو کا خریداری سے انکار کردینا اس کے حق شفعہ کو ساقط نہیں کرتا، اگر بکر کے ہاتھ بیع کی خبر سنتے ہی عمرو طالب شفعہ ہوا اور اپنی طلب پر گواہ حسب قاعدہ کرے تو اسے دعوی شفعہ پہنچتا ہے۔ اور اگر دیر کے بعد ناراضی ظاہر کی اور طالب شفعہ ہوا تو اس کا حق ساقط ہوگیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب القسمۃ

(تقسیم کا بیان)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اکبر نے انتقال کیا، چار پسر دوست محمد، حفیظ اللہ، کریم اللہ، رحمت اللہ، دو دخترجواں، موتی وارث ہوئے، کریم اللہ نے وفات پائی، اس کا بیٹا نھو ہے۔ رحمت اللہ فوت ہوا، اس کی بیٹیاں اعجوبہ ومحمدی ہیں، دوست محمد، حفیظ اللہ، نھو نے جائداد متروکہ مشترکہ کی تقسیم کے لئے زید کو پنچ مقرر کیا مگر جوان موتی عجوبہ، محمدی اس پنچایت میں اصلا شامل نہ تھیں، پنچ نے تمام جائداد متروکہ جس میں ان سب کے حصص شرعیہ تھے، صرف انھیں تین وارثوں پر جنھوں نے اسے پنچ کیا تھا تقسیم کردی، اور پنچایت نامہ میں لکھ دیا کہ "حصہ شرعی دختران اکبر اور دختران رحمت اللہ کے ہر سہ فریق بقدر رسدی ذمہ دار ودیندار رہیں گے، وہ چاروں عورتیں اس تقسیم پر راضی نہیں، اس صورت میں یہ پنچایت صحیح ونافذ ہے یانہیں؟ اور پنچ نے جو تقسیم کی وہ بحال رہے گی یاتوڑدی جائے گی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ پنچایت محض مہمل اور تقسیم بیہودہ ومختل ہے۔ پنچ کو باقی وارثوں کے حصص میں تصرف کا کس نے اختیار دیا تھا، حکم پنچ کا صرف انھیں تک ہوتا ہے جو اسے پنچ کریں، باقی کسی پرکچھ ولایت نہیں رکھتا، ہدایہ میں ہے:

حکمہ لایلزمہ لعدم التحکیم منہ[1]۔	اس کا حکم لازم نہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تحکیم نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی کتاب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۳

تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ حصے جدا جدا ہو جائیں، یہاں جدائی نہ ہوئی کہ چاروں عورتوں کے حصے سب میں مختلط ہیں، تو یہ تقسیم شرعًا نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

باستحقاق بعض شائع ظهر شریك ثالث لهما و القسمة بدون رضاه باطلة[1]۔	چیز کے کچھ شائع میں استحقاق پائے جانے سے ایک تیسرا شریک بھی پہلے دونوں کے ساتھ ظاہر ہوا جبکہ شریک کی رضا کے بغیر تقسیم باطل ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

باستحقاق جزء شائع ینعدم معنی القسمة وهو الافراز[2]۔	شائع چیز میں استحقاق کی وجہ سے تقسیم کا معنی وقت ہو جاتا ہے اور تقسیم یہ جدا کرنا ہوتا ہے۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں، اگر چند ورثہ قاضی کے یہاں رجوع لائیں کہ مورث نے انتقال کیا اور یہ ترکہ چھوڑا ہم میں تقسیم ہو جائے، اور گواہی دیں کہ ہمارے سوا کوئی وارث نہیں، قاضی تقسیم کردے، پھر اور وارث ظاہر ہو جو کل متروکہ میں سے کسی حصہ شائعہ مثل سدس یا ثمن وغیرہ کا مستحق ہو، تو بالاجماع وہ تقسیم توڑ دی جائیگی، ہدایہ میں ہے:

لو استحق نصیب شائع فی الکل تفسخ بالاتفاق[3]۔	اگر کل میں سے کسی شائع حصہ کا کوئی مستحق ظاہر ہوا تو بالاتفاق تقسیم فسخ ہو جائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لانه لو بقیت القسمة التضرر الثالث بتفرق نصیبه فی النصیبین[4]۔	کیونکہ اگر تقسیم کو باقی رکھا جائے تو تیسرے کو نقصان ہوگا بوجہ ایں کہ اس کا حصہ باقی دو حصوں میں متفرق ہوگیا۔ (ت)

جبکہ قاضی کی تقسیم جس کی ولایت عموم رکھتی ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس نے دانستہ کسی وارث کو ضرر نہ پہنچایا تھا، بعد ظہور وارث دیگر کے یقینًا فسخ کی جاتی ہے تو پنچ کی تقسیم جس کی ولایت فقط اس کے پنچ کرنے والوں پر ہے اور وہ بھی یوں کہ اس نے دیدہ دانستہ اور وارثوں کے ہوتے ہوئے ترکہ صرف تین پر بانٹ دیا، اور باقیوں کو حصہ رسد ہر ایک کے حصہ میں ٹکڑا ٹکڑا لینے کا مستحق ٹھہرایا، کیونکہ قابل تقسیم ہو سکتی ہے پس صورت مستفسرہ میں واجب ہے کہ وہ پنچایت رد کی جائے اور وہ ناروا تقسیم توڑ دی جائے، اور از سرنو سب وارثوں پر تقسیم شرعی عمل میں آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[2] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

[3] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۸

[4] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

مسئلہ ۴۵: از ریاست رامپور محلّہ کنڈہ مسئولہ جناب محمد سعادت علی خان صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص چند گھروں کے جو ایک شہر میں ہیں بالاشتراک مالک ہیں، ایک حصہ دار ان گھروں میں سے اپنے حصہ کی تقسیم چاہتا ہے۔ اور وہ اپنے حصہ سے بعد علیحدہ ہونے کے بھی نفع اٹھاسکتا ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ ہر گھر میں سے مجھ کو علیحدہ حصہ ملے، ایسی حالت میں ازروئے شرع شریف سب گھروں کی یکجائی تقسیم کی جائے گی یا ہر گھر کی جداگانہ تقسیم ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ہر مکان میں اس کا حصہ قابل انتفاع ہے تو ہر مکان سے جدا جدا اسے حصہ دیا جائے گا، ہر گھر میں علیحدہ تقسیم ہوگا، درمختار میں ہے:

دورمشترکہ قسم کل وحدھا منفردۃ مطلقًا ولو متلازقۃ اوفی محلتین اومصرین[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چند مشترکہ مکانات میں ہر ایک مکان کو جدا جدا تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ آپس میں ملے ہوئے ہوں یا دو محلوں میں یا دو شہروں میں میں ہوں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مسئلہ ۴۶تا۴۹: مسئولہ محمد مبارک اللہ از پیلسپانہ ضلع مراد آباد ۲۶رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بید خلی وغیرہ کا نہیں رہتا، حاصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر اور حق۔

(۲) نہیں تو یہ کاشتکار حلف تلف اور مظالم ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے، اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے، اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوی سے مجبور ہے، تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا اور مقدم ومرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟

(۴) اور اگر کوئی زمیندار بعد انکار کاشتکار کے دعوی بے دخلی مجبور ادائر کرے تو صرف اس کا جو کچھ کچہری میں ہوا اس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ بیس برس کاشت کرے، جب مدت اجارہ ختم ہو گئی شرعًا

اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے خواہ زمین مملوکہ ہو، یا موقوف، یا سلطانی، ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوہا و کونہ یستاجرہا عدۃ سنین بدون شیئ مماذکر (او یاتی) فھو غیر معتبر، فللموجر اخراجھا من یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ وایجارھا لغیرہ کما اوضحناہ فی رسالتنا تحریر العبارۃ[1]۔	مثلاً دکان پر خالی قبضہ رکھنا، اور کئی سال سے اجارہ پر لیا ہونا مذکورہ یا آئندہ ذکر ہونے والی اشیاء کے بغیر ہو تو وہ غیر معتبر ہے تو اجارہ پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد قبضہ کو چھڑانے اور دوسرے کو اجارہ پر دینے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ تحریر العبارۃ میں واضح کردیا ہے۔(ت)

ہاں اگر زمین ناقابل زراعت تھی اس نے اسے بنایا کمایا، اس میں چوگزی وغیرہ کھودے یا اس میں اپنی دوسری زمین سے لاکر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی،

ویقال للاول الکراب، والاخر دھو ما، اذا اضاف فیھا شیئا من ملکہ کتراب وغرس وبناء الکردار، و القبۃ، واذا فعل ھذا فی الحوانیت یسمی جدکا او کدکا، فان کان ممالاینقل ویرکب للقرار کالبناء، و الاغلاق، یسمی سکنی والکل یقال لہ مسکۃ، ومشد مسکۃ، وھناك اطلاقا ت اخر کما یعلم من مساقاۃ العقود وبیوع ابن عابدین۔	پہلی کو کراب، اور دوسری کو دھوم کہتے ہیں اور اس میں اپنی کسی ملکیت کا اضافہ کیا مثلاً مٹی ڈالی، یا پودے لگائے دالان اور قبہ بنایا اور اگر یہ تصرفات دکانوں میں کئے تو اسے جدک یا کدک، یا مشد مسکد کہتے ہیں، اور دیگر اطلاقات بھی یہاں ہیں جیسا کہ عقود الدریہ کے باب مساقاۃ اور ابن عابدین کے بیوع سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔(ت)

تو اگر وہ زمین مملوکہ نہیں بلکہ سلطانی ہے یعنی بیت المال کی، جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں، یا وقف ہے تو البتہ ان کاروائیوں سے اس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا کہ بلاوجہ شرعی وہ زمین کبھی اس کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اس کا بیٹا اس کے قائم مقام ہوگا۔ مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ، جامع الفصولین وغیرہ میں ہے:

بنی المستاجر اوغرس فی ارض الوقف	اجارہ پر لینے والے نے وقف زمین میں تعمیر کی یا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

صارله فيها حق القرار، وهو المسمى بالكردار، له الاستبقاء باجر المثل[1]۔	پودے لگائے تو اس کو اس زمین میں برقرار رہنے کا حق ہوگا اور اس کو "کردار" کہتے ہیں اس کرایہ دار کو مثلی اجرت پر باقی رکھنے کا حق ہوگا۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

وقد صرح علمائنا بان لصاحب الكردار حق القرار، وهو ان يحدث المزارع والمستاجر فی الارض بناء، اوغرسا، اوكبسا بالتراب باذن الواقف او باذن الناظر، فتبقى فی يده[2]۔	اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ "کردار" والے کو برقرار رہنے کا حق ہے اور "کردار" یہ ہے کہ مزارع یا مستاجر زمین میں کوئی تعمیر کرے یا پودے لگائے یا مٹی بھرے، واقف یا منتظم کی اجازت سے ایسا کیا ہو تو اس کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق ہے۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

اذا كان لوقف جامع ارض سليخة معطلة غير صالحة للزراعة، فاذن متولی الوقف لزيد، بحرثها، و صلاحها، وكبسها، و زراعتها ليدفع قسمها لجهة الوقف ففعل زيد ذٰلك كله ثبت له حق القرار، فيها تبقى بيده باجر مثلها، اوبان يؤدی قسمها المتصارف لجهة الوقف المذكور[3]۔	اگر وقف زمین افتادہ معطل جو زراعت کے قابل نہ ہو تو وقف کے متولی نے زید کو آباد کرنے اور درست کرنے، مٹی ڈالنے اور کاشت کرنے کی اجازت دی کہ وہ وقف کی مد میں حصہ دے تو زید نے یہ تمام کاروائی کر دی تو اس کو زمین پر قرار کا حق حاصل ہوگا اور مثلی اجرت پر اسی کے قبضہ میں رہے گی، اور وہ متعارف حصہ وقف کی مد میں دیتا رہے گا۔ (ت)

ہاں اس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو، یا اجرت نفس زمین کی بڑھ جائے، اور یہ اضافہ پر راضی نہ ہو، تو بید خل کر دیا جائے گا، یونہی اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا اس کا حق قرار جاتا رہے گا، بیوع ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیۃ والخلاصۃ وغیرہا کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیۃ والخلاصۃ وغیرہا کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۹

[3] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

فی اوقات الخصاف حانوت اصله وقف و عمارته لرجل، وھو لایرضی ان یستاجر ارضه باجر المثلی، قالو ان کانت العمارۃ بحیث لو رفعت یستاجر الاصل باکثر مما یستاجر صاحب البنا، کلف رفعه، ویؤجر من غیرہ، والایترك فی یدہ بذٰلك الاجر[1] اھ یفید انه احق من غیرہ حیث کان مایدفعه اجر المثل۔	خصاف کے باب اوقات میں ہے کہ دکان کی زمین وقف ہے اور اس کی عمارت کسی شخص کی ہے اور وہ اس زمین کی مثلی اجرت پر راضی نہیں ہوتا تو علماء نے فرمایا کہ متولی کو چاہئے کہ اگر عمارت اٹھائی جاسکتی ہو تو زمین کسی دوسرے کو پہلے کی نسبت زیادہ اجرت پر دے دے اور پہلے کو عمارت اکھاڑنے پر مجبور کرے اور دوسرے کو اجرت پر دے دے، اور اگر عمارت اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو پہلے کے پاس اسی اجرت پر رہنے دے۔ (ت)

اسی کے وقف میں ہے:

حیث کان یدفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر علی الوقف فتترك فی یدہ فلومات کان لورثته الاستبقاء الا اذا کان فیه ضرر علی الوقف بوجه ما، بان کان ھو او وارثه مفلسا، اوسئی المعاملة، اومتغلبا یخشی علی الوقف منه اوغیر منه اوغیر ذٰلك من انواع الضرر[2]۔	اگر مستاجر مثل اجرت دیتا ہے اور وقف کو ضرور نہ ہو تو اسی کے پاس رہنے دی جائے اور اگر وہ فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو باقی رکھنے کا حق ہوگا ہاں اگر وقف کو کسی طرح اس میں ضرر ہو مثلاً دکان بوسیدہ ہے اور ورثاء مفلس ہوں یا وہ لاپرواہ ہو یا وہ غلبہ پانے کی کوشش میں ہوں اس سے وقف کو خطرہ ہو یا کوئی کسی قسم کا ضرر ہو تو واپس لے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی ذی مسکة فی ارض ترکھا ثلث سنوات اختیارا منه بلاون عزر شرعی، فھل سقطت مسکته، الجواب سقط حقه بالترك	ان سے کرایہ دار کی بنائی عمارت کے متعلق سوال ہوا کہ وہ کرایہ دار تین سال سے اپنی مرضی پر دکان کو چھوڑ رکھے بغیر عذر شرعی کے تو کیا اس سے عمارت پر اس کا حق ختم ہوجائے گا؟ جواب

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

المذکور کما افتی بہ الخیرالرملی والشیخ اسمعیل ویاتی مثلہ عن المعروضات۔[1]	یہ ہے کہ ہاں اس سے اس عمارت پر مبنی حق ختم ہوجائے گا، جیساکہ خیرالدین رملی اور شیخ اسمٰعیل نے یہ فتوٰی دیا ہے اور معروضات سے اس کی مثل آئیگا (ت)

اور اگر زمین مملوک ہے۔ جیسے عام دیہات کی زمین کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے تو اس میں شرعاً ہرگز کبھی کسی طرح کاشت کار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگرچہ اس نے اس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ کی مدت ختم ہو گئی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اس سے نکال لے اور اس کے درخت وعمارت کی نسبت اسے حکم دے کہ زمین خالی کردے اور درختوں کے کاٹنے عمارت کے کھودنے میں زمین کا زیادہ نقصان دیکھے تو کٹنے کھودنے کے بعد جو قیمت ان درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کرکے کاشتکار کو دے دے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشت کار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کردینے کا اختیار ہوگا اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں، عقود دریہ میں ہے:

قال فی التجنیس رجل اشتری من رجل سکنی لہ فی حانوت رجل اخر مرکبا بمال معلوم لصاحب الحانوت ان یکلف المشتری رفع السکنی وان کان علی المشتری ضرر لانہ شغل مبلکہ۔[2]	تجنیس میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی دکان میں رہائشی انتظام کر رکھا تھا تو اس رہائشی شخص سے کسی تیسرے شخص نے اس کا وہ رہائشی انتظام خرید لیا کچھ مال کے بدلے قبضہ لیا تو دکان کے مالک کو حق ہے کہ وہ اس مشتری کو رہائش اٹھانے پر مجبور کردے اگرچہ مشتری کو ضرر بھی ہو کیونکہ مشتری نے اس کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لکن اذا کان ہذ الجدک المسمی بالمسکنے قائما فی ارض وقف، فھو من قبیل مسألۃ البناء اوالغرس فی الارض المحتکرۃ لصاحب الاستبقاء باجرۃ مثل الارض	لیکن یہ جدک جس کو سکنی کہتے ہیں اگر وقف زمین میں ہو تو ہو کرایہ کی زمین پر عمارت اور پودے لگانے کے مسئلہ کی طرح ہے اسے اگر وقف زمین کو ضرر نہ ہو تو اس کو مثلی اجرت کے ساتھ زمین

---

[1] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

[2] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

حیث لاضرر علی الوقف وان ابی الناظر نظرا للجانبین علی مامشی علیه فی متن التنویر، وافتی به المؤلف تبعا للخیر الرملی، وقدمنا الکلام علیه فی کتاب الاجارات، ولاینا فیه مافی التجنیس من ان لصاحب الحانوت ان یکلفه رفعه، لان ذلك فی الحانوت الملک، والفرق ان الملك قد یمتنع صاحبه عن ایجاره، ویرید ان یسکنه بنفسه اوبیبیعه، اویعطله بخلاف الموقوف المعد للایجار، فانه لیس للناظر الا ان یوجره فایجاره من ذی الید باجرة مثله اولی من ایجاره من اجنبی لمافیه من النظر للوقف ولذی الید[1]	کو باقی رکھنے کا حق ہوگا اگرچہ وقف کا نگران انکار کرے تاکہ دونوں جانب کی رعایت ہوسکے، متن تنویر کے بیان پر بنا کرتے ہوئے اور اس پر مؤلف نے خیر الدین رملی کی اتباع میں فتوٰی دیا ہے اس پر ہم نے کتاب اجارات میں کلام کردیا ہے۔ اور یہ بیان تجنیس میں مذکور کے منافی نہیں کہ دکانوں کے مالک کو حق ہے کہ وہ تجاوزات کو اکھاڑنے پر مجبور کرے کیونکہ تجنیس کا یہ بیان نجی ملکیت کے متعلق ہے، وجہ فرق ہے کہ نجی مالک کبھی اپنی ذاتی رہائش یا فروخت یا فارغ رکھنے کے لئے کرایہ پر نہیں دینا چاہتا، بخلاف وقف شدہ زمین کہ جس کو کرایہ پر دینے کے لئے ہی تیار کیا گیا ہے تو نگران کو کرایہ کے بغیر چارہ نہیں ہے تو کسی اجنبی کو دینے کی نسبت قابض کو مثلی اجرت دینا اس کے لئے بہتر ہوگا لہٰذا اس میں وقف اور قابض دونوں کی رعایت ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ میں ہے:

لیس لصاحب التیمار رفع ایدیهم عنها، ولاقلع اشجارهم، اذا المفوض الیه من السلطان تناول الخراج ولیس له ملك فیها حتی یملك نزع ید مزارعیها الذین صارلهم فیها کردار بغرس للاشجار، والتصرف الکائن منهم فی سائر الاعصار[2]۔ باختصار،	سرکاری زمین کے نگران کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کرایہ داروں کو ان درختوں سے بے دخل کرے اور نہ ہی وہ درختوں کو کاٹ سکتا ہے کیونکہ سلطان کی طرف سے اس نگران کو صرف خراج وصول کرنے کا اختیار ہے نہ کہ اس کو مالکانہ اختیارات ہیں تاکہ وہ مزارعین کا جن کا وہاں درخت لگانے میں دخل ہے ان کو وہاں سے بے دخل کرے جبکہ ایسی زمینوں میں مزارعین کو درخت لگانے کا عام شہروں میں رواج ہے باختصار (ت)

---

[1] العقود الدریہ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۱۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۷

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف:

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف: لو استاجر ارض وقف، وغرس فیھا ثم مضت مدۃ الاجارۃ، فللمستاجر استبقاءھا باجر المثلی اذالم یکن فی ذٰلك ضرر ولو ابی الموقوف علیھم الاالقلع۔ لیس لھم ذٰلك[1]۔	اگر کسی نے وقف زمین کو کرایہ پر لے کر وہاں پودے لگائے پھر کچھ مدت اجارہ جاری رہا تو اس کو مثلی اجرت پر اس اجارہ کو باقی رکھنے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے ضرر نہ ہو اور اگر نگران ان کو ہٹانے پر بضد ہو تو اس کو یہ حق نہیں۔ (ت)

کے تحت فرمایا:

قید بالوقف لما فی الخیریۃ عن حاوی الزاھدی عن الاسرار من قولہ بخلاف ماذااستاجر ارضا ملکا، لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذٰلك ان ابی المالك الاالقلع، بل یکلفہ علی ذٰلک، الا اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر من قیمۃ الارض، فیضمن المستاجر قیمۃ الارض فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالك، فیکون الاغراس والارض للغارس، وفی العکس یضمن المالك قیمۃ الاغراس فتکون الارض و الاشجارلہ، وکذا الحکم فی العاریۃ[2] اھ مافی الشامی۔ **اقول:** واستثناءہ ماذا اکانت قیمۃ	مصنف نے وقف کے ساتھ مقید اس سبب سے جس کو خیریہ نے حاوی الزاہدی سے اس نے الاسرار سے نقل کیا یہ قول کہ بخلاف جب وہ نجی ملکیت کو اجارہ پر لے تو مستاجر کو اس دخل کی بنا پر اس زمین کو باقی رکھنے کا حق نہیں ہے جبکہ ملک ان درختوں کو اکھاڑ دینے پر مجبور کرے بلکہ مالک اس کو اس پر مجبور کرسکتا ہے ہاں اگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زائد ہو تو پھر مستاجر زمین کی قیمت کا ضمان مالک کو دے کر درختوں اور زمین کا خود مالک بن جائے گا، اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو پھر مالک درخت اکھاڑ دینے کا ضامن بنے گا اور درختوں اور زمین کا مالک ہوجائے گا، اور عاریتا لی ہوئی زمین کا حکم بھی یہی ہے اھ شامی کا بیان ختم ہوا۔ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا درختوں کی قیمت کا

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

الغراس اکثر مبنی علی مسألۃ غصب الساحۃ بالمھملۃ وفیھا معترك عظیم۔ والارجع عندنا انہ لایتملك الارض کرھا وان کانت قیمۃ بنائہ وغرسہ اکثر۔ لقول صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم لیس لعرق ظالم حق[1]۔	زمین کی قیمت سے زائد ہونے کو مالک کے اختیار سے مستثنٰی کرنا یہ خالی زمین کو غصب کرنے پر مبنی ہے اس میں عظیم معرکہ آرائی ہے جبکہ ہمارے ہاں ارجح یہ ہے کہ مستاجر زمین کا جبراً مالک نہیں بن سکتا اگرچہ عمارت اور پودوں کی قیمت زمین سے زائد ہو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظالمانہ دخل کا کوئی حق نہیں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فان مضت المدۃ قلعھا وسلمھا فارغۃ الا ان یغرم لہ الموجر قیمۃ البناء و الغرس مقلوعا ویتملکہ۔ قال فی البحر۔ افاد انہ لایلزمہ القلع ولو رضی الموجر بدفع القیمۃ۔ لکن ان کانت تنقص یتملکھا جبرا علی المستاجر ولافبرضاہ[2]۔	اگر مدت اجارہ ختم ہوگئی ہو تو مستاجر اپنے دخل کو ختم کرتے ہوئے درختوں کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کرے مگر یہ کہ اگر مالک اکھڑے درختوں اور تعمیر کی قیمت کو برداشت کرکے خود ان کا مالک بن جائے، بحر میں فرمایا کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مستاجر کو درخت اکھاڑنا لازم نہیں اگر ملک قیمت دینے کو تیار ہو لیکن اگر درخت اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو پھر مالک جبراً درخت لے سکے گا ورنہ مستاجر کی رضا سے درختوں کا مالک بن سکے گا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مقلوعا فی الشرنبلالیۃ۔ ای ماموراً مالکھما بقلعھما و	ماتن کا قول "اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت" شرنبلالی نے فرمایا: یعنی درختوں اور تعمیر کے مالک کو اکھاڑنے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹، سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

انما فسرناه بکذا، لان قیمة المقلوع ازید من قیمة المامور بقلعه، لکون المؤنة مصروفة للقلع کذا فی الکفایة[1] اھ۔ **اقول:** وبماذکرنا تبین ان ماوقع فی حاوی الزاھدی من قوله، یثبت حق القرار فی ثلثین سنة فی الارض السلطانیة والملک، وفی الوقف فی ثلث سنین[2] الخ فھو و ان حمله فی العقود الدریة علی الکردار، حیث قال المراد به(ای بحق القرار) الاعیان المتقومة لامجرد الامر المعنوی، ویدل علی ذٰلك قوله فی البزازیة لاشفعة فی الکرداری ای البناء ویسمی بخوارزم حق القرار لانه نقلی[3] اھ مع ان فی ھذا الحمل ایضا کلاما عندی لان حق القرار بمعنی الکردار لایتوقف علی مرور الاعصار، وانما مبناه علی النظر للجانبین و رفع الضرار، کماتقدم وفی اجارة الخیریة له الاستبقاء حیث لاضرر علی الجھة(ای جھة الوقف) و لزوم الضرر علی الغارس	کے حکم رجو قیمت ہو، ہم نے یہ تفسیر اس لئے کی ہے کہ کھڑے درختوں کی قیمت اکھاڑنے کے حکم والی قیمت سے زائد ہوتی ہے کیونکہ اکھاڑنے کا خرچہ بھی ان پر پڑتا ہے، کفایہ میں یوں ہے۔ (ت) **اقول:** (میں کہتاہوں) ہمارے ذکر کردہ سے واضح ہواکہ حاوی الزاہدی کے اس قول کہ سرکاری اور ملکیتی زمین میں تیس۳۰ سال قبضہ اور وقف کی زمین میں تین سالہ قبضہ سے حق القرار ثابت ہوجاتا ہے اس میں کلام ہے اس حق القرار کو اگرچہ عقودالدریہ میں کردار پر محمول کیا ہے جہاں انھوں نے کہا ہے کہ اس سے یعنی حق القرار سے مراد قیمتی سامان (اعیان) مراد ہے نہ کہ صرف معنوی معاملہ، اس پر اس کا قول کہ بزازیہ میں ہے کہ تعمیر شدہ کرداری میں شفعہ نہیں ہے جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں، کیونکہ یہ منقولہ چیز ہے اھ جبکہ میرے نزدیک اس معنی پر حمل میں بھی کلام ہے کیونکہ حق القرار بمعنی کردار کسی مرور زمانہ پر موقوف نہیں ہے اس کی بنیاد تو صرف فریقین کی رعایت اور دفع ضرر پر ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور خیریہ کے باب الاجارہ میں ہے مستاجر کو قبضہ باقی رکھنے کا اختیار ہے جب وقف کی جہت کو ضرر نہ ہو اور پودے لگانے پر لزوم ضرر

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] العقود الدریة بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

[3] العقود الدریة بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصا والناس علی ھذا، وفی القلع ضرر علیھم وفی الحدیث الشریف عن النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر و لاضرار فی الاسلام [1] اھ وفی وقف الدر فی المنیۃ، حانوت لرجل فی ارض وقف، فابی صاحبہ ان یستاجر الارض باجر المثل، ان العمارۃ لورفعت تستاجر باکثر مما استاجرہ امر برفع العمارۃ وتوجر لغیرہ، و الاتترک فی یدہ بذٰلک الاجر ومثلہ فی البحر [2] اھ قال الشامی لان فیہ ضرورۃ، بحرعن المحیط، و ظاہر التعلیل ترکھا بیدہ ولوبعد فراغ مدۃ الاجارۃ لانہ لو امر برفعھا لتوجر من غیرہ یلزم ضررہ، و حیث کان یرفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر لعلی الوقف، فتترک فی یدہ لعدم الضرر علی الجانبین [3] الخ، و	میں حرج بھی نہ ہو، اور آپ کو معلوم ہے کہ شریعت ضرر کو برداشت نہیں کرتی خصوصا جب عوام مبتلا ہوں جبکہ درخت اکھاڑنے میں ضرر ہے۔ حدیث شریف میں حضور نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسلام میں ضرر دینا اور ضرر میں مبتلا روا نہیں ہے" اھ۔ اور درمختار میں منیہ سے منقول ہے کہ کسی شخص کی وقف زمین میں دکان ہو او وہ دکان والا مثلی اجرت پر آئندہ اجرت پر انکار کرے جبکہ عمارت اٹھادی جائے تو وہ زمین اس کی اجرت سے زیادہ اجارہ پر دی جاسکتی ہے تو اس مستاجر کو اپنی عمارت اٹھالینے کا پابند کیا جائے اور وہ زمین غیر کو اجارہ پر دی جائے، ورنہ اسی اجرت میں اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے، اس کی مثل بحر میں ہے۔ اھ علامہ شامی نے فرمایا کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ محیط سے بحر میں ہے اور علت کا ظاہر بتاتا ہے کہ اس کے قبضہ میں رہنے دی جائے اگرچہ مدت اجارہ ختم ہوچکی ہو کیونکہ اگر اس کو عمارت اٹھانے کا پابند کیا اور غیر کو دی جائے تو اس سے مستاجر کو ضرر ہوگا جبکہ اٹھادینے کے باوجود مثلی اجر ت نہ ملے تو وقف کو نقصان ہے لہٰذا اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے الخ اور

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۵۔ ۳۸۴

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

علی کل، فلفظة الملك لامحل له هنا کما قدمنا عن نفس حاوی الزاهدی عن الاسرار فضلا عن سائر معتمدات الاسفار۔	بہر صورت حاوی الزاہدی کا وہاں ملک کو ذکر کرنا بے محل ہے جیسا کہ خود حاوی الزاہدی کی الاسرار سے نقل ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں چہ جائیکہ معتمد کتب کو ذکر کیا جائے۔ (ت)

بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعاً ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ وہ صرف قانونی بات ہے تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوی موروثی جبراً قابض ہے، یا لگان اس کی مرضی سے کم دے، تو عنداللہ وہ کاشتکار ضرور ظالم وغاصب وگنہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگرچہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، بااین ہمہ اگر زمیندار دعوی بے دخلی دائر کردے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکم شریعت کے بالکل خلاف ہے اگرچہ مدعی مظلوم ہی ہو، عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی، فطلب زید ان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام، فدفعه له، ویرید الرجل مطالبة زید بماقبضه من کلفة الالزام، فهل له ذٰلک، الجواب نعم[1] اھ باختصار و کتب المولی المنقح رحمه الله تعالٰی بامشه لایلزم بکلفة الالزام۔	ایک مقروض شخص نے دوسرے شخص کو زید کے معلوم قرضہ کا کفیل بنایا پھر زید نے اس کفیل پر قرض کا لزوم بنانے کے لئے اس کفیل کو قاضی کے ہاں طلب کرایا تو قاضی کے ہاں کفیل پر الزام ہوگیا تو اب زید اپنے مقروض شخص سے قاضی کے ہاں الزام کے خرچہ کا مطالبہ کرے اور وہ خرچہ زید کو دے دے اور اب وہ مقروض شخص زید سے خرچہ کی دی ہوئی رقم کا واپس لینے کے لئے مطالبہ کرے تو کیا اس کو واپس لینے کے لیے مطالبہ کا حق ہے۔ الجواب، ہاں حق ہے اھ اس کے حاشیہ پر تنقیح کرنیوالے حضرت نے لکھا کہ الزام کی کاروائی کا خرچہ لازم نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

ہاں اگر زمیندار اس سے کہہ دے کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی، اور کاشتکار نہ اضافہ کرے نہ زمین چھوڑے بلکہ خاموش رہے اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وہ سکوت ہی شرعاً قبول ٹھہرے گا اور اس دن سے وہی لگان اس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اس سے وصول نہیں کرسکتا۔

---

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۳۰۸

تو یہ خرچہ کی رقم اس آتے ہوئے میں وصول کرلے کہ اس کا لینا قانوناً بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعاً بوجہ اضافہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

السکوت فی الاجارۃ رضا وقبول، فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل اوقال الراعی لاارضی بالمسمی بل کذا، فسکت، لزم ماسمی۔[1]	عقد اجارہ میں سکوت رضا اور قبول قرار پاتا ہے تو اگر مالک نے کرایہ دار رہائشی کو کہا، "اتنے معاوضہ پر رہائش رکھنی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہاں سے منتقل ہوجاؤ، یا نگران نے اسے کہا میں مقررہ معاوضہ لینے پر راضی نہیں بلکہ اتنا چاہتا ہوں تو کرایہ دار خاموش رہا تو اس پر مالک کا ذکر کردہ لازم ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ، اکتری دارا سنۃ بالف فلما انقضت قال ان فرغتها الیوم والا فهی علیك کل شهر بالف، والمستاجر مقرله بالدار، فانه نجعل فی قدر ماینقل متاعه باجر المثل، وبعد ذلك بماقال المالك۔[2]	تاتارخانیہ میں ہے سالانہ ایک ہزار کرایہ پر مکان دیا سال ختم ہونے پر اس نے کرایہ دار کو کہا اگر تو آج مکان فارغ کردے تو بہتر ورنہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار تجھ پر لازم ہوگا جبکہ کرایہ دار مکان کی ملکیت کا معترف ہے تو اس کو سامان منتقل کرنے کی مدت مثلی اجرت پر ہم تسلیم کرینگے اور اس کے بعد مالک کے قول کے مطابق ادا کرے گا۔ (ت)

اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی وہ اور اس کے گردوپیش کی مینیں پہلے ایک روپیہ بیگھ تھیں، اب مثلاً دو۲ روپے بیگھ ہوگئیں، اور اس کی مدت اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعاً دو۲ روپے کی شرح لازم ہوگی، اگرچہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحۃً انکار کرتا رہا ہو،

لانه لما تمت اجارته، وطلب المالك الزیادۃ فابی صار غاصبا والارض معدۃ للاستغلال، ولیس للمزارع تاویل ملك لعدمه ولاعذر لانتهائه، فیجب علیه	کیونکہ جب کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی ہو اور مالک زائد کرایہ طلب کرتا ہو تو مستاجر کے انکار کردینے کے بعد رہائش غاصبانہ ہوگی جبکہ زمین کرایہ حاصل کرنے کے لئے ہی مختص ہے اور مزارع کو ملکیت کا بھی عذر نہیں کیونکہ وہ مالک نہیں اور نہ ہی مدت

---

[1] درمختار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۶

باجرۃ المثل، وھی الاٰن ربیتان۔	اجارہ کے ختم ہونے میں عذر ہے تو اس پر مثلی اجرت کا کرایہ لازم ہوگا جو کہ اب دو روپیہ (مثلا) ہے (ت)

در مختار میں ہے:

منافع الغصب لاتضمن عندنا، الا فی ثلث، فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم، او معدا للاستغلال، الا فی المعد للاستغلال اذا سکن بتاویل ملک، او عقد فلا شیئ علیہ[1] اھ ملتقطا۔	غصب کے منافع ہمارے نزدیک قابل ضمان نہیں ہیں سوائے تین مواقع کے ایک یہ کہ مغصوب وقف ہو تو اس کی مثلی اجرت لازم ہوگی، دوسرا یہ کہ وہ مغضوبہ چیز یتیم کا مال ہو، تیسرا یہ کہ وہ چیز کرایہ حاصل کرنے کے لئے مختص ہو، ہاں اگر ملکیت کی تاویل سے اس کرایہ والی زمین میں رہائش پذیر ہو تو پھر اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تو بنام خرچہ جو کچھ ملے اس اجافہ میں جو شرعا اس پر لازم ہوچکا وصول کرلے **لانہ ظفر بجنس حقہ** (کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قابض ہوا۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنہ الرفع للحاکم، فاذا اظفر بمال مدیونہ، لہ الاخذ دیانۃ، بل لہ الاخز من خلاف الجنس علی مانذکرہ قریبا[2]۔	جب حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کے مال پر کامیابی پالے تو قبضہ میں لے لے۔ یہ اس کو دیانۃ اجازت ہوگی بلکہ اس کو اپنے حق کی جنس کے خلاف بھی اس کا مال ملے تو قبضہ کرلے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی یوں ہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے۔ جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذہ ہیں، کہ اس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے **کما اشرنا الیہ** (جیسا کہ ہم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے)۔ در مختار میں ہے:

اُجر حانوتا کل شھر بکذا، صح فی واحد فقط واذا تم الشھر، فلکل فسخھا بشرط حضور الاٰخر فسخھا بشرط حضور الاٰخر لانتھاء العقد الصحیح، وفی	ایک دکان کسی معینہ معاوضہ پر ماہانہ اجرت پر دی تو صرف ایک ماہ کا یہ اجارہ صحیح ہوگا اور جب مہینہ ختم ہوجائے تو دونوں میں سے ہر ایک فریق کو اس کے فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ

---

[1] در مختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹-۲۰۸

[2] ردالمحتار کتاب السرقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

کل شهر سکن فی اوله صح العقد فيه ايضا[1] الخ باختصار	دوسرا فریق وہاں موجود ہو، کیونکہ صحیح عقد ختم ہوگیا ہے اور جس مہینہ کی ابتداء میں وہاں رہائش پذیر رہا اس مہینہ کے اجارہ کا عقد بھی صحیح قرار پائے گا الخ باختصار (ت)

بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفسیہ جلیلہ حفظ کرنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو۔ یا اس سے لینے کا شرعا حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانونا نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانونا ناجائز ہے ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے شرعا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعا بھی روا نہیں۔

قال تعالٰی "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۖ"[2]، وقد جاء الحدیث عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینهی المومن ان یذل نفسه[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے مومن کو اپنا نفس ذلت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانونا کوئی رقم اس سے وصول کرسکے تو اجازت ہے کہ اس نیت جائزہ سے اسے لے اگرچہ قانونا کسی دوسرے نام سے ملے،

فان الشیئ اذا اوصل الی مستحقه من المستحق علیه، جعل واصلا من الجهة التی یستحقه، کما فی الدر المختار[4]، وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما الکل امری مانوی[5]۔	تو بیشک جب مستحق کو اپنے مدیون کی کوئی چیز ہاتھ لگے تو اس کو استحقاق کے طریقہ پر پہنچنا تصور کیا جائیگا جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمرہ ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۰۵

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلاً سو روپے آتے تھے تو سو یا سو سے کم لے سکتا ہے زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے یونہی برے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں اگرچہ یہ اپنی نیت کے سبب لیتا آتا، یا ایک شیئ مباح لیتا ہو جس میں اس پر مواخذہ نہیں مگر وہ ظاہری ذریعہ ایسا ہو جس سے بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰ تا ۵۳: از موضع نگلہ ہریر، تحصیل موانہ ڈاکخانہ بہلادور، ضلع میرٹھ مرسلہ سید اکبر علی ۳ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار موروثی ہے اور لگان بحساب دو روپیہ فی بیگھ زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ زمین جو زیر کاشت موروثی زید ہے اصل میں للعہ فی بیگھ کے لگان کی ہے کیونکہ اس اراضی سے ملحقہ اور ہم حیثیت اراضی مبلغ للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرائی جاری ہے اور دوسرے کاشت کار خوشی سے للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرتے ہیں زمیندار کا بہت بڑا نقصان ہے اور کاشتکار مذکور زمیندار کے کہنے سے لگان میں اضافہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ شرعاً نالش کردو، بعد ہو جانے ڈگری کے لگان زیادہ دوں گا، اور زمیندار خود تو اضافہ نہیں کرسکتا کیونکہ کاشت کار رضامند نہیں، اور کچہری سے بچند وجوہ ہو نہیں سکتا۔ اس معاملہ میں وکلا سے بہت سے زیادہ تحقیق کرلی گئی ہے اگر کاشت کار لگان اس وقت جبکہ قانون نے اس پر واجب کیا ہے نہ ادا کرے، اور زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے لگان کے روپیہ پر سود لگادے اور کہہ دے کہ میں اپنے لگان میں لیتا ہوں تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ اس طریقہ سے کچھ تلافی نقصان ہوجائے گی۔

دوم: یہ کہ اگر زمیندار کچہری میں ایک سچی بات کو چھپائے اور جھوٹی بات کو ظاہر کرے تو اپنے نقصان کی معمولی سی تلافی کرسکتا ہے اور اراضی موروثی کا اس کے قبضہ سے نکل جانا بھی ممکن ہے۔ اس جھوٹی بات کو ظاہر کرنے سے جو زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے کرتا ہے کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوم: یہ کہ کاشتکار موروثی کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

چہارم: یہ کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک زمیندار کی مالی نقصان کی تلافی مال سے کیونکر ممکن ہے؟ فقط

الجواب:

جواب سوال اول وسوم وچہارم: شرع مطہر کے نزدیک مملوک زمینوں میں جیسی عام دیہات کی زمینیں ہیں کہ زمیندار ان کے مالک ہیں، اصلاً کبھی کسی طرح حق موروثی حاصل نہیں، شرعاً

زمیندار کو اختیار ہے کہ جب پٹہ کی میعاد ختم ہو، یا اگر کاشتکار سے کوئی میعاد معین نہ ٹھہری تو جس ختم سال پر چاہے کاشتکار سے کہہ دے کہ اب سے کاشت کرے چھوڑ دے مجھے زمین تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کہنے سے وہ زمین سے شرعاً بے تعلق ہو جائے گا، اور اسے حرام ہوگا کہ قبضہ نہ چھوڑے، اگر نہ چھوڑے گا غاصب ہوگا، اور اس کے بعد سے عندالشرع اس پر وہی چار روپے بیگھ واجب ہوگا جو وہاں اس حیثیت کی زمینوں کی عام شرح ہے اگر نہ دے گا اور وہی دو روپے بیگھ ادا کرتا رہے گا تو بحکم شرع وہ فی بیگھ دو روپے سال کا مدیون ہوتا رہے گا، مثلاً ایسی زمین پچاس بیگھے اس کی کاشت میں ہے تو زمیندار کے سو روپے سال ہمیشہ اس پر چڑھتے رہیں گے جب تک زمین نہ چھوڑے، نیز زمیندار کو اختیار ہے کہ ختم میعاد یا صورت ثانیہ میں جس ختم سال پر چاہے اس سے زمین نکالنے کو نہ کہے، بلکہ یوں کہے کہ آج سے یہ زمین چار روپے یا دس روپے بیگھ ہے (جو وہاں اس زمین کی عام شرح ہو رہی ہے خواہ اس قدر کہے یا اس سے کم یا جس قدر چاہے زیادہ، مثلاً سو روپے بیگھ ہزار روپے بیگھ) اگر کاشت کار اپنے زعم پر کہ یہ بغیر چارہ جوئی قانونی کیا کرسکتا ہے خاموش رہا اور کاشت کی، تو جتنا اس نے کہہ دیا تھا اس پر دین ہو رہے گا، اور اگر وہ سکوت نہ کرے بلکہ رد کردے، مثلاً کہے میں تو وہی دو روپے دوں گا زیادہ نہ دوں گا، تو یہ پھر اپنے کلام کا اعادہ کردے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو رہے اور دیکھے کہ نہیں چپتا تو کہہ دے مجھے تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کے بعد کاشت کرے گا، وہی عام شرح مثلاً چار روپے اس پر لازم آئیں گے، ان طریقوں سے یہ تو ہوگا نہیں کہ زمیندار قانوناً دو روپے بیگھ سے زائد لے سکے، جب تک باضابطہ اضافہ نہ کرائے جو ہزار دقتیں رکھتا ہے۔ نہ یہی ممکن کہ زمیندار اس بناء پر کہ شرعاً اس کے اجارہ سے نکل گئی اسے خود بے دخل کردے اور نہ صرف قانوناً بلکہ عندالشرع بھی زمیندار کو جائز نہ ہوگا کہ شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے تو ایسی صورت کا ہر جرم قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرم شرعی اور گناہ ہے، ان طریقوں سے یہ نفع ہوگا کہ جب کاشتکار عندالشرع اس کا مدیون ہولیا اور وہ دین قانوناً وصول ہو نہیں سکتا، تو کاشتکار سے جو رقم قانوناً وصول کرسکے، اور شرعاً وہ رقم ناواجب ہو اسے قانونی ذریعہ کے نام سے وصول کرے اور اپنے اسے آتے ہوئے میں مجرا کرلے جبکہ یہ رقم اس قدر دین سے زائد نہیں مثلاً کاشت کار پر لگان یا اضافہ یا بیدخلی یا کسی قسم کی کوئی نالش کرے جس کی حاجت زمینداروں کو اکثر پڑتی ہے، اور وہ نالش ڈگری ہو تو شرعاً مدعی کو اگرچہ حق پر ہو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، یہ خرچہ لے اور اسے اپنے دین مین محسوب سمجھے یا زمینداریوں میں اکثر معمول ہے کہ کاشتکاروں سے لکڑی، آپلا بھس وغیرہ اگھائی لیتے ہیں، یا ہل بیل گاڑی سبیل وغیرہ میں، اور یہ شرعاً جائز نہیں ان کو وصول کرے اور اس میں مجرا لے لکڑی وغیرہ قیمت کے اعتبار سے اور بیل

وغیرہ اجرت کے لحاظ سے یونہی اگر قسط چوکنے سے یالگان تقاوی وغیرہ پر سود کا نام کرے اور سود کی نیت نہ ہو بلکہ اسی دین میں وصول کرے تو یہ رقم بھی شرعاً اس کے لئے مال حرام نہ ہوگی، مگر اس سے احترازیوں لازم ہے کہ شرع نے جس طرح بُرے کام سے منع فرمایا بُرے نام سے بھی منع فرمایا، اور اپنے آپ کو بلاضرورت شرعیہ مطعون کرنا مسلمانوں کو اپنی غیبت وبدگوئی میں مبتلا کرنا شرعاً منع ہے۔ سود کے نام لگانے سے لوگ اصل حقیقت کو نہ جانیں گے، اور اسے معاذاللہ سود خور کہیں گے، بدنام کریں گے، یہ کس کس کو اپنی نیت اور معاملہ کی اصل حالت بتاتا پھرے گا، ایسی بات سے احتراز چاہئے۔ بخلاف خرچہ اُگھائی، سہیل بیگار معمولی ورائج اشیاء کے کہ عوام ان پر مطعون وبدنام نہ کریں گے، غرض کاشتکار کہ شرعاً ناجائز قبضہ رکھے مدیون بنانے کے وہ طریقے ہیں اور اپنے مالی نقصان کی تلافی کی یہ صورتیں، بغیر ان طریقوں کے صرف اس وجہ سے کہ گرد وپیش کی زمینوں کی شرح بڑھ گئی ہے۔ کاشت کار پر دو روپے بیگھ سے زیادہ کچھ واجب نہ ہوگا، اور یہ زیادہ لے گا تو ناواجب لے گا، اس مجمل بیان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں شرعی اطاعت بھی رہے اور قانونی رعایت بھی اور مالی حفاظت بھی اور ان اصول و مسائل سے آج کل کے بہت ذی علم بھی غافل ہیں عوام تو عوام، اب ہم بعض عبارات ذکر کریں کہ تفصیل موجب تطویل۔

فی ردالمحتار عن الخیریۃ عن الحاوی عن الاسرار اذا استاجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذلک ان ابی المالک الا القلع بل یکلفہ علی ذلک[1]۔	ردالمحتار میں ہے خیریہ سے ہے انھوں نے حاوی سے بحوالہ الاسرار نقل کیا کہ اگر کسی نے کسی نجی ملکیت کو اجارہ پر لیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ اس کو اپنے لئے باقی رکھے جس طرح سرکاری زمین کو باقی رکھ سکتا ہے جبکہ مالک اس کو اپنے تجاوزات ختم کرنے پر مصر ہو بلکہ مالک اس کو پابند بناسکتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قال للساکن اسکن بکذا اوالا فانتقل، فسکت، لزم مایسمی[2]۔	جب مالک نے کرایہ دار کو کہا اگر رہنا ہو تو اتنے معاوضہ پر رہو ورنہ منتقل ہوجاؤں تو اس پر کرایہ دار خاموش رہا تو مالک کا ذکر کردہ معاوضہ اس پر لازم ہوجائیگا(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

یجب اجر المثل فی المعد للاستغلال[1]۔	کرایہ حاصل کرنے کے لئے مخصوص شدہ زمین کی مثلی اجرت لازم ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الی المستحق بجهة اخری اعتبر واصلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه والافلا، وتمامه فی جامع الفصولین[2]۔	مستحق کو اس کا استحقاق کسی دوسرے طریقہ سے بھی ملے تو وہ استحقاق کے طریقہ پر ہی متصور ہوگا بشرطیکہ اس کو مدیون کی جانب سے پہنچے، ورنہ نہیں اس کی تمام بحث جامع الفصولین میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنه الرفع للحاکم فاذا ظفر بمال مدیونه له الاخذ دیانة، بل له الاخذ من خلاف الجنس[3]۔	جب اس کو حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کا مال ہاتھ لگے تو دیانۃً اس کو لینا جائز ہے بلکہ حق کی جنس کے خلاف بھی مال ملے تو لینے کا حق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عندالقدرة من ای مال کان[4]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	آج کل فتوٰی یہ ہے کہ مدیون کے کسی بھی مال پر قدرت پائے تو لینا جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال دوم: جھوٹ بولنا حرام ہے، ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے۔ جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں، وہ بھی اسی حالت میں کہ صدق محض سے وہ حق نہ ملے اور ظلم نہ ٹلے، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، درمختار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه، و المراد التعریض، لان عین	اپنے حق کو ثابت اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے جھوٹ مباح ہے اس جھوٹ سے مراد تعریض ہے نہ کہ

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸۔۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[3] ردالمحتار کتاب السرقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

[4] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الکذب حرام[1]۔	عین جھوٹ کیونکہ یہ حرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث ابیح التعریض لحاجۃ لایباح لغیرہا، لانہ یوھم الکذب[2]۔	جہاں کسی حاجت کی وجہ سے تعریض جائز ہے وہاں بغیر حاجت جائز نہیں، کیونکہ تعریض جھوٹ کا وہم پیدا کرتی ہے۔ (ت)

ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابل برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو تو بمجبوری اجازت پاسکتا ہے **لان الضرورات تبیح المحظورات** (کیونکہ ضروریات ممنوع چیزوں کو مباح کرتی ہیں۔ ت) ردالمحتار میں منقول:

ینبغی ان یقابل مفسدۃ الکذب بالمفسدۃ المترتبۃ علی الصدق فان کانت مفسدۃ الصدق اشد فلہ الکذب، وان بالعکس اوشك حرم[3]۔ وقد نقلنا القول فیہ فی فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔	جھوٹ کے فساد اور صدق پر مرتب ہونیوالے فسا کا تقابل کیا جانا مناسب ہے اگر صدق پر مرتب فساد شدید ہو تو جھوٹ مباح، اور گر معاملہ بالعکس ہو یا دونوں صورتوں میں شک ہو تو پھر کذب حرام ہے فیصلہ کن قول ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: از کرتولی مرسلہ حکیم رضا حسین خاں سلمہ، ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں ہیں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکاء خود کاشت کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دیگر شرکاء اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے بلاشبہ رواہے، پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے۔ اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے تو جب تک تصریح نہ ہو جائے کہ لگان نہ لیا جائے گا، شرکاء کے حصے کا اس پر لگان آئے گا۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴

لان الاتجارة من الشريك جائزة لعدم الشيوع فی المنافع الحادثة اذاكل تحدث علی مسلكه امالملكه او للاجارة، بخلاف الاجارہ من احد شريكه، اواجارة البعض من غير الشريك حيث لاتجوز للشيوع كمافی الهداية[1] والدر[2]۔	تمام شرکاء کی طرف سے اجارہ حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ اب منافع میں شیوع نہ ہوگا کیونکہ پیدا ہونے والے تمام منافع اس کو اپنی ملکیت کی وجہ یااجارہ کی وجہ سے حاصل ہوں گے بخلاف جبکہ تمام شرکاء میں سے ایک یا بعض سے اجارہ کرے تو ناجائز ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں شیوع پایاجائے گا، جیسا کہ ہدایہ اور درمختار میں ہے۔(ت)

اور اگر شرکاء کے خلاف مرضی زراعت کرے گا گنہ گار و غاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہوسکتا۔

لانها وان كانت معدة للاستغلال فالشريك يتصرف فيها بتاويل الملك، والتصرف به بتاويل العقد يمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال اليتيم حيث يجب فيهما مطلقاً كمابينه فی الدر المختار[3] ورد المحتار[4]۔	کیونکہ اگرچہ وہ زمین کرایہ داری کے لئے تیار رکھی ہے تو شریک کا اس میں تصرف ملکیت کی تاویل سے ہے جبکہ عقد کی تاویل کرایہ داری والی چیز میں اجرت کے لئے مانع ہے بخلاف وقف اور مال یتیم کے، کیونکہ ان میں اجرت لازم ہے۔ جیساکہ درمختار اور ردالمحتار میں یہ بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت، بلکہ ان سے بے پوچھے بطور خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول و منصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پوچھے اس کا زراعت کرلینا صورت غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے، لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ

---

[1] الهدایہ کتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹

[2] درمختار کتاب الاجارة باب الاجارة الفاسدة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[3] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸_۰۹

[4] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت صورت اجازت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃً اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے۔ اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینا نہ آئے گا۔ ہاں شرکاء کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی مدت تک اس کی زراعت کرلیں، مثلاً دو شریک تھے، ایک ایک ثلث کا ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتا ہے۔ اقول: مگر یہ حکم اس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معد و معروف نہ ہو کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے مگر اذن عاریت واجارہ دونوں کو محتمل ہے۔ اور عاریت اقل ہے۔ تو وہی متعین ہے۔ اور اجارہ بلا دلیل ثابت نہیں۔ لہٰذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین معد للاستغلال ہے۔ جیسے زمین دیہات اس میں ثبوت اذن بحکم اعداد و عہد بروجہ اجارہ ہی مانا جائے گا۔ جب تک صراحۃً نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کردیں **لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدًا** (کیونکہ معروف چیز مشروط کی طرح ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ت) تو یہ صورت مثل صورت اولٰی یعنی زراعت باذن صریح شرکاء ہوگی، اور لگان لازم آئے گا، اسے نہ مانئے تو بحال مفنعت اذن دلالۃً ثابت ہونا، اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجود نہیں، تو آباد دیہات میں اس کا ثبوت سخت دشوار ہے کہ غیر شخص زراعت کرتا تو شریک دیگر کو اپنے حصہ کی اجرت ملتی، اور شریک نے خود کاشت کی، اور لگان دلائیں نہیں، صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے، اور ممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو، اس کے اسباب نہ رکھتا ہو، اس کے کاموں کا متحمل نہ ہو، ان کی فرصت نہ پاتا ہو، تو اس کا حصہ بلا معاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا، اس پر رضا واذن دلالۃً ماننا بہت مشکل ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں، اور اگر کچھ نہ معلوم ہو کہ زراعت سے زمین کو مضرت پہنچے گی یا منفعت، اس کا حکم نہیں لکھتے، اقول: وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے کہ دلالۃً ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا جب یہ نہیں وہ نہیں، تو نہ ہوا مگر مطلقًا بلا اذن تصرف، اور یہی غصب ہے۔

وذٰلك لان الاصل فی التصرف فیما فیه ملك لغیره الحظر الا باذنه ولو دلالة ولم یوجد ھو ولا ھی۔	اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہے اگرچہ وہ اجازت دلالۃً ہو، جبکہ یہاں کسی طرح اجازت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین فصل ۳۳ بحث "انتفاع بمشترک" میں ہے:

یغرم الزارع لشریکه نقصان نصف الارض لو انتقصت لانه غاصب	ایک شریک نے زمین کی کاشت کی تو وہ دوسرے شریک کے نصف حصہ کے نقصان کا ضمان دے گا۔

فی نصیب شریکه(مز)وعن مز رحمه الله تعالٰی، لو غاب احدهما فلشریکه ان یزرع نصف الارض،ولو اراد الزراعة فی العام الثانی زرع النصف الذی کان زرعه،ویفتی بانه لو علم ان الزرع ینفع الارض ولاینقصها فله ان یزرع کلها،ولو حضرا الغائب فله ان ینتفع بکل الارض مثل تلك المدة. لرضا الغائب فی مثله دلة،ولو علم ان الزرع ینقصها او الترك ینفعها ویزیدها قوة فلیس للحاضر ان یزرع فیها شیئا اذا الرضا لم یثبت هنالك کذا. (قفظ)[1]۔	بشرطیکہ کاشت سے زمین کو نقصان ہو کیونکہ وہ اپنے شریک کے نصف کا غاصب ہے(مز)اور مز رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اگر ایک شریک غائب ہو تو دوسرے شریک کو نصف زمین کاشت کرنے کا اختیار ہے۔ اور اگر دوسرے سال بھی زراعت کرنا چاہے تو اسی حصہ کو کاشت کرے، اور فتوٰی یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت زمین کے مفید ہے نقصان دہ نہیں ہے تو تمام زمین کو کاشت کرے اور غائب شریک آجائے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ بھی اتنی ہی مدت کل زمین کو اپنے کاشت کرے یہ اس لئے کہ مفید ہونے کی صورت میں غائب کی دلالۃ رضا ہے۔ اور اگر معلوم ہو کہ کاشت زمین کے لئے نقصان دہ ہے۔ یاترک زراعت مفید ہے اور زمین کے لئے مزید قوت کا بعث ہے تو پھر حاضر شریک کو کوئی چیز کاشت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، کیونکہ نقصان کی صورت میں دوسرے شریک کی رضا ثابت نہیں ہے۔ یوں "قفظ" میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار کتاب الغصب میں ہے:

نقل(ای فی تنویر البصار)اولا عن العمادیة عن محمد(فذکر ماقدمنا عن الجامع قال)ثم نقل عن"القنیة"ان الحاظر لایلزمه فی المالك المشترك اجر، ولیس للغائب استعماله بقدر تلك المدة لان المهایاة بعد الخصومة، قال وبینهما تدافع الا ان یفرق بین الارض و	تنویر الابصار میں اولا عمادیۃ سے بحوالہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نقل کیااور جامع الفصولین سے ہمارے نقل کردہ کے موافق ذکر کیا، پھر انھوں نے قنیہ سے یہ نقل کیا کہ حاضر شریک پر مشترکہ ملکیت میں کوئی اجرت لازم نہیں ہوتی اور غائب کو اتنی مدت زمین کو استعمال کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ کیونکہ بدلہ کالین دین قاضی کے ہاں خصومت کے بعد ہتاہے اور کہا کہ ان دونوں منقولہ عبارتوں میں اختلاف ہے الایہ کہ زمین اور

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

الدار، وهو بعید اوانهما روایتان، ثم نقل عن الخانیة ان مسئلة الدار کمسئلة الارض، وان للغائب ان یسکن مثل ماسکن شریکه، وان المشائخ استحسنوا ذٰلك و هکذا روی عن محمد وعلیه الفتوی[1] ۔	دار کا فرق قائم کیا جائے اور یہ بعید ہے یا یہ کہا جائے یہ دو مختلف روایتیں ہیں اس کے بعد انھوں نے خانیہ سے نقل کیا کہ دار کا مسئلہ اور زمین کا مسئلہ ایک ہے کہ مکان میں بھی شریک غائب کو اتنی مدت سکونت کا حق ہے جتنی مدت حاضر شریک سکونت پذیر رہا ہو، اور اس کو مشائخ نے پسند فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

نیز جامع الفصولین میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

(فص) سکن دار مشترکة بغیبة شریکه لایلزمه اجر حصته ولو معدة للاستغلال (الی قوله) علل فی (ذ) بانه سکن بتاویل الملك فلا اجر (واقعة الفتوی) زرع ارضا بینه وبین غیره هل لشریکه ان یطالبه بربع او ثلث بحصة نفسه کما هو عرف ذٰلك الموضع، اجیب بانه لایملك ذٰلك یغرمه نقصان نصیبه فی الارض لو انقصت[2] ۔	(فص) ایک شریک مشترکہ مکان میں دوسرے کی غیر موجودگی میں سکونت پذیر رہا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی اگرچہ مکان کرایہ داری کے لئے تیار کیا ہو، ان کا بیان اس قول تک کہ (ذ) میں اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ وہ ملکیت کی تاویل پر سکونت پذیر ہوا ہے تو اجرت لازم نہ ہوئی، واقعۃ الفتوی میں ہے کہ اپنی اور غیر کی مشترکہ زمین میں کاشت کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کا اپنے حصہ کے طور پر مطالبہ کا حق ہے جیسا کہ وہاں معروف ہے جواب دیا گیا کہ دوسرے شریک کو یہ حق نہیں ہے، ہاں اگر زمین کو کاشت سے نقصان ہوا تو اس کو اپنے نصف کے نقصان کا ضمان لینا روا ہوگا۔ (ت)

اقول: یہ ہے کہ وہ حکم کہ اس صورت زراعت بے اطلاع کا شرکاء پر کتب میں مذکور ہے، مگر یہ احکام عرف کے ساتھ دائر ہیں، اور یہاں دیہات میں عموما صرف دئر وسائر یہ ہے کہ زمین کا اجارہ پر اٹھنا ہی منفعت جانتے ہیں اور اس کا پڑا رہنا ہی نقصان سمجھتے ہیں کہ وہ صرف معد للاجار ہوتے ہیں اس کے بعد اس پر کوئی نظر نہیں ہوتی کہ زراعت اس کے لئے نفع ہے یا ترک، تو یہاں یہ صورت صورت اولٰی یعنی اذن دلالۃ میں منحصر ہے، اور بوجہ اعداد اجر لازم، مگر کوئی خاص زراعت ایسی فرض کی جائے کہ زمیندار اس پر

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲ـ۱۳۱

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

راضی نہ ہوتے ہوں اور اسے مضرارض جانتے ہوں تو وہ مستثنٰی رہے گی، اس تقریر پر دربارہ دیہات خلاصہ حکم یہ ہے کہ شریک کو زراعت کرنا مطلقًا جائز اور حصہ شرکاء کا لگان مطلقًا لازم ہے، مگر اس صورت میں کہ دیگر شرکاء نے صراحۃً منع کردیا ہو۔ یا کوئی ایسی زراعت کرے جس سے زمین بگڑتی ہو، اور زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، ان دونوں صورتوں میں نقصان زمین کا تاوان دے گا اگر واقع ہو، اور لگان نہ آئے گا، اور شرکاء نے صراحۃً بلا لگان اجازت دی، تو لگان نہیں، اور زراعت جائز ہے **هذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میری طرف سے ہے اور علم حق میرے رب کے پاس ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵: مسئولہ محمد سید علی صاحب طالب العلم از کانپور مسجد حاجی بدنو شطرنجی محل ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ملک بنگالہ میں ظاہرا ملک تین قسم پر منقسم ہے:

اول ملک شاہی
دوم ملک زمینداری
سوم ملک رعیتی

رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہی اصل مالک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے۔ زمین عہ بادشاہ کے تحت میں زمین کا مالک ہے۔ اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں، اور رعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار رعایا کو زمین ومکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (یا کم و بیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے مثلاً زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دو سو روپے بیچے، اور عمرو دو سو روپے دے کر قبالہ کرلے، اور زید وعمرو میں خرید وفروخت ہوگیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دو سو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جب تک ادا نہ کرے گا تب تک خریدی ہوئی زمین کی بابت زید کے نام کو خارج کر کے عمرو کے نام کو اپنے دفتر میں ثابت نہ کرے گا، عمرو کو اس زمین پر تصرف کرنے نہ دے گا، پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل** (دلائل کے ساتھ بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

جو زمیندار آباواجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں یا جس نے ایسے مالکوں

عہ: فی الاصل کذٰلک لعلہ "زمیندار"۔

سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقد صحیح شرعی سے ملک حاصل کی وہ زمیندار اس زمین کا شرعاً مالک ہے اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی اس بیع سے اگر وہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک مستقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذرانہ دینے کے بعد بھی کاشت کار ہی سمجھا جاتا ہے تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشت کار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے ناجائز ہے۔ اس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے، اور یہ نذرانہ کہ زمیندار کو دیا جائے گا کہ سال اول اجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز ہوتا، مگر ظاہراً وہ اضافہ نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ پہلے کاشتکار کی جگہ دوسرے کو قائم کرنے کی رشوت تو یہ زمیندار کو بھی جائز نہیں، ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہوچکا، اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کرلیا تو یہ دوسرا شرعاً مستاجر ہوگیا خراج کہ زمیندار اس سے لے گا زمیندار کو حلال ہے۔ ظاہراً صورت یہی واقع ہوتی ہوگی، نہ یہ کہ کاشتکار کی بیع بیع شرعی سمجھی جائے اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے، اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو اور زمیندار کا اس نذرانہ پر قبول کرنا زر ثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے۔ تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے۔ اور وہ نذرانہ کہ زمیندار نے لے لیا اس کے لئے جائز ہے۔ مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشت کار دوم سے لے گا یہ حرام وباطل ہے کہ اس تقدیر پر کاشت کار دوم زمین کا مالک مستقل ہوگیا، غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: از شہر بریلی محلّہ فراشی ٹولہ مرسلہ مقصود علی خاں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کو خواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو یا مسلمان کاشتکار ہو، چار اشخاص اہل ہنود یا مسلمان کے بیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرادے اور کاشت کار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اس سے کہہ دے کہ اگر تجھ کو یہ تخمینہ منظور ہو تو اس کو کاٹ لے۔ اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دے دینا، اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کو منسوخ کردے، ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کرلے تو یہ تخمینہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہو تو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو، اور اگر اس تخمینہ سے کم ہو تو زمیندار پر کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کرچکا ہو۔ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کنکوت باطل ہے، شرعا اس کا کچھ اعتبار نہیں، نوے من تخمینہ ہوا اور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا، اور آدھے پر بٹائی ہے۔ تو اگر سو من پیدا ہوا زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے۔ اسے

جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن من خود لے اور پینتالیس من زمیندار کو دے، اور اگر اسی من پیدا ہو تو زمیندار کا حق صرف چالیس من ہے پانچ من زیادہ لینا اسے حرام ہے۔ ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا اس کی باطل منظوری کہ برخلاف مقتضائے عقد وبے اذن شرع ہے۔ کچھ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری زیتا علی ان یزنه بظرفه، فیطرح عنه مکان کل ظرف خمسین رطلا، فهو فاسد وان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز۔ لان الشرط الاول لا یقتضیه العقد، والثانی یقتضیه[1]۔	اگر کسی نے اس شرط پر زیتون خریدا کہ میں اپنے پیمانہ سے ناپ کروں گا اور اس ہر پیمانہ پر پچاس رطل کاٹوں گا، تو یہ عقد باطل ہے۔ اور اگر اس شرط پر خریدا کہ پیمانہ کے وزن برابر شمار ہوگا تو عقد جائز ہوگا کیونکہ پہلی شرط عقد سے لا تعلق ہے جبکہ دوسری شرط عقد کے موافق ہے۔ (ت)

ہاں ہندو کاشتکار سے اس کی مرضی و منظوری کی بناء پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں،

لجواز ان یاخذ منهم بغیر غدر ولو بعقد ان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناه فی بیوع فتاونا، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہندوؤں سے غدر کے بغیر جو ملے لینا جائز ہے اگرچہ وہ ایسے عقد کے ذریعہ ملے جو مسلمانوں میں ہو تو فاسد قرار پائے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بیوع میں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۷: از بنارس گرانٹ بازار مسجد نواب ٹونک مرسلہ محمد شفیع صاحب ۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

ایک زمیندار نے کاشت کار کو بخوشی ورضامندی اپنی بیس بیگھ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے۔ اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ، مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے، اگر قسط پر ادا نہ کروگے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا۔ اب کاشتکار ان اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے، اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے۔ اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھ پانچ روپے لیتا ہے اور جب بارہ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانونا موروثی لکھی گئی، یعنی اب ان اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں، اگر بخوشی ورضامندی اپنی کاشت کار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کاشتکار

---

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۱

نے ادا نہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرادے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرادے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کار ان اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں۔ ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے۔ ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے۔ اور دوسروں کو ذیلی بھی بناسکتا ہے۔ مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا مال خبیث ہوگا، مگر تین صورتوں میں، ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کنویں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملا کر مجموع کو ذیلی کاشت میں دے، مثلاً ڈھائی روپے بیگھ پر اس سے لی ہے۔ یہ ایک بیگھ زمین اس میں اور شامل کرکے مجموع ۲۱ بیگھ بلا تفصیل ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے، یہ صورتیں جائز ہیں، اور اگر زمیندار کی رضامندی نہ ہو اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے اور یہ موروثیت کے دباؤ سے جبراً نہ چھوڑے تو شریعت کے نزدیک گنہ گار ہوگا، اور اس میں جوتنا اس کو ناجائز، جو ناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا، اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دے دے یا فقیروں پر تصدق کرے اور اول اولٰی ہے۔ جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکم شریعت پر عمل کرنا چاہے، تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام، واللہ تعالٰی اعلم۔

اللھم ارزقنا حسنا واسعا بحق مولانا محمد النبی الامی نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔	اے اللہ! ہمیں وسیع نیکی عطا فرما حضور نبی المرسلین ہمارے آقا محمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ اجمعین کے وسیلہ سے۔ (ت)

مسئلہ ۵۸ تا ۶۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی خان ۱۴ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کہ مالک کافر ہو یا مسلمان، رعایا اس کو بعض زمین کی مال گزاری دے اور بعض کی نہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے۔ آیا وہ رعایا عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

(۲) جس زمین کی رعایا مال گزاری دیتی ہے اس میں درخت لگایا، اب اس درخت کے فروخت کرتے وقت مالک اس کی قیمت کا چوتھائی حصہ مانگتا ہے۔ نہ دینے پر اللہ ورسول کے نزدیک ماخوذ تو نہیں؟

(۳) کسی کھیت کے قریب مالک کی زمین غیر آباد ہے۔ رعایا نے اپنی زمین کے ساتھ اس غیر آباد زمین کو آباد کرلیا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کی زمین مثلاً ۴ کٹھا ہے سروے ناپ نے غیر کی زمین لے کر ۵ کٹھا لکھ دیا ہے اب اس زمین کو وہ شخص اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر تصرف میں لائے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جو مالگزاری مقرر ہوئی اسی کا نہ ادا کرنا ظلم وحرام ہے اگرچہ زمین والا کافر ہو۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ"[1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

(۲) مالک زمین کا اس درخت میں کچھ حق نہیں، اس کا مانگنا ظلم ہے۔

(۳) جائز ہے جبکہ مالک کو لگان دے یا وہ معاف کردے۔

(۴) اگر وہ کٹھا اس دوسرے کی ملک ہے تو بے اس کی اجازت کے غصب وحرام ہے۔ اور اگر وہ بھی کاشتکار ہے اور اس کے پٹے کی میعاد ابھی باقی ہے تو بے اس کی اجازت کے ناجائز ہے لانہ ان لم یملك رقبتها فقد ملك منفعتها (اگرچہ اس کے رقبے کا مالک نہیں تو وہ اس کے نفع کا مالک ہے۔ ت) اور اگر یہ بھی نہیں تو سابقاً یا لاحقاً اجازت زمیندار درکار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۲ تا ۶۵: مسئولہ مولوی محمد رضا خاں سلمہ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید سے اس کی رعایا نے جس میں مسلم ومشرک دونوں ہیں بیس روپے ایک سال کے واسطے قرض مانگے اور لگان کھاتے کا جو قرض چاہ رہا ہے بیس روپے ہے۔ اس نے کہا کہ بیس روپے تم کو بلاسودی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

بغیر کسی نفع کے دئے جاسکتے ہیں، مگر تم کو اپنے کھاتے پر معہ ۸/ سال بھر کے اضافہ کرنے ہوں گے، یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جن اسامیوں سے کہ بقایا پچھلی وصول کرنا خواہ وہ تمسک ہے یا معاہدہ زبانی ان سے ۳ / روپیہ یا چھ آنہ روپیہ اس صورت میں لینا اول اپنا اصلی مطالبہ لے لیا گیا تھا، پھر زید نے مشرک کاشتکار سے کہا کہ مطالبہ تیرا ادا ہوگیا اب تو بیع سلم کے اس قدر روپے اور ادا کرو یہ رقم لینا جائز ہوگی یا نہیں؟

(۳) اگر کاشت کار نے اپنا حساب سمجھا تو وہ رقم جو زائد ہے اس کو حساب میں بتایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) جو تمسکات کہ ۱۳۲۱ف میں لکھے جاچکے ان کا وصول بھی اس طرح ہوسکتا ہے یا نہیں کہ تمھارا اصل مطالبہ ادا ہوگیا، اب اتنا بیع سلم کا دے دو، اگر دس روپے کسی مسلمان سے زائد لئے گئے اور اس کا مطالہ صحیح اول لے لیا اور ان دس روپوں کے عوض مسلم یا مشرک کو سیر بھر گیہوں یہ کہہ کر دے دئے کہ ہم یہ گیہوں اتنے کو فروخت کرتے ہیں اور اس نے بخوشی لے لئے تو یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو کیا صورت ہے کہ مال مشترک سے منتفع ہوں؟

الجواب:

(۱) یہاں کے مشرکین کے ساتھ یہ صورت جائز ہے مسلمان کے ساتھ حرام ہے کہ یہ قرض سے نفع لینا ہے، اور حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]۔	قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

خلاصہ میں ہے:

القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتبه به الی بلد کذا لیوفی دینه[2] اھ کذا عــه فی الدرالمختار[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	قرض کے ساتھ شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو قرار پائے گی، مثلاً یوں کہ اس شرط پر قرض دوں گا کہ مجھے لکھ دے کہ قرضہ فلاں شہر سے وصول کرلوں اھ درمختار میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عــه: فی الاصل درمختار میں ہے والمراد ان عبارة الخلاصة فی الدرالمختار عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الخامس ۳/ ۵۴۔۵۳

[3] درمختار بحوالہ خلاصۃ الفتاوی کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

(۲) یہاں کے مشرکین کے ساتھ اگر ابتداءً معاہدہ کاشت اس صورت پر کیا جائے کہ یہ زمین مثلاً اتنے سال کے لئے روپے بیگھ پر تمھیں دی، اگر کسی فصل یا سال تمام پر (جو باہم ٹھہر جائے) بقایا رہے گی تو سوائی یا ڈیوڑھی یا دونی (جو قرار پائے) اس زمین کی اجرت متصور ہوگی۔ تو حسب قرار ادا لے سکتا ہے۔ اور اگر پہلے معاہدہ صرف روپے بیگھ پر ہوا، اور باقی ٹوٹنے کے بعد باقی میں اس سے زیادہ کیا چاہے تو یہ حرام ہے کہ خلاف معاہدہ ہے۔

قال اللہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۬ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

اور اگر باقی میں زیادہ نہ لے بلکہ اس سے صاف کہہ دے کہ باقی پوری ادا ہو گئی اس کا تم پر کچھ نہ رہا، مگر وقت پر ادا کرنے کا اتنا حرجہ دے، تو یہاں کے مشرکین سے جائز، چاہے اس کا فرضی نام بیع سلم رکھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) پہلی صورت میں کہ وہ داخل معاہدہ تھی حساب میں بتائی جاسکتی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا، یعنی یوں کہے گا کہ بقایا لگان تو تجھ پر اس قدر ہے۔ اور بوجہ تاخیر اتنا بیع سلم کا دینا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) ہاں ہو سکتا ہے جبکہ مزارع یہاں کا مشرک ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسلمان سے مطلقًا ناجائز، اور فرض ہے کہ اسی کے وہ روپے اسے واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے ورثہ کو دے، ان کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف تصدق کرے بخوشی کا لفظ بے معنی ہے بغیر دباؤ کے ناممکن ہے کہ کوئی دس روپے کے بدلے سیر بھر گیہوں پر راضی ہو، اور اگر یہاں کا مشرک ہے اور اس سے قید معاہدہ پر زیادہ لیا گیا تو وہ بھی حسب بیان جواب دوم ناجائز ہے گیہوں کا یہ معاملہ اس سے کرنا فضول ہے کہ یہ دس روپے، بروجہ خبیث آئے، اس مشرک کی ایسی رضا سے وہ خبیث نہ جائے گا کہ وہ دباؤ کی رضا ہے نہ کہ حقیقۃ، اور حقیقۃ بھی ہو تو اس پر مواخذہ حق اللہ کا ہے کہ خلاف حکم کیا، بلکہ سیر بھر گیہوں کسی مسلمان محتاج کے ہاتھ جتنے کو وہ بخوشی راضی ہو بیع کرے پھر وہ روپیہ بہ نیت تصدق مال خبیث اس محتاج کو دے، پھر اس سے گیہوں کے زر ثمن میں لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

مسئلہ ۶۶: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ دہلی دروازہ مرسلہ محمد ظہیر الدین ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی اراضی بنابر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیا جائے گا، وقت مقررہ پر لگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل وسال درسال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے۔ آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سود ہے؟

الجواب:

یہ محض حرام وسود ہے بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد وحرام ہوگیا، **فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانها احد السبعین** (کیونکہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہوجاتی ہے کہ وہ ستر میں سے ایک ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۷: از سنگرام پور ڈاکخانہ خاص ضلع بدایون مسئولہ شیخ ضیاالدین جناب مولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب!

بعد سلام علیک کے گزارش ہے کہ میرے قریب ایک موضع دھنوپورہ ہے۔ وہاں پر ٹھاکر دلاور سنگ زمیندار موضع مذکور کے ہیں، اس پر ایک ہزار روپیہ ۱۴/ آنے کے سود سے دیگر اشخاص کا قرض ہے۔ اب دلاور سنگھ ایک ہزار ہم سے بلاسود مانگتے ہیں، اور (صہ عہ) پختہ اراضی سیر واسطے پانچ سال بالعوض ایک ہزار روپے کے دیتے ہیں، بعد پانچ سال کے ان کی اراضی چھوٹ جائے گی، اور ہمارا روپیہ بے باق ہوجائیگا، شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ سے جائز ہوسکتی ہے؟ فقط زیادہ سلام

الجواب:

یہ صورت بلاشبہ جائز ہے۔ زمیندار اپنی مملوکہ خالی زمین کو دوسرے کے رہن یا اجارے میں نہیں، ایک مدت معینہ پانچ برس کے لئے ایک اُجرت معینہ پر ہزار روپیہ پر اجارہ دیتا ہے اور باہمی رضا سے زر اجرت پیشگی دینا قرار پاتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۸: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک اراضی کا لگان بندوبست میں عہ ۱۴/ مقرر ہوا، اب اس اراضی کی حیثیت عا۸/ کی ہے کسی شخص نے مبلغ مہ پیشگی پانچ سال کا لگان اس وقت کی حیثیت سے ادا کرکے لی، اس طرح پر اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ یا کسی شخص نے بجائے عا۸/ روپیہ کی شرح کے عا سے بھی

وہ جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہوگی تو کن کن وجوہات سے جائز ہوگا۔

الجواب:

بندوبست میں جو مقرر ہوا اس کی پابندی عاقدین پر لازم نہیں باہم زمیندار کاشتکار میں جس قدر پر رضامندی ہو جائے کم پر خواہ زائد پر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۹: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ شرف الدین و مسیح الدین زمیندار ۳۰ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کاشتکار کو اپنی موروثی اراضی مصدقہ بندوبست بشرح عہ ۱۴/ بیگھہ خام کسی دوسرے شخص یعنی اپنے ذیلی کاشتکار کو مبلغ مہ لے کر پانچ سال کو پٹہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ مبلغ پچاس روپے اسی میعاد پنجسالہ میں ذیلی کاشتکار کے وصول ہو جائیں گے اور عہ ۱۴/ لگان زمیندار کو یہی ذیلی کاشتکار ادا کرے گا۔ مکرر یہ کہ شرح لگان مصدقہ بندوبست عہ ۱۴/ لحاظ نہ کیا جائے خواہ بجائے عہ ۱۴/ کے ۶/ باہم کاشتکار اصلی و ذیلی طے ہو یا مبلغ عا ۸/ یا اور کم و بیش؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کاشتکار کو جائز نہیں کہ جو زمین اس کے پاس جتنے لگان کو ہے اس سے ایک پیسہ زائد پر ذیلی کو دے، جتنا زیادہ مقرر کرے گا اسے لینا ناجائز ہوگا، مگر تین صورتوں میں جائز ہے:

(۱) اس کے ساتھ اپنے پاس سے اور کوئی چیز ملا کر دونوں کو مجموعۃً زیادہ پر دے۔

(۲) اس زمین کو کنواں کھود کر یا اور کام نفع کا بڑھا کر کرایہ پر دے۔

(۳) کرایہ کی جنس بدل دے، مثلاً اس کے پاس دس روپے سال پر ہے یہ ذیلی کو ایک اشرفی کرائے پر دے یا جتنی اشرفیاں ٹھہریں یونہی نوٹ یا پیسہ یا اکنیاں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۰: از ضلع سکھر سندھ ڈاکخانہ ڈھرکی مقام بھرچونڈی شریف درگاہ عالیہ سلسلہ قادریہ مسئولہ خدا بخش صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ چہار شنبہ

بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعت حضرت مولٰنا صاحب سلمہ ربہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا وہ زمین اس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہو جاتی ہے کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضامندی شخص مذکور کے دوسرے کو دے دیتے ہیں۔ آیا زمین مذکورہ بالا بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا نہیں؟ اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر کسی نے خریدی ہو تو واپس دے یا نہیں؟ اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے اس سے واپس لے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ

اس کو نہیں دیتی بغیر درخواست کے، اور درخواست بسبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا، **لانه هو المضیع لماله** (کیونکہ اس نے اپنا مال ضائع کیا۔ ت) اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگرچہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے۔ اس کا الزام اس پر نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب الذبائح

(ذبح کا بیان)

مسئلہ ۱۷: شہر بریلی محلہ ابراہیم پورہ مسئولہ از عزیز الدین ۳ شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ بعد غروب آفتاب و قبل طلوع آفتاب مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کس طرح ہوگا، اور اگر ایسے ہی وقت مذکور میں بلی کسی پرند یا مرغ کو ہلاک کرے، اور ذبح کچھ تھوڑا خون ذبیحہ فورا یا کچھ دیر بعد دے، تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ آیا ذبیحہ جائز ہوگیا یا نہیں؟ اور وہ ذبیحہ اگر جائز ہوگیا تو وہ بھی مکروہ ہے یا نہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کیسا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رات کو ذبح کرنا اندیشہ غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی خلاف اولٰی ہے۔ اور ضرورت واقع ہو مثلا صبح کے انتظار میں جانور مرجائے گا تو کچھ کراہت نہیں **لانہ الاٰن مامور بہ حذرا عن اضاعۃ المال** اھ (کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے۔ اھ ت) پھر کراہت اس فعل میں ہے ذبح اگر صحیح ہوجائے ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں **لتبین ان الغلط لم یقع** (واضح ہوجانے پر کہ غلطی نہ ہوئی۔ ت) درمختار میں ہے:

کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال	غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا

الغلط[1] ۔	مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

حرمت حلت کا مدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقت ذبح جانور زندہ تھا، اگر یہ معلوم ہو اور خون اصلاً نہ دے حلال ہے، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کا سا دے تو بعض دفعہ کہیں رکا ہوا خون کچھ دیر بعد مردے کے بھی نکلتا ہے جانور حلال نہ ہوگا، حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے یا منہ آنکھ بند کرے یا پاؤں سمیٹے یا اس کے بدن کے بال کھڑے ہو جائیں،

درمختار میں ہے:

ذبح شاة مريضة فحركت وخرجت الدم حلت والا لا ان لم تدر حياته عند الذبح وان علم حياته حلت مطلقًا۔ وان لم تتحرك ولم يخرج الدم، ذبح شاة لم تدر حياتها وقت الذبح، ان فتحت فاها لا توكل، و ان ضمته اكلت، وان فتحت عينها لا توكل، وان ضمتها اكلت، وان مدت رجلها لا توكل، وان قبضتها اكلت، و ان نام شعرها لا توكل، وان قام اكلت، وهذا كله اذا لم تعلم الحياة وان علمت وان قلت اكلت مطلقًا بكل حال زيلعي[2] ۔	مریضہ بکری کو ذبح کیا تو اس نے حرکت کی اور خون نکلا حلال ہوگئی، ورنہ نہیں، یہ جب ہے کہ ذبح کے وقت اس کا زندہ ہونا مشکوک ہو اور اگر زندہ ہونا یقینی ہو تو مطلقاً حلال ہوگی اگرچہ اس نے حرکت نہ کی اور نہ خون جاری ہوا ہو، اگر ذبح کے وقت زندہ ہونا مشکوک ہو تو ذبح کرنے پر اس نے منہ کھولا تو نہ کھایا جائے اور اگر اس وقت منہ بند کیا تو کھا لیا جائے گا یوں اگر اس نے آنکھیں کھول رکھیں تو نہ کھایا جائے اور اگر بند رکھیں تو کھایا جائے، اگر ٹانگیں دراز رکھیں نہ کھایا جائے اگر سمٹ لیں تو کھایا جائے اگر اس کے بال کھڑے نہ ہوئے تو نہ کھایا جائے اور کھڑے ہوں تو کھایا جائے یہ سب اس صورت میں ہے جب ذبح کے وقت زندہ ہو نا یقینی نہ ہو اور اگر زندہ ہونے کا یقین ہو تو وہ مطلقاً کھانا جائز ہے خواہ کسی حال میں ہو، زیلعی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله اوخرج الدم ای كما يخرج من الحی، قال فی البزازية وفی شرح الطحطاوی	اس کا قول کہ خون نکلے یعنی جس طرح زندہ سے نکلتا ہے بزازیہ میں کہا، اور شرح طحطاوی میں ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج فی الحی عندالامام وھو ظاھر الروایۃ[1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	خون نکلنا زندہ ہونے کی دلیل صرف اس صورت میں ہے کہ اس طرح نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب میں اور وہی ظاہر روایت ہے۔ (باختصار)۔ (ت)

مسئلہ ۷۲: از شہر کہنہ بریلی ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

ایک مولوی صاحب آئے ہیں، وہ کہتے ہیں **بسم اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ اللھم منك ولك** کہنا چاہئے **بسم اللہ اکبر** بغیر واؤ کے جو رائج ہورہا ہے مکروہ ہے۔ اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بغیر واؤ کے مستحب ہے۔ اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واؤ بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہر حال بلا واؤ کے خالی از کراہت وپسندیدہ ومستحب ہونے میں کلام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذبح کرتا ہے دوسرا پاؤں یا سر ذبیحہ کا پکڑے ہے دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کو کافی ہے؟ اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصداً یا یہ مددگار کوئی کافر ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اسی کی تکبیر کافی ہے۔ سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلاً حاجت نہیں نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر۔

فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائد کما لایخفی۔	ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر وپاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفس ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصداً تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہوجائے گا، یونہی اگر ان میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہوگیا،

فی الدر المختار تشترط التسمیۃ من	درمختار میں ہے کہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

الذابح[1] وفیه عن الخانیة ارادة التضحیة فوضع یدہ من ید القصاب فی الذبح و اعانه علی الذبح، سمی کل وجوبا فلو ترکھا احدھما۔ اوظن ان تسمیة احدھما تکفی حرمت[2] الخ، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب۔	پڑھنا لازم ہے اور اس میں خانیہ سے ہے قربانی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح میں رکھا اور ذبح میں مدد کی تو ہر ایک بسم اللہ پڑھے، تو اگر ایک نے نہ پڑھا یا خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا الخ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب (ت)

مسئلہ ۷۴: ۱۳ صفر ۱۳۳۲ھ:

چہ فرمایند علمائے دیں اندریں مسئلہ کہ بہنگام ذبح کردن حیوان وذابح سوئے کدامے باید استاد، وراس حیوان کدام جانب می کند، استقاتہ اشاعت ست کہ بوقت ذبح حیوان سروی بجنوب می کند وچہرہ ذابح بقبلہ مے کند خلاصہ آنکہ اگر بجانب شمال وجنوب ومشرق شدہ ذبح سازد، پس چہ حکم دارد، آیا کہ جائزے شود یا بدعت، اگر بدعت شود کدام بدعت، وکدام اولٰی ست؟ مع ادلہ تصریحا تحریر فرمایند۔ بیّنوا توجروا	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ حیوان کو ذبح کرتے ہوئے حیوان کا سر کس طرف ہونا چاہئے اور ذبح کرنے والا کس جانب کھڑا ہو، مشہور ہے کہ ذبح کے وقت جانور کا سر جنوب کی طرف اور ذبح کرنے والا رو بقبلہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ جنوب، شمال اور مشرق کی طرف ہو کر ذبح ہوا تو کیا حکم ہے، کیا جائز ہوا یا بدعت ہوئی، اگر بدعت ہے تو کون سی، اور کون سی جانب اولٰی ہے؟ دلائل کے ساتھ صراحۃً تحریر فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا (ت)

الجواب:

سنت متوارثہ آن ست کہ روئے خود وروئے ذبیحہ ہر دو سوئے قبلہ کند، وسر ذبیحہ در بلاد ما کہ قبلہ سوئے مغرب ست جانب جنوب بود تا ذبیحہ بر پہلو چپ خودش خوابیدہ باشد، وپشت او جانب مشرق، تا روئے سمت قبلہ بود، وذابح	سنت یہ چلی آرہی کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رو ہو، ہمارے علاقہ میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے سر ذبیحہ جنوب کی طرف ہونا چاہئے تاکہ جانور بائیں پہلوں لیٹا ہوا اور اس کی پیٹھ مشرق کی طرف ہو تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہوجائے، اور ذبح کرنے والا

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

پائے راست خود بر صفحہ راست گردنش نہادہ ذبح کند، اگر توجہ یا توجیہ بہ قبلہ ترک کند مکروہ است، و اگر بر پہلوئے راستش خواباند نزد بعض اجلہ ائمہ مالکیہ حرام گردد، خوردنش روا نبود پس احتراز ازاں مناسب و مؤکد تر شد **خروجا عن الخلاف**، احمد و دارمی و ابوداؤد و ابن ماجہ از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روای **قال ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین، فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض**[1]۔ الحدیث۔ و بخاری و مسلم اسامی عــہ و ابن ماجہ از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ آوردند **قال ضحی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکبشین املحین، فرأیتہ واضعاقدمہ علی صفائحھما یسمی و یکبر فذبحھما بیدہ**[2]۔ امام عینی در عمدۃ القاری فرمود، **فالتکبیر مع التسمیۃ مستحب وکذا وضع الرجل علی صفحۃ عنق الاضحیۃ**	اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن کے دائیں حصہ پر رکھے اور ذبح کرے اور خود اپنا یا جانور کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ترک کیا تو مکروہ ہے، اگر جانور دائیں پہلو لٹایا تو بعض اجلہ ائمہ مالکی کے نزدیک حرام ہوجائیگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اس سے پرہیز میں تاکید ہے تاکہ خلاف سے بچایا جائے، احمد دارمی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے روز دو خصی، چتکبرے، سینگوں والے دُنبے ذبح فرمائے، آپ نے جب ان کو قبلہ رولٹایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی، **انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض** الحدیث۔ بخاری و مسلم، دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ چتکبرے، موٹے دنبے ذبح فرمائے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا پاؤں مبارک جانور کی گردن کے ساتھ والے حصہ پر رکھا اور بسم اللہ پڑھی اور تکبیر کہی تو دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، امام عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا بسم اللہ کے ساتھ تکبیر مستحب ہے اور یوں قربانی کے

عــہ: ھکذا فی الاصل لعلہ "الدارمی"۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۴۔ ۳۵، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

الایمین واما التسمیۃ فھی شرط[1]۔ وبمدرانست قال ابن القاسم الصواب ان یضجعھا علی شقھا الا یسر، وعلی ذٰلك مضی عمل المسلمین، فان جھل فاضجعھا علی الشق الاخر لم یجز اکلھا[2]۔ درتنویر الابصار کرہ ترك التوجہ الی القبلۃ[3]۔ دردرمختار ست لمخالفتہ السنۃ[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جانور کی گردن کے دائیں پہلو پر پاؤں رکھنا مستحب ہے لیکن بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اور اسی میں ہے ابن قاسم نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو لٹایا جائے مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے اگر جہالت کی اور جانور کو دوسرے پہلو لٹایا تو کھانا جائز نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے کہ قبلہ کی جہت کا ترک مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ یہ سنت کے مخالف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۵: از شہر لاہور مرسلہ انوار الحق تحصیل چونیاں روز جمعہ ۲ اذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح معین ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور معین ذابح کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو، ذبح میں دقت دیکھے تو دوسرا اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں، اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی قصداً تکبیر نہ کہے گا، ذبیحہ مردار ہو جائے اگرچہ دوسرا تکبیر کہے، دیوبندی قول محض غلط وجہالت ہے۔ تکبیر ذابح پر لازم فرمائی گئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پکڑنا ذبح نہیں، ہاتھ پاؤں پکڑنے والا مثل رسی کے وہی کام دے رہا ہے جو ایک رسی دیتی ہے۔ اس پر تکبیر لازم ہونا درکنار، اگر مجوسی یا بت پرست ہاتھ پاؤں پکڑے گا ذبیحہ میں خلل نہ آئے گا، تنویر الابصار میں تھا: تشترط التسمیۃ[5] (بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ ت) درمختار میں اس طرح کی شرح فرمادی: من الذابح[6] (ذبح کرنے والے سے۔ ت) ردالمحتار میں فرمایا:

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۴، ۵۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[6] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شمل ما اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدہما وترك الثانی عمدا حرم اکلہ[1]۔	جب ذبح میں دو شخص شریک ہوں تو بسم اللہ پڑھنا دونوں پر شرط ہے۔ اگر ایک نے پڑھا اور ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے کھانا حرام ہوگا۔ (ت)

درمختار میں خانیہ سے ہے:

فوضع یدہ مع یدا لقصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا فلو ترکہا احدہما وظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت[2]۔	ذبح کرنے میں معاون نے قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی ذبح میں چھری پر رکھا تو دونوں بسم اللہ بطور وجوب پڑھیں، ایک نے نہ پڑھا دوسرے نے ترک کیا یا ایک کے پڑھنے کو کافی جانا، جانور حرام ہوگا۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترك احدہما التسمیۃ لایحل، ذکرہ فی فتاوی قاضی خاں[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح میں معاون نے اپنا ہاتھ قصاب کے ساتھ چھری پر رکھا تو دونوں کا بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اگر ایک نے بسم اللہ کو ترک کیا تو حلال نہ ہوگا۔ اس کو فتاوٰی قاضیخاں میں ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۶: مرسلہ بھولا گھمیار دکاندار سیسراؤں، ڈاکخانہ پٹی، تحصیل قصور ضلع لاہور ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین حنفیہّ اس مسئلہ میں کہ ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ دار بھی نہ رہے وہ عندالشرع حلال ہے یا حرام؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں، چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے۔ اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو، اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو، رد المحتار میں ہے:

ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل	اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۵

[3] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

قطع ثلثة من العروق فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنى والا فالحق خلافه. اذلم يوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب، ويظهر ذٰلك بالمشاہدة اوسوال اہل الخبرة. فاغتنم ہذا المقال ودع عنك الجدال[1]۔ وہو تعالٰی اعلم۔	کٹ گئیں جو ہدایہ کے شارحین نے رستغفنی کی اتباع میں کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی یہ معیار مشاہدہ سے ظاہر ہوگا یا ماہرین سے پوچھنے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: از چوئی زیریں مسجد کلاں ضلع ڈیرہ غازی خاں مرسلہ جناب عبداللہ صاحب ۱۲رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولٰنا وبالفضل اولٰنا، جناب شمس العلماء ومفتی العصر سلامت، حضور انور، مذبوحہ فوق العقدہ کا مسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے، آں صاحب مہربانی فرماکر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرماکر دستخط فرمادیں، تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب: اس مسئلہ پر تحقیق وقول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا، جانور حلال۔ اور اگر صرف دو ہی کٹیں حلقوم ومری نیچے رہ گئے، ذبح نہ ہوا، اور جانور مردار، یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے۔ ردالمحتار میں ہے:

والتحرير للمقام ان يقال ان كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلثة من العروق. فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنى والا فالحق خلافه. اذ لم يوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب، ويظهر ذٰلك بالمشاہدة او سوال اہل الخبرة فاغتنم ہذا المقال، ودع عنك الجدال[2] اھ	مقام کی وضاحت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں تین رگیں کٹ گئی ہوں تو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں جو کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی، یہ معیار مشاہدہ سے یا ماہرین کے بتانے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو اھ، اس

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

وفیما کتبت علیه فان قلت سیأتی عن البدائع ان الاوداج متصلة من القلب بالدماغ، فیحصل فریها بالذبح فوق العقدة ایضا لامحالة، ولاشك ان ذٰلك بین اللبة واللحیین، فیجب الحل، قلت سنذکر هناك ان المراد ثمة بالاوداج الودجان اذهما المتصلان من الدماغ الی القلب لا الحلقوم والمری[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	پر میں نے حاشیہ میں نے لکھا اگر تجھے اعتراض ہو کہ بدائع سے عنقریب نقل ہوگا کہ اوداج رگیں دل ودماغ سے متصل ہوتی ہیں تو گھنڈی سے اوپر ذبح کرنے میں لازمًا یہ رگیں کٹ جائیں گی اور اس میں شک نہیں کہ یہ جبڑوں اور لبہ کے درمیان میں ہے۔ تو گھنڈی سے اوپر ذبح میں حلال ہوجانا لازمی ہے۔ میں جواب میں کہوں گا کہ وہاں اوداج سے دو دوجان رگیں مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں دل تا دماغ متصل ہوتی ہیں، باقی دو یعنی حلقوم اور مری مراد نہیں ہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۷۸: از شہر گورکھپور محلہ اسمٰعیل پور مرسلہ محمد عبدالواسع صاحب حنفی ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہو اور اس کے ساتھ دوسرا ایک اور جو شریک حال ہو کر ذبیحہ کے اعضاء پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبحہ کرنے کے علاوہ یہ ایک اس کا شریک حال تکبیر نہ کہے تو کیا ذبیحہ حرام ہوجائے گا؟ یعنی کیا ذبح کرنے والا اور اس کے شریک حال دونوں کے لئے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازم وضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:

ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسی کی طرح ہے۔ اس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں، اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا، وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے وہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو، یہ شخص نفس فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھے اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو، اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ ایک بھی قصدًا چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہوجائے گا **لانه اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم** (کیونکہ مباح کرنے والی اور حرام کرنیوالی دلیلیں جمع ہوں تو حرام کی دلیل کو غالب کیا جاتا ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

---

[1] جد الممتار علی ردالمحتار

وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح [1] اھ فدل علی عدم اشتراطھا من غیر الذابح۔	حالت ذبح میں ذبح کرنے والے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط قرار دیا گیا ہے اھ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ غیر ذابح کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدھما و ترك الثانی عمدا حرم اکله کما فی التاترخانیة [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب دو مل کر ذبح کریں تو ایک نے بسم اللہ پڑھی اور دوسرے نے قصداً ترک کی تو اس کا کھانا حرام ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۹ و ۸۰: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیں دریں مسائل: **(۱)** حکم ذبح فوق العقدہ نوشتہ شدہ بمن رسید، لیکن جناب اعلیحضرت فیصلہ ہانہ کردہ۔ ہمیں اختلاف دریں ملک بسیار ست، کسے می گوید کہ ہر چار رگ بریدہ شود، کسے می گوید کہ نہ، براہ کرم مولٰنا صاحب بکدام روایت قائل است، ہر چہ رائے مولوی صاحب واتفاق فتوی است، تحریر فرمایند تاکہ بر اں عمل درآمد کردہ باشد۔ **(۲)** بر یتیم قربانی واجب ست یانہ؟	علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں: **(۱)** فوق العقدہ (گھنڈی کے اوپر) ذبح کا حکم لکھا ہوا مجھے ملا، لیکن جناب اعلیحضرت نے فیصلہ نہ فرمایا، اس ملک میں اس مسئلہ میں کثیر اختلاف ہے کوئی کہتا ہے چاروں رگیں کٹی ہوئی ہونی چاہئیں، کوئی اس کے خلاف کہتا ہے، برائے مہربانی مولوی صاحب جس روایت کے قائل ہوں اور جو رائے ہو اور فتوی کا جس پر اتفاق ہو وہ لکھیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ **(۲)** یتیم پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اجماع ائمہ ماست کہ اگر سہ رگ بریدہ شود ذبیحہ حلال ست، و ایں معنی بمشاہدہ یا رجوع باہل خبرت تواں دریافت، ہمیں در فتوی سابقہ نوشتہ شدہ و ہمیں است فیصلہ علامہ شامی و ردالمحتار،	**(۱)** ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر تین رگیں کٹ گئی ہوں تو ذبیحہ حلال ہے، یہ معیار شاہدہ سے یا ماہر سے دریافت کریں، پہلے فتوی میں یہی لکھا گیا تھا اور یہی فیصلہ علامہ شامی کا ردالمحتار میں

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

وانچہ یکبار برائے امتحان مشہور فقیر شد آنست کہ بذبح فوق العقد نیز رگہا بریدہ مے شود۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے اور ایک بار اس فقیر نے بطور امتحان مشاہدہ کیا تو فوق العقدہ سے بھی تمام رگیں کٹی ہوئی تھیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۱: از سرال ڈاکخانہ بشندور تحصل و ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقدہ مذبوح بطرف صدر ہو جائے تو کیا حکم ہے،

قال عینی وذکر العقدۃ لافی کلام اللہ و لافی کلام رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	علامہ عینی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا عقدہ (گھنڈی) کاذکر اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام میں موجود نہیں ہے۔ (ت)

اس مسئلہ میں تردد ہے۔

الجواب: کم از کم تین رگیں کٹنا لازم ہے، اگر عقدہ طرف راس رہا اور تین سے کم رگیں کٹیں مردار ہوگیا اور عقدہ طرف صدر رہا اور ذبح بین اللبہ واللحیین ہوا اور تین رگیں کٹ گئیں حلال ہوگیا، ھوالتحقیق الذی لایحل العدول عنہ (یہی تحقیق ہے اس سے عدول نہ چاہئے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲: از مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریلوی ہمایوں پوسٹ پٹ میاں تعلقہ شکار پور ضلع سکھر مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی مدرس اول ۸ شوال ۱۳۳۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقدہ حلال ست یاحرام؟ **بینوا توجروا**	کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ کہ فوق العقدہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یاحرام؟ **بینوا توجروا** (ت)

الجواب:

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذکاۃ مابین اللبۃ و اللحیین[2]۔ ولاشك ان	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ذبح لبہ اور دو جبڑوں کے درمیان ہے اور شک نہیں کہ مافوق العقدہ

---

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الذبائح المکتب الامدادیة مکه المکرمه ۴/ ۱۳۷

[2] نصب الرایة لاحادیث الهدایه کتاب الذبائح المکتبة الاسلامیه ریاض ۴/ ۱۸۵

مافوق العقدة مما يليها بين المحلين وكلام التحفة و الكافی وغيرهما يدل على ان الحلق يستعمل فی العنق كما فی ابن عابدين فتحرير العلامة عندی ما افاده فی رد المحتار اذ قال والتحرير للمقام، ان يقال ان كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلثة من العروق، فالحق ماقاله شراح الهداية تبعا للرستغفنی و الا فالحق خلافه اذا لم يوجد شرط الحل باتفاق اهل المذهب، ويظهر ذٰلك بالمشاهدة او سؤال اهل الخبرة فاغتنم هذا المقال ودع عنك الجدال[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ان دونوں کے درمیان سے متصل ہے اور کافی اور تحفہ وغیرہما کا کلام دلالت کرتا ہے کہ حلق کا استعمال گردن پر ہوتا ہے جیسا کہ ابن عابدین کے کلام میں ہے تو علامہ ابن عابدین کا فیصلہ کن کلام میرے نزدیک معتبر ہے جس کا انھوں نے ردالمحتار میں افادہ کیا جب انھوں نے فرمایا: تحریر مقام یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فوق العقدہ ذبح میں اگر تین رگوں کا کٹنا پایا گیا تو حق وہ ہے جو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں کہا ورنہ حق اس کے خلاف میں ہے کیونکہ تین رگیں نہ کٹنے کی صورت میں اہل مذہب کی متفقہ شرط حلال ہونے کی نہ پائی گئی اور یہ معیار مشاہدہ یا ماہرین سے پوچھنے پر معلوم کیا جاسکتا ہے، اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور تنازع ختم کرو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۳: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب زید مجدہم بتاریخ ۴ صفر المظفر قدسی ۱۳۳۰ھ

بندوق سے ایک ہرن شکار ہوا، چونکہ اس وقت چاقو یا چھری موجود نہ تھے، تو ایک سوار کو گاؤں کی طرف چھری لینے کو دوڑایا اتنے میں ہرن قریب مرنے کے ہوگیا، تو ایک زمیندار سے جو اتفاقیہ وہاں موجود تھا درانتی جس سے چارہ کاٹا جاتا ہے، دندانہ دار ہوتی ہے لی گئی، اور ایک مرد عادل مسلمان نے ذبح کیا، اس شکار کو کھایا گیا، اس پر چند لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے آلہ سے ذبح کیا ہوا حرام ہے۔ تو یہ اعتراض ان کا بجاہے یا بیجاہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درانتی بھی آلات ذبح سے ہے، ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

لو نصب شبكة وكان بها اٰلة جارحة	اگر ایسا جال لگایا جس کے ساتھ کوئی آلہ جارحہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

كمنجل وسمى عليه وجرحه حل عندنا كما لو رماه بها انتهى مختصرا۔[1]	لگا ہوا ہو مثلاً منجل، اور بسم اللہ پڑھی ہو اور آلہ نے اسے زخمی کر دیا تو ہمارے نزدیک حلال ہو جائے گا، جیسا کہ آلہ جارحہ پھینکنے کی صورت میں حلال ہو جاتا ہے۔ انتہی مختصراً۔ (ت)

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

المنجل كمنبر حديدة ذات اسنان يقضب بها الزرع وقيل هو مايقضبه العود من الشجر۔[2]	منجل بروزن عنبر، وہ ایک دانتوں والا لوہے کا آلہ (درانتی) ہے، اس کے ساتھ فصل کو کاٹا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ درخت کی ٹہنی کاٹی جاتی ہے۔ (ت)

مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع وگناہ ہے کہ بے سبب ایذا ہے۔ جیسے کند چھری یا اس سے بھی زائد، ذبائح الہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

الكليلة يجوز الذبح بها ويكره۔[3]	کند چھری سے ذبح جائز ہے اور مکروہ ہے۔ (ت)

لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مرا جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں، اجازت بعید نہیں۔

فان الضرورات تبيح المحذورات[4]۔ وربما يفيده قول الدر المختار كل تعذيب بلا فائدة، مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد اى تسكن عن الاضطراب[5] اھ فهذا وان كان تعذيبا فلا فائدة بل للضرورة۔	ضروریات مباح کر دیتی ہیں ممنوعات کو، اور درمختار کا قول اس کے لئے مفید ہے کہ سرد ہونے سے قبل یعنی اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کا سر کاٹنا اور جانور کی کھال اتارنا مثلاً یہ بے فائدہ عذاب ہے اھ تو یہ اگرچہ بے فائدہ عذاب دینا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۲

[2] تاج العروس شرح القاموس باب اللام فصل النون داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۱۲۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[5] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پھر اگر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل وبے جا، اور اگر آلہ کند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہوگئی یا رہی تو صرف اتنی ہی رہی جو بعد ذبح ہوتی ہے کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے۔ اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا اختلاف علماء ہے بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا، کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ سبب موت قطع عروق سے پہلے ہی متحقق ہو لیا، اور بعض نے کہا حلال ہے جب آلہ میسر نہ تھا یہ بھی ایک زکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آگیا، اور رجحان موجودہ جانب حرمت ہی پایا جاتا ہے۔ اور اسی میں احتیاط،

نقل المصنف ان من التعذر مالو ادرك صیدہ حیا او اشرف ثورہ علی الھلاك وضاق الوقت عن الذبح اولم یجد اٰلۃ الذبح فجرحہ حل فی روایۃ[1]۔	مصنف نے نقل کیا متعذر صورتوں میں یہ کہ شکار کو زندہ حالت میں پایا یا وہ موت کے قریب تھا، اور ذبح کرنے والے کو وقت کی تنگی تھی یا ذبح کا آلہ نہ پایا تو ایسی صورت میں اگر زخمی کردیا تو حلال ہوگا یہ ایک روایت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاولی ان یقول فی قولہ لان نقلہ المصنف عن القنیۃ معزوا الی بعض المشائخ وقال البعض الاٰخر لایحل اکلہ الا اذا قطع العروق۔ افادہ ط[2]۔	روایت کی بجائے ایک قول کہنا مناسب ہے کیونکہ اس کو مصنف نے قنیہ سے بحوالہ بعض مشائخ نقل کیا ہے اور بعض دیگر نے کہا اس کا کھانا حلال نہیں جب تک اس کی رگیں نہ کاٹ دے، اس کا افادہ علامہ طحطاوی نے کیا۔ (ت)

اور ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

اشرف ثورہ علی الھلاك ولیس معہ الا مایجرح مذبحہ	جانور موت کے قریب ہے اور ذبح کرنیوالے کے پاس صرف ایسی چیز ہے جو ذبح والے مقام کو زخمی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

ولو طلب اٰلة الذبح لایدرك ذكاته فجرح لایحل، الا اذا قطع العروق قال القاضی عبدالجبار یحل ان جرحه كذا فی القنیة[1]۔	کرسکتا ہے، اور اگر وہ ذبح کا آلہ تلاش کرے تو جانور مردار ہوجائے ایسی صورت میں مقام ذبح کو زخمی کردینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اس کی رگوں کو کاٹ نہ دے، قاضی عبدالجبار نے کہا ہے اگر زخمی کردیا جس سے موت واقع ہوئی توحلال ہے یوں قنیہ میں ہے۔ (ت)

تنویرالابصار ودر مختار وردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

ان ادركه الرامی والمرسل حیاً ذكاه وجوباً، فلوتركها حرم، وكذا یحرم لو عجز عن التذكیة (بان لم یجد اٰلة او لایبقی من الوقت مایمكن تحصیل الالة والاستعداد للذبح) لان العجز عن التذكیة لایحل الحرام[2] اھ ملتقطا۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	کتا چھوڑنے والے یا تیر مارنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا واجب ہے اگر نہ کیا تو حرام ہوگا اور یونہی اس صورت میں ذبح کرنے سے عاجز رہا تو بھی حرام ہوگا، عجز کی صورت یہ کہ ذبح کاآلہ نہ پائے یا اتنا وقت نہ پایا کہ آلہ حاصل کرسکے یا ذبح کی استعداد نہ پائے، کیونکہ عجز حرام کو حلال نہیں کرتا اھ ملتقطا۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم (ت)

مسئلہ ۸۴ و ۸۵: از ڈیرہ اسمٰعیل خاں ملک وزیر ستان چھاؤنی ٹانک پوسٹ کرگٹی ورکس کمپنی مرسلہ مولوی اکبر حسین صاحب اسٹون ۲۶۰۴ ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: لوہے کی پتی کی چھری بنی ہو، نہ اس میں دستہ ہو نہ دستہ کی جگہ پر کوئی سوراخ ہو، اس سے ذبح کرنا درست ہے یانہیں؟ یہ جگہ فیلڈ ہے اور گرمی بہت سخت اور دھوپ میں کام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں روزہ رکھنا چاہئے یانہیں؟

الجواب:

اگراس میں کسی طرف دھار رکھی گئی ہو جیسے چھُری میں، تو دھار سے ذبح جائز ہے، اور دھار نہ ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳، ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۳

تو ذبح ناممکن اور جانور مردار ہو جائے گا، **نص علیه الامام النسفی فی الکافی** (اس پر امام نسفی نے کافی میں نص فرمائی ہے۔

اگر دھوپ میں کام کرنے کے ساتھ روزہ ہوسکے اور آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو تو روزہ فرض ہے اور اگر نہ ہوسکے روزہ رکھنے سے بیمار پڑ جائے، ضرر قوی پہنچے، تو مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے۔ اگر ترک پر قدرت نہ ہو اور کسی طرح نہ ممکن ہو قضا رکھے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

کوئی جانور دیوار سے دب گیا، گردن مٹی سے دب گئی، تو کس ترتیب سے ذبح کرے؟

الجواب:

اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اس کا دم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خون نکال دے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: مرسلہ مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے ظاہر کے نام کا بکرا مانا، اسے ایک فقیر مسلمان نے بھنگی کے گھر جاکر ذبح کیا اور اس کا کلیجہ نکال کر بھونا، اور اس فقیر کے ہمراہ چار مسلمان اور تھے، پانچوں نے کھایا، فقیر کافر ہوا یا مسلمان رہا؟ مرتکب حرام ہوا یا نہیں؟ اور بقیہ آکلین کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ مثل میت ہے یا اس سے کچھ اوترتا؟ اور جو اس ذبیحے کو حلال بتائے وہ برتقدیر حرمت کافر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذابح اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرے یعنی وقت ذبح جس طرح تکبیر کا حکم ہے یہ غیر خدا کا نام لے مثلاً بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہے تو ذبیحہ قطعاً حرام، **قال اللہ تعالٰی** "**وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ**"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ (ت) اسی طرح اگر مسلمان عـــه کلمہ گو نے اس ذبح

عـــه: خصصت الکلام بالمسلم لان المشرك | میں نے مسلمان کو خاص ذکر کیا کیونکہ مشرک اگرچہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۳

سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا اور اہل اسلام اراقۃ دم لوجہ اللہ سے جس طرح کا تقرب اللہ جل جلالہ کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لاتحل ذبیحته مطلقًا وان سمی الله تعالٰی وقصد به التقرب الیه وحده وعزوجل والکتابی تحل ذبیحته اذا سمی الله تعالٰی وحده وان قصد به التقرب الی غیره تعالٰی، قال النیشاپوری فی تفسیره قال مالك و الشافعی وابوحنیفة و اصحابه، اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اہلوا به لغیر الله فوجب ان یحرم، واذا ذبحوا علی اسم الله فظاہر اللفظ یقتضی الحل ولا عبرة بغیر اللفظ[1] اھ وقال فی الہندیة عن البدائع لو سمع منه یعنی من الکتابی ذکر اسم الله تعالٰی لکنه عنی بالله تعالٰی وعزوجل المسیح علیه السلام قالوا توکل الا اذا نص فقال بسم الله الذی ہو ثالث ثلثة فلا یحل الخ[2]۔ **اقول:**

اللہ وحدہ تعالٰی کے نام اور اسی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اور اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) اگر اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اگرچہ وہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کرے۔ علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ اگر عیسائی مسیح کے نام پر ذبح کریں تو اس نے یقینا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ذبیحہ حرام ہو۔ اور اگر وہ اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کریں تو ظاہر الفاظ کے اعتبار پر وہ ذبیحہ حلال ہوگا اور غیر لفظ کا اعتبار نہ ہوگا اھ، ہندیہ میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ اگر کتابی عیسائی سے ذبح کے وقت اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس نے اللہ تعالٰی سے مراد مسیح علیہ السلام کو لیا تو فقہاء نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا جب تک کہ صریح الفاظ میں یوں نہ کہے اللہ کے نام سے جو تین میں سے تیسرا ہے۔ اگر صریح طور پر ایسے کہے تب حرام ہوگا الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں)

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۵

چاہتے ہیں، اس نے اس ذبح سے اسی نوع کا تقرب غیر خدا کی طرف چاہا، تو بھی حرمت ذبیحہ میں کلام نہیں، اگرچہ اس پر زبان سے خالص تکبیر ہی کہی ہو کہ جب اس نے غیر خدا کو معبود قرار دیا یا اس ذبح سے اس کی عبادت کا قصد کیا مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر نازلہ مسئولہ سائل ان صورتوں سے بری ہے کہ یہ تو یقینا معلوم کہ کوئی کلمہ گو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کی جگہ باسم ظاہر ہرگز نہیں کہتا، نہ زنہار کسی مسلمان پر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ غیر خدا کی عبادت چاہے اور ظاہر و اہر بھنگیوں وغیرہم کفار کے باطل معبودان کو معاذاللہ معبود قرار دے، تو لاجرم اس نے اللہ ہی کے نام ذبح کیا اور عبادت غیر خدا کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا، بلکہ اصلا اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی جان دینے سے فقیر مسلم اس معبود باطل کی مجرد تعظیم (جو مثل تعظیم اہل دنیا بوجہ غناء انحائے تعظیم الٰہی سے نہیں ہوسکتی) منظور رکھی ہو، کہ مسئلہ ذبح عند قدوم الامیر کو اس سے تعلق ہوسکے، انصاف یہ ہے کہ اس طرح کے فقیروں کو صرف اپنے کھانے سے غرض ہوتی ہے، کافر بلا کر لے گیا انھوں نے تکبیر کہہ کر بطور مسلمانان ذبح کیا اور اپنے کھانے کے قابل کردیا، اس کے سوا انھیں دوسری نیت فاسدہ کا مرتکب جاننا مسلمان پر نری بدگمانی ہے جو بنص قطعی قرآن حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) والسر فیه ما اشرنا الیه ان الکتابی لایخرج بهذا عن کونه کتابیا فتحل اذا جرد التسمیة للہ تعالٰی کما ان المشرك لایخرج عن الاشراك بتجرید التسمیة فلا تحل وان سمی اللہ تعالٰی اما المسلم لیخرج بهذا القصد عن الاسلام فلا تحل هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام ۱۲ منه قدس سره العزیز۔	اس میں نکتہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ عیسائی و کتابی خالص اللہ تعالٰی کا نام لینے اور مراد مسیح علیہ السلام لینے پر کتابی ہونے سے باہر نہ ہوگا، لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال جس طرح مشرک خالص اللہ تعالٰی اور اسی کا تقرب مراد لینے سے شرک سے باہر نہ ہوگا لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا جبکہ مسلمان غیر اللہ کا تقرب وعبادت مراد لینے پر اسلام سے باہر ہوجاتا ہے لہٰذا وہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس مقام کو یوں سمجھنا مناسب ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[1] الحدیث، رواہ الائمۃ مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) گمان سے دور رہو کہ گمان سے بڑھ کر کوئی بات جھوٹی نہیں الحدیث (اس کو ائمہ مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور دل کے ارادے پر حکم کرنا خصوصا ایسا کہ صراحۃً خلاف ظاہر و موہوم مضمحل بلکہ محض غلط باطل ہے، بیشک جرم عظیم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ "[2]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم أقالھا ام لا[3] اخرجہ مسلم عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان، آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے (ت) (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا (اس کو مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

سیدی عارف باللہ احمد زروق روح اللہ تعالٰی روحہ فرماتے ہیں:

انما ینشؤا الظن الخبیث عن القلب الخبیث[4] ذکرہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔	خبیث گمان خبیث دل سے نکلتا ہے۔ (اس کو سیدی عبدالغنی النابلسی نے حدیقۃ الندیۃ میں ذکر کیا ہے۔ ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخطب علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۲ و ۸۹۶، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

[4] الحدیقۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

تفسیر کبیر میں فرمایا:

انما کلفنا بالظاہر لا بالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل ولا سبیل لنا الی الباطن[1] ۔	ہم ظاہر کے مکلّف میں باطن کے نہیں، تو جب اس نے اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کیا تو ضرور حلال ہوگا، ہمیں اس کے باطن کی طرف راہ نہیں ہے۔ (ت)

منیہ وذخیرہ وشرح وہبانیہ ودرمختار وغیرہ میں ہے:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الادمی بھٰذا النحر[2] ۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب چاہا ہے۔ (ت)

دیکھو ائمہ دین وعلماء معتمدین کیونکر صاف تصریحیں فرماتے ہیں کہ ہمیں باطن کی طرف کوئی راہ نہیں، ظاہر پر عمل کا حکم ہے۔ جب مسلمان نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا واجب ہوا کہ ذبیحہ حلال ہو، ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہا ہو، جبکہ فقہائے عدول کے یہ اقوال خدا اور رسول کے وہ ارشاد، تو اب سوئے ظن پر بنا نہ کرے گا مگر خبیث الباطن کج نہاد،

"وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ "[3] "وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ "[4] ۔	اللہ تعالٰی غافل نہیں اس سے جو تم کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی فساد کو پسند نہیں فرماتا ہے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ ذبیحہ قطعاً حلال ہے، اور اس فقیر اور اس کے ساتھ والوں نے لحم مذکی کھایا نہ مردار، فقہائے کرام نے خاص اس جزئیہ کی تصریح فرمائی کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے خدا کا نام پاک لے کر ذبح کی بکری حلال ہے۔ کھائی جائے، فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی تاتارخانیہ وجامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم، اوالکافر لالھتھم توکل، لانہ سمی اللہ تعالٰی[5] ۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی بکری ان کے بتوں کے لئے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی تو وہ کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعۃ البھیۃ مصر ۵/ ۲۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۵

[5] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ التتارخانیہ عن جامع الفتاوی کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

البتہ مسلمان کے لئے اس صورت میں کراہت لکھتے ہیں، ہندیہ میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے: **ویکرہ للمسلم**[1] (مسلمان کے لئے کراہت ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ مسلمان کو ایسا فعل کرنا نہ تھا کہ اس میں بظاہر گویا اس کافر کا کام پورا کرنا اور اس کے زعم میں اس کے قصد مذموم کا آلہ بننا ہے، اگرچہ حقیقت امر بالکل اس کے مباین ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) بالجملہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں صرف وقت ذبح قول ونیت ذابح کا اعتبار ہے۔ اگر ذابح مسلم نے اللہ ہی کے لئے ذبح کیا اور وقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا تو ذبیحہ قطعاً حلال۔ اگرچہ مالک نے کسی کے نام پر مشہور کر رکھا ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالٰی کے نام پر ذبیحہ کو نہیں کھاتے۔ (ت)

یوں ہی کتابی کا ذبیحہ، اگر وقت ذبح خالص نام خدا لے۔

قال تعالٰی "طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ"[3]۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اہل کتاب کا طعام تمھارے لئے حلال ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ کھال مذبوح حلال مثل گائے، بھینس، بکری، مرغ وغیرہ کے حلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے۔ شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں اگرچہ گائے، بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

فی الدرالمختار اذا ماذکیت شاۃ فکلھا * سوی سبع ففیھن الوبال، فحاء ثم خاء ثم غین * ودال ثم میمان وذال[4] **انتھی فالحاء الحیاء**	درمختار میں ہے جب بکری ذبح کی گئی تو سات اجزاء جن میں وبال ہے کے ماسوا کو کھاؤ، سات یہ ہیں: ح، پھر خ، پھر غ، اور د، پھر دو میم، اور ذ انتہی حا حیاء کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[3] القرآن الکریم ۵/۵

[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

وھو الفرج، والخاء الخصیة، والغین الغدة، والدال الدم المسفوح، والمیمان المرارة والمثانة، والذال الذکر۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	وہ شرگاہ، خاء خصیہ کی، غین غدود کی، دال دم مفسوخ کی، اور دو میم مرارہ (پتہ) اور مثانہ، اور ذال ذکر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن حیوان ماکول اللحم میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں: (۱) مرارہ یعنی پتہ (۲) مثانہ یعنی پھکنا (۳) حیاء یعنی فرج (۴) ذکر (۵) انثیین (۶) غدہ (۷) دم یعنی خون مسفوح۔

اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبداللہ بن عمرو ابن عدی۔ والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم وکان احب الشاۃ الیہ مقدمھا[1]۔	طبرانی نے معجم الاوسط میں عبداللہ بن عمرو اور ابن عدی سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذبیحہ جانور کے سات اجزاء کو مکروہ فرماتے تھے سات یہ ہیں: مرارہ (پتہ) مثانہ، حیاء (شرمگاہ) ذکر، خصیے، غدود اور خون، اور آپ کو بکری ذبیحہ کا مقدم حصہ پسند تھا۔ (ت)

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع لوگ ان سے گھن کرتے ہیں اور انھیں گندی سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"**وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ**"[2] یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیگا، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما الدم	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا لیکن خون

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۴۸۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۰/ ۲۱۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

فحرام بالنص و اکرہ الباقیة لانھا مما تستخبثه الانفس [1] ۔قال اللہ تعالٰی "وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ" [2] ۔	تو وہ حرام ہے قرآنی نص سے ثابت ہے اور باقی کو میں مکروہ تحریمہ سمجھتاہوں کیونکہ ان سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ" (ت)

اسی طرح ینابیع میں ہے کما سیأتی (جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ت) اور مختار و معتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ نے بلفظ حرمت تعبیر کی۔ عالمگیری میں ہے:

اما بیان مایحرم اکله من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح والذکر و الانثیان والقبل والغدة والمثانة و المرارة [3] ۔	لیکن یہ بیان کہ حیوان کے اجزاء میں سے جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں: بہنے والا خون، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتہ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تحریما من الشاۃ سبع. الخ [4] ۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں الخ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل تنزیھا والاول اوجه [5] ۔	بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھو ظاہر اطلاق المتون الکراھة [6] ۔	یہی ظاہر ہے کہ متون نے کراہت کو مطلق ذکر کیا۔ (ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

المکروہ تحریما من الشاۃ سبع [7] الخ۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔ (ت)

---

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفة بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیه بحواله البدائع کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

[5] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

[6] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۷

[7] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

یہ تو سات ے بہت کتب مذہب، متون وشروح وفتاوٰی میں مصرح اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیہ الفقہاء وعلامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ وعلامہ محمد سیدی احمد مصری محشیٔ در مختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز اس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خون جگر (۱۱) خون طحال (۱۲) خون گوشت یعنی دم مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔ بحر المحیط میں ہے:

الغدد والذکر والانثیان والمثانۃ و العصبان اللذان فی العنق والمرارۃ والقصیب مکروہ[1] اھ ملخصا۔	غدود، ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ، پیٹھ کا گودا مکروہ ہیں اھ ملخصا (ت)

جامع الرموز میں اس کے بعد ہے:

وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال[2]۔	یوں ہی وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے (ت)

ذبائح الطحطاوی میں ہے:

الذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ تحل مع الکراہۃ، وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحان دون الدم المسفوح، وھل الکراھۃ تحریمیۃ اوتنزیھیۃ قولان[3]۔	ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ کراہت کے ساتھ حلال ہیں، اسی طرح وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے جو بہنے والے خون سے بچا ہوا ہو، اور کیا یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی دو قول ہیں (ت)

اسی میں مسائل شتی میں ہے: وزید نخاع الصلب[4] (اور مزید پیٹھ کا گودا۔ ت)

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی تحقیق کی بلندی تک وصول ہے۔ ت) علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہوگیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا۔

---

[1] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی مکتبہ عربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۰

بلکہ صرف باتباع نظم حدیث ونص امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انھیں عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال وگوشت کے خون گنئے اور (۱۳) خون قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے۔ یہاں تک کہ عتابیہ وخزانۃ وقنیہ وغیرہا میں اس کی نجاست پر جزم کیا، اور اسی طرح امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ روضہ ناطفی ومراقی الفلاح ودر مختار وردالمحتار وغیرہا اسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبت حرمت ہے اور طہارت مفید حلت نہیں، حلیہ میں ہے:

فی القنیۃ دم قلب الشاۃ نجس والیہ مال کلام صاحب الہدایۃ فی التجنیس وفی خزانۃ الفتاوٰی دم القلب نجس ودم الکبد والطحال لا[1] ۔	قنیہ میں ہے بکری کے دل کا خون نجس ہے۔ تجنیس میں صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ دل کا خون نجس ہے تلی اور جگر کا خون نجس نہیں ہے۔ (ت)

رحمانیہ میں ہے:

فی العتابیۃ دم القلب نجس، ودم الکبد والطحال لا[2] ۔	عتابیہ میں ہے دل کا خون نجس ہے۔ جگر اور تلی کا خون نجس نہیں۔ (ت)

اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دم مسفوح، اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اعضاء سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے جسے صفر کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا، در مختار میں ہے: مرارۃ فی حیوان کبولہ[3] (حیوان کا پتہ پیشاب کی مانند ہے۔ ت) حلیہ میں ہے:

قیل مرارۃ الشارۃ کالدم وقیل کبولہا خفیفۃ عندہما، طاہرۃ عند محمد[4] ۔	بعض نے کہا ہے پتہ جانور کا خون کی طرح ہے۔ بعض نے کہا پیشاب کی طرح ہے۔ شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک پاک ہے۔ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] رحمانیہ

[3] درمختار کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بہر حال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے کماھوالمذہب فی البول (جیسا کہ پیشاب کے بارے میں ان کا مذہب ہے۔ت) باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہی اخلاط سے بلغم ہے کہ جب براہ بینی مندفع ہو، جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اسے عربی میں مخاط اور فارسی میں آب بینی کہتے ہیں، (۱۵) اس کا کھانا بھی یقینا ناجائز، **صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ** (یہی تصریح عقود الدریہ تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ میں ہے۔ت) یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء، (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے۔ وہ بھی قطعاً حرام۔ نہایہ و تبیین الحقائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

العلقۃ والمضغۃ نجسان کالمنی[1]۔	علقہ (منجمد خون) اور مضغہ (ابتداء تخلیق کا خون اور لوتھڑا) منی کی طرح ناپاک ہے۔ (ت)

یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہوگیا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباع حدیث ہے۔ جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید، **کمامر عن تنویر الابصار و مغنی المستفتی و مثلہ فی غیرھما** (جیسا کہ تنویر الابصار اور مغنی المستفتی سے گزرا، اور اس کی مثل ان کے غیر میں ہے۔ت) حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقینا سب جانوروں کا یہی حکم ہے، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ من الشاۃ ذکر الشاۃ اتفاقی لان الحکم لا یختلف فی غیرہا من الماکولات[2]۔	بکری کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ دوسرے جانوروں کے ماکولات میں فرق نہیں (ت)

تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں، **کمانص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعا لمن تقدمہ من الاعلام** (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی نے اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے۔ت) اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیاء ستہ کی علت کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔ اب فقیر متوکلا علی اللہ تعالٰی کوئی محل شک نہیں جانتا کہ دُبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش یعنی اوجھڑی، امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج و ذکر سے اور کرکش و امعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی

---

[1] ردالمحتار بحوالہ نہایہ وزیلعی کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مسائل شتی دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

طرح کم بھی نہیں، فرج وذکر اگر گزرگاہ بول ومنی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنبہ وروده مخزن فرث ہے اب چاہے اسے دلالۃالنص سمجھئے خواہ اجرائے علت منصوصہ، **الحمدللہ** بعد اس کے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی، کہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی، رحمانیہ میں ہے:

فی الینابیع کرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الشاۃ سبعۃ اشیاء الذکر والانثیین والقبل والدبر والغدۃ و المثانۃ والدم، قال ابوحنیفۃ الدم حرام بالنص، والستۃ نکرہھا لانہا تکرہھا الطبائع[1]۔	ینابیع میں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بکری کے سات اجزاء ذکر، خصیے، مادہ کی شرمگاہ، پاخانہ کی جگہ، غدود، مثانہ اور خون کو مکروہ فرمایا، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون نص کے ذریعہ حرام اور باقی چھ کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ طبائع ان سے نفرت کرتے ہیں۔ (ت)

(۲۰) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے۔ اور وہ بھی بلاشبہ حرام عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضاء کی کلیاں پھوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو،

فقد اسلفنا عن السغناقی والزیلعی والشامی انہا نجسۃ، ومعلوم ان کل نجس حرام، وقد قال فی الہدایۃ فی الجنین التام الخلقۃ انہ جزء من الام حقیقۃ لانہ متصل بہا حتی یفصل بالمقراض[2] الخ **قلت** ویدل علیہ صحۃ الاستثناء وھو حقیقۃ فی الاتصال واذا کان ذٰلك کذالك فالمضغۃ اولی بالجزئیۃ، وھذا یدل ان السبع لم تستوعب الاجزاء، فضلا من الاخلاط اخوات الدماء۔	ہم سغناقی، زیلعی اور شامی سے پہلے نقل کرچکے ہیں کہ وہ نجس ہے۔ اور ہر نجس کا حرام ہونا معلوم ہے اور ہدایہ میں فرماچکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں مکمل خلقت بچہ ماں کا جز ہے کیونکہ وہ حقیقی جز ہے حتی کہ اس کو کاٹ کر جدا کیا جاتا ہے، **میں کہتاہوں** اور اس پر استثناء کی صحت دلالت کرتی ہے اور استثناء کی حقیقت اتصال ہے تو جب معاملہ یوں ہے تو مضغہ بطریق اولٰی ماں کا جز ہے۔ اس سے اس بات پر دلالت ہے کہ سات کا عدد پورے اجزاء کو شامل نہیں چہ جائیکہ خون کی آمیزش سے پیدا ہونے والے امور کو شامل ہوں۔ (ت)

---

[1] رحمانیہ

[2] الہدایہ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

(۲۱) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزو حیوان ہے **یتصل بالام ویتغذی بغذائھا، ویتنفس بتنفسھا** (ماں سے متصل ماں کی غذا سے اور اس کی سانس سے سانس پاتا ہے۔ ت) حرام ہے خواہ اس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں، مگر جبکہ زندہ نکلے اور ذبح کرلیں، ہدایہ میں ہے:

من نحر ناقۃ اوذبح بقرۃ، فوجد فی بطنھا جنینا میتا لم یوکل، اشعر اولم یشعر[1]۔	جس نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ ہو تو نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں۔ (ت)

شامی میں علقہ ومضغہ کی نجاست لکھ کر فرماتے ہیں: **وکذا الولد اذا لم یستھل**[2] (یونہی بچہ جب نہ چیخے۔ ت)

(۲۲) یونہی نطفہ بھی حرام ہے خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر والتتارخانیۃ ان منی کل حیوان نجس[3]۔	بحر اور تتارخانیہ میں ہے کہ ہر حیوان کی منی نجس ہے۔ (ت)

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں، اور دس فقیر نے زیادہ کیں، ان بائیس مسائل اور باقی فروع وتفاریع سب کی تفصیل تام وتحقیق تمام فقیر کے رسالہ **المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ** میں دیکھی جائے، **الحمدللہ ما الھم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید صابر جیلانی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانور کی کون سی چیز جائز اور حلال ہے اور کون سی چیز ناجائز وحرام ہے؟

الجواب:

حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتّا

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

(۳) بُھکنا (۴) و (۵) علامات مادہ ونر (٦) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے لکھتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتے میں ہوتا ہے (۱۵) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱٦) پاخانہ کا مقام (۱۷) اوجھڑی (۱۸) آنتیں (۱۹) نطفہ (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا (۲۱) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہوگیا (۲۲) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا۔

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندہ جانور کا کوئی عضو مثلاً دنبہ کی چکی کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

جو عضو مچھلی اور ٹیڑی کے سوا کسی زندہ جانور سے جدا کرلیا جائے مردہ ہے اور کھانا اس کا حرام۔

رواہ الحافظ ابوعیسٰی محمد الترمذی عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ وھم یحبون اسنمۃ الابل، ویقطعون الیات الغنم فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم مایقطع من البیھمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ، قال الحافظ والعمل علی ہذا عند اھل العلم[1] فی الھدایۃ فی مسائل السمك اذا قطع بعضھا فمات یحل اکل ما ابین ومابقی لان موتہ بافۃ وما ابین من الحق، وان کان میتا فمیتتہ حلال[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔	ابو عیسٰی محمد ترمذی نے ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کی کہانوں اور دنبوں کی چکیوں کو کاٹ کھانا پسند کرتے تھے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور کا کاٹا ہوا حصہ مردار ہو حافظ ترمذی نے فرمایا: اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے ہدایہ کے مچھلی کے مسائل میں ہے کہ اگر مچھلی کا کچھ حصہ کاٹ کر جدا کرلیا اور مچھلی مرجائے تو اس کے دونوں ٹکڑے حلال ہیں کیونکہ اس کی موت سماوی ہوتی ہے تو زندہ سے ٹکڑا جدا کیا ہوا اگرچہ مردہ ہے لیکن اس کا مردہ حلال ہے۔ اللہ تعالٰی حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی ماقطع من الحی فھو میت امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۹

[2] الھدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنو دہلی ۴/ ۴۴۱

مسئلہ ۹۲: موضع بکہ جیبی والا، علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذبح کس شخص کا جائز اور کس کا ناجائز ہے؟

الجواب:

جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے۔ اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو،

فی الدرالمختار شرط کون الذابح مسلما حلالا اوکتابیا ولومجنونا اوامرأۃ اوصبیا یعقل التسمیة والذبح ویقدر اواقلف اواخرس لاوثنی ومجوسی ومرتد وجنی وتارك تسمیة عمدا[1] اھ ملخصا فی رد المحتار، قوله مجنونا، المراد به المعتوہ کما فی العنایة عن النھایة لان المجنون لاقصد له ولانیة لان التسمیة شرط بالنص وھی بالقصد[2] الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے ذبح کرنے والے مسلمان کا حالت احرام میں نہ ہونا، یا کتابی ہوا گرچہ مجنون ہو یا عورت ہو یا بچہ عقلمند ہو جو بسم اللہ وذبح کو سمجھتا ہو اور قادر ہو، بے سنت ہو یا گونگا ہو، بت پرست، مجوسی، مرتد، جن اور قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والا نہ ہو اھ ملخصا، ردالمحتار میں ہے اس کا قول "مجنون ہو" سے مراد معتوہ (نیم پاگل) ہے کیونکہ مکمل مجنون کا قصد نہیں ہوتا اور نہ نیت ہوتی جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے ہے کیونکہ قصد کے بغیر بسم اللہ کی شرط پوری نہیں ہوتی جبکہ بسم اللہ پڑھنا نص سے ثابت ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۳: ازاوجین مرسلہ ملا یعقوب علی خاں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے نامدار مفتیان ذوی الاقتدار اس مسئلہ میں کہ اقوام بواہر اور عورات اور خروعنی[عـــه] اور کتابی اور مجوسی اور نصرانی اور مردم مشرک، یہ سب بہ تکبیر اللہ اکبر ذبح کریں درست ہے یا نہیں؟ اور اہل علم ذبح کرے اور ہندو جانور کو دبائے تو مددگار اور ذابح دونوں پر تکبیر کہنا واجب ہے یا فقط ذبح کنندہ

عـــه: ھکذا فی الاصل ۱۲۔

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

پر؟ اور سوائے ذابح کے اور نے تکبیر نہ کہی تو وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ بسند عبارت کتب بیان فرمائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ عورت یا عنین ہو اور ان کے سوا مشرک مجوسی، مرتد کسی کا ذبیحہ اصلا حلال نہیں اگرچہ تکبیر کہہ کر ذبح کریں، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ولو امرأۃ لا ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد[1] اھ ملخصًا۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا اگرچہ عورت ہو، شرط ہے، کافر غیر کتابی مثلا بت پرست، مجوسی اور مرتد نہ ہو، اھ ملخصًا۔ (ت)

قوم بوہرہ میں جو شخص صرف بدعت رفض وغیرہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ضروریات دین کا منکر نہ ہو تو اس کا بھی ذبیحہ حلال، کہ اگرچہ بدعتی مذہب ہے مگر اسلام رکھتا ہے، اور اگر ضروریات دین سے کسی امر کا انکار کرے گو دعوی اسلام رکھتا اور کلمہ طیبہ پڑھتا ہو، جیسے آج کل اکثر روافض زمانہ کا حال ہے تو کافر مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام مطلقًا **کما حققناہ فی السیر من فتاوٰنا بتوفیق اللہ سبحٰنہ تعالٰی** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ بتوفیق اللہ تعالٰی۔ ت) نصارٰی زمانہ کہ علی الاعلان الوہیت وابنیت بندہ خدا وزادہ کنیز خدا سیدنا مسیح عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہیں، ان کے بارہ میں مختلف بہت مشائخ کرام ان کے ذبیحہ کو حرام فرماتے ہیں یہاں تک کہ کہا گیا اسی پر فتوی ہے، مگر ظاہر الروایہ اطلاق حل ہے **والتحقیق فی سیر فتاوٰنا** (اور ہمارے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق ہے۔ ت) بہر حال اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان کو ان کے ذبیحہ سے احتراز چاہیے، بلکہ مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحہم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتہم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی[2]۔	ہمارے زمانے میں نصرانی عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے جبکہ عدم ضرورت بھی متحقق ہے اور واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہذا حرام ہونے کا پہلو اولٰی ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں ورنہ جانور کو گلا گھونٹ کر مار ڈالا، یا گلے میں ایک طرف چھری بھونک دی رگیں نہ کاٹیں جیسا کہ فقیر نے جہاز میں بچشم خود معائنہ کیا تو اس کے حرام قطعی ہونے میں اصلا کلام نہیں کہ ایسا مقتول تو مسلمان کے ہاتھ کا بھی مردار ہے نہ کہ کافر کا، اور جو شخص جانور کو دبائے، یا ہاتھ پاؤں پکڑے ایسے مددگار پر تکبیر ضرور نہیں، نہ اس کے ہندو وغیرہ ہونے سے کچھ حرج کہ وہ ذابح نہیں، ہاں جو نفس فعل ذبح میں مدد دے یعنی ذابح کا ہاتھ مثلا کمزور تھا اس نے بھی اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر پھیرا کہ دونوں کے فعل سے ذبح واقع ہوا، تو ایسی حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ ان میں جو قصدا تکبیر نہ کہے گا یا حرام الذبیحہ مثلا ہندو، مجوسی، مرتد ہوگا تو جانور حرام مردار ہو جائے گا، درمختار میں ہے:

تشترط التسمیۃ من الذابح[1] (ذابح کا تسمیہ پڑھنا شرط ہے۔ ت) اسی میں ہے:

ارادالتضحیۃ فوضع یدہ مع ید القصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح سمّی کل وجوبا فلو ترکہا احدہما او ظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	قربانی کے ارادے سے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرنے میں شریک کیا اور ذبح میں مدد کی تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اگر ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو ذبیحہ حرام ہوگا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۴: از گلگت چھاؤنی جو ئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان معظم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کے یہاں کا ذبح کرا کھانا، دیگر جس کا عقیدہ درست نہ ہو اس کا ذبح کھانا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

آج کل کے رافضی تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں، شاید ان میں گنتی کے ایسے نکلیں جو اسلام سے کچھ حصہ رکھتے ہوں، ان کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن شریف جو بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پورا نہ رہا، اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں صحابہ کرام اور اہلسنت نے **معاذ اللہ** کم کر دیں، اور یہ بھی ان کے چھوٹے بڑے سب مانتے ہیں کہ حضرت مولا علی و دیگر ائمہ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہم اگلے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے افضل تھے، یہ دونوں عقیدے خالص کفر ہیں جو شخص

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

قرآن مجید سے ایک حرف، ایک نقطہ کی نسبت ادنٰی احتمال کے طور پر کہے کہ شاید کسی نے گھٹا دیا یا بڑھا دیا یا بدل دیا ہو وہ کافر ہے اور قرآن عظیم کا منکر، یونہی جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ بھی کافر، اور جبکہ ان اشقیاء نے باوصف ادعائے اسلام عقائد کفر اختیار کئے تو مرتد ہوئے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

هؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامهم احکام المرتدین[1]۔	یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ (ت)

اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ نرا حرام و مردار سوئر کی مانند ہے اگرچہ اس نے لاکھ تکبیریں پڑھ کر ذبح کیا ہو، درمختار میں ہے:

لاتحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی ومجوسی و مرتد[2]۔	غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے خواہ وہ بت پرست ہو مجوسی ہو یا مرتد ہو۔ (ت)

اسی طرح جس مذہب کا عقیدہ حد کفر تک پہنچا ہو، جسے نیچیری کہ وجود ملائکہ و وجود جن و وجود شیطان و وجود آسمان و صحت معجزائے انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام و حشر و نشر و جنت و نار بطور عقائد اسلام وغیرہا بہت ضروریات دینیہ سے منکر ہیں۔ یونہی وہ وہابی کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مثل سات یا چھ یا دو یا ایک خاتم النبیین کسی طبقہ زمین میں کبھی موجود مانے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی جائز جانے اور اسے آیۃ وخاتم النبیین کے مخالف نہ سمجھے، یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین شان اقدس کے لئے حضور کو بڑا بھائی، اپنے آپ کو چھوٹا بھائی کہے، یا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ ناپاک کلمہ لکھے کہ مر کر مٹی میں مل گئے، وعلٰی ہذا القیاس جو بد مذہب ضروریات دین اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو یا اس میں شرک کرے یا تاویلیں گھڑے، باجماع تمام علماء اسلام وہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں کہ جب وہ ضروریات اسلام کے منکر ہوئے تو انھوں نے خدا اور رسول و قرآن کو صاف صاف جھٹلایا، پھر یہ جھوٹے طور پر کلمہ وغیرہ کیا نفع دے سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق لوگ کلمہ و نماز پڑھتے اور اپنے آپ کو قسمیں کھا کھا کر مسلمان بتاتے تھے اور اللہ تعالٰی نے ان کی ایک نہ سنی اور صاف فرمایا "وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ"[3] اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ نرا جھوٹا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

دعوٰی اسلام کرتے ہیں:

خاص ایسے لوگوں کے کفر میں ہرگز شک نہ کیا جائے کہ جو ان کے عقیدہ پر مطلع ہو کر پھر سمجھ بوجھ کر ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر[1] اھ واما ارتدادہم فهو الصحیح الثابت المنصوص علیه کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی السیر من فتاوٰینا وفی رسالتنا "المقالة المسفرۃ عن احکام البدعة المکفرۃ"۔	جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے اھ لیکن ان کا ارتداد تو صحیح ثابت منصوص علیہ ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے باب السیر میں واضح کر دیا ہے نیز اس اپنے رسالہ "المقالة المسفرۃ عن احکام البدعة المکفرۃ" میں بیان کیا ہے۔ (ت)

اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار وحرام، ان کے ساتھ نکاح حرام وباطل ومحض زنا، ان کے ساتھ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا، ملنا جلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہرگز ہرگز کسی طرح جائز نہیں، ہاں جو مذہب دین اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف ان سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہوں، جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اسحاقی وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

یہ جو اکثر کتب دینیہ میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے تو آج کل یہود ونصارٰی جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

شک نہیں کہ نصارٰی الوہیت وابنیت عبداللہ وابن امتہ، سیدنا مسیح ابن مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں جو نصارٰی ایسے ہیں اور یو ہیں وہ یہود کہ ابنیت عبداللہ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام مانیں ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانب حرمت گئے اور کہا گیا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ اور بکثرت محققین تحقیق جواز فرماتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اقوی من حیث الدلیل ہے

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعة الیه (ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے اور اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ ت) مستصفٰی میں ہے:

فی مبسوط شیخ الاسلام یجب ان لایاکلوا ذبائح اھل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح اله، وان عزیرا اله، و لایتزوجوا نسائهم، وقیل علیه الفتوی لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل والتزوج[1]۔	شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے جب کہ اہل کتاب کا عقیدہ ہو کہ مسیح علیہ السلام اللہ ہے، تو ان کے ذبیحہ کو مت کھاؤ اور ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ اور یوں اگر عزیر علیہ السلام کو الٰہ کہتے ہوں، بعض کے نزدیک اس پر فتوٰی ہے لیکن دلائل کی روشنی میں کھانا اور نکاح کرنا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیة، وان اعتقدوا المسیح الٰها، وکذا حل ذبیحتهم علی المذهب بحر[2] اھ مختصرًا۔	کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ مسیح کے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے، یونہی ان کا ذبیحہ مذہب میں جائز ہے بحر اھ مختصرًا۔ (ت)

ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بےضرورت کتابی خالص کے ذبیحے کو علماء ناپسند کرتے ہیں تو یہ بدتر درجے میں ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل، ولایاکل ذبیحتهم الا لضرورة[3]۔	کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے، ماسوائے ضرورت کے۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیة قبحهم الله تعالٰی، وعدم الضرورة متحقق، والاحتیاط واجب۔ لان	ہمارے زمانہ کے نصرانی عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے۔ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے اور احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ المستصفٰی کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

[3] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

فی حل ذبیحتهم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمة اولی عند عدم الضرورة۔[1]	ذبیحہ کے حلال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ضرورت نہ ہو تو حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں، اور وقت ذبح خالص اللہ عزوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں، بالجملہ نہ قصداً تکبیر چھوڑیں نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ مسلمان کا بھی حرام و مردار ہوتا ہے چہ جائیکہ کتابی، ردالمحتار میں ہے:

لاتحل ذبیحة من تعمد ترك التسمیة مسلما او کتابیا بنص القراٰن۔[2]	قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے وہ مسلم ہو یا کتابی قرآن کی نص کی بناء پر۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ذمیا او حربیا الا اذا سمع منه عند الذبح ذکر المسیح۔[3]	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ذمی یا حربی ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر ذبح کے وقت ان سے مسیح کا نام سنا جائے تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولو سمع منه ذکر اللہ تعالٰی لکنه عنی بالمسیح قالوا یوکل الا اذا نص فقال باسم اللہ الذی ہو ثالث ثلثة، ہندیة۔[4]	اگر عیسائی سے اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس سے مراد اس نے مسیح کا لیا تو فقہاء نے فرمایا کھالیا جائے ہاں اگر صراحۃً "باسم اللہ تعالٰی جو کہ تین کا تیسرا ہے" کہیں تو نہ کھائیں، ہندیہ (ت)

نصارٰی زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ و پرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں، اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں، رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے۔

ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سے سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا گیا جسے وہ چالیس روپے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۰

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کے خرید بتاتا تھا، مول لینا چاہا کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کردی تھی رگیں نہ کاٹیں، اس سے کہہ دیا گیا کہ اب یہ سؤر ہے ہمارے کسی کام کا نہیں بلکہ نصارٰی کے یہاں صد سال سے ذبح شرعی نہیں، فتاوٰی قاضی خاں میں نقل فرمایا:

النصرانی لاذبیحۃ لہ۔ وانما یاکل ہو ذبیحۃ المسلم و یخنق[1]۔	نصرانی کا ذبیحہ ہی نہیں، وہ مسلمان کا ذبیحہ کھالیتا ہے اور وہ جانور کا گلا گھونٹتا ہے۔ (ت)

تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام یہود کا حال معلوم نہیں۔ اگر ان کے یہاں بھی ترک تکبیر یا ذبح کی تغیر ہو تو حکم حرمت ہے ورنہ بے ضرورت، ناپسندی و کراہت **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص فرقہ غیر مقلدین یا فرقہ قادیانی یا وہابیہ سے ہو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ واسطے اہل سنت وجماعت کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

قادیانی صریح مرتد ہیں۔ ان کا ذبیحہ قطعی مردار ہے۔ اور غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے۔ ان میں جو منکر ضروریات دین ہیں وہ تو بالاجماع کافر ہی ہیں، ورنہ فقہائے کرام ان پر حکم کفر فرماتے ہیں اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو، یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہاء کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا، لہٰذا احتراز لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلّہ قراولاں مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی ۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا خسر دیوبندی ہے وہ اپنی قیمت سے گوشت خرید کر بھیجتا ہے۔ لانے والا بھی دیوبندی ہے تو یہ گوشت حلال ہے یا نہیں؟ نیز دیوبندی کی قربانی کا گوشت کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: از نجیب آباد مسئولہ جناب احمد حسن خاں صاحب رضوی بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات وہابیوں سے ذبیحہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ مسائل مایکرہ ومالایکرہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

کرایا جاتا ہے جس کا گوشت گھر میں پکتا ہے کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

وہابی رافضی قادیانی وغیرہم جن جن کی گمراہی حد کفر تک ہے ان کا ذبیحہ مردار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی یا رافضی کا ذبیحہ گائے یا بکری یا مرغی کا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہابیہ اور رافضی کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بطور دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہابیہ اور رافضی کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کے یہاں کا گوشت کھانا حرام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

احکامھم احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین کے احکام ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰ و ۱۰۱: از ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ مکان جمعدار سمندر خاں مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) بوہروں کے یہاں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اہلسنت وجماعت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور کوئی شخص ذبیحہ کرتا ہو اور اس سے اپنی اور اپنے بچوں کی گزراوقات کرتا ہو وہ خدا کے یہاں مواخذہ حشر میں تو نہ ہوگا؟ یا نامہ اعمال میں اس کے کچھ لکھا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) بوہرے کہ اسمعیلی رافضی ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور ان کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بھی حرام ہے، مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت سے اس وقت تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو، گوشت کے علاوہ باقی کھانوں پر اگرچہ قطعی حکم حرمت مگر بہر حال احتراز ہی مناسب ہے۔

(۲) ذبح کا پیشہ شرعا ممنوع نہیں، نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے اگرچہ گائے ذبح کرنے کا پیشہ ہو، وہ جو حدیث لوگوں نے دربارہ ذابح بقر و قاطع شجر بنا رکھی ہے محض باطل و موضوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظہیریۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۰۲: از شہر کہنہ بریلی محلّہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگال ۲صفر ۱۳۳۱ھ

عورت کا ذبح کیا ہوا حلال اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عورت کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح کرنا جانتی ہو، اور شرائط حلت مجتمع ہو، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا، ولو امرأة[1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے اگرچہ عورت ہو (باختصار)۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات ضلع بریلی

عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کردے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مسئولہ سید احمد حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز وروزہ کرتا ہے لیکن شراب خور ہے، سفلہ وچنڈو وبھنگ وغیرہ، زنا وحرام خوری، چوری، آگ دیتا ہے۔ مگر ان فعلوں کو برا جانتا ہے تو ایسے شخص کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس صورت میں زید فاسق ہے۔ مستحق عذاب جہنم ہے۔ مگر اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵ تا ۱۰۷: از بھوٹا بھوٹی موٹولا نگر علاقہ جام نگر کاٹھیاوار مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی ابن امیر میاں ۲۳صفر ۱۳۳۶ھ

(۱) اگر ایک مرد نے طاہر عورت کو بغیر نکاح کے گھر میں رکھا ہے آیا اس شخص کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد اور نماز سے

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پہلے قربانی کرے تو وہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قربانی کے حصے تین کرنا، ایک حصہ اپنا دوسرا خویش واقارب کا، تیسرا مسکینوں کا، آیا گر مساکین لوگ اسلام میں سے نہیں ہیں، تو اس حصہ کا کیا حکم ہے، اور اگر کسی شخص نے قربانی کی اور تین حصے نہیں کئے اور سارا گھر میں رکھ لیا آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر بالفرض اس پر زنا ثابت بھی ہو جب بھی زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے کہ ذبح کے لئے دین سماوی شرط ہے اعمال شرط نہیں، اور اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے۔ اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، نسبت زنا کر بھی نہیں سکتے، بنص قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے۔ بلکہ اگر گھر میں بیبیوں کی طرح رکھتا ہو اور بیبیوں کا سا برتاؤ برتا ہو تو ان کو زوج وزوجہ ہی سمجھا جائے گا اور ان کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی اگرچہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، کما فی الهداية والدر المختار والهندية وغيرها (جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) دیہات میں عید جائز نہیں۔ قربانی اگر گاؤں میں ہو طلوع صبح کے بعد ہو سکتی ہے اگرچہ شہری نے اپنی قربانی وہاں بھیج دی ہو، اور اگر قربانی شہر میں ہو جہاں نماز عید واجب ہے تو لازم ہے کہ بعد نماز ہو، اگر نماز سے پہلے کرلی قربانی نہ ہوئی اگرچہ قربانی دیہاتی کی ہو کہ اس نے شہر میں کی، درمختار میں ہے:

(اول وقتها بعد الصلاة ان ذبح فی مصر) ای لو اسبق صلوة عيد ولو قبل الخطبة لكن بعد ها احب (وبعد طلوع فجر يوم النحر ان ذبح فی غيره) والمعتبر مكان الاضحية لامكان من عليه فحيلة مصری اراد التعجيل ان يخرجها الخارج المصر فيضحی بها اذا اطلع الفجر۔ مجتبی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر شہر میں قربانی دینی ہو تو اس کا وقت نماز کے بعد شروع یعنی نماز عید سے پہلے ہو اگرچہ قربانی خطبہ سے پہلے کرے بعد از خطبہ افضل ہے، اور قربانی شہر میں نہ ہو تو اس کا اول وقت بعد از طلوع فجر بروز عید قربان، اس فرق میں قربانی کا مقام معتبر ہے نہ کہ قربانی والے کا مقام شہری کے لئے قربانی جلدی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے خارج لیجا کر فجر کے بعد قربانی کرے، مجتبٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

(۳) تین حصے کرنا صرف استحبابی امر ہے کچھ ضروری نہیں چاہے سب اپنے صرف میں کرلے یا سب عزیزوں قریبوں کو دے دے، یا سب مساکین کو بانٹ دیں، یہاں اگر مسلمان مسکین نہ ملے تو کافر کو اصلا نہ دے کہ یہ کفار ذمی نہیں، تو ان کو دینا قربانی ہو خواہ صدقہ، اصلا کچھ ثواب نہیں رکھتا، درمختار میں ہے:

اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لایجوز له اتفاقا. بحر عن الخانیة وغیرہا۔[1]	حربی اگر مستامن بھی ہو تو اس کو کوئی بھی صدقہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ بحر نے خانیہ وغیرہا سے نقل کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے:

صلته لاتکون براشرعا. ولذا لم یجز التطوع الیه فلم یقع قربة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سے صلہ شرعا نیکی نہیں اسی لئے اس کو نفلی صدقہ بھی جائز نہیں لہذا عبادت نہ بنے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

زید نماز روزے سے بالکل بے خبر ہے اور ذبح کے وقت کلی بھی نہیں کرتا، تو اس کا ذبح کیسا ہے؟

الجواب:

اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہو جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسلمان کلمہ گو اپنی بدقسمتی سے ادائے نماز میں غفلت کرتا ہے، پس اس صورت میں ذبیحہ وضیافت اس کا مسلمانوں کو کھانا و نماز جنازہ، دفن مقبرہ مومنین میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے، ذبیحہ اہل کتاب وضیافت مسلمانوں کو جائز کیا گیا؟

الجواب:

ضرور اس کا ذبیحہ جائز، اور اس کے جنازہ کی نماز، اور اسے اسلامی طور پر دفن کرنا مسلمانوں پر فرض

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[2] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۸

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اما الدیوان الذی لایعبؤالله به شیئا فظلم العبد نفسه فیما بینه وبین ربه، من صوم یوم ترکه، اوصلوٰة ترکها، فان الله تعالٰی یغفر ذٰلك ان شاء ویتجاوز [1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر کہ گناہوں کا دفتر اللہ تعالٰی کے ہاں اس کی حیثیت نہیں ہے تو بندے کا اپنے نفس پر ظلم اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ ہے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کی ہو تو اللہ تعالٰی چاہے تو اسے بخش دے اور درگزر فرمادے۔ (ت)

ضیافت بھی جائز ضرور ہے اس سے بچنے نہ بچنے میں عمل سلف مختلف ہے **کما فصله الامام حجة الاسلام فی الاحیاء** (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ت) اسکا بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰: ازمدرسہ مڈھاوی ڈاکخانہ کوراولی ضلع مین پوری مرسلہ محمد بختیار صاحب مدرس ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

قصاب پیشہ شخص جو ذبح کرے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے جبکہ تکبیر کے ساتھ ذبح کرے، فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یلزم علی هذا الجاهل ان لا یاکل ماذبح القصاب [2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	ایسے جاہل کو لازم آتا ہے کہ وہ قصاب کے کسی ذبیحہ کو نہ کھائے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۱: ازکانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قصاب کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذبح قصاب وغیرہ سب کا ایک حکم ہے۔ مسلمان یا کتابی، عاقل ہونا چاہئے کہ ذبح جانتا ہو اور عمداً تسمیہ ترک نہ کرے، کسی قوم یا پیشہ کی تخصیص محض جہالت ہے، درمختار میں ہے:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۵۵۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۴۲، مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیۃ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

لایعطی اجر الجزار منہالانہ کبیع[1]۔	قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ معاوضہ سوداکاری کے معنی میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ انمایعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ[2]۔	کیونکہ یہ قصاب کے عمل کے بدلے میں دے گا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

وضع صاحب الشاۃ یدہ مع یدالقصاب فی المذبح واعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا[3] الخ(ملخصا)	بکری والے نے ذبح میں قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ شریک کیا تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔الخ (ملخصا)۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لا یذبح، فیلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبحہ القصاب[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک قصاب نفع حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو ذبح نہ کرے گا، تو ایسے جاہل پر لازم آتا ہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے، واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۲: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

خنثٰی جانور کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خنثٰی کہ نر ومادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو، کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتا ہو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح سے حلال ہو جائے گا، اگر کوئی کچا گوشت کھائے، کھائے، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل مسائل متفرقہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیہ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

ولابالخنثی لان لحمها لاینضج، شرح وھبانیة[1] ۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، شرح وہبانیہ۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز التضحیة بالشاة الخنثٰی لان لحمها لاینضج، کذا فی القنیة[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، قنیہ میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ نمبر ۱۶۲ مرسلہ حافظ عبدالرحمان صاحب ۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری بچہ جنی، اور بعد جننے کے مر گئی، اب وہ بچہ ایک کتیا کا دودھ پی کر سیانا ہوا، پس وہ بچہ حلال ہے یا حرام؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر ایسا سیانا ہوگیا کہ دودھ چھٹے کچھ مدت گزری، جب تو بالاتفاق بلاکراہت حلال ہے۔ یونہی دودھ پیتے کو چند روز اس دودھ سے جدا رکھ کر حلال جانور کا دودھ یا چارا دیا، اور اس کے بعد ذبح کیا جب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے۔ اور اگر اسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اس صورت میں کراہت بھی محل نزاع نہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں، اور کھالے تو گناہ نہیں، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز وگناہ ہے۔ عامہ کتب میں معتمدہ مذہب مثل نوازل وخلاصہ وخانیہ وذخیرہ وبزازیہ وتبیین الحقائق وتکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم حلبی ودر مختار وغیرہا میں قول اول ہی پر جزم فرمایا اور خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر نص صریح آیا، اور شک نہیں کہ وہی اقوی من حیث الدلیل ہے۔ درمختار میں ہے:

حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمه لایتغیر وماغذی به یصیر مستھلکا لایبقی له اثر[3] ۔	بھیڑ کے جس بچے نے خنزیر کا دودھ بطور خوراک پیا تو اسے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا گوشت متغیر نہ ہوا اور جو خوراک دی گئی وہ ہلاک ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

خلاصہ میں ہے:

فی النوازل لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر فلا باس باکلہ. فعل ھذا قالوا لاباس باکل الدجاج الذی یخلط ولا یتغیر لحمہ، والذی روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال تحبس الدجاجۃ ثلثۃ ایام کان للتنزیہ[1] (باختصار)۔	نوازل میں ہے جو بچہ خنزیر کے دودھ کی خوراک سے پرورش پایا اس کو کھانے میں حرج نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا جو مرغ گندگی کھائے اور اس کا گوشت متغیر نہ ہو تو کھانے میں حرج نہیں ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ مرغی کو تین دن قید رکھ کر ذبح کیا جائے، یہ ارشاد تنزیہ کے طور پر ہے۔ (باختصار) (ت)

اسی سے تکملہ لسان میں فرمایا اسی طرح بقیہ کتب میں مذکور ہے، ہندیہ کی کتاب الکراہیۃ میں قنیہ سے ہے:

ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی جدی او حمل یرضع بلبن الاتان یحل اکلہ ویکرہ[2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا بکری یا گائے کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے اس کا کھانا حلال ہے اور مکروہ ہے۔ (ت)

اسی قنیہ میں بعض علماء سے قول ثانی نقل کیا، وہی ظاہرا کلام فتاوی کبرٰی وخزانۃ المفتین کا مفاد، اور امام اعبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ارشاد سے مستفاد، ردالمحتار میں ہے:

فی شرح الوہبانیۃ عن القنیۃ راقما انہ یحل اذا ذبح بعد ایام والالا[3]۔	شرح وہبانیہ میں قنیہ سے نقل کیا کہ اگر چند روز کے بعد ذبح کیا تو حلال ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز میں فرماتے ہیں:

الجدی اذا ربی بلبن الاتان، قال ابن المبارك یکرہ اکلہ قال واخبرنی رجل عن الحسن، قال اذا ربی الجدی بلبن الخنزیر لاباس	بھیڑ کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے تو ابن مبارک نے فرمایا اس کا کھانا مکروہ ہے مجھے یک شخص نے حسن سے خبر دی انھوں نے کہا بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو حرج

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصید الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۹

[3] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۷

بہ۔قال معناہ اذا اعتلف ایاما بعد ذٰلك كالجلالة كذا بخط شيخنا عن الخانية [1]۔	نہیں، انھوں نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ اس کے بعد وہ چارہ کھاتا رہا تو وہ جلالہ یعنی گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے ہمارے شیخ کے سے یوں خانیہ سے منقول ہے۔

ہندیہ کی کتاب الصید والذبائح میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما، فلا باس لانہ بمنزلة الجلالة والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بها فكذا ہذا، كذا فی الفتاوٰی الكبرٰی [2]۔	بکری کا بچہ گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے پھر چند روز چارہ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ گندگی کھانے والے جانور کی طرح ہے اور یہ گندگی کھانے والا اگرچند روز قید میں رکھا جائے اور چارہ کھائے تو کوئی حرج نہیں اسی طرح یہ بھی ہے، فتاوٰی کبرٰی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں برمز فتاوٰی کبرٰی سے منقول:

فقدعلق نفی الباس علی الاعتلاف فافاد وجودہ عند عدمه، والباس انما ہو فیما ینہی عنه۔	انھوں نے حرج کی نفی کو چارہ کھانے سے معلق کیا ہے تو چارہ نہ کھانے کی صورت میں حرج کا وجود ثابت ہوتا ہے اور حرج کا تعلق ممنوع چیز ہے(ت)

لہذا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے اسلم وہی ہے کہ چند روز کا وقفہ دے کر ذبح کریں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴: از شیر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد منگل خانصاحب تعلقدار ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہرنی کا کتی کا دودھ پی کر پرورش ہوا اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اب دودھ چھوڑے ہوئے ایک زمانہ گزرا تو اس کا گوشت حلال ہے۔ اور اگر اب بھی پیتا ہے تو چند روز وہ دودھ چھڑائیں، پاک دودھ پلائیں یا چارہ کھلائیں، یہاں تک کہ پیٹ میں وہ دودھ

---

[1] فتح المعین علی الکنز لمنلا مسکین کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

بالکل نہ رہے۔ اس وقت اسے ذبح کرکے کھاسکتے ہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس لانه بمنزلة الجلالة، والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لا باس بها فکذا ہذا، کذا فی الفتاوٰی الکبری [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے اور بعد میں چند روز چارہ کھائے تو حرج نہیں ہے کیونکہ وہ جلالہ (گندگی کھانے والے جانور) کی طرح ہے اور جلالہ کو چند روز قید میں رکھا جائے چارہ کھائے تو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔ تو یہ بھی ایسا ہے، فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از شہر کہنہ اپر برہما مرسلہ محمد یعقوب صاحب امام مسجد شہر مذکور　۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پیئے گا تو اس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس جانور نے آدمی کا دودھ پیا ہو وہ اس کے باعث حرام نہیں ہوجاتا، اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دودھ سے پائی، غایت یہ کہ چند روز بند کرکے چارہ کھلائیں یا حلال جانور کا دودھ پلائیں، اس کے بعد ذبح کریں، خانیہ میں ہے:

لوان جدیا غذی بلبن الخنزیر لاباس باکله [2]۔	بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس کے کھانے میں ممانعت نہیں۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

الجدی یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس نے چند روز بعد میں چارہ کھالیا تو کھانے میں حرج نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الذبائح مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

مسئلہ ۱۱۶: مرسلہ مولانا بخش ہولا پاڈنگ چاہ بگان ڈاکخانہ لٹا کوباڑی ضلع ڈونگ بتاریخ ۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب مصدر اشفاق فراواں و مخزن الطاف بیکراں بر حال بیکساں، بعد سلام مسنون اسلام مشہور، ضمیر مبین یاد کے عرصہ بعید منقضی ہوتا ہے کہ خاکسار نے حضور کے گوش گزار کیا تھا کہ کوئی مشرک یا کافر کسی جانور کو کالی یا بھوانی کے بھوگ چڑھاوے، اور بل دینے کو لے جائے اور بل نہ دے یعنی گردن نہ مارے، صرف کان کاٹ کر چھوڑ دے یہ کہہ کرکے "یا بھوانی یا کالی یہ تمھارا بھوگ ہے" تو اس جانور کو ذبح کرنا اور کھانا مسلمانوں کو جائز اور درست ہے یا نہیں؟ ہم نے ان کو بموجب آیہ شریف "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] (ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ت) منع کیا کہ جس جانور یا مٹھائی وغیرہ کو مشرک یا کافر اپنے بتوں کو چڑھائیں وہ نہ کھانا چاہیے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ عالموں نے فتوی دیا ہے کھانے کے لئے، اس وجہ سے ہم لوگ چڑھائے ہوئے جانور کو کھاتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سا اختلاف ہو رہا ہے اور لوگوں نے کئی ایک طریقہ اختیار کیا ہے اس لئے آپ سے التجا ہے کہ آپ گویا اس وقت کے امام ہیں ہادی گمراہاں سمجھ کر درخواست کرتے ہیں شاید ہم غلطی پر ہوں اور آپ کے باعث ہم کو راہ راست نصیب ہو للہ جواب خط سے ضرور سرفراز فرمائیں، اس کا اجر آپ کو اللہ تعالٰی عطا فرمائے گا، جواب کے لئے لفافہ خط کے ساتھ شامل خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں،

الجواب:

مشرکین اپنے بتوں کے لئے سانڈ چھوڑتے اسے سائبہ کہتے جسے کان چیر کر چھوڑتے اسے بحیرہ کہتے اور ان جانوروں کو حرام جانتے، اللہ تعالٰی نے ان کو رد فرمایا کہ:

"مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾"[2]	اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔ (ت)

یعنی یہ باتیں اللہ نے تو ٹھہرائیں نہیں لیکن کافر ان پر جھوٹ باندھتے ہیں، تو ان جانوروں کو حرام بنانا کافروں کا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

قول، اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اور آیہ ما اہل بہ لغیر اللہ اس جانور کے لئے ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے، چھوڑے ہوئے جانور سے اسے کوئی تعلق نہیں نہ کہ مٹھائی تک پہنچے، یہ تعصب وہابیوں کے جاہلانہ خیال ہیں کہ "جاندار یا بے جان ذبیحہ ہو یا غیر، جس چیز کو غیر خدا کی طرف منسوب کرکے پکاریں گے حرام ہوجائیں گی" ایسا ہو تو ان کی عورتیں بھی ان پر حرام ہوں کہ وہ بھی انھیں کی عورتیں کہہ کر پکاری جاتی ہیں اللہ تعالٰی کا نام ان پر نہیں لیا جاتا، ایسے بیہودہ خیالوں سے بچنا لازم ہے۔ ہاں بت کے چڑھاوے کی مٹھائی پر شاذ مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں، وہ لینا ذلت بھی ہے اور **معاذاللہ** جو چیز انھوں نے تعظیم بت کے لئے بانٹی اس کا ان کے موافق مراد استعمال بھی ہے۔ بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلاف مراد اور ان کی ذلت ہے، اس میں حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو، ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "**اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ**"[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۷: مسئولہ مسلمانان کاٹھیاواڑ جام جودھپور معرفت شیخ عبدالستار پوربندر کاٹھیاواڑ ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ اہل ہنود بکریوں کے چرواہے مندروں پر بکرا چڑھانے کے واسطے لے جاتے ہیں اور اس کے ذبح کرنے کے واسطے مسلمان قصاب کو بلاتے ہیں اور اکثر قصاب نہیں ہوتے تو پیش امام کو لے جاتے ہیں اور بعد ذبح کے وہ گوشت انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اس گوشت کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ذبح کرنے کے واسطے جانا چاہئے یا نہیں؟ اور قصاب وہاں سے گوشت لے کر فروخت کرتے ہیں ان سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذبح میں ذابح کی نیت شرط معتبر ہے، اگر کافر اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرائے اور مسلمان اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام لے کر ذبح کرے جانور حلال ہوجائے گا مگر یہ فعل مسلمان کے لئے مکروہ ہے، اور اس گوشت کا اس سے لینا بھی نہ چاہئے کہ اس میں کافر کے زعم میں اس کے مقصد باطل کو پورا کرنا ہے اور یہ گوشت گویا اس کی طرف سے تصدق لینا ہے۔

والید العلیا خیر من الید السفلٰی.	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تو یہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

ولا ینبغی لید کافر ان تکون اعلٰی من ید مسلم و المسئلة منصوص علیھا فی العالمگیریة والتتارخانیة انه یحل ویکرہ للمسلم[1]۔	مناسب نہیں کہ کافر کا ہاتھ مسلمان کے ہاتھ سے افضل ہو، اس مسئلہ پر عالمگیری میں نص ہے تاتارخانیہ میں ہے حلال ہے اور مکروہ ہوگا مسلم کے لئے (ت)

ہاں قصاب وغیرہ جس مسلمان نے اس سے گوشت لیا اور بعد ذبح مسلم نظر مسلم سے غائب نہ ہوا تھا اسے خریدنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: مرسلہ شیخ گھورا موضع یکسٹر اڈاکخانہ ایٹاری ضلع شاہ آباد آرہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

اگر ہندو کسی جانور یعنی بکرا بکری، بھیڑا بھیڑی وغیرہ کو کسی اپنے دیوتا کے نام پر یا دیوتا کی جگہ پر لے جاکر اس کا کان کاٹ ڈالے اور بعد میں اس جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالے اور وہ مسلمان اس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھائے تو وہ جانور یا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حلال ہے

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالٰی کا نام پکارا گیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹و۱۲۰: از چتوڑگڑھ علاقہ اودیہ پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز شنبہ

(۱) سانڈ حرام ہے یا حلال، فتاوٰی عبدالحہ صاحب لکھنؤ جلد سوم میں حرام لکھا ہے اس بناء پر کہ وہ سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں۔

(۲) خراطین یا کسی مکروہ تحریمی یا حرام شے کا جلا کر کھانا یا جس شیئ میں جلائی ہے مثلاً گھی وغیرہ اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) سانڈ اگر اللہ کے لئے ذبح کرلیا جائے گا تو اس کے گوشت کی حلت میں تو کوئی کلام ہی نہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

قال اللہ تعالٰی "مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔ (ت)

کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ کان چیر کر چھوڑ دیا یا بحار کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہے، قرآن عظیم نے اس کا رد فرمادیا، رہا ملک غیر کی وجہ سے حرام ہونا یہ معصوم وغیر معصوم میں عدم تفرقہ سے ناشی ہے۔ کافر کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن نہ مستامن منہ، یعنی نہ وہ اس کی امان میں ہو نہ یہ اس کی امان میں، اس سے صرف غدر حرام ہے، ہاں ایک اور راہ سے یہاں عدم جواز آسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صورت اگر قانوناً جرم ہو تو ایسا مباح جو مسلمان کو معاذاللہ ذلت پر پیش کرے شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) حرام شیئ جلنے کے بعد بھی حرام ہی رہے گی اور دوسری شیئ میں اگر ایسی مخلوط ہوگی کہ تمیز ناممکن ہے، تو اسے بھی حرام کردے گی،

اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از ملک آسام مقام نوعلی گاؤں ضلع شیپ ساگر مرسلہ پیر ملا مولوی سید عبدالمجید صاحب ۱۶ رمضان ۱۳۱۳ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک بیل غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہے آیا اس جانور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں کہ یہاں پر بہت اختلاف ہے اس کو معہ دلیل تحریر فرمائیں،

الجواب:

اس چھوڑ دینے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا۔

قال اللہ تعالٰی مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنۡۢ بَحِیۡرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیۡلَۃٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام اللہ تعالٰی نے نہیں بنائے لیکن کافروں نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھا جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

تفسیر مدارک شریف میں ہے:

یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتھم ہذا التحریم الیہ، واکثرھم لایعقلون ان اللہ تعالٰی لایحرم ذٰلک۔[1]	اللہ تعالٰی پر ان کے حرام کرنے کی نسبت میں افتراء باندھتے ہیں جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے اللہ تعالٰی نے ان کو حرام نہیں کیا۔ (ت)

مگر اس چھوڑ دینے سے وہ ملک مالک سے بھی خارج نہیں ہوتا، اسی کی ملک پر باقی رہتا ہے کہ بیل چھوڑنے والے چھوڑتے وقت نہ یہ کہتے کہ جو اسے پکڑ لے اس کا مالک ہوجائے، نہ وہ ہرگز اس کا پکڑنا روا رکھتے ہیں، بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ یونہی چھوٹا پھرے، تو جانور بدستور انھیں کا مملوک رہتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو سیب دابۃ، وقال لاحاجۃ لی الیھا، ولم یقل ہی لمن اخذھا فاخذھا الانسان لاتکون لہ۔[2]	اگر کوئی جانور آزاد چھوڑ دیا گیا اور یہ نہ کہا جو پکڑے اس کا ہوگا تو کوئی انسان پکڑ لے تو وہ اس کا مالک نہ بنے گا۔ (ت)

اس وجہ سے اس کا پکڑنا، ذبح کرنا، کھانا کچھ جائز نہیں کہ وہ ملک غیر ہے یہاں تک کہ اگر مالک اجازت دے دے بلاشبہ حلال ہوجائے، یا اگر کسی شخص کا اس بیل چھوڑنے والے پر کچھ دین آتا ہو مثلاً اس نے کچھ مال اس کا چھینا یا چرایا یا سود یا رشوت میں لیا ہو اور اس سے وصول کی امید نہیں تو یہ شخص اپنے آتے میں اس بیل کو لے سکتا ہے جبکہ اس کی قیمت اس کے مقدار حق سے زائد نہ ہو

وھی مسئلۃ الظفر بخلاف الجنس الحق المفتی الاٰن بجواز اخذہ کمافی ردالمحتار وغیرہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مسئلہ اپنے حق کے خلاف جنس پر قابو پانے کا ہے جس پر آج کل فتوٰی ہے کہ قابو پانا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: ازاودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب　　۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بکرا جو شیخ سدو کے نام سے یا دوسرے کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جائے، اور وہ بکرا اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے اس کا کھانا مسلمان

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ یفترون علی اللہ الکذب الخ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

کو جائز ہے یا نہیں؟ اور "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] سے مراد قبل ذبح کے پکارا جانا ہے یا وقت ذبح کے؟

الجواب الملفوظ

اصل کلی اس میں یہ ہے کہ ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں، اگر مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت کی ہے اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ بسم فلاں کہا، یا بسم اللہ ہی کہا اور اراقت دم سے عبادت غیر خدا مقصود رکھی ذبیحہ مردار ہوگیا، اور اگر مالک نے کسی غیر خدا اگرچہ بت یا شیطان کے لئے نیت کی اور اسی کے نام کی شہرت دی اور اسی کے ذبح کرنے کے واسطے ذابح کو دیا، اور ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام پاک لے کر ذبح کیا بنص قطعی قرآن حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاہ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالهتهم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم، کذا فی التاتارخانیۃ[3]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری ذبح کی ان کے آتشکدہ کے لئے، یا کسی کافر کی بکری ان کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کا نام لے کر ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل ہمارے رسالے سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء میں ہے اور شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک خبیث روح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳: از قصبہ کلی ناگر تھانہ مادھوٹانڈہ پرگنہ پورنپور، ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد اکبر علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

کرایا، اور میلاد بھی زید نے پڑھوایا، تو زید کے مکان پر میلاد پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور کھانا زید کا میلاد خواں نے کھایا تو وہ اس کے حق میں کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے، اور اس میں ایسی ارواح کی تکریم سے ممانعت کرے جن کا اسلام تک معلوم نہیں، بلکہ بعض علماء نے انھیں ارواح خبیثہ لکھا، اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے جو ایسوں کے لئے ذبح ہوا، اور بہتر یہ ہے کہ اس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے، جب تک وہ توبہ نہ کرے زجرالہ وتوبیخا اور اگر یہ عالم مقتدی ہے تو ایسوں کے ساتھ اور انکے یہاں کھانا کھانے سے احتراز اور اہم ہے۔ **کما نص علیہ فی الہندیۃ وغیرھا** (جس طرح کہ ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از کلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان میں چچا اور بھائی اور بھتیجا رہتے ہیں، اور حقہ پانی ان سب کا ایک ہے، اور بھتیجے نے شیخ سدو کے نام سے جانور ذبحہ کیا اور کوئی مولوی صاحب اس کے چچا یا بھائی کے یہاں آکر ٹھہرے، اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا بھتیجا غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرواتا ہے اور چچا اور بھائی کو کھلاتا ہے، تو جو مولوی صاحب اس کے چچا کے یہاں مقیم ہیں ان مولوی صاحب کو ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں اور مولوی صاحب سے کہا گیا کہ اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ، تو درجواب مولوی صاحب نے کہا کہ تم کون ہو ہم کسی کا کہنے کو نہیں مان سکتے ہیں مولوی صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور جو اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس سے اللہ عزوجل ہی کی طرف تقرب مقصود ہو اگرچہ اس پر باعث مسلمان کا اکرام، یا اولیاء کرام کا، خواہ اموات مسلمین کو ایصال ثواب یا اپنے کوئی جائز تقریب شادی ونکاح وغیرہ یا جائز انتفاع مثل گوشت فروشی قصاباں ہو تو اس کے جائز وحلال ہونے میں شک نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[1]	تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز سے نہ کھاؤ جس پر اللہ سبحانہ کا نام پاک لیا گیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

مگر خبیث روحوں کو منانا تقرب الی اللہ نہیں ہوسکتا، شیخ سدو بھی ارواح خبیثہ سے شمار کیا گیا ہے، تو ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی طرف تقرب کی ہو جانور بلا شبہ مردار ہوجائے گا، اگرچہ بظاہر تکبیر ہی کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، یہاں ذابح کی ہی نیت کا اعتبار ہے اگرچہ مالک کی نیت کچھ ہو، مثلاً مالک نے خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کو جانور دیا ہے، ذابح نے اسے کسی بت کی بھینٹ چڑھادیا جانور بیشک حرام ہوگیا مالک کی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یوہیں مالک نے اگر کسی بت یا شیطان ہی کے لئے ذبح کرنے کو کہا اور ذابح نے معبود برحق جل جلالہ کے لئے ذبح کیا جانور بیشک حلال ہے، مالک کی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، پس صورت مذکورہ میں اگر ذابح نے سدو کی طرف تقرب کی نیت سے ذبح کیا اور ان مولوی کو اس کا یہ حال معلوم تھا، پھر اس سے گوشت کھایا، تو یہ شخص مردار خور ہوا، اور اس کے پیچھے نماز منع ہے، اور اگر اسے ذابح کی نیت معلوم ہوگئی تھی کہ اس نے وہ نیت فاسدہ نہ کی بلکہ خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا، تو اگرچہ جانور حلال ہوگیا مگر بہتر اس سے بچنا تھا جبکہ مالک نے غیر خدا کے تقرب کے لئے دیا تھا، خصوصاً اس شخص کو جو مولوی کہلاتا ہو اور لوگ اس کے فعل کو حُجت جانتے ہوں، عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم[1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے معبود کے آتشکدہ کے لئے یا کسی کافر کی بکری اس کے معبود کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے۔ (ت)

اور اگر نیت معلوم نہ تھی اور یہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ شیخ سدو کے منانے والے ہیں، اور بچنا اور اہم تھا کہ ارواح خبیثہ کے منانے والوں اور اس سے استعانت کرنے والوں کا ظاہر حال سخت مخدوش ہے، اور ایسی جگہ شہادت سے احتراز لازم اور اگر گوشت نہ کھایا بلکہ اور کھانا کھایا تو جب مولوی کہلا کر ایسے لوگوں کے یہاں اکل طعام کہ قلوب المسلمین میں شبہہ ڈالے ہرگز مناسب نہ تھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

سُبُل الاصفیاء فی حُکمِ الذبح للاَوْلیَاء ۱۳۱۲ھ

(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲۵: در رد فتوی بعض معاصرین ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

از لشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب اوائل ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرا میاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کران کو باتکبیر ذبح کیا یا کرالیا اس کا کھانا مسلمانوں کو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حامدا لك ومصليا ومسلما على حبيبك واله ياوهاب اللهم هداية الحق والصواب۔	یا اللہ! تیرے لئے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا ان کی آل پر، حق و صواب کی رہنمائی فرمااے میرے رب! (ت)

اقول: **وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) حق اس مسئلہ میں ہے کہ حلت وحرمت ذبیحہ میں حال و قول ونیت ذابح کا اعتبار نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا

جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصداً تکبیر نہ کہے حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت و تعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی تھی۔

یونہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا تو حلال اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی تمام صورتوں میں حال ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکل خاص میں انکار کرجانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں، ولہذا فقہائے کرام خاص اس جزئیہ کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدہ یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی حلال ہے، کھائی ہے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ، فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم۔[1]	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔ (ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقت ذبح کی معتبر ہے اس سے قبل وبعد کا اعتبار نہیں ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لئے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہوگیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یونہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لئے ارادہ تھا ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک وتعالٰی کے لئے اراقت دم کی تو حلال ہوگیا یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔[2]	معلوم ہونا چاہئے کہ ذبح کی ابتداء میں قصد کا اعتبار ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیت مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لئے نیت تھی تکبیر کہتے وقت دکھاوے کے لئے پڑھی، قطعاً مرتکب کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابل قبول اور اگر دکھاوے کے لئے اٹھا تھا نیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جل وعلا کے لئے کرلیا تو بلا شبہ وہ نماز پاک وصاف وصالح ہوگئی، تو ذبح سے پہلے کی شہرت پکار کا کچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصاً جبکہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں

کما قد علمت وہذا کلہ ظاہر جدا لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجماء۔	جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے۔(ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گائے کے معنی ٹھہرالئے جائیں کہ وہ مرغ وگاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لئے دی جائے گی، اضافت کو ادنٰی علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیرکار وزہ۔ اونٹوں کی زکوٰۃ، کعبہ کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر وحرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کئے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہو سکتے، یہ شرع مطہر پر سخت جرأت ہے، خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الصیام الی اللہ تعالٰی صیام داؤد واحب الصلوٰۃ الی اللہ عزوجل صلوٰۃ داؤد۔[1] رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ۔[2]	بیشک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالٰی کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس کو ائمہ صحاح ستہ اور امام محمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الوالدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے۔

فی ردالمحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلوٰۃ التوبۃ	ردالمحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بحوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلوٰۃ التوبہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب من نام عند السحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۲ و ۴۸۶

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن صوم الدہر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۷

وصلوٰۃ الوالدین[1]۔	اور صلوٰۃ والدین ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد علیہ السلام کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادت خدا ہے یا اس میں شرکت حرام ان میں رواہے۔ خود اضافت ذبح کا فرق سنئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ[2] رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی ونحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف، ذبیحۃ کانت فداءہ من[3]۔ رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتش دوزخ سے (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے تو ایک حکم عام کفر وحرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہٰذا علماء فرماتے ہیں، مطلقاً نیت غیر کو موجب حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن وحدیث وعقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیل نفع دنیا اور ذبائح شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیت غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے، یونہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست وبجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے، درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الحاکم فی التاریخ حدیث ۸۶۷۲ دارلکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۲۶

لو ذبح للضیف لایحرم لانہ سنۃ الخلیل و اکرام الضیف اکرام اللہ تعالٰی[1]۔	جس نے مہمان کی نیت سے ذبح کیا توحرام نہیں کیونکہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالٰی کا اکرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزدوی ومن ظن انہ لایحل لانہ ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اہل بہ لغیر اللہ تعالٰی فقد خالف القراٰن والحدیث و العقل فانہ لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لایذبح فیلزم ہذا الجاہل ان لایاکل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم و الاعراس والعقیقۃ[2]۔	بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لئے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیونکہ بلا شبہ قصاب اپنے نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہئے کہ وہ قصاب ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لئے ذبح کردہ بھی نہ کھائے۔ (ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقًا نیت ونسبت غیر کو موجب حرمت جاننا اور **مآ اُھل بہ لغیر اللہ** میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون ودیوانگی اور شرع وعقل دونوں سے بیگانگی ہے، جب نفع دنیا کی نیت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصال ثواب میں کیا زہر مل گیا، اور اکرام مہمان عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرام اولیاء بدرجہ اولٰی۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت واضافت بقصد عبادت غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں۔ پھر اگر ذابح اس نیت سے بَری ہے تو جانور حلال ہو جائے گا کہ نیت غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی **کما حققناہ اٰنفا** (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ ت) مگر جب کہ حدیثًا وفقہًا دلائل قاہرہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ اضافت معنی عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اس بناء پر حکم کفر محض جہالت وجرات وحرام قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادت آدمیان کا ارادہ کرتے ہیں، اور انھیں اپنا معبود وخدا بنانا چاہتے ہیں۔

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶"[2]	بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3] رواہ الائمۃ مالك والشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا،[4] رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امام عارف باللہ سید احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث[5]،	بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴، صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷

[5] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

نقلہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔	(اس کو سیدی عبدالغنی نابلسی نے شرح طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ ت)

والہندامنیہ وذخیرۃ وہبانیۃ ودرمختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحر[1]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وہذا بعید من حال المسلم[2]۔	یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادات مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اور اس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے۔

بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقت تکبیر میں یوں کہے "بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" تو یہ کہنا کہ مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہوگا، جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذاللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا، امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی وذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد علیہ السلام، قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتبجیلہ وتعظیمہ جاز ولاباس وان ارادبہ الشرکۃ مع اللہ لاتحل الذبیحۃ[3]۔	کسی نے بنام خدا محمد علیہ السلام قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورت عطف میں مثلا "بنام خدا وبنام فلاں" جس سے صاف معنی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی الانتفاع بالاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمت جانور ہے، مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔

درمختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان[1]۔	اگر اللہ تعالٰی کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً بسم اللہ واسم فلاں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

هوا لصحيح وقال ابن سلمة لاتصير ميتة لانها لو صارت ميتة يصير الرجل كافرا. خانية. قلت تمنع الملازمة بان الكفر امر باطن والحكم به صعب فيفرق كذا فی شرح المقدسی، شرنبلالیة[2]۔	وہی صحیح ہے اور ابن سلمہ نے فرمایا مردار نہ ہوگا کیونکہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہوگا، خانیہ، میں کہتا ہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیونکہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ۔ (ت)

اللہ اکبر! خود ذابح کا خاص تکبیر ذبح میں نام خدا کے ساتھ نام غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنی شرک کا ارادہ نہ کرے بلکہ بے عطف "بنام خدا بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" کہے اور اسی نام پاک کے لینے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لئے خاص وقت ذبح بنام خدا کے ساتھ بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے تو جانور میں اصلا حرمت و کراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فوراً بکری سے کتا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقت ذبح نہ دم تکبیر، معاذاللہ، وہ لفظ کیا تھے جادو کے انچھر تھے چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی، ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔

بڑی دلیل ان کے قصد عبادات غیر و معنی شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدق کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصال ثواب مقصود نہیں، بلکہ خاص ذبح للغیر و شرک صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصال ثواب ہی ہے"۔

---

[1] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۱

اقول: اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثواب ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، عنایہ میں ہے:

التضحیة فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیة لان فیھا جمعا بین التقرب باراقة الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل[1] اھ ملخصًا۔	اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں، خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جبکہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

معہذا عوام ایسی اشیاء میں مطلقًا تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلاً جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے ہیں اور ہر ماہ اسے پکا کر حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز دلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر ان سے کہئے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے اپنے خرچ میں لائیے اور اسی کے عوض اور پکائیے کبھی نہ مانیں گے حالانکہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں، اور ذبح میں بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجئے ہر گز نہ لیں گے، حالانکہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیال تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے، نہ **معاذاللہ** اس توہم باطل پر، خصوصًا جبکہ وہ بیچارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاشاللہ ہم عبادات غیر نہیں چاہتے صرف ایصال ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجئے تو در بارہ عدم تبدیل ان کا وہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انھوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ لیا ہو، جن چیزوں پر نیت قربت کر لی گئی، شرع مطہر میں بلا وجہ ان کا بدلنا پسند نہیں، **لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھھنا وکل ذٰلك ظاھرا جدا** (خصوصًا جبکہ اعلٰی سے ادنٰی کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لئے جانور خریدے اور اس معین کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہو جاتا اسے اختیار ہے کہ اس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کر لی تو بلا وجہ تبدیل نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیة لایمتنع البیع[2]۔	قربانی کے لئے خرید بیع کے لئے مانع نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] العنایة علی ہامش القدیر کتاب الاضحیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۳۲

[2] الہدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

ویکرہ ان یبدل بہا غیرہا[1]۔	اوراس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے۔ (ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول وفعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادہ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر وشرک کا، جس میں اعلٰی درجہ کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمال بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، **کما حقق کل ذٰلك الائمۃ المحققون فی تصانیفھم الجلیلۃ** (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ ت)

اگر بالفرض بعض کوردل احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذاللہ عبادات غیر ہے تو حکم کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا ان کے سبب حکم عام لگادینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقًا اس نام پکارنے پر حکم شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بلکہ حکم شرک کے لئے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادات غیر ہے تو بے شک مشرک کہیں گے ورنہ ہرگز نہیں، اور حکم حرمت صرف قول وفعل ونیت ذابح خاص وقت ذبح پر مدار رکھیں گے، اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذاللہ اسی نیت شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بے شک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لئے جان دی اور قصدًا تکبیر نہ کی تو بیشک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصال ثواب یا اکرام اولیاء یا نفع دینا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت **معاذاللہ** وہی عبادات غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقت ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیت ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ موثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام وناروا ہے، اوہام تراشیدہ پر مسلمان کو معاذاللہ مرتکب کفر سمجھنا حلال خدا کو حرام کہہ دینا نام الٰہی عزوجل جو وقت تکبیر لیا گیا باطل وبے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ	تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

اللہِ عَلَیۡہِ "[1]	ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما کلفنا بالظاہر لابالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل، ولا سبیل لنا الی الباطن[2]۔	یعنی ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے باطن کی تکلیف نہ دی، جب اس نے اللہ عزوجل کا نام پاک لے کر ذبح کیا جانور حلال ہوجانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں،

یہ چند نفیس و جلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں۔

وباللہ العصمۃ والتوفیق وبہ الوصول الی التحقیق (حفاظت وتوفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۲۶: از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے ذبح کی گئی اوراس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں سے ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا، مگر اس کے جسم میں بال نہیں آیا ہے، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہوجائے گا یا نہیں ذبح کرنے سے؟ اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بچہ کہ مردہ نکلے حرام، اور زندہ نکلے اور ذبح کرلیا تو حلال، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے مدقق و محققین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ مردہ بکری مذبوحہ کے شکم سے برآمد ہو بمذاہب امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ حلال ہے یا حرام بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

ناجائز ہے، ہدایہ وعالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۳

من نحر ناقة اوذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتالم یو کل اشعر اولم یشعر وہذا عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه. وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما اللہ تعالٰی اذاتم خلقه اکل۔[1]	کسی نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ پائے تو اسے نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں، اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر وہ بچہ تام الخلقت ہو تو کھانا چاہیے۔ (ت)

اسی طرح در مختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸ تا ۱۳۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ ملک ہاڑوتی قصبہ سانگور مسئولہ مسلمانان سانگور ۲۱ رمضان ۱۳۳۵ھ

ہادی دین، پناہ شریعت، علمائے عظام ومفتیان کرام سلمکم اللہ تعالٰی، بعد سلام علیک کے گزارش یہ ہے کہ یہاں پر قصبہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں کھٹیک لوگ قدیم زمانے سے گوشت کی دکان کرتے چلے آرہے ہیں، اور مسلمان بھی انھیں کے یہاں سے خریدتے ہیں، ان کھٹکوں کا دو ایک مرتبہ کچہری میں مردار گوشت کا مقدمہ جاچکا ہے۔ اس لئے بوجہ شکوک اب ان کے یہاں سے مسلمانوں نے گوشت لینا قطعاً بند کردیا اور مسلمان قصائی آباد کرکے اس کے یہاں سے خریدنا شروع کردیا ہے، مگر دو ایک مسلمان جن کا تجارتی تعلق چمڑے وغیرہ کا کھٹکوں کے ساتھ ہے، وہ ایسا کہتے ہیں کہ یہ ضد اور نیا مسئلہ ہے، جب ایک مدت سے مسلمان کھٹکوں کے یہاں کا گوشت لیتے چلے آرہے ہیں اور تمام جگہ کھٹک ہی لوگ فروخت کرتے ہیں تو یہ ایک نئی بات پیدا کرکے کھٹکوں کو ناحق نقصان دیا جارہا ہے، کیا پہلے زمانے میں کوئی عالم نہ تھے، وہ کیوں کھا گئے، ان کے ایسا کہنے پر بہت سے مسلمان برگشتہ ہورہے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے دنیا کی بدنامی کا خوف ہے اور اصلی جواب کے منتظر ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کھٹکوں کے ساتھیوں کو سمجھایا گیا کہ تم ان سے بموجب شرع اس طرح پر انتظام کرادو:

(۱) نگراں مسلمان رہیں۔

(۲) گوشت مختلف مکانوں پر نہ ہو، جہاں مسلمان تجویز کریں۔

(۳) دبانے والا (۴) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔

ان چاروں شرطوں میں سے وہ شرط اول دوم وچہارم پر رضامند ہوتے ہیں، لیکن یہ رضامندی بھی

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

اُن کی قیاسانئے انتظام کو قطع کرنے کے لئے معلوم ہوتی ہے، دائمی نہیں معلوم ہوتی، اس لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا دو شخص کے ورغلانے سے مسلمانوں کو پرانی بات پر جمارہنا چاہئے، اور جو شخص اس پر صاد کرے اور حکم شرع ایک فضول اور بناوٹی بات بتائے اور آج تک تائب نہ ہو، مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت خریدنے کی ممانعت کا حکم سنایا جاتا ہے، یہ نیا مسئلہ اور بناوٹی بات ہے؟

(۳) جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پرانی روش، پر ضداً ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) کیا کسی شخص کی خاطر سے ہمارے مذہب کے ایسے حکم کو جس سے ہمارے ایمان میں خلل آنے کا ڈر ہو چھوڑ دینا روا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب:

(۱) حکم شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امر و نہی میں کافر کا قول اصلاً مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات[1]۔	معاملات میں کافر کی خبر بالاجماع مقبول ہے دینی معاملہ میں مقبول نہیں۔ (ت)

نہایہ وغیرہا میں ہے:

من الدیانات الحل والحرمۃ[2]۔	دیانات میں سے حلال وحرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التاترخانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف	تاتارخانیہ میں قربانی کے بیان سے تھوڑا پہلے ابویوسف کی جامع الجوامع سے منقول ہے کسی نے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہایۃ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

من اشتری لحما فعلم، انه مجوسی واراد الرد فقال ذبحه مسلم یکرہ اکله اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمۃ، فانه بعد اخبارہ بالحل بقوله ذبحه مسلم کرہ اکله فکیف بدونه۔[1]	گوشت خریدا تو معلوم ہوا کہ فروخت کرنے والا مجوسی ہے اور اس نے واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ تو اس کا مفادیہ ہے کہ خالی فروخت کرنے والے کا مجوسی ہونا حرمت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ مجوسی کے اس بیان کے بعد کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے جو کہ حلال ہونے کی خبر ہے، کھانا مکروہ ہے، تو اس کے خبر نہ دینے کی صورت میں کیسے مکروہ نہ ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا، جب یہ حکم شرعی معلوم ہوگیا جواب سوالات ظاہر ہوگیا وہ پرانا طریقہ شرعاً محض حرام تھا، اس پر جمنا حرام، سخت حرام، اگرچہ دو نہیں، دو لاکھ ورغلائیں، جو حکم شرع کو بناوٹی بتائے اگر جاہل ہے سمجھایا جائے، ورنہ اس پر لزوم کفر ہے توبہ کرے، تجدید اسلام کرے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید،، یہی حکم اس کے ساتھیوں کا ہے، یہ لوگ جب تک تائب نہ ہوں مسلمان ان سے میل جول نہ کریں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

" وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸ "[2]	اور کبھی شیطان تجھ کو بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ (ت)

(۲) یہ ممانعت خاص حکم شریعت ہے اور اس کے بناوٹی کہنے والے کے ایمان پر خطرہ ہے کما تقدم انفا۔

(۳) ایسا شخص حرام خوار، حرام کار، مستحق عذاب پروردگار سزاوار عذاب نار ہے، تعزیر شرعی یہاں کون کسے دے سکتا ہے یہی بس ہے کہ مسلمان اس سے یک لخت قطع تعلق کردیں،

قال اللہ تعالٰی " لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ "[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظلم کرنے والوں کی طرف میلان نہ کرو کہ تم کو آگ مس کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

(۴) ہر گزروانہیں، اور ایسی خاطر ملعون، وہ شرطیں جو ان سے کی جارہی ہیں ان میں مسلمانوں کی نگرانی اس طرح کی ہو جیسی ہم نے بیان کی کہ وقت ذبح سے وقت خریداری تک کسی آن مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو ورنہ کافی نہیں، اور دبانے والے کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہیں، ذبح کرنے والا مسلمان چاہئے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اٹاوہ محلّہ اورنگ آباد مرسلہ فضل حسین صاحب سوم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں گوشت ہندو کھٹک فروخت کرتے ہیں، اور انتظام ذبح یہ ہے کہ گورنمنٹی مذبح بناہوا ہے، بعد ملاحظہ ڈاکٹر انگریزی کے (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو) اس مذبح میں کل جانور ذبح ہوتے ہیں، کھٹک گوشت بناکر بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں، مذبح پر ایک مسلمان جاتاہے جس کی نسبت معلوم ہوا کہ ذبح وہی شخص کرتاہے، اگرچہ عادت مستمرہ وطریقہ مقررہ تویہی ہے، لیکن ممکن ہے کہ بخلاف ورزی اس حکم گورنمنٹی کے کوئی جانور خفیۃً اپنے گھروں پر ذبح کرکے اس کا گوشت بھی انھیں جانوروں کے گوشت میں ملاکر فروخت کرلیں، چنانچہ ایسے مقدمات بھی ہوتے اور وہ لوگ سزا پاتے ہیں، شہادت اس امر کی کہ گوشت جو فروخت ہورہاہے اس جانور کا ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے بجز قول اُس کافر کے جو گوشت فروخت کررہاہے، اور کوئی نہیں ہے، اور نہ وقت ذبح سے وقت فروخت تک بالاتصال وہ گوشت کسی مسلمان کے زیر نظر رہا، اگرچہ عادت معہودہ کے موافق کہا جاسکتاہے، کہ مذبح گورنمنٹی میں ذبح ہوا ہے، اور وہاں مسلمان معموگا جاتاہے، اور ایسے مقدمات بھی پیش آتے ہیں کہ بیماری مویشی وغیرہ بخوف ڈاکٹر کے معائنہ کے گھر پر ذبح کرلیتے ہیں۔ اور اس گوشت میں شامل کرلیتے ہیں، جو مذبح کے مذبوح جانوروں کا ہے، پس ایسی حالت میں اس ہندو کھٹک سے خریدا ہوا گوشت کھانا جائز وحلال ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس سے گوشت کاخریدنا، کھانا، کھلانا ناجائز ہے، کہ حیوان جب تک زندہ تھاحرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگیا، اور اس کا حصول ثابت نہ ہوا، **والیقین لایزول بالشك** (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ ت) اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کاذبیحہ ہے، تو یہ خبر خصوصاامر دیانت وحلت وحرمت میں ہیں۔ اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل و نامعتبر ہے، درمختار وہدایہ و تبیین وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات[1]۔	معاملات میں بالاجماع کافر کی خبر مقبول ہے دیانات میں مقبول نہیں۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

اشباہ میں اسی قاعدہ کے تحت میں ہے:

الشاۃ فی حال حیاتها محرمة فالمشتری مستمسك باصل التحریم الی ان یتحقق زواله[1]۔	بکری زندہ حرام ہے، تو خریدار نے اس کے اصل حال کو دلیل بنا کر حرام کردیا تا وقتیکہ اس اصل یقین کا زوال نہ ہوجائے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لاتحل حتی یعلم انها ذکاۃ مسلم لانها اصلها حرام، وشککنا فی الذکاۃ المبیحة[2]۔	کھانا حلال نہیں جب تک یقینی علم نہ ہوجائے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے کیونکہ اصل میں حرام ہے، اور ہمیں مباح بنانے والے ذبح میں شک ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ میں جامع الجوامع امام ابویوسف سے ہے:

من اشتری لحما فعلم انه مجوسی واراد الرد، فقال ذبحه مسلم یکرہ اکله[3] اھ	کسی نے گوشت خریدا اور معلوم ہے کہ فروخت کرنیوالا مجوسی ہے تو واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمة فانه بعد اخبارہ بالحل بقوله ذبحه مسلم کرہ اکله فکیف بدونه، تأمل[4]۔	اس کا مفاد یہ ہے کہ محض بائع کا مجوسی ہونا ہی حرمت کو ثابت کردے گا کیونکہ اس نے اس کے حلال ہونے کی خبر دی، کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، اس کے باوجود جب کھانا مکروہ ہو تو ایسی خبر کے نہ ہونے پر کیسے حلال ہوسکتا ہے، غور کیجئے۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یا مزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے اور وہ خرید کرلائے اور کہے میں نے مسلمان سے خریدا ہے اس کا کھانا جائز ہوگا، جبکہ قلب میں اس کا صدق جمتا ہو کہ اب یہ اصالۃً دربارہ معاملات قول کافر کا قبول ہے اگرچہ حکم دیانت کو متضمن ہوجائے گا، تبیین الحقائق پر ہندیہ میں ہے:

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الاول القاعدہ الثالثۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۹

[2] فتح القدیر

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

لایقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات، فح تدخل الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورۃ[1]۔	دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ماسوائے اس کے کہ جب معاملات میں اس کا قول ہونے پر دیانات میں مقبول ہونے کو متضمن ہو تو ایسی صورت میں دیانات، معاملات میں داخل قرار پاتے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجواب ان قوله شریته من المعاملات، و ثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی، فلما قبل قوله فی الشراء، ثبت ما فی ضمنه بخلاف ما یأتی، و کم من شیئ یثبت ضمنا لاقصدا[2]۔	جواب یہ ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اسے خریدا ہے، یہ معاملات کی بات ہے اور حلال وحرام ہونا اس میں ضمنی چیز ہے تو جب خریداری کے متعلق اس کا قول مقبول ہے تو ضمنی امر بھی ثابت ہوجائے گا، آئندہ بیان اس کے خلاف ہے، تاہم بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوجاتی ہیں وہ قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ (ت)

ولہٰذا اگر وہ نوکر کہے کہ بائع مشرک تھا گوشت حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ بیچنے والے کا مشرک ہونا ہی حرمت گوشت کے لئے کافی ہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل، او قال اشتریته من مجوسی فیحرم[3]۔	اس نے کہا میں نے یہ گوشت کتابی شخص سے خریدا ہے تو حلال ہوگا، یا اس نے کہا میں نے مجوسی سے خریدا ہے، تو حرام ہوگا۔ (ت)

ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اس مسلمان اور نیز دوسرے کو اس مسلم کی خبر پر کہ یہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔

فی التنویر شرط العدالة فی الدیانات و یتحری فی الفاسق والمستور[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے دینی امور میں عدالت شرط ہے اور فاسق یا مستور الحال شخص کی خبر میں غور وفکر کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ الباب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

مسئلہ ۱۳۳: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے گوسفند ذبح کیا ہوا اپنے ایک ملازم غیر کتابی کے ہاتھ مکان کو بھیجا اور آرندہ ذبیحہ نے یہاں کہا کہ یہ ذبیحہ فلاں شخص مسلم نے بھیجا ہے۔ کھانا اس کا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر قرائن کی رو سے اس کافر کے اس قول میں شک پیدا نہ ہو، ظن غالب اس کے صدق ہی کا ہو، تو مسلمان کے لئے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہدیہ لانا از قبیل معاملات ہے اور معاملات میں کافر کی بات مقبول، اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلم کا بھیجا ہوا ہے، تو اس کے ضمن میں حلت بھی مسلم ہو گئی، اگرچہ ابتداء حلت، حرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امور خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیرا له مجوسیا اوخادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یهودی اونصرانی اومسلم وسعه اکله. لان قول الکافر مقبول فی المعاملات الخ[1]۔	جس نے اپنا مجوسی مزدور یا خادم گوشت خریدنے بھیجا تو اس نے واپس آکر کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو مزدور یا غلام کا خریدا ہوا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے۔ الخ (ت)

تبیین الحقائق و درمختار میں ہے:

المعاملات یقبل فیها خبر کل ممیز حرا کان اوعبدا مسلما کان اوکافرا، کبیرا او صغیرا لعموم الضرورة فان الانسان قلما یجد المستجمع لشرائط العدالة لیعامله اویستخدمه اویبعثه الی وکلائه ونحوذلك و لا دلیل مع السامع یعمل به سوی الخبیر[2] الخ۔	معاملات میں ہر باتمیز شخص کی بات مقبول ہے، وہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا کافر، وہ بڑا ہو یا نابالغ ہو کیونکہ ضرورت عام چیز ہے جبکہ انسان معاملہ یا خدمت لینے یا اپنے وکلاء کے پاس بھیجنے کے لئے شرائط عدالت پر پورا اترنے والے کو بہت کم پاتا ہے اور سامع کے پاس خبر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہوتی، جس پر عمل کیا جائے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

عالمگیری میں ہے:

يقبل قول الواحد فی المعاملات مسلما کان اوکافرا، دفعا للحرج، ومن المعاملات الوکالات والمضاربات و الرسالات فی الهدایا، والاذن فی التجارات، کذا فی الکافی[1] اهملخصا۔	معاملات میں ایک شخص کی بات قبول کی جائے گی خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر ہو تاکہ حرج کو ختم کیا جاسکے اور معاملات میں سے مضاربت اور ہدیہ وغیرہ کا قاصد بنانا تجارت کی اجازت دینا بھی ہے، اسی طرح کافی میں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

نیز تبیین میں ہے:

فاذا قبل فیها قول الممیز وکان فی ضمن قبول قوله فیها قبوله فی الدیانات یقبل قوله فی الدیانات ضمنا ضرورة، وکم من شیئ لایصح قصدا یصح ضمنا و لان کل معاملة لاتخلو عن دیانة، فلو لم یقبل فیها فی ضمن المعاملات لادی الی الحرج، بخلاف الدیانات المقصودة[2] (ت)	توجب اس میں باتمیز شخص کی بات قبول ہے تو اس کے ضمن والی دینی چیز بھی اس کی قبولیت سے ضرورۃً ضمن میں قبول ہوگی اور اس لئے بھی کہ کوئی معاملہ بھی دینی امر سے خالی نہیں ہوتا، تو اگر وہ معاملہ میں ضمناً ثابت نہ ہو تو حرج کا باعث ہوگا جبکہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً صحیح نہیں ہوتیں، اس کے برخلاف مقصود دینیات کہ وہ ضمناً صحیح نہیں ہوتے، ملخصا (ت)

ہاں اگر بنظر قرائن اس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے، تو ہرگز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک و موہوم بات سے ثابت نہ ہوگی،

فان الحیوان ماکان حیا کان حراما، وانما یحل بذبح مشروع فلا یثبت الطاری بالشک۔	کیونکہ جانور جب تک زندہ ہے کھانا حرام ہے وہ صرف شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے تو اصل کے خلاف وارد ہونیوالی چیز شک سے ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراہیۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۰

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

يقبل قول المملوك ولو انثى، والصبى، فى الهداية، وقيده فى السراج بما اذا غلب على رائه صدقهم[1] اھ ملخصا۔	غلام عورت ہو یا بچہ ہو اس کی بات قبول ہوگی، ہدیہ میں اور کہ اس بات کو سراج میں اس قید سے مقید کیا ہے کہ اس کی رائے میں اس مملوک غلام کی سچائی غالب ہو اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم قال کمافی المنح وان لم یغلب علی رأیه ذٰلك لم یسعه قبوله منهم، لان الامر مشتبه علیه، اھ قال الاتقانی لان الاصل انه محجور علیه، والاذن طاری، فلا یجوز اثباته بالشك[2]۔ الخ، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	پھر منح میں کہا گیا کہ اگر اس کی سچائی پر غلبہ ظن نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاملہ اس پر مشتبہ رہے گا اھ، اتقانی نے کہا کہ اصل ممانعت ہے اور اجازت بعد والی چیز ہے، لہٰذا شک کے ساتھ اجازت ثابت نہ ہوگی الخ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از ضلع لاہور مقام چونیا مسئولہ انوار الحق بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اس شہر میں حلال خور یعنی چوہڑے درپردہ گائے ذبح کراکے گوشت فروخت کرتے ہیں، بعض مسلمان ان سے خرید لیتے ہیں، اگر ان سے منع کیا جائے تو زید کہتا ہے کہ مولوی عبدالحہ کے فتاوٰی میں لکھا ہے اگر جانور کو مسلمان ذبح کرے اور فروخت کافر کرے تو کھانا جائز ہے، جب شریعت جاز کرتی ہے تو تم کیوں نفرت کرتے ہو، یا حضرت! چوہڑوں سے گوشت کھانا مسلمان کو بہت برا معلوم ہوتا ہے. برائے مہربانی تحریر فرمائیں کہ اگر جائز ہو تو نفرت نہ کی جائے۔ فقط

الجواب:

گوشت میں اصل یہ کہ جانور مثلاً گائے جب تک زندہ ہے اس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے مردار اور حرام ہوگا، "**ما ابین فی حی فھو میت**" (زندہ جانور سے گوشت کاٹا تو وہ حرام ہے)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۰

حلت ذکات شرعی سے ثابت ہوتی ہے، توجب ذبح شرعی معلوم و متحقق نہ ہو تو حکم حرمت ہے، کافر نے مسلمان سے راس ذبح کرائی اور قبل اس کے کہ مسلمان کی نگاہ سے غائب ہوا نھیں سے خرید لیا، یہ جائز ہے اور اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اس کے بعد جانور اس کی نظر سے غائب ہوگیا" اور کافر[عہ] گوشت اس کی حلت وطہارت کرنا چاہتا ہے۔ "اور حلت وحرمت وطہارت ونجاست خالص امور دیانت ہیں، اور امور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔ (ت)

مسلمان اس کے گوشت کی خریداری سے نفرت واعراض کرتے ہیں، بہت صحیح وبجا ہے، یہی حکم شرع ہے، بلکہ چوہڑے چمار اگر مسلمان سے ذبح کرائیں اور ہنوز نگاہ سے غائب نہ ہو جب بھی خریدنا نہ چاہئے جبکہ قلوب اس سے تنفر کرتے ہوں،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: بشروا ولا تنفروا[2]۔ وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ایاکم ومایتغدر منہ[3] فان الخبر لایتغدر منہ، وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاك ومایسؤ الاذن[4]۔ ھذا وفصلناہ فی فتاونا	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے؛ بشارت دینے والے بنو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: باعث غدر سے بچو جبکہ خبر باعث غدر نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کانوں کو تکلیف دہ بات سے بچاؤ۔

[عہ]: اصل میں اسی طرح ہے، مگر ہونا اس طرح چاہئے: "اور کافر گوشت فروش اس کی حلت وطہارت ثابت کرنا چاہتا ہے۔" عبد المنان اعظمی۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

بتوفیق اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسے ہم نے بتوفیق الٰہی اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ازرامہ ڈاک خانہ جاتلی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہوجائے، ذابح نامعلوم ہے، کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

حلال ہے مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے۔ حلبی وشامی علی الدرر میں ہے:

الاولی ان یقال ان کان الموضع مما یسکنه او یسلك فیه مجوسی لایوکل والا اکل ولایعترض بشأن ترك التسمیة عمدا، فان ہذا موہوم لایعارض الراجح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ کہنا بہتر ہے، ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے، اور قصداً بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۶: از موضع بکاجبی والا، علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد ۲ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی بکری یا اور کوئی حلال جانور چرا کر ذبح کرے تو وہ جانور اس کے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور اس ذبح کرنیوالے کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ شخص ملک غیر میں بے اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے گنہگار ہوا، مگر اگر یہ ذبح کرنیوالا اہل ذبح ہے اور تکبیر اس نے قصداً ترک نہ کی تو جانور کا ذبیحہ صحیح ہوگیا یہاں تک کہ اگر یہ جانور مالک نے خاص قربانی کے لئے خریدا تھا اور اس شخص نے ایام قربانی میں اپنی طرف سے ذبح کرلیا، اور مالک نے یونہی ذبح کیا ہوا اس سے لے لیا تو مالک کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر مالک نے تاوان لے لیا تو ذابح کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

کوئی شخص کسی کا جانور چوری یا غصب سے لے کر ذبح کرے، اور ابھی پکانے یا بھوننے نہ پایا ہو، تو مالک کو اس کا لے لینا اور خود کھانا حلال، اور جسے وہ اجازت دے اسے بھی حلال، ہاں بے اس کی اجازت کے یہ ذبح کرنیوالا نہ خود کھا سکتا ہے نہ دوسرے کو کھلا سکتا ہے اسے حرام ہے جب تک اس کا تاوان ادا نہ کرے، یہ حرمت تعلق غیر کے سبب ہے نہ اس وجہ سے کہ ذبح صحیح نہ ہوا، جس طرح ذابح کے پکالینے یا بھوننے کے بعد مالک کو اس کے لے لینے کا اختیار نہیں کہ اب ذابح اس کا مالک ہوگیا اصل مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار رہا، جب یہ تاوان لے لے گا ذابح کو اس کا کھانا حلال ہوجائے گا، درمختار میں اشباہ سے ہے:

لو شراها بنية الاضحية فذبحها غيره بلااذنه فان اخذها مذبوحة ولم يضمنه اجزأته۔ وان ضمنه لا تجزئه وہذا اذا ذبحها عن نفسه، واما اذا ذبحها عن مالكها فلاضمان عليه[1]۔	اگر قربانی کی نیت سے بکری خریدی تو کسی دوسرے شخص نے اس کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کردیا تو اگر مالک نے وہ ذبح شدہ بکری رکھ لی اور اس سے ضمان نہ لیا تو مالک کی قربانی جائز ہوگی اور اگر ضمان لیا تو قربانی جائز نہ ہوگی یہ اس صورت میں ہے کہ جب ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے جانور ذبح کیا ہو اور اگر اس نے مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں محیط سرخسی سے ہے:

رجل ذبح اضحية غيره عن نفسه بغير امره، فان ضمنه المالك قيمتها يجوز عن الذابح دون المالك لانه ظهر ان الاراقة حصلت على مبلكه وان اخذها مذبوحة تجزئ عن المالك لانه قد نواها فليس يضره ذبح غيره لها[2]۔	کسی شخص نے غیر کی قربانی کو اپنی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کرلیا تو مالک نے اس کو جانور کی قیمت کا ضامن بنایا تو وہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہوگی مالک کی نہ ہوگی کیونکہ واضح ہوگیا کہ ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے قربانی دی ہے اور اگر مالک نے ذبح شدہ کو لے لیا تو قربانی مالک کی جانب سے ادا ہوئی کیونکہ اس نے قربانی کی نیت کر رکھی تھی تو غیر کا ذبح کرنا مضر نہ ہوگا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

---

[1] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الاضحیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۲

ان غصب وغير فزال اسمه واعظم منافعه ضمنه و ملكه بلاحل انتفاع قبل اداء ضمانه كذبح شاة و طبخها اوشيها[1] اهملخصا۔	اگر دوسرے شخص نے جانور غصب کیا اور اس میں کوئی تغیر کردیا تو اس کا نام زائل ہوگیا اور اس کے منافع بڑھالئے ضمان دیا تو مالک ہوجائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کو انتفاع حلال نہ ہوگا مثلاً ذبح کرکے پکالیا یا بھون لیا تو مالک ہوجائے گا۔ اھ ملخصا (ت)

اسی میں ہے:

ذبح شاة غيره طرحها المالك عليه، واخذ قيمتها او اخذها وضمنه نقصانها[2]۔	غیر کی بکری ذبح کی تو مالک نے اس کے ذمہ ڈال دی اور اس کی قیمت وصول کرلی یا وہ ذبح شدہ بکری مالک نے رکھ لی اور نقصان کا ضمان وصول کرلیا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه اتلاف من وجه لفوات بعض المنافع كالحمل و الدر والنسل وبقاء بعضها وهو اللحم، [3] درر۔	کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے حاملہ ہونے، دودھ اور نسل کے اعتبار سے اور من وجہ باقی ہے گوشت کے اعتبار سے درر، (ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہا میں ہے:

فظهران ماوقع فی اٰخرالصيد من الدر المختار، بما نصه ورأيت بخط ثقة سرق شاة فذبحها بتسمية فوجد صاحبها هل توكل، الاصح لا، لكفره بتسميته على الحرام القطعى بلا تملك ولا اذن شرعى اهفيحرر[4] اهفغير معتمد ولا محرر، لمخالفته لما	تو درمختار کے باب الصید کے آخر میں جو واقع ہے وہ غیر معتمد اور غیر محرر ہے، وہ عبارت یہ ہے، "میں نے ثقہ عبارت میں پایا کہ کسی نے بکری چوری کرکے ذبح کرلی اور اس پر بسم اللہ پڑھی تو مالک ناراض ہوا، کیا وہ کھائی جائے گی؟ (جواب) اصح یہ ہے کہ نہ کھائی جائے کیونکہ حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے سے کفر ہونے کی بناء پر ملکیت اور اذن شرعی کے بغیر یہ عمل ہوا"، اھ اس کو واضح کیا جائے اھ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۳

[4] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

فی الدر وغیرہ عامة معتمدات المذہب، ولذا قال فی ردالمحتار المعتمد خلافه بدلیل قولهم بصحة التضحیة بشاة الغصب واختلافهم فی صحتها بشاة الودیعة ولذا قال السائحانی، **اقول**: هذا ینافی ما تقدم فی الغصب، وفی الاضحیة فلا یعول علیه[1] اھ، ما فی ردالمحتار، **اقول**: و یؤید حدیث شاة ذبحت بغیر اذن مالکها، وقدمت للنبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فاخبرہ بذٰلک لحمها، فلم یتناول منه وامر بحمله الاساری، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ در مختار اور دیگر عام کتب مذہب کے بیان کے خلاف ہے اور اسی لئے ردالمحتار میں فرمایا اس کا خلاف معتمد علیہ ہے اس پر دلیل فقہاء کا یہ قول ہے کہ غصب شدہ بکری کی قربانی صحیح ہے، اور امانت بکری کے متعلق اختلاف کیا، اور اسی لئے سائحانی نے فرمایا **میں کہتا ہوں** کہ یہ غصب میں بیان شدہ کے خلاف ہے اور قربانی کے بیان سے بھی مخالف ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح شدہ بکری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ کو واقع بتایا گیا تو آپ نے وہ گوشت نہ کھایا اور آپ نے وہ گوشت قیدیوں کو دے دینے کا حکم فرمایا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کافر نے ایک بکری پر اہلال لغیر اللہ کیا، اور بنام خدا ذبح کرنا چاہا، پھر کسی کے کہنے سے ذبح موقوف کرکے ایک شخص کو ہبہ کردیا نہ کہ اس غیر کے نام پر بلکہ جیسے آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، آیا موہوب لہ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عندالتحقیق کریمہ "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ"[2] میں اہلال وقت ذبح مقصود، یعنی اس وقت اگر نام غیر خدا لیا گیا حرام ہے، اس معنی پر آیہ کریمہ کو صورت مسئولہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں، اور بعض نے جو پیش از ذبح جانور پر نام غیر خدا پکار دینا مراد رکھا، ان کے نزدیک بھی استمرار اسی کا تا دم شرط حرمت ہے۔ استدلال

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث "**ملعون من ذبح لغیر اللّٰه**"[1] (جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ت) اور عبارت نیشاپوری:

اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحها التقرب الی غیر اللّٰه صار مرتدا ذبیحته ذبیحۃ مرتد۔[2]	علماء کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان نے جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے قصد کرتے ہوئے ذبح کیا تو وہ مرتد ہوجائے گا، اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کی طرح ہوگا۔(ت)

سے اس کا صاف مؤید ہے، یہ مطلب ہر گز نہیں کہ جب ایک بار اس پر نام خدا کا پکار دیا گیا نجس العین ہوگیا اب اگرچہ وہ نیت جاتی بھی رہے اور وقت ذبح تقرب الی اللہ ہی مقصود ہو، اور نام بھی خدا ہی کا لیا جائے حرام رہے گا، حالانکہ علت حرمت مرتفع ہوگئی اور ارتفاع علت کو ارتفاع معلول لازم، شاہ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ می دہد کہ تقرب بغیر خدا از دل دور کردہ، وخلاف آں شہرت دادہ آواز دیگر دہند کہ ما ازیں کار برگشتیم[3]۔	ہاں اس جانور پر خدا کا نام ذکر کرنا تب فائدہ مند ہوگا جب غیر خدا کے تقرب کو دل سے نکال دے اور غیر خدا کے تقرب کے خلاف کو شہرت دے اور لوگوں کو بتائے کہ اس کام سے باز آگیا ہوں۔(ت)

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ اگر بعد اہلال للغیر ونیت فاسدہ زائل ہوجائے تو جانور قطعاً حلال ہے، خصوصاً صورت مسئولہ میں کہ یہاں تو وہ بکرا صاحب اہلال کی ملک ہی نہ رہا، دوسرے شخص کا مملوک ہوگیا کیا صرف ایک بار نام خدا پکار دینے سے اس میں وہ حرمت ابدی ونجاست سرمدی آگئی کہ اب اگرچہ وہ نیت بھی جاتی رہی، اور اہلال للغیر بھی موقوف ہوجائے بلکہ جانور صاحب اہلال کی ملک بھی نہ رہے، اور ملک ثانی خاص خدا کے نام پر ذبح کرے، باایں ہمہ اس کی حرمت نہ جائے؟ یہ امر بالبداہۃ باطل، اور اس بکر کی حلت میں باتفاق فریقین کوئی شبہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وحکمہ عزاسمہ احکم**۔

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۱۰

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

[3] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

مسئلہ ۱۳۸: ۱۴ رمضان المکرم ۱۳۱۴ھ

جنگل میں صبح کے وقت بیل مذبوحہ پایا، مگر ذابح معلوم نہیں کہ کافر ہے یا مسلمان، اگر مسلمان ہے تو بسم اللہ اکبر کہی ہو یا نہ، آیا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ اگر حلال ہے تو یہ جزئیہ کون سی کتاب میں ہے اور کون سے باب میں ہے یا "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللهِ"[1] میں داخل کیا جائے کون سی دلیل کے ساتھ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نا معلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا۔

کما بینہ فی الدر المختار[2] ورد المحتار[3] من اٰخر الصید فراجعھما وفیہ تفصیل لا یعدو ما قلناہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ در مختار اور ردالمحتار کے باب الصید کے آخر میں اس کو بیان کیا ہے تو دونوں کتب کی طرف رجوع کرو اور اس میں تفصیل ہے جو ہمارے بیان کردہ سے زائد نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ عبدالرشید خاں ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اور مدار صاحب کا مرغہ کرنا کیسا ہے؟ اور کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو جانور مسلمان نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اور اللہ عزوجل کے لئے اس کی جان دے وہ حلال ہے، مرغ مزار پر لے جانا نہ چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے، جو ذبح جہاں ہو اللہ کے لئے کرے ان کا ثواب ان کی روح کو پہنچا دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ انوار الحق چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب کا حنفی المذہب کے مطابق ہے یا کہ نہیں، اور نیز اس میں لکھا ہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے، خواہ وقت ذبح تکبیر کہی جائے، اب اے وارث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم! تحریر فرمائے کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ اس فتاوٰی کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہے اس

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۶

فتوے کی تمام عبارت دو تین ورق پڑھ کر تحریر فرمائیں، اور نیز حضور نے کئی دفعہ پڑھا بھی ہوگا۔

الجواب:

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے اگر اس نے اراقۃ دم تقرب الی اللہ کی اور وقت ذبح نام الٰہی لیا جانور بنص قطعی قرآن عظیم حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی مالکم ان لاتاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اسے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام پکارا گیا۔ (ت)

تفصیل فقیر کے رسالہ "**سبل الاصفیاء**" میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوٰی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک ان کا فتاوٰی بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں سے کچھ متروک نہ ہو، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذہ القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ہر ایک اپنے قول پر ماخوذ ہوگا اور قول کو اس پر رد کیا جائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۴۱: از رام گڑھ سیٹھاں علاقہ سیکر شیخاوٹی، مدرسہ نور الاسلام، مسئولہ عبدالعزیز ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیروں کا بکرا جو مانتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ذبح اللہ عزوجل کے نام پر کیا جائے اور ثواب پیروں کو پہنچایا جائے، نہ اس میں حرج نہ اس کے ماننے میں حرج، مسلمان یہی کرتے ہیں اور ان کا مقصود ہوتا ہے، اس کے خلاف سمجھنا بدگمانی ہے، **کمافی الدرالمختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) اور یہ بدگمانی حرام ہے، **کمافی القراٰن العظیم** (جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲: از ریاسی ریاست جموں مولانا امام الدین گاذر مرسلہ پیر سید غلام شاہ کشمیری ۱۷ صفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

پکڑا اور خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا باسنانہ، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں؟ ادھر کشمیر اور پونچھ کے مفتی عدم حلت کا فتوٰی دیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ وجیز امام کردری اور فتاوٰی عالمگیری میں ایسے جانور کو حرام لکھا ہے،

شاۃ قطع الذئب اوداجھا لاتحل بالذکوۃ وھی حیۃ[1]۔	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں اور ابھی زندہ تھی تو ذبح کردی گئی تو حلال نہ ہوگی۔ (ت)

سے استدلال کرتے ہیں، اور نیز کہتے ہیں کہ چار رگیں کاٹنی فرض تھیں وہ شیر نے کاٹ ڈالیں، حالانکہ شیر رگیں بالکل نہیں کاٹتا صرف انھیں بیچ میں سے چھید ڈالتا ہے، مثلاً رگ کی اصل صورت یہ ہے، زخمی اس طرح = = = = کردیتا ہے، بسا اوقات دو ہی رگوں کو دانت مارتا ہے، موافق مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جواب ارشاد فرمایا جائے، اگر (ولو فرض) عقدہ توڑ جائے اور سب مذبح کھا جائے، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ **بینوا بالکتاب تو جروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان فرمائیے یوم حساب اجر دیے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

اللہ عــہ عزوجل فرماتا ہے:

عــہ: ایضاً فتوائے مولوی محمد مرتضٰی از بلکوٹ، ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر کہ در تحریم مقطوع الاوداج من السبع بود ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ ایں عبارت نوشتہ شد فی الواقع اگر درندہ محل ذبح کہ مابین اللبۃ واللحیۃ ست دو یا بیشتر اوداج را برید کہ اتصال آنہا بدماغ یا سینہ منقطع شد حالا ذبح نتواں شد	نیز مولوی مرتضٰی از بلکوٹ ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر، نے درندہ کی قطع کردہ اوداج (گلے کی رگیں) پر جانور کو حرام قرار دینے کا فتوٰی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ کو دیا، وہ عبارت یہ ہے: اگر فی الواقع درندے نے مقام ذبح جو لبہ اور لحیہ کے درمیان ہے میں دو یا زیادہ اوداج کو کاٹ دیا ہو کہ ان کا تعلق دماغ یا سینے سے منقطع ہوگیا ہو ایسی صورت میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۱، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ "[1]۔	تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام لیا گیا اور گلا گھونٹی، اور لاٹھیوں سے ماری اور اوپر سے گرنے والی، اور جسے کسی نے سینگ مارا، اور درندہ کی کھائی ہوئی، مگر جسے تم ذبح کرلو،

یہ استثناء تمام مذکورات کی طرف راجع ہے جس سے متعلق ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ خون اور گوشت ذبح نہیں ہوسکتے، عجب نہیں کہ اضافہ لفظ لحم میں یہی حکمت ہو کہ صلاحیت استثنا نہ رہے، اور مردار اور جو ایک بار ذبح ہوچکی صالح ذبح نہیں، بحمداللہ تعالٰی یہاں سے وہابیہ کا رد ہوگیا، ما اُہل سے اگر ما ذبح مراد لیتے ہیں جیسا کہ یہی حق اور یہی تفسیر ماثور ہے۔ تو قبل ذبح کسی کا نام پکارنے سے کیوں حرام بتاتے ہیں اور مطلق پکارنا مراد لیتے ہیں، تو جب اسے نام خدا پر ذبح کیا گیا کیونکر حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ "[2]۔ (مگر جسے تم ذبح کرلو۔ت) یہ چیزیں حرام ہیں مگر جسے تم ذبح کرلو وہ حلال ہے، پہلی صورت میں تو یہی تھا کہ

لفوات محلّہ پس الا ماذ کیتم صادق نیاید آرے اگر دندان زدہ رگ راقدرے شگافتہ، ست کہ خرق باشد نہ قطع یا در غیر محل مذکور چنانکہ در سر یا بر صدر و مجروحہ ہنوز زندہ است آں، ذبح کردہ شد حلال می شود لبقاء محل الذبح فید خل فی قولہ تعالٰی الا ماذ کیتم تحقیق و تفصیل ایں مسئلہ در فتوائے فقیر جلد ہفتم کتاب الذبائح است، وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	وہ جانور ذبح کے قابل نہ ہوگا کیونکہ ذبح کا محل فوت ہوگیا، پس قرآن کا حکم الا ماذ کیتم صادق نہ آئیگا، ہاں اگر رگوں کو زخم ہوا اور وہ قدرے پھٹ گئی ہوں اور مکمل قطع نہ ہوئی ہوں یا محل ذبح مذکور کے غیر مثلاً سر یا سینہ کو درندے نے کاٹ دیا اور زخمی جانور ابھی زندہ ہو اور ذبح کرلیا گیا تو حلال ہوگا کیونکہ ذبح کا محل باقی تھا تو اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ماذ کیتم میں داخل ہوگیا، اس مسئلہ کی تحقیق و تفصیل ہمارے فتاوٰی جلد ہفتم (جو کہ اب بیسویں ہے) کتاب الذبائح میں ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳

بغیر خدا کے بتائے وہابیہ نے اپنی طرف سے حرام کہہ دیا، اور دوسری صورت جو خود وہابیہ لیتے ہیں اس سے بھی سخت تر ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے حلال بتایا اسے حرام بتاتے ہیں، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پانچ اشیاء سے باقی ماندہ میں جو مر گئی صالح ذبح نہ رہی، اور جس میں کچھ بھی حیات باقی ہے اگرچہ کتنی ہی خفیف ہو، اگرچہ اس کی حالت کتنی ہی ردی ہو، اگرچہ اس میں صرف مذبوح کی سی تڑپ باقی ہو، جب ذبح کرلی جائیگی مطلقًا حلال ہو جائے گی اگرچہ ذبح کے وقت نہ خون دے نہ تڑپے جبکہ وقت ذبح اس میں حیات ثابت ہو اس لئے کہ رب عزوجل نے استثناء میں کوئی تفصیل نہ فرمائی، یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، اور اسی پر فتوی، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا، ان لم تدر حیاتہ عندالذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا وان لم تتحرك ولم یخرج الدم، وھذا یتأتی فی منخنقۃ و متردیۃ ونطیحۃ والتی بقرا لذئب بطنھا، فذکاۃ ھذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ، وعلیہ الفتوی لقولہ تعالی الا ماذکیتم من غیر تفصیل[1]۔	بیمار بکری کو ذبح کیا جبکہ اس نے حرکت کی اور خون نکلا تو حلال ہے، ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا معلوم نہ ہو سکا، اور اگر اس موقعہ پر زندہ ہونا معلوم تھا تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کی اور نہ خون نکلا ہو، یہ صورت گلہ گھونٹی ہوئی، اوپر سے گرنے والی، سینگ زدہ، اور جس کا پیٹ درندے نے پھاڑ دیا ہو، میں پائی جاتی ہے تو ایسے جانور ذبح کردئے جائیں تو حلال ہوں گے، اگرچہ ذبح کے وقت خفیف سی زندگی معلوم ہو جائے اور اسی پر فتوی ہے اللہ تعالٰی کے قول الا ماذکیتم مطلق کی بناء پر۔(ت)

ولہٰذا ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر درندہ نے جانور کا پیٹ چاک کردیا، یا بالکل سر سے جدا کرکے لے گیا، اور ابھی اس میں حیات باقی ہے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے، وجیز کردری جس سے بحوالہ عالمگیری سوال میں استدلال ہے، اس کی پوری عبارت کتاب السیر سے چند سطر پہلے یہ ہے:

شاۃ قطع الذئب اوداجھا وھی حیۃ لاتذکی لفوات محل الذبح، ولو بقر الذئب بطنھا وھی	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں ابھی زندہ ہے مگر ذبح کے قابل نہ ہو تو ذبح نہ ہوگی کیونکہ ذبح کا محل نہ رہا، اور بھیڑیئے نے

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

حیة تذکی لبقاء محل الذبح فتحل لوذبحت ولو انتزع الذئب راس الشاة وبقیت حیة تحل بالذبح بین اللبة واللحیین[1]۔	اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور ابھی زندہ ذبح کے قابل ہے تو ذبح کی جائے کیونکہ ذبح کا محل باقی ہے، اور اگر بھیڑیئے نے سر کاٹ لیا ابھی زندہ تھی اور ذبح کرلی گئی لبہ اور لحیہ کے درمیان سے تو حلال ہوگی۔ (ت)

صورت مسئولہ کا آیہ کریمہ کے اطلاق اور ہمارے امام اعظم کے مذہب مفتی بہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور عبارت وجیز اس سے متعلق نہیں۔ وجیز میں وہ صورت منع کی ہے، درندہ رگیں قطع کردے، اور سوراخ کرنا قطع کردینا نہیں کہ اس میں سینہ سے سرتک رگوں کا اتصال بحال رہتا ہے، اور قطع اس وصل کا فصل کردینا ہے۔ ردالمحتار میں علامہ علی مقدسی سے ہے:

المراد بقطعها فصلها من الراس اوعن الاتصال باللبة[2]۔	کاٹنے سے مراد یہ کہ سر سے جدا کرلیا یا لبہ سے تعلق کاٹ دیا۔ (ت)

جواب مسئلہ کو اسی قدر بس ہے، اور اگر تحقیق مقام درکار ہو **فاقول:** **وباللہ التوفیق** (تو میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) وجیز کی عبارت مذکورہ میں تین فرعیں ہیں؟

اول: بھیڑیا نے بکری کی رگھائے گردن کاٹ دیں۔

دوم: پیٹ چاک کردیا۔

سوم: سرجدا کردیا۔

پہلی میں حکم دیا ہے کہ ذبح نہیں ہوسکتی، اور دو باقی میں فرمایا ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اول وسوم کے حکم میں بظاہر صریح تناقض ہے، یہ رگیں دماغ سے دل تک ہوتی ہیں، بدائع وفتاوائے امام قاضی خاں وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الاوداج متصلة من القلب بالدماغ[3]۔	اوداج، دل تا دماغ متصل ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۵، بدائع الصنائع کتاب الذبائح والصید فصل واما بیان شروط حل الاکل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۲

توجب سر جدا کر دیا قطعاًیہ رگیں قطع کر دیں، تو فرع اول کے حکم سے فرع سوم میں بھی حرمت چاہئے تھی اور حکم یہ دیا کہ ذبح کرے تو حلال ہے۔ اب اگر یوں توفیق کیجئے کہ ہمارے امام کے نزدیک صحت ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے، اگرچہ اسی قدر جو مذبوح میں بعد ذبح ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک اتنی حیات کافی نہیں، امام محمد فرماتے ہیں بس اس سے زائد ہو، اور شرط نہیں، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں: نہیں، بلکہ یہ چاہئے کہ اتنے زخم کے بعد جانبر ہوسکے، ہدایہ میں ہے:

لو انه ذکاه حل اکله عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه فیه حیوة خفیة، او بینة، و علیه الفتوی، لقوله تعالٰی اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ مطلقًا من غیر فصل وعند ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی اذ اکان بحال لایعیش مثله لایحل لانه لم یکن موته بالذبح، وقال محمد رحمه اللہ تعالٰی ان کان مثله فوق مایعیش المذبوح یحل، والا فلا لانه لامعتبر بهذه الحیوة[1]۔	اگر ذبح کے وقت خفیف سی زندگی بھی ہو اور ذبح کرلی گئی تو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد الاماذ کیتم مطلق کی بناء پر، جس میں کوئی تفصیل نہیں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ ایسی حالت میں ہو کہ زندہ نہ رہ سکے تو حلال نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اس کی موت ذبح سے واقع نہ ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ایسی حالت میں ہو کہ ذبح شدہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتی ہو تو ذبح کرنے سے حلال ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ ایسی زندگانی کااعتبار نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فرع اول قول صاحبین پر مبنی ہے کہ قطع اوداج کے بعد حیات، حیات مذبوح سے اصلا زائد نہیں ہوتی، لہٰذا وہ حکما میت ہے، اور میت محل ذبح نہیں، تو اب ذبح نہیں کرسکتے لفوات محل الذبح، اور فرع سوم قول امام پر مبنی ہے کہ اگرچہ سر جدا ہوگیا مگر جبکہ جانورا بھی تڑپ رہا ہے حیات باقی ہے اگرچہ حیات مذبوح سے زائد نہیں سہی، لہٰذا محل ذبح ہے ذبح کرلیں حلال ہو جائے گا، اور فرع دوم میں اگر صرف جلد چاک ہوئی کہ سی کر اندمال وحیات متصور ہو تو بالاجماع حلال ہے، اور نا متصور ہو تو صرف قول امام پر، یوں اگر توفیق کریں جب تو ظاہر ہے کہ فرع اول سے استناد صحیح نہیں، کہ وہ خلاف قول امام وخلاف مذہب مفتی بہ ہے اور اگر ایسی تاویل چاہئے کہ وہ بھی قول امام کی طرف رجوع کرآئے تو اب فوات محل ذبح میں تنقیح مناط

---

[1] الہدایہ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۳

کرنی ہوگی **فاقول: وبہ نستعین** اس فوت کے یہ معنی تو بداہۃً نہیں کہ محل ذبح مابین اللبۃ واللحیین تھا وہ معدوم ہوگیا کہ کلام قطع اوداج میں ہے، نہ اس صورت میں کہ بھیڑیا سینہ تک ساری گردن کاٹ کرلے گیا، نہ یہ معنی ہیں کہ محل ذبح اوداج تھیں وہ فنا ہوگئیں کہ قطع تفریق اتصال ہے نہ کہ اعدام، لاجرم یہ معنی ہیں کہ محل اگرچہ باقی ہے مگر اس میں قابلیت فعل ذبح کی نہ رہی، تو محل من حیث ہو محل فوت ہوگیا، اگرچہ ذات باقی ہے، اب فنائے قابلیت میں نظر چاہئے کہ کس صورت میں اس کا فوت ہونا ہے، یہاں اس کی تین صورتیں متصور:

اول: یہ کہ اب معنی ذبح متحقق نہیں ہوسکتے۔

دوم: مقصود ذبح فوت ہوگیا، اور شے جب مقصود سے خالی ہو باطل ہوجاتی ہے۔

سوم: معنی ذبح قبل ذبح فعل غیر ذبح شرعی سے متحقق ہولئے، اور ذبح صالح کی تکرار نہیں، مذبوح کو ذبح نہیں کرسکتے، ولہذا اگر مسلمان نے جانور ذبح کردیا اور وہ ابھی پھڑک رہا ہے، دوبارہ مجوسی نے ذبح کیا حرام نہ ہوگا، اور اس کا عکس ہو تو حلال نہ ہوسکے گا، **فان الذبح لا یعاد** (کیونکہ ذبح دہرایا نہیں جاتا۔ت) اول کی طرف راہ نہیں کہ معنی ذبح قطع اوداج حی بین اللبۃ واللحیین ہے۔ کنز میں فرمایا: **الذبح قطع الاوداج**[1] (ذبح کی اوداج کو کاٹنا ہے۔ت) پھر فرمایا: **والذبح بین الخلق واللبۃ**[2] (ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔ت) تبیین الحقائق میں فرمایا:

والمیت لیس بمحل للذکاۃ[3]۔	میت محل ذبح نہیں۔ (ت)

جب تک جانور زندہ ہے اور گلا اور اس پر وہ رگیں باقی ہیں ضرور قابل قطع ہیں تو معنی ذبح متحقق نہ ہوسکنا کیا معنی، قطع اوداج کا جواب اوپر معلوم ہولیا کہ فرع سوم میں بھی قطع اوداج متحقق ہے۔ اور حکم حلت ہے یونہی دوم کی گنجائش نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح انہار دم تھا اور وہ فعل سبع سے ہولیا، تو یہ وجوداً وعدماً ہر طرح باطل ہے۔ فرع سوم میں انہار دم ہوگیا اور قابلیت ذبح باقی ہے اور وقت ذبح حیات معلوم ہو اور ذبح سے خون نہ نکلے حلت ہوجائے گی، **کما تقدم**، حالانکہ انہار دم نہیں، اگر کہے مقصود ذبح ازہاق روح ہے، اور وہ اس صورت میں فعل سبع کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ جانب ذبح، تو یہ وہی قول صاحبین غیر مفتی بہ ہے **کما قدمنا عن الھدایۃ** (جیساکہ ہدایہ میں سے گزرچکا ہے۔ت) معہذا فرع سوم اس

---

[1] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶۱

[2] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶۲

[3] تبیین الحقائق کتاب الصید المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۵۲

پر بھی نقض کو موجود، لاجرم صورت سوم مقصود یعنی جہاں قبل ذبح قطع اوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے وہاں محل ذبح نہ رہا، یعنی محلیت و قابلیت ذبح فوت ہوگئی کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبل ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اوداج قطع ہی نہ ہوئیں یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں مگر موضوع ذبح پر قطع نہ ہوئیں اور ہنوز حیات باقی ہے وہاں محل ذبح فوت نہ ہوا ذبح کرسکتے ہیں اور موجب حلت ہوگا، اب فروع میں تطابق ہوگیا اور صورت مسئولہ کا حکم بھی کھل گیا، فرع سوم سے مراد اس طرح سرجدا کرنا ہے کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہو کہ اگرچہ قطع واقع ہو مگر محل ذبح میں نہ ہوا تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے اور فرع اول سے مراد وہ قطع اوداج ہے کہ بین اللبۃ واللحیین ہو کہ اب تقدم معنی ذبح سے قابلیت ذبح، اور الاماذکیتم کے تحت میں داخل ہونے کی صلاحیت نہ رہی اور یہی صورت کہ اس فرع ملتقط میں مراد ہے، جو بظاہر فرع سوم کے صریح مناقض ہے، اسی عالمگیری میں عبارت وجیز سے پہلے ہے:

سنور قطع راس دجاجۃ فانہا لاتحل بالذبح وان کان یتحرك کذا فی الملتقط[1]۔	مرغی کا سر بلی نے کاٹ دیا تو وہ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگی اگرچہ وہ ذبح کے وقت حرکت کرے ملتقط میں یوں ہے۔ (ت)

اور فرع دوم خود ظاہر ہے کہ اس میں سرے سے قطع اوداج ہی نہیں، اب تمام فروع متفق اور سب مذہب امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر منطبق ہیں، **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (یوں تحقیق چاہئے کہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ صورت سوال فرع دوم کے مثل ہے، اور اس میں بھی قطع نہیں اور ذبح قطع ہے، تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، کیا اگر جانور کی رگہائے گردن برمے سے چھید دیں ذبح ہوجائے گا، ہر گز نہیں، کہ چھیدنا قطع کرنا نہیں تو محلیت ذبح ضرور موجود ہے اور بعد ذبح حلت لازم، یہیں سے دو سوال باقی کا جواب ظاہر ہوگیا اور سب مذبح کھالیا محل ذبح نہ رہا، یونہی اگر عقدہ توڑ لیا تو قطع اوداج محل ذبح میں بھی واقع ہوا، بہر حال اب قابلیت ذبح نہ رہی، حلت نہیں ہوسکتی اور اگر عقدہ سے اوپر صرف سرجدا کرلیا کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہوا تو محل ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو، **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (میری سمجھ میں یوں ہے، علم حق تو میرے پروردگار کے ہاں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ والی علی صاحب کانسٹبل از تھانہ بہیڑی ضلع بریلی ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کتا کسی جانور کو پکڑلے، اور اس جانور کے زخم کتے کی پکڑ کا ہوجائے، اور بعد میں جانور ذبح کرلیا جائے تو وہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب:

شکاری کتا جبکہ بسم اللہ کہہ کر چھوڑا گیا اگر جانور اس کے زخم سے مرجائے تو حلال ہے، اور اگر زندہ ملے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے، زاس کے زخم سے جانور میں کوئی حرج نہیں آتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴و۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ذبیحہ ذبح کیا جائے اور وہ بعد میں ایک دیر کے خون دے، تو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عورت یا لڑکے کے ذبیحہ کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) پہلی صورت میں حلت میں کوئی شبہ نہیں، خروج خون علامت حیات ہے، اور بعد دیر کے نکلنا اس کا غیر مانع، بلکہ اگر خون نہ دے عـــہ فقط حرکت کرے اور تڑپے تاہم کھانا اس کا جائز ہے کہ شرط حلت حیاۃ عندالذبح ہے نہ کہ خروج دم۔

فی تنویر الابصار ذبح شاۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت[1]۔	تنویر الابصار میں ہے: ذبح کرنے پر بکری نے حرکت کی یا خون نکلا، تو حلال ہوگی، (ت)

(۲) عورت ولڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد وشرائط ذبح سے واقف ہیں اور مطابق شرع ذبح کرسکتے ہیں بلاریب حلال ہے،

فی الدرالمختار وشرط کون الذابح مسلما ولو امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ	درمختار میں ہے: مسلمان اگرچہ عورت یا بچہ ہو شرط یہ ہے کہ بسم اللہ اور ذبح کو جانتا ہو،

عـــہ: لکنہ فیہ اختلاف ذکرہ فی الھدایۃ فی کتاب الصید ۱۲ منہ۔	لیکن اس میں اختلاف ہے جس کو ہدایہ کی کتاب الصید میں ذکر فرمایا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

والذبح ویقدر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس عمل پر قادر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤمیش قریب المرگ کو ذبح کیا گیا، اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ زندہ تھی کہ مرچکی تھی، ذبح کرنے والا نیز چند اور شخص کہتے ہیں کہ وہ زندہ تھی لیکن دو شخص کی یہ رائے ہے کہ وہ مرچکی تھی، بعد ذبح کے کسی عضو نے جنبش نہ کی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یانہیں، واقعات یہ ہیں کہ یہ بھینسیں بعد ذبح کرنے کے ایک قصاب کے ہاتھ دس روپیہ میں فروخت کردی تھی وہی دونوں شخص جو کہتے ہیں کہ وہ مرگئی تھی قصاب کو بہکادیا، قصاب مذکور نے اس کا گوشت دفن کردیا اور کھال لے گیا اور بریلی فروخت کرآیا، گوشت کی قیمت اس کو معاف کردی گئی صرف کھال کی قیمت جو چھ روپے اس کو طے کردی گئی تھی، اور وہ اس نے بریلی میں بہت منافع کے ساتھ فروخت کیا طلب کی جاتی ہے لیکن وہ چھ روپے دینے سے بھی انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ تم لوگوں نے مردہ جانور کی کھال نکلواکر مجھے ناپاک کردیا، میرے برادری والے مجھے نکال دیں گے، میں قیمت نہیں دوں گا، دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس قصاب پر کیا برائی آسکتی ہے، اگر یہ خیال کرلیا جائے کہ وہ مرگئی تھی اور دھوکا میں ایسا کیا گیا۔

الجواب:

ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خوب معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتا ہے، یا اور کوئی علامت زندہ کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی یا پاؤں سمیٹے یا بدن کے بال کھڑے ہوئے تو وہ حلال ہے اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی عـــہ گئی نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: مسئولہ احمد حسن بنگالی طالبعلم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

صدقہ کا جانور بلاذبح کئے جانور ہی کسی مصرف صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا

عـــہ: اصل میں تحریر ہے:- "ڈالی گئی" ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

الجواب الملفوظ

اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے تو بے ذبح ادانہ ہوگا، مگر اس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت متعین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں عہ اور وہ وقت نکل گیا تو اب زندہ تصدق کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: مسئولہ شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل از قصبہ تحصیل اون ضلع ایوت محال ملک برار ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا بکر چالیس روپیہ کا ملازم سرکار ہے، زید کا آبائی واجدادی پیشہ یہ ہے کہ روزانہ ہر بز قصاب کے مکان پر جانا، اور جس قدر بکریاں ذبح کرنے کی ہوں، ان کو ذبح کردینا اور ان کی اجرت میں فی راس ایک آنہ پیسہ یا پاؤ بھر گوشت لینا، چلا آتا ہے، اور نیز ہر مواضعات قریب میں جاکے قوم ہندو کے مکان پر جو ان کی پرستش کا بکرا ہوتا ہے، اس کو ذبح کردیتا ہے، اور اس کی اجرت لیتا ہے، یہ پیشہ اس وقت تک جاری ہے، اور سنا گیا ہے کہ ذابح البقر وقاطع الشجر ودائم الخمر کی بخشش میں احتمال ہے، اگر اس مسئلہ کی کچھ بنیاد ہے اور یہ سچ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم بواپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائے،

الجواب:

گائے بکری کا ذبح کرنا جائز ہے،

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةًؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔ (ت)

وہ قول کہ لوگوں میں مشہور ہے محض بے اصل ہے، قطع شجر کی بھی اجازت قرآن عظیم میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالٰی " مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم نے جو سبز درخت کاٹے یا ان کو تم نے باقی کھڑا رہنے دیا تو یہ اللہ تعالٰی

عہ: اصل میں بارھویں نہیں ہے غالباً ناقل کا سہو ہے ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

اللّٰہِ "[1]	کے حکم سے ہوا۔ (ت)

ہاں دائم الخمر البتہ مرتکب سخت کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے، مگر یہ کہنا اس کی نسبت بھی باطل ہے کہ اس کی مغفرت کبھی نہیں ہوگی یہ صرف کافر کے لئے ہے، مسلمان کیسا ہی گنہگار ہو زیر مشیت ہے چاہے عذاب فرمائے تو اس کا عدل ہے، چاہے بلا عذاب بلکہ بلاحساب بخش دے تو اس کا فضل ہے۔

" اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ"[2]	اللہ تعالٰی نہ مغفرت فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، اور مغفرت فرمائے گا اس سے کم کو جس کو وہ چاہے گا۔ (ت)

پھر مسلمانوں میں سے جس پر عذاب فرمائے گا ہرگز وہ عذاب دائم نہ ہوگا، انجام بلاشبہہ مغفرت ہے، اور جب ان جانوروں کا ذبح جائز ہے اس پر اُجرت مقرر کرکے لینا بھی جائز ہے **کماہو حکم مباح یحتاج الی عمل** (جیسا کہ ہر مباح محتاج العمل کا حکم ہے۔ت)

اب یہاں متعدد صورتیں ہیں، سائل دو اجرتیں بتاتا ہے، ایک آنہ یا پاؤ بھر گوشت، یہ اگر یوں ہے کہ کبھی ایک آنہ مقرر کرلیا جاتا ہے کبھی پاؤ بھر گوشت تو وہ آنہ جائز ہے، اور گوشت کہ اسی جانور کا قرار پاتا ہے ناجائز ہے **لانہ کقفیز الطحان** (کیونکہ یہ پیسنے والے آٹے کا حصہ قفیز کی طرح ہے۔ت) بلکہ اگر اس جانور کا نہ ٹھہرے جب بھی گوشت کثیر التفاوت چیز ہے۔

لانہ قیمی فلا یصلح دینا علی الذمۃ ویقع فیہ النزاع وکل ماکان کذالك یورث الفساد۔	کیونکہ یہ قیمت والی چیز جو کسی کے ذمہ دین نہیں بن سکتی اور اس میں تنازعہ ہوتا ہے اور جو ایسی چیز ہو وہ فساد برپا کرتی ہے۔ (ت)

اور اگر یہ معنی ہیں کہ تعین کچھ نہیں ہوتا کبھی ایک آنہ دیتے ہیں کبھی گوشت، تو یہ جہالت اجر ہے، جہالت اجر مفسد اجارہ ہے۔ بہرحال اُجرت میں گوشت کا قدم درمیان ہے اجارہ فاسد ہے، اور عقد فاسد حرام واز قبیل ربا ہے، اور اس کا عادی ہونا ضرور موجب فسق، اور اس کا پیشہ کرنے والا فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنا منع، اور پڑھی تو پھیرنا واجب۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۴/ ۱۱۶

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: **ولو قدموا فاسقا یأثمون**[1] (اگر فاسق کو امام بنایا تو بنانیوالے گنہگار ہوں گے) زیلعی وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اہانته شرعا[2]۔	کیونکہ آگے کرکے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعا ان پر اس کی اہانت لازم تھی۔ (ت)

رہا یہ کہ وہ ہندو کی پرستش کا بکرا اس کے یہاں جاکر ذبح کرتا ہے، اور اس کے ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا اور اللہ عزوجل کا نام لیتا ہے، تو جانور حلال ہوجائے گا، مگر یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے **فی الهندیة توکل ویکرہ للمسلم**[3] (ہندیہ میں اسے حلال اور مسلمانوں کے لئے مکروہ کہا گیا ہے۔ ت) اور اگر اس کافر ہی کی نیت پر ذبح کرتا ہے تو جانور تو مردار ہوا ہی اس ذابح کا ایمان بھی بچنا مشکل ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ مسلمان پر حتی الامکان بدگمانی کی اجازت بھی نہیں کہ اس کا مقصود فقط اپنے ٹکے سیدھے کرنا ہوگا نہ کہ معبود باطل کی تعظیم کہ مسلمان سے متوقع نہیں، نہ معبود حق کی تعظیم کا خیال آتا ہوگا، تو یوں بھی یہ فعل سخت شنیع اور جانور کی جان کی ناحق تضییع ہے، پھر اس کی امامت سے احتراز چاہئے کہ وہی احتیاط جو ہمیں اس پر بدگمانی نہیں کرنے دیتی نماز میں اسے امام نہ بنانے دے گی،

فان سوء الظن شیئ، والحزم شیئ اٰخر، وہذا من باب الخروج ومن اتقی الشبهات فقد استبراء لدینه و عرضه، واللہ تعالٰی اعلم۔	بدگمانی علیحدہ چیز ہے، اور احتیاط دوسری چیز ہے، اور یہ علیحدہ رہنا ہے، اور جو شخص شبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ بنالیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ غلام نبی صاحب ساکن موضع میانہ ٹھٹہ ضلع گوجرانوالا ڈاک خانہ موز اتوار، ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی چراغ دین امام مسجد نے ایک بکرا ذبح کیا اور اس کا چمڑا مسمّٰی حا کو قوم خاکروب نے اتارا اور گوشت بنایا، اور گوشت مذکور کو چند مسلمانوں نے مل کر تقسیم کرلیا اور اپنے گھروں میں پکا کر کھایا، کیا وہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بات کا خلاصہ حال مع ثبوت حدیث و

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۴۶

قرآن شریف ارسال فرمائیں، اور اس مسئلہ کو اخبار ودبدبہ سکندری شائع کرادیں۔

الجواب:

جب وہ جانور مسلمانوں نے اللہ عزوجل کے لئے تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو حلال ہوجانے میں کوئی شبہہ ہی نہ رہا، خاکروب کا گوشت بنانا وہ اگر اس وجہ سے ہے کہ بکرا اسی کی ملک تھا اور اس نے اپنے ظاہر پیر وغیرہ کسی معبود باطل کے لئے ذبح کرایا تو اس کا کھانا مسلمانوں کو مکروہ ہے **کما نص علیہ فی الھندیۃ** (جیسا کہ ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اسی طرح اگر کسی معبود باطل کے لئے ذبح نہ کرایا، بلکہ اس نے ان کی دعوت کی تھی تو اس دعوت کا ہی قبول کرنا نامناسب تھا، اور اگر بکرا مسلمان کی ملک تھا اور اس سے بنوایا، اور وہ اپنا ناپاک پیشہ کرتا ہے اور اس کے ہاتھ خوب پاک نہ کرالئے تھے، تو سخت بے احتیاطی کی، اور اگر اس کے ہاتھ پاک کرائے تھے یا وہ قوم کا خاکروب ہے یہ پیشہ نہیں کرتا، تو یہ دیکھا جائے کہ وہاں کے عرف میں خاکروب کی چھوئی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے اور اس کے استعمال کو معیوب جانتے ہیں یا نہیں، اگر جانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بے پروائی کی تو مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولا تنفروا**[1] (خوشخبری دو، منافرت پیدا نہ کرو۔ت) دوسری حدیث میں ہے: **ایاك وما یسوء الاذن**[2] (کانوں کے لئے تکلیف دہ بات سے بچو۔ت) تیسری حدیث میں ہے:

ایاك وما یعتذر منہ فان الخبر لا معتذر منہ۔[3]	معذرت والی چیز سے بچو، تو بیشک خبر معذرت خواہی والی چیز نہیں ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بکرا وقت ذبح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا، اور اگر ذبح کرکے اسے دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا، اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا،

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

فان الکافر لایقبل قوله فی الدیانات[1]۔	دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں۔ (ت)

ہاں اگر اس کو اجیر کیا ہو تو جواز رہے گا،

لان الکافر یقبل قوله فی المعاملات وان تضمنت شیئا من الدیانات، وکم من شیئ یثبت ضمنا لایثبت قصدا[2]۔ وتبیینه فی التبیین وغیرہ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کافر کی بات معاملات میں اگرچہ وہ دیانات کو متضمن ہوں، قابل قبول ہے، جبکہ بہت سے امور ضمناً ثابت ہوتے ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتے، اس کی وضاحت تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا ازروئے شرع شریف کے جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے تو احادیث سے ثابت ہے یا قول فقہاء سے اور فتوٰی قول امام اعظم پر ہے یا صاحبین؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صاحبین کے نزدیک حلال ہے، اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قول امام پر فتوٰی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور اصح وراجح کراہت تحریم ہے۔

صححه الامام قاضی خاں فی فتاواہ، وقد قالوا انه فقیه النفس ولا یعدل عن تصحیحه وقال الشامی ثم نقل ای القهستانی تصحیح کراهة التحریم عن الخلاصة والهدایة والمحیط والمغنی و القاضی خاں و العمادیة وغیرها وعلیه المتون[3] اھ ومعلوم ان الترجیح للمتون وانها الموضوعة	امام قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح فرمائی ہے جبکہ فقہاء نے فرمایا: قاضی خان فقیہ النفس ہیں، لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ ہوگا، اور علامہ شامی نے فرمایا کہ پھر قہستانی نے خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی، قاضی خاں اور عمادی وغیرہا سے کراہت تحریمہ کی تصحیح نقل کی ہے، اور کہا کہ اس پر متون وارد ہیں اھ اور واضح بات ہے کہ ترجیح متون کو ہے اور وہ مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراہیة فصل فی الاکل والشرب المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۶/ ۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیة فصل فی الاکل والشرب المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۶/ ۱۲

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

لنقل المذہب فلا یعارضھا ما فی کفایۃ البیھقی بخلاف انہ ظاہر الروایۃ و لافتوی الجمھور (عہ) المنقول بقیل بعد ما قدمنا(عہ) من التصحیحات الجلیلۃ للائمۃ الجلۃ۔	کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کا خلاف جو کفایۃ البیہقی میں بیان کیا ہے وہ متون کے معارض نہیں ہو سکتا، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور قیل کے ساتھ نقل شدہ جمہور کا فتوٰی بھی ان کا معارض نہیں ہو سکتا خصوصا ہماری ذکر کردہ اجلہ ائمہ کی تصحیحات کے بعد (ت)

بہر حال مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس پر فتوٰی فساد دیا جائے، یا فریق بندی عمل میں آئے، **واللہ الموفق واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم ھذہ المسئلۃ افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی دربارہ اکل فرس، بعض قائل بکراہت تحریمی و بعض بکراہت تنزیہی، ولیکن بہر صورت شیرش جائز داشتہ اند، تحقیق دریں باب چیست؟	علمائے کرام اللہ تعالٰی تمھاری مغفرت فرمائے آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے، ہمیں افادہ فرماؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، گھوڑے کا گوشت کھانے میں بعض مکروہ تحریمہ اور بعض مکروہ تنزیہیہ کے قائل ہیں، جبکہ اس کے دودھ کو بہر صورت جائز مانتے ہیں، اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے۔ (ت)

الجواب:

درمسئلہ گوشت اسپ علماء رامعترک عظیم ست، و تصحیح نیز مختلف و کراہت قول امام ست، بس اسلم احتراز تام ست، ہمچناں. بر مذہب امام در شیر او نیز اختلاف کردہ اند، امام قاضی خاں بتحریم رفتہ، ودر درمختار جواز را وجہ گفتہ. بریں روایت وجہ فرق خود پیدا است کہ	گھوڑے کے گوشت کے مسئلہ میں علمائے کرام کا عظیم معرکہ ہے اور تصحیح بھی مختلف ہے، کراہت امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، پس مکمل احتراز میں بہتری ہے، اور اس کے دودھ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کے بیان میں اختلاف ہے، امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ حرمت کی طرف گئے اور درمختار نے جواز کو وجہ قرار دیا ہے۔ اس

عہ: لفظ "جمہور" اندازہ سے بنایا گیا ۱۲ عبدالمنان۔

عہ: اندازہ سے "بعد" کا لفظ بڑھایا ۱۲ عبدالمنان۔

در تحلیل لحم تقلیل آلہ جہاد ست بخلاف لبن، باز ایں ہمہ بر تقدیرے ست کہ بحد سکر نہ رسد، ورنہ تعمداً ایں بالاتفاق ممنوع باشد، کمالایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار کی روایت کے مطابق گوشت اوردودھ میں فرق کا واضح بیان ہے کہ گوشت کو حلال کردینے میں آلہ جہاد کی قلّت پیدا کرنا ہے جبکہ دودھ کا معاملہ اسکے خلاف ہے، اور دودھ کی بحث اس حد تک ہے جس میں سکر یعنی نشہ نہ ہو، ورنہ قصداً اتنی مقدار پینا ممنوع ہے جیساکہ مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از دارانگنج ضلع بجنور مرسلہ ممتاز مسیح صاحب ایم اے مشن مورخہ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہادی دین جناب مولانا صاحب! عرض مدعایہ ہے کہ اہل سنت وجماعت حنفی مذہب میں گھوڑا اور اقسام اور اس کے مثل خچر وگدھے کے حلال ہیں یا حرام؟ یا ان تینوں جانوروں میں سے کون سا جانور حلال ہے؟ مہربانی فرماکر بحوال حدیث شریف یا قول علماؤں کے جواب سے مشرف فرمائے۔

الجواب:

گدھا حرام ہے،، یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا اگرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو، حدیث میں ہے:

نہی علیہ اجل الصلٰوۃ والسلام یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ۔[1]	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خیبر کے روز پالتو گدھے کے گوشت کو ممنوع فرمایا۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۱۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈپٹی امداد علی صاحب نے رسالہ امداد المسلمین میں الو کے بارہ میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے: البوم یوکل[2] (الو حلال ہے۔ ت) اور طحطاوی میں ہے:

یوکل القمری والسوادین والزرزور والصلصل والھدھد والبوم والطاؤس۔[3]	قمری، سوادین، زرزور، صلصل، ہدہد، بوم طاؤس نامی پرندے حلال ہیں۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید الخ باب لحوم الحمر الانسیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح والصید الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

اور شامی میں ہے:

فی غرر الافکار عندنا یوکل الخطاف والبوم[1]۔	غرر الافکار میں ہے اور ہمارے نزدیک خطاف اور بوم نامی پرندے حلال ہے۔ (ت)

اور میزان میں ہے:

من ذٰلك قول الائمة الثلثة فی المشهور عنهم انه لا کراهة فی مانهی عن قتله کالخطاف والهدهد و الخفاش و البوم الببغا والطاؤس مع قول الشافعی فی ارجح القولین انه حرام[2]۔	ائمہ ثلثہ سے ان کا مشہور قول کہ جن پرندوں کے ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو کھانے میں کراہت نہیں ہے، اسی قبیل سے ہے، مثلا خطاف، ہدہد، خفاش۔ بوم، ببغا اور طاؤس نامی پرندے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے دو قول میں سے راجح قول میں یہ حرام ہے۔ (ت)

اور حیاۃ الحیوان دمیری شافعی رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ثابت ہے، شافعی کے نزدیک حرام ہونا، نہ حنفیّہ کے نزدیک تمام کتب ہائے معتبرہ فقہ سے بوم کا حلال ہونا ثابت ہے۔ یہاں تک کہ خلاصہ کلام ڈپٹی صاحب مذکور ہے، اور فتاوٰی ہندیہ ترجمہ فتاوٰی عالمگیری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قول ظاہر بوم سے مراد یہی الو ہے کہ پرند معروف ہے، اور شاید کوئی اور معنی مراد ہوں، واللہ تعالٰی اعلم، اس واسطے مترجم نے بعینہٖ لفظ چھوڑ دیا اس مسئلہ میں تحقیق جو بیان فرمائیں کہ صدق وکذب وہابیہ ظاہر ہو۔ فقط

الجواب:

عبارت عالمگیری جوامداد المسلمین میں نقل کی، اس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے، اصل عبارت یوں ہے:

قیل الشقراق لایوکل والبوم یوکل[3]۔	یعنی بعض نے کہا کہ شقراق نہ کھایا جائے اور بوم کھایا جائے۔

یہ لفظ اس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں، اکثر علماء

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمة مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

خلاف پر ہیں، اور حیاۃ الحیوان کا حوالہ تو سرے سے غلط ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ حنفیّہ حلال جانتے ہیں اس میں صرف شافعیہ کے دو قول لکھے ہیں، عبارت اس کی یہ ہے:

الحکم یحرم اکل جمیع انواعھا. قال الرافعی ذکر ابوعاصم العبادی ان البوم کالرخم. وکذٰلك الضوع. ومن شافعی رحمہ اللہ قول انہ حلال[1]۔	حکم یہ ہے کہ تمام اقسام حرام ہیں، رافعی نے کہا ابوعاصم العبادی نے ذکر کیا ہے کہ رخم کی طرح بوم حرام ہے، اور اسی طرح ضوع بھی حرام ہے، اور امام شافعی حرام ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ یہ حلال ہے۔ (ت)

خیر ان سب سے قطع نظر کرکے اس مسئلہ کی طرف چلئے، یہی عالمگیری وطحطاوی وشافعی ومیزان، جن سے امداد المسلمین میں یہ عبارتیں نقل کیں، ان میں اور ورِج کے سوا ہماری تمام کتب مذہب اور صحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں صاف صریح حکم قطعی کل بلااستثناء و تخصیص موجود ہے کہ ہر پرندا اپنے پنجہ سے شکار کرنے والے حرام ہے، جیسے ہر درندہ دانتوں سے شکار کرنے والے، عالمگیری میں بدائع سے ہے:

لایکل کل ذی مخلب من الطیر[2]۔	یعنی حرام ہے ہر پنجہ والا پرند۔

طحطاوی میں ہے:

لایل سباع الوحوش والطیر[3] اھ ملخصا۔	درندے وحشی وپرند سب حرام ہیں اھ ملخصا۔

حموی پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

الدلیل علیہ انہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، رواہ مسلم وابوداؤد وجماعۃ. والسر فیہ ان طبیعۃ ھذہ الاشیاء مذمومۃ شرعا فیخشی ان	یعنی دلیل اس پر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرندے پنجہ والے کے کھانے سے منع فرمایا، مسلم وابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شر عابد ہے تو اندیشہ ہے کہ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ مصطفی الباب مصر ۱/ ۲۲۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

یتولد من لحمھا شیئ من طباعھا فیحرم اکراما لبنی آدم کما انہ یحل ما احل اکرامالہ ۔[1]	ان کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت ان کی سی آدمی میں پیدا ہوجائے، لہٰذا انسان کی عزت کے لئے ان کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اس کی عزت ہی کے لئے حلال جانور حلال کے گئے،

میزان امام شعرانی میں ہے:

من ذٰلك اتفاق الائمة الثلثة علی تحریم کل ذی ناب من السباع ومخلب من الطیر یعدوبہ علی غیرہ (الی ان قال) لانہ فیہ قسوۃ من حیث انہ یقسر غیرہ و یقھرہ من غیر رحمۃ بذٰلك الحیوان المقسور فیسری نظیر تلك القسوۃ فی قلب الاٰکل لہ۔ واذا قسی قلب العبد صار لایحن قلبہ الی موعظۃ وصار کالحمار ۔[2]	یعنی انھیں مسائل سے ہے امام ابو حنیفہ وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق کہ ہر کیلے والا درندہ اور ہر پنجے والا پرندہ جو دوسرے پر اس کیلے یا پنجے سے حملہ کرتا ہے حرام ہے، اس لئے کہ اس میں سنگدلی ہے کہ وہ بیدردی سے مجبور ومغلوب کرتا ہے، تو ایسی ہی سنگدلی اس کے کھانیوالے میں سرایت کرے گی، اور جب آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے تو کسی نصیحت کی طرف میل نہیں کرتا اور آدمی سے گدھا ہو کر رہ جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں یوں ہی کتب طیبہ سے ثابت کہ الو کھانے والا آدمی سے الو ہو کر رہ جاتا ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیہ کا اجماع ہے، اور اس سے ہرگز کوئی پنجے والا پرندہ کہ سباع طیر سے ہو مستثنٰی نہیں اور شک نہیں کہ الو پنجے والا پرندہ ہے۔ بلکہ اس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں، اور شک نہیں کہ گوشت اس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتا ہے، یہ سب باتیں یقینا معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ یہ پرندہ شکاری ہے، پانچ[عـــہ] ساکنان بریلی نے کہ ان میں چار صاحب قوم کے قراول،

[عـــہ]: نیاز محمد خاں ابن رحم خاں ونذیر خان ابن وزیر خاں وعنایت اللہ خاں ابن کرم علی خاں وغلامی خان ابن حسن خاں قراول ساکناں بہار پیور محلّہ قراؤلان ومحمد خاں ابن گل خان افغان ساکن شہر کہنہ ۱۲۔

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۵، ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمۃ مصطفی الباب مصر ۲/ ۵۷

اور پانچوں نمازی نیک سنی صحیح العقیدہ ہیں، ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور ان میں بعض نے کہا ہمارے سامنے توتے کو شکار کرلے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مار لے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور الو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا، اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجب نہیں کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کرلیتا ہے، علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی کتاب عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات میں اس کا حال لکھتے ہیں:

تصطاد السنانیر الضعاف وتعادی الغراب وھو ذلیل بالنھار اما باللیل فلا یقدر علیہ شیئ من الطیور[1] ۔	الو کمزور بلیوں کو شکار کرلیتا ہے، کوے سے اس کو دشمنی ہے، دن کو ذلیل ہوتا ہے مگر رات میں کوئی پرند اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی میں ہے:

چنگ بالفتح بروزن سنگ قلاب آہنی وپنجہ آدمی وحیوان درندہ، شکاری چوں باز وشاہین وشیر وپلنگ وامثال آں[2]، واز شعر طوطی ہند امیر خسرو دہلوی جنگ بوم واقع شدہ، وبوم ہرچند جانور شکاری نیست، بدیں معنی کہ مردم بداں شکار نمی کنند، لیکن فی الحقیقۃ ذومخلب ست کہ صیدے نماید، چنانچہ دیدہ شد، وشعر مذکور این ست ؎ بوم کہ باشد کہ بچنگ دراز طعمہ برداز دہن جرہ باز	چنگ بروزن سنگ ہے، لوہے کے شکنجے اور آدمی کے پنجے، شکاری اور درندے حیوان جیسے باز، شاہین، شیر، چیتا، اور ان کی ہم مثل کو چنگ کہتے ہیں، طوطی ہند امیر خسرو دہلوی کے شعر میں چنگ الو کے لیے استعمال ہوا ہے اگرچہ مشہور شکار کا پرندہ اس معنی میں نہیں کہ آدمی اس کا شکار نہیں کرتا لیکن حقیقتًا وہ اپنے پنجے سے شکار کرتا ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے وہ شعر یہ ہے: الو جس کا پنجہ دراز ہے منہ سے کھاتا ہے باز والی جرات (ت)

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات النوع السادس من الحیوان (بوم) مصطفی البابی مصر ص ۲۷۱

[2] مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی

غرض جب وہ شکاری جانور ہے تو اس کے حرام ہونے میں اصلا جائے کلام نہیں، رہا بعض عبارت حنفیہ میں لفظ بوم کی نسبت لفظ یوکل وارد ہونا **اقول:** نہ وہ اجماعی قاعدہ فقہ حنفی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل ہوسکتا ہے نہ مشاہدات کو رد کرسکتا ہے اس سے بالتعین الو کی حلت ثابت ہی نہیں ہوتی، زبان عرب میں لفظ بوم خاص الو کے لیے موضوع نہیں، بلکہ ہر اس پرند پر اطلاق کیا جاتا ہے جو شب کو اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں فرماتے ہیں:

قال الجاحظ وانواعها الهامة والصدى والضوع والخفاش وغراب الليل والبومة وهذه الاسماء كلها مشتركة اى تقع على كل طائر من طير الليل يخرج من بيته ليلا. قال وبعض هذه الطيور يصيد الفار وسام ابرص والعصافير وصغار الحشرات وبعضها يصيد البعوض، ومن طبعها ان تدخل على كل طائر فى وكره وتخرجه منه وتاكل فراخه وبيضه وهى قوية السلطان بالليل لايحتملها شيئ من الطير[1]	جاحظ نے کہا، اور اس کے اقسام ہامہ، صدی، ضوع، خفاش، غراب اللیل، بوم نامی پرندے ہیں اور یہ تمام نام مشترک ہیں، یعنی رات کو اپنے گھر سے نکل کر پرواز کرنے والے ہر پرندے پر بولتے ہیں، اور کہا ان پرندوں میں سے بعض چوہے، چھپکلی، چڑیوں اور چھوٹے چھوٹے حشرات کو شکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض مچھروں کا شکار کرتے ہیں اور وہ طبعی طور پر ہر پرندے کے گھونسلے میں داخل ہوکر اس کو اڑاتا ہے اور اس کے چوزوں اور انڈوں کو کھاجاتے ہیں اور رات میں وہ قوی تسلط والے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی پرندہ ایسی قوت نہیں پاتا۔ (ت)

توجن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے الو مراد نہیں بلکہ وہ پرند شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی امام عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں۔ علامہ قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں:

لاباس بما ليس بذى مخلب كالبوم فى رواية عن ابى يوسف، كما فى العتابى۔[2]	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ایک روایت یہ ہے کہ جن پرندوں کے پنجے نہیں ہیں ان کے کھانے میں حرج نہیں ہے، جیسا کہ عتابی میں ہے۔ (ت)

پس حنفیہ کی طرف حلت چغد کی نسبت ایک دھوکا ہے کہ اشتراک لفظ بوم سے پیدا ہوا،

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ (البوم) مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۶

[2] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۴۹

وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: ازاوجین مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

مولٰنا صاحب مجمع فضائل ومنبع فواضل فرید العصر، وحید الزمان، مخدوم مکرمی دام افضالکم بعد تمہید مراسم فدویت وارزوئے حصول سعادت مواصلت کہ عمدۃ مقاصد ہر دو جہاں ہے التماس پرداز ہے کہ حضور نے حرمت بوم کے باب میں جو فتوٰی ارسال فرمایا، اس میں یہ عبارت مرقوم ہے وہ سمجھ میں نہ آئی کہ جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے مراد الو نہیں بلکہ وہ پرندہ شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی عتابی تصریح سے ثابت نہیں،

لاباس بمالیس بذی مخلب کالبوم[1] **الخ۔**	جو پرندہ پنجے والا نہ ہو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ بوم ہے۔ الخ۔ (ت)

تو کیا چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے؟ جواب بالتشریح بیان فرمائیے۔ زیادہ نیاز، **بینوا توجروا**

الجواب:

چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دیار میں باگل کہتے ہیں، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے کرام رحمہ اللہ تعالٰی میں مختلف فیہ ہے بعض اکابر نے اس کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعد حنفیّہ کے موافق وہی قول حلت ہے، زمطلقًا دانت موجب نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں، ولہٰذا درمختار میں قول حرمت کی تضعیف فرمائی، ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اما الخفاش فقد ذکر فی بعض المواضع انہ یوکل، وفی بعض المواضع انہ لا یوکل لان لہ نابا اھ[2] **ورأیتنی کتبت علی ہامشہ مانصہ فیہ انہ لایصید بنابہ، و لایصول ولیس کل مالہ ناب حراما۔**	چمگادڑ کے متعلق بعض مواضع میں ذکر ہے کہ کھایا جائے اور بعض مواضع میں ہے کہ نہ کھایا جائے کیونکہ اس کے کیلے ہوتے ہیں اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے کے لے سے شکار نہیں کرتا اور نہ ہی یہ حملہ آور ہوتا ہے اور ہر کیلے والا حرام نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

برجندی میں ہے:

ذکر فی المحیط ان فی الخفاش اختلاف العلماء اھ[1]۔	محیط میں مذکور ہے کہ چمگادڑ میں علماء کا اختلاف ہے اھ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل الخفاش لانہ ذوناب[2]۔	بعض نے کہا چمگادڑ حرام ہے کیونکہ یہ کیلے والا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الاتقانی وفیہ نظر لان کل ذی ناب لیس بمنھی عنہ اذا کان لایصطاد بنابہ[3] اھ	اتقانی نے کہا ہے اور اس میں اعتراض ہے کیونکہ ہر کیلے والا حرام نہیں ہے جبکہ وہ اپنے کیلے سے شکار نہ کرتا ہو اھ (ت)

برجندی میں ہے:

المراد الناب الذی ھو سلاح وذوالناب الحیوان الذی ینھب بالناب[4] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ناب (کیلے) سے مراد وہ ہے جو ہتھیار بنے، اور کیلے والا جانور وہ ہے جو کیلے کے ساتھ حملہ آور ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از درتحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۴ رجب ۱۳۱۵ھ

جو کوّا کہ دانہ کھاتا ہے اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو کوا کہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

دانہ خور کوا کہ صرف دانہ کھاتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالبا سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خور کوا جسے غراب ابقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے۔

---

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴

[4] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا ہے اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

ھذا خلاصۃ مافی الدرالمختار[1] وردالمختار والمقام بعد یحتاج الی زیادۃ تحریم وضبط وتقریر لعل اللہ یسیرہ فی تحریر اٰخر واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ در مختار اور ردالمحتار میں بیان شدہ کا خلاصہ ہے جبکہ یہ مقام ابھی زیادہ تحریم وضبط اور تقریر کا محتاج ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کسی اور تحریر میں اس کو آسان کردے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب سنبھل مرادآبادی ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کوا حرام ہے یا نہیں؟ الو حرام ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ کوے کہ ہمارے دیار میں پائے جاتے ہیں سب حرام ہیں، الو حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہان پور ڈاک خانہ نادر شاہیان مقام میران پور، یعقوب شاہ خاں بروز یکشنبہ ۱۸/ ۱۳۳۴ھ

جناب قبلہ دام اقبالہ بعد سلام علیکم عرض ہے کہ پیلو کے انڈے اور گوشت اور پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سب جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

گائے کی حلت شریعت قدیمہ ہے۔ اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ (۲۴) اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا"	یعنی کیا آئی تیرے پاس خبر ابراہیم کے عزت دار مہمانوں کی، جب وہ اس کے پاس آئے بولے

---

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۵

سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ ﴿۲۶﴾ ۙ [1] دوسری جگہ فرمایا: "بِعِجۡلٍ حَنِيۡذٍ ﴿۶۹﴾ " [2]۔	سلام، کہا سلام انجانے لوگ ہیں پھر جلدی کرتا اپنے گھر گیا، سوان کے کھانے کو لے آیا ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں، اس بارے میں کوئی تصریح حدیث اس وقت پیش نظر نہیں، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۵۹: از شہر بریلی محلّہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ مرسلہ محمد عمران صاحب ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گوشت گائے کا کھایا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس عـــہ کا ثبوت نہیں، دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصدا تناول نہ فرمائیں، گوشت گاؤ کی مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰و۱۶۱: مسئولہ معرفت سیٹھ آدم جی گونڈل کاٹھیاوار ہاشم بیگ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کبوتر کھانے میں کسی قسم کی کراہت ہے؟

(۲) عقیقہ کا گوشت ماں باپ کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) کچھ نہیں۔

عـــہ: حدیث مسلم کتاب الزکوٰۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے گوشت گاؤ صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ [3]۔ اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے ۱۲ حجۃ الاسلام حامد رضا رضی اللہ عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۱ /۲۴ تا ۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۱ /۶۹

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الھدیۃ للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۴۵

(۲) کھائیں، اس کا حکم مثل قربانی ہے، تین حصے مستحب ہیں، ایک اپنا ایک عزیزوں قریبوں کا ایک مسکینوں کا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: مرسلہ محمد حکیم الدین از ضلع پورینہ موضع چوپڑا ۴ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار مگر شتر کی مانند ہے اور ہر چند میں حیض مثل عورتوں کے ہوتی ہے، اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ لہٰذا بعض علماء کی زبانی سنا گیا ہے کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار حرام ہے جو خرگوش کہ حلال ہوتا ہے اس کے کُھر ہوتا ہے مانند بکری و بیل وغیرہ کے، جناب والا! اس پر بھی ہم کو اطمینان کُل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے بخدمت فیض درجت یہ کمترین بطور عریضہ ھذا روانہ کرتا ہے ضرور بالضرور جواب سے اس ذرہ بے مقدار کو آفتاب درخشا فرمائیں گے۔ زیادہ والسلام۔

الجواب:

خرگوش ضرور حلال ہے، اسے حرام جاننا رافضیوں کا مذہب ہے، خرگوش کے پنجے ہی ہوتے ہیں، کُھر والا خرکوش دینیا کے پردہ پر کہیں نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳و۱۶۴: مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب از مقام جاورہ مورخہ یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) بعض کفار جو کہ گوشت خور نہیں ہیں تالاب یاندی سے مچھلیاں پکڑوا کر دیگر تالاب یاندی محفوظ میں ڈلوادیں اس غرض سے کہ مسلمان مچھلیاں پکڑوا کر نہ کھاسکیں، تو کیا ایسے تالاب یاندی سے مسلمانوں کو مچھلیاں پکڑوا کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید، بکر، عمرو، خالد نے مل کر ایک کمپنی قائم کرکے ایک کارخانہ جاری کیا اور عام طور پر اعلان کردیا کہ جس کا دل چاہے اس کارخانہ میں شریک ہوجائے، فی حصہ ایک صد روپیہ قرار پایا ہے جو شخص جس قدر حصے خریدنا چاہے اسی قدر روپیہ کا منافع دیا جائے گا۔ اور اگر کارخانہ میں نقصان و نفع ہوگا تو حصہ کے تناسب سے نقصان کا زیر بار ہونا پڑے گا۔ خریدار حصہ سے خواہ ایک حصہ خریدے یا دس حصہ تین مرتبہ کرکے روپیہ کمپنی میں وصول کیا جائے گا، کارخانہ کو اختیار ہے جو کام چاہے جاری کرے، کسی خریدار حصہ کو امور کارخانہ میں واہل کارخانہ یعنی منیجر وغیرہ کے امور میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، خریدار کو صرف نفع یا نقصان سے غرض ہے، اور خریدار حصہ اپنے خرید شدہ نفع یا نقصان سے فروخت کرنے کا مجاز ہوگا، پس سوال یہ ہے کہ ایسے کارخانہ میں شرکت اور اس کے بعد خرید وفروخت مذکور جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ خرید وفروخت کس بیع میں داخل ہے؟

الجواب:

(۱) مچھلیاں پکڑنے سے ملک ہو جاتی ہے اور دوسرے دریا میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتیں، نہ دوسرے کو ان کا لینا جائز ہوتا ہے۔ مسلم ہو یا کافر، جب تک چھوڑنے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ اس کی ہیں جو ان کو لے، تو ملک غیر ہونے کے سبب سے ان میں ممانعت آئے گی، مگر ازانجا کہ یہ کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن نہ ان سے اس بارہ میں کوئی معاہدہ ہے، لہٰذا اب بھی وہ مچھلیاں حکماً ایسی ہی ہیں جیسی پکڑنے سے قبل تھیں، ان کا ارادہ فاسدان پر رد کیا جائے گا اور مسلم کافر جو کوئی پکڑے اس کے لئے مباح ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر وہ تجارت بروجہ شرعی ہو عقود فاسدہ یا ربا کو دخل نہ ہو تو اس میں شرکت جائز مگر اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از گلگت ایجنسی مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے جیسے کہ ہنود اس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مر گئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۶ و ۱۶۷: از بنگالہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس و مفتیان شرع متین اس حیوان کے بارے میں جو کہ عجائب المخلوقات میں بایں طور بیان کیا گیا ہے:

ومنہا سمکۃ مدورۃ ذنبہا اطول من ثلثۃ اذرع وعلی وسط ذنبہا شوکۃ معقفۃ شبہ کلاب وھی سلاحہا تضرب بہا وھی نمراء بیاضہا فی غایۃ اللبیاض ونقد سواد ھا فی غایۃ السوادو لہا منخران علی ظہر ھا وفم علی بطنہا وفرج کفرج النساء[1] انتہٰی۔	ان میں سے ایک مچھلی گول قسم کی دم تین ہاتھ لمبی ہے اور اس کی دم کے درمیان میں کنڈے کی شکل میں ایک ٹیڑھا کانٹا ہے وہ اس کا ہتھیار ہے۔ وہ مچھلی نہایت سفید ہے جس پر گہرے سیاہ رنگ کے نقطے ہوتے ہیں اس کے نتھنے اس کی پیٹھ پر اور اس کا منہ پیٹ پر اس کی شرمگاہ عورتوں کی شرمگاہ کی طرح ہوتی ہے۔ انتہی (ت)

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر فارس المقالۃ الثانیۃ مصطفی البابی مصر ص ۸۸

اگر یہ مچھلی ہو تو اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا کیا نام ہے اور ہندی میں اس کا اس مخصوص بہ کیا ہے۔ بحوالہ کتب تحریر فرمایئے،

(۲) اور جریث کو اہل ہند کیا کہتے ہیں اور وہ کون سی مچھلی ہے اس کی عوارضات مختص بہا کو بوضاحت بیان فرمایئے، غایۃ الاوطار میں لکھاہے کہ جریث کو بعض اہل ہند سنگی کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے۔ اگر غلط ہے تو پھر سنگی کیا شے ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مچھلی کہ عجائب المخلوقات میں ذکر کی اگر اس کا وجود ہر دو عالم مثالی وخیالی سے باہر ثابت ہو تو ان نوادر سے ہے۔ جو بہ مرور دہور کبھی کسی سیاح کی نظر پڑے اور عامہ ناس ان کے رسم واسم سے آگاہ نہیں، "**وَمَا یَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ**ؕ "[1] (اور تمھارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ت) علامہ قزوینی کو خود اس کا نام معلوم ہوتا تو لکھتے، وہ خود اس کے عجائب دہر سے ہونے کے معترف ہیں عبارت مذکورہ سوال کے بعد کہا **والبحر لا تحصی عجائبه**[2] (سمندر کے عجائبات بے شمار ہیں۔ ت) اسے جریث گمان کرنا صحیح نہیں، جریث ایک کثیر الوجود مچھلی سواحل پر ارزانی سے بکنے والی ہے، محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مبسوط میں روایت فرماتے ہیں:

عن عمرو بن شوذب عن عمرة بنت ابی طبیخ قالت خرجت مع ولیدة لنافا شترینا جریثه بقفیز حنطة فوضعناها فی زنبیل فخرج راسها من جانب وذنبها من جانب فمر بنا علی رضی الله تعالٰی عنه فقال بکم اخذت قالت فاخبرته فقال ما اطیبه وارخصه و او سعه للعیال[3]۔	یعنی عمرہ بنت ابی طبیخ نے کہا میں اپنی کنیز کے ساتھ جا کر ایک جریث ایک قفیز گیہوں کو خرید کرلائی جو زنبیل میں سمائی، ایک طرف سے سر نکلا رہا ایک طرف سے دم، اتنے میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا گزر ہوا، فرمایا، کتنے کو لی؟ میں نے قیمت عرض کی۔ فرمایا: کیا پاکیزہ چیز ہے اور کتنی ارزاں اور متعلقین پر کتنی وسعت والی۔

ولہٰذا علامہ قزوینی نے اسے عجائب میں ذکر نہ کیا البتہ جری کا نام لیا اور اسے مارماہی سے تفسیر کیا کہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۳۱

[2] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات حرفارس المقالۃ الثانیۃ فصل فی عجائبہ مصطفی البابی مصر ص ۸۸

[3] المبسوط للامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

بزعم بعض وہی جریث ہے۔ اس تقدیر پر خود انھوں نے اس نادر مچھلی اور جریث میں فرق کیا، اسے عجائب بحر فارس اور اسے عجائب ہند میں لکھا۔ اس کی وسط دم پر کانٹا بتایا تھا اور جری کی پیٹھ پر ایک چیز مثل عمود لکھی، اور وہ منخزین وفم وفرج کا ذکر یہاں نہ کیا،

حیث قال منہا (ای من عجائب بحر الھند) سمکۃ مدورۃ یقال لہا مارماھی علی ظھرھا شبہ عمود و محدد الراس لا تقوم لہا فی البحر سمکۃ الا تضربہا بذٰلك العمود و تقتلہا[1]۔	جہاں انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے سمندر کے عجائبات میں سے ایک گول مچھلی ہے جس کو مارماہی کہا جاتا ہے اس کی پیٹھ پر عمودی شکل محدد سر والا کانٹا ہوتا ہے، سمندر میں جو مچھلی اس کی زد میں آئے اس کو وہ اپنے مدور کانٹے سے ہلاک کردیتی ہے۔ (ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مارماہی ہے۔ نہ مارماہی جریث مارماہی گول نہیں بلکہ لمبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے۔ عربی میں اسے **جری** بکسر وتشدید را، اور **جری** بالفتح اور **جریت** بتائے فوقانیہ۔ بروزن **جرّیث** اور **صلور وسلور** اور **انقلیس وانکلیس**، بفتح ہمزہ ولام ہر دو **انقلیس وانکلیس** بکسر ہر دو اور فارسی میں مارماہی اور ہندی میں بام کہتے ہیں، جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃ نہ کہ حقیقۃ، بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے، قزوینی نے اسے پر جزم کا، اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جدا ایک خاص نوع ماہی ہے۔ اہل فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی **جری وصلور وانقلیس** میں بہت اختلاف کیا۔ بہت نے انھیں مارماہی کا غیر جانا، کسی نے کہا جری بے سنے کی مچھلی کو کہتے ہیں، کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر ودم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے۔ کسی نے کہا **انکلیس** چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو ۲ پاؤں ہوتے ہیں، اور ہاتھ نہیں ہوتے، بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا بحرین کی مچھلی ہے۔ اس جانور کو **شلق** بالکسر یا **شلق** مثل کشف کہتے ہیں، کسی نے کہا **شلق** بھی **انکلیس** اور **انکلیس جریث** ہے، کسی نے کہا **انکلیس** مارماہی اور **صلور جریث** ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ مارماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے نہ کہ مدور، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری زیر حدیث:

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما طعامہ میتۃ الا ماقدرت منہا والجری	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اس کی خوراک میتہ ہے مگر کچھ بھون لی جاتی ہے اور جرّی

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر الھند فصل فی جزائر ھذاالبحر مصطفی البابی مصر ص ۸۴

لاتاکله الیهود ونحن ناکله فرمایا۔ الجری بکسر الجیم والراء والتحتیة المشددتین وبفتح الجیم والجریث بمثناۃفوقیة بعد التحتیة ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل سمك لا قشرله۔ وقیل نوع عریض الوسط دقیق الطرفین[1]۔	کو یہودی نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں، اور آپ نے فرمایا جِرّی جیم اور راء کے کسرہ اور دو مشدد یاء اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے، اور جریث آخر میں ثاء سے پہلے یاء ہے، اور یہ مچھلی سانپ کی طرح ہوتی ہے، اور بعض نے کہا کہ اس پر چھلکا نہیں ہوتا اور بعض نے بتایا کہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ (ت)

مجمع بحار الانوار میں علامہ زرکشی سے ہے:

الجری بکسر جیم وراء مشددۃ وتشدید یاء ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل نوع غلیظ الوسط رقیق الطرفین، وقیل مالا قشرله[2]۔	جری جیم اور راء کے کسرہ اور شد کے ساتھ اور آخر میں مشدد یاء ہے یعنی مارماہی جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے۔ بعض نے کہا درمیان سے موٹی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا اس پر چھلکا نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ہے:

لا تاکلوا الانکلیس بفتح ہمزۃ وکسرھا سمك شبیه بالحیات (ای مارماہی) والانقلیس لغة، وکرہ لرداءۃ غذائة لالانه حرام[3]۔	الانکلیس بفتح ہمزہ یا کسرہ ہے کو مت کھاؤ، یہ سانپ کی مانند ایک مچھلی ہے یعنی مارماہی، ایک لغت میں الانقلیس کہا جاتا ہے اس کو کھانا اس لئے مکروہ ہے کہ کہ اس کی غذا ردی ہے اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول الله تعالٰی احل الکم صید البحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۵) (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول الله تعالٰی احل الکم صید البحر دار الکتاب العربی بیروت ۸ /۲۶۷

[2] مجمع بحار الانوار اب الجیم مع الراء تحت الجری مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۳۵۰

[3] مجمع بحار الانوار باب الهمزہ مع النون تحت انکلس مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۱۲۵

لاتاکلوا الصلور والانقلیس ھما الجری والمارماہی نوعان من السمك کالحیة[1]۔	صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ، اور ان کا نام جری اور مارماہی ہے یہ دونوں سانپ کے مشابہ مچھلیاں ہیں۔ (ت)

قاموس میں ہے:

الصلور کسنور الجری فارسیته المارماھی[2]۔	صلور، سنور کے ہم وزن ہے اس کا نام جری، اور فارسی میں مارماہی کہتے ہیں۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

وھو السمك الذی یکون علی ھیاۃ الحیات و منه حدیث عمار رضی اللہ تعالٰی عنه لا تاکلوا الصلور والانقلیس[3]۔	یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے، حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کے متعلق فرمایا: صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال احمد بن الحریش قال النضر الصلور الجریث و الانقلیس مارماھی[4]۔	احمد بن حریش نے کہا کہ نضر نے کہا کہ صلور وہ جریث ہے اور انقلیس وہ مارماہی ہے۔ (ت)

انھیں دونوں میں ہے:

(الانقلیس) الصلور الجری قال اللیث ھی (سمکة کالحیة) وقال غیرہ الجریث کانکلیس وھو قول ابن الاعرابی[5]۔	"الانقلیس" صلور، جری ہے۔ لیث نے کہا یہ مارماہی ہے یعنی سانپ کی طرح مچھلی ہے اور ان کے غیر نے کہا "جریث" انکلیس کی طرح ہے اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔ (ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الصاد مع اللام تحت "صلور" مکتبہ دار الایمان المدینة المنورۃ ۳/ ۳۴۷

[2] القاموس المحیط فصل الصاد باب الراء تحت "الصلور" مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۴

[3] تاج العروس فصل الصاد باب الراء تحت "الصلور" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۰

[4] تاج العروس فصل الجیم من باب الثاء تحت الجریث دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۹

[5] تاج العروس فصل القاف من باب السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۱

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الانکلیس بفتح الهمزة واللام وکسرهما معاسمك شبیه بالحیات ردی الغذاء و هو الذی یسمی الجری والمار ماهی، وقال الزمخشری قیل انه الشلق وقال ابن سیده هو علی هیئة السمك صغیر له رجلان عند ذنبه کرِجل الضفدع ولایدله یکون فی انهار البصرة، ولیس لفظه عربیا اھ[1] ملخصا۔	"انکلیس" ہمزہ اور لام پر فتح اور کسرہ بھی یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے جس کی غذا ردی ہے اس ک نام جری اور مارماہی ہے۔ زمخشری نے کہا کہ بعض نے شلق کہا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا یہ عام مچھلی کی طرح ہوتی ہے اور ضفدع (مینڈک) کے پاؤں کے طرح اس کی دم کے نیچے دو پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے، بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

قاموس وتاج میں ہے:

(الشلق بالکسر او ککتف سمکة صغیرة) او علی خلقة السمکة لها رِجلان عند الذنب کرجلی الضفدع لا یدان لها، تکون فی انهار البصرة، وقیل ہی من سمك البحرین ولیست بعربیة (او) هی (الانکلیس) من السمك وهو الجری والجریث عن ابن الاعرابی[2]۔	شلق کسرہ کے ساتھ یا کتف کے وزن پر ہے۔ یہ چھوٹی مچھلی ہے یا مچھلی کے مشابہ مخلوق ہے۔ اس کی دم کے نیچے مینڈک کے پاؤں کی طرح پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے بعض نے کہا کہ یہ بحری مچھلی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے۔ یا یہ انکلیس ہے جو مچھلی کی قسم ہے۔ اور اس کو جرّی کہتے ہیں اور جریث بھی، یہ ابن اعرابی سے منقول ہے۔ (ت)

عجائب قزوینی بیان حیوانات بحر میں ہے:

جری هوالذی یقال له مارماہی متولد	جرّی جس کو مارماہی کہتے ہیں یہ نسل مچھلی اور سانپ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الهمزة الانکلیس مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۴

[2] القاموس المحیط فصل الشین من باب القاف مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۵۹، تاج العروس فصل الشین من باب القاف دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۹۹

من الحیۃ والسمك قال الجاحظ انه یاکل الجردان[1]۔	سے پیدا ہوتی ہے جاحظ نے کہا ہے کہ یہ جردان کھاتی ہے۔ (ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ماقیل ان المار ماہی متولد من الحیۃ لیس بواقع بل ھو جنس شبیه بها صورۃ[2]۔	جو یہ بتایا گیا کہ مار ماہی کی نسل سانپ اور مچھلی سے پیدا ہے، ایسا واقع نہیں ہے بلکہ وہ مچھلی کی جنس ہے جو صورت میں سانپ کے مشابہ ہے۔ (ت)

جس طرح ان اسامی میں اختلافات ہوئے یونہی ایک جماعت نے جریث بھی مارماہی کا نام جانا، اور اسے وہی مچھلی مشابہ مار مانا، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

الجری قال عیاض ھو من السمك مالا قشر له وقال ابن التین ویقال له ایضا الجریث وقال الازھری الجریث نوع من السمك یشبه الحیات ویقال له ایضا المارماھی، والسلور وقیل سمك عریض الوسط دقیق الطرفین[3] اھ مختصرا۔	جری کے متعلق عیاض نے کہا وہ مچھلی ہے جس پر چھلکا نہیں ہے۔ اور ابن تین نے کہا اس کو جریث بھی کہتے ہیں اور ازہری نے کہا جریث مچھلی قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو مارماہی بھی کہتے ہیں اور سلور بھی، بعض نے کہا یہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے اھ مختصرا۔ (ت)

مجمع البحار میں ہے:

الجری قیل ھو الجریث المارماھی[4] ملخصا۔	جری کے متعلق کہا گیا کہ جریث مارماہی ہے اھ ملخصا (ت)

اسی میں نہایہ سے ہے:

فی ح علی رضی اللہ تعالٰی عنه قال	ح میں لکھا ہے کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات المقالۃ الثانیۃ القول فی حیوان الماء مصطفی البابی مصر ص ۹۷

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکل ولا یحل دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۱۴

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[4] مجمع بحار الانوار باب الجیم الراء تحت "الجری" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۳۵۰

الجریث ھو نوع من السمك یشبه الحیات ای المارماھی[1]۔	جریث مچھلی کی قسم جو سانپ کے مشابہ ہے۔یعنی مارماہی (ت)

تاج العروس میں ہے:

(الجریث کسکیت سمک)معروف ویقال له الجری وھو نوع من یشبه الحیات، ویقال له بالفارسیة المارماھی[2] اھ ملتقطا۔	جریث بروزن سکیت معروف مچھلی ہے۔اس کو جری کہا جاتا ہے اور مچھلی کی قسم سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مارماہی کہتے ہیں اھ ملتقطا۔ (ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الجریث ھو ھذا السمك الذی یشبه الثعبان وجمعه جراثی ویقال له ایضا الجری بالکسر والتشدید وھو نوع من السمك یشبه الحیة، ویسمی بالفارسیة مارماھی، وقد تقدم فی الھمزۃ انه الانکلیس قال الجاحظ انه یاکل الجردان وھو حبة الماء وحکمه الحل[3] اھ باختصار۔	جریث یہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کی جمع جراثی ہے۔اس کو جری بھی کہتے ہیں کسرہ اور شد کے ساتھ، وہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مارماہی کہتے ہیں، اور ہمزہ کی بحث میں گزرا کہ یہ انکلیس ہے جاحظ نے کہا یہ جردان کھاتی ہے۔اور یہ پانی کا سانپ ہے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال ہے اھ باختصار (ت)

مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقینا مارماہی کے سواء دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح وفتاوٰی میں تصریحا دونوں کا نام جدا جدا ذکر فرمایا، لاجرم مغرب میں کہا: ھو غیر المار ماھی[4] (وہ مارماہی کا غیر ہے۔ت) علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں:

(والجریث والمارماھی) الجریث نوع من السمك غیر المار ماھی ذکرہ فی المغرب، وانما افردھما بالذکر لما کان الخفاء فی کونھما	(جریث اور مار ماہی) جریث مچھلی کی قسم ہے جو مارماہی کا غیر ہے۔یہ مغرب میں مذکور ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں خفا ہے۔

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "جرث" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۳۹-۳۳۸

[2] تاج العروس فصل جیم من باب الثاء تحت "الجرث" دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۹

[3] حیاۃ الحیوان باب الجیم الجریث مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

[4] المغرب

من جنس السمک، ولمکان الخلاف، فیهما لمحمد، ذکره صاحب المُغرَب [1]۔	نیز ان کے حکم میں محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اختلاف ہے اس کو صاحب مغرب نے بیان کیا ہے۔ (ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانوار میں ہے:

الجریث نوع من السمك غیر مارماهی [2]۔	جریث مچھلی کی قسم ہے جو مارماہی کا غیر ہے۔ (ت)

یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

(الجریث) سمك اسود (والمارماهی) سمك فی صورة الحیة وافردهما بالذکر للخفاء، وخلاف محمد [3]۔	(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔ (مارماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔ (ت)

(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔ (مارماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔ (ت) عمدۃ القاری میں بعد عبارت مذکورہ ونقل اقوال مسطورہ ہے: **قلت** الجریث سمك اسود [4] (میں کہتا ہوں "جریث" سیاہی رنگ کی مچھلی ہے۔ ت) فتح اللہ المعین حاشیۃ الکنز للعلامۃ الازہری میں ہے:

الجریث سمكة سوداء قاله العینی وقال الوافی الجِرِّیث بکسر الجیم والراء وتشدیدها نوع من السمك مدورة کالترس [5]۔	جریث سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔ یہ علامہ عینی نے فرمایا ہے۔ جبکہ وافی نے کہا کہ جریث را اور جیم کے کسرہ اور شد کے ساتھ، مچھلی کی قسم ہے جو ڈھال کی طرح گول ہوتی ہے۔ (ت)

اسی طرح طحطاوی وشامی وغیرہما میں ہے:

عازییه لابی السعود وزل قلم العلامة ط فجعله عنه عن العینی وانما ذلك صدر الکلام فقط، امام الاخیر	انھوں نے اس کو ابوسعود کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ علامہ طحطاوی کا قلم پھسلا ہے تو انھوں نے اس کو ابوسعود سے علامہ عینی سے منقول بتایا ہے۔ یہ

---

[1] اصلاح وایضاح علامہ ابن کمال پاشا

[2] حاشیۃ الکمثری علی انوار الاعمال

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[5] فتح المعین کتاب الذبائح فصل فیما یحل وفیما لایحل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۷۴

فعن الوافی کما اسمعناك نصه۔	ابتداء کلام میں ہے اور آخر میں وافی سے منقول بتایا جس کو ہم نے ذکر دیا ہے۔ (ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے: یقال له بالفارسیة ماهی کول[1] (اسے فارسی میں ماہی کول کہا جاتا ہے۔ ت) سنگی میری زبان کا لفظ نہیں، غایۃ الاوطار والے دونوں مترجم دہقانی تھے، دیہاتوں کی زبان دیہاتی جانیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۸: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم فی ھذہ المسئلة افیدونا یرحکم اللہ خوردن ماہی بسیار کوچک بحاشیہ مالابدمنہ مکروہ تحریمی نوشتہ است؟	اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ہمیں مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے کہ مالابدمنہ میں نہایت چھوٹی مچھلی کو کھانا مکروہ ہے تحریمی لکھا ہے؟

الجواب:

ماہی ریزہ کہ شایان شق شوف نباشد وہمچناں شکم چاک ناکردہ بریاں کنندش، نزد امام شافعی حرام ست، ونزد سائر ائمہ حلال رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کمانص علیه فی معراج الدرایة، ثم ردالمحتار، ونصه لو وجدت سمکة فی حوسلة طائر تؤکل، وعند الشافعی لا تؤکل لان کالرجیع ورجیع الطائر عندہ نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر و فی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه۔ فقال اصحابه لایحل اکله، لان رجیعه	باریک ریزہ کی طرح مچھلی جس کا پیٹ چاک نہیں ہوسکتا، اور یوں بے چاک بھون کر کھائی جاتی ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حرام ہے اور باقی ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔ (رحمہم اللہ تعالٰی) جیسا کہ معراج الدرایہ میں تصریح ہے اور پھر ردالمحتار میں یوں فرمایا کہ اگر پرندے کے گھونسلہ میں مچھلی پائی جائے تو وہ کھائی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ پرندوں کی بیٹھ کی طرح ہے جبکہ ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ تب ہوسکتی ہے جب اس کا رنگ متغیر ہو، اور امام شافعی کے اصحاب چھوٹی مچھلی جس کو چاک کئے بغیر بھون لیا جاتا ہے۔ کہ متعلق فرماتے ہیں اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الذبائح نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۲

نجس وعند سائر الائمة یحل[1] اھ آرے درجواہر الاخلاطی دیدم کہ بکراہت تحریم تصریح وہمیں را تصحیح کردہ است، حیث قال اسمك الصغار کلها مکروهة کراهة التحریم هو الاصح[2]، پس اسلم اجتناب ست۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔ اھ، ہاں میں نے جواہر الاخلاطی میں دیکھا ہے انھوں نے اس کے مکروہ تحریمہ ہونے میں تصریح کی ہے۔ اور اسی کی تصحیح کی ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ چھوٹی مچھلیاں تمام مکروہ تحریمہ ہیں اور یہی صحیح ہے، پس اجتناب بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۹: مرسلہ محمد علی اکبر کوڑا سال سویم ڈھاکہ تاریخ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ

کہ سوکھی مچھلی (جو دیار بنگالہ میں معروف ومشہور ہے) کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور برتقدیر حلال ہونے کے اگر کوئی حرام کہے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مچھلی تر ہو یا خشک، مطلقاً حلال ہے۔

قال تعالٰی "اُحِلَّ لَکُمۡ صَیۡدُ الۡبَحۡرِ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حلال کیا گیا تمھارے لئے بحری شکار کو۔ (ت)

سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مرکر اترا آتی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

السمك یحل اکله الا ماطفا منه[4]۔	مچھلی کھانا حلال ہے ماسوائے پانی پر تیرنے والے مرکر۔ (ت)

خشک مچھلی کا کسی نے استثناء نہ کیا، اگر حرام کہنے والا جاہل ہے اسے سمجھایا جائے، اور ذی علم ہے تو اس پر حلال خدا کے حرام کہنے کا الزام عائد ہے۔ اسے تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہئے، ہاں اگر وہاں سوکھی مچھلی ماہی دریا کے سوا کسی خشکی کے جانور کا نام ہے، جیسے ریگ ماہی، تو اس کا حال معلوم ہونا چاہئے، اگر ریگ ماہی کی طرح حشرات الارض سے ہے تو ضرور حرام ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

جمیع الحشرات وهو ام الارض لاخلاف	حشرات الارض مٹی سے پیدا شدہ ہے ان چیزوں کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

[2] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص ۲۸۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۹۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

فی حرمۃ ھذہ الاشیاء[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۰: مسئولہ مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آباد ضلع کیمل پور ۲۵ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض ملکوں میں مچھلی خشک اور گوشت خشک کھایا جاتا ہے، قبل پکانے کے تو اس میں سخت بدبو ہوتی ہے مگر بعد پکنے کے بھی بدبو باقی رہتی ہے، کیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع ایسی سخت بدبودار چیز علاوہ اس کے کہ نفاست طبع کے خلاف ہے، نظافت دین سے بھی جدا ہے۔ **وبنی الدین علی النظافۃ** (دین کی بنیاد نظافت پر ہے۔ ت) مسموع ہوا کہ اس کے مستعلمین کے بدن و دہن میں اس کی بو بس جاتی ہے۔ یہ علاوہ کراہت اکل کے اور بلائے شدید اور ملائکہ کو ایذا ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الملئکۃ تتاذی لما یتاذی بہ بنو اٰدم[2] ۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: جس سے بنی آدم اذیت پائیں اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں (ت)

اور ایسی حالت میں ان کو قرآن مجید پڑھنا منع ہے۔ حدیث میں ہے:

طیبوا افواھکم فانھا طرق القراٰن[3] ۔	اپنے منہ صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہیں۔ (ت)

بلکہ جو بدبو پر مشتمل ہو اسے مسجد میں جانا حرام ہے۔ اور جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے اور جبکہ اس سے ضرر غالب متحقق ہو، تو حرمت میں کیا شبہ ہے۔ **فان المضار کلھا حرام** (سب ضرر رساں چیزیں حرام ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: مرسلہ از چاندپور ضلع بجنور محلّہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

مچھلی بے ذبح کیوں جائز ہے؟

الجواب:

خون مفسوح ناپاک ہے وہ بدن میں رہے اور جانور مرجائے تو تمام گوشت پوست نجس و حرام ہوجاتا ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۲۸۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوبا ابصلا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۲۷۵۲ و ۲۷۵۳ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/۶۰۳

ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ ولہٰذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا:

ما انھر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکلوا[1]، الحدیث، رواہ الستۃ عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس کا خون بہادیا گیا اور اس پر اللہ تعالٰی کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ، الحدیث، اس کو صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا رافع بن خدیج سے انھوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ (ت)

اور فرمایا:

انھر الدم بما شئت واذکر سم اللہ[2] رواہ احمد و النسائی وابوداؤد وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	خون بہادے جس سے تو چاہے۔ اور اللہ تعالٰی کا نام ذکر کر، اس کو احمد نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے۔ (ت)

اور وارد ہوا:

کل مافری الاوداج[3]۔ الحدیث۔ رواہ ابن ابی شیبۃ عن رافع بن خدیج والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جو چیز اوداج کو کاٹ دے۔ الحدیث، اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت رافع بن خدیج سے، اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

مچھلی اور ٹیری میں خون ہوتا ہی نہیں کہ اس کے اخراج کی حاجت ہو، غیر دموی کے نزدیک میں ہمارے یہاں صرف یہی دو حلال ہیں، لہٰذا صرف یہی بے ذبح کھائے جاتے ہیں، شافعیہ وغیرہم کے نزدیک کہ اور دریائی جانور بھی کل یا بعض حلال ہیں وہ انھیں بھی بے ذبح جائز جانتے ہیں کہ دریا کے کسی جانور میں خون نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۷ و ۸۳۱ و ۸۳۲، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب جواز الذبح بکل ما انھر الدم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

[2] سنن النسائی کتاب الضحایا اباحۃ الذبح بالعود نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۵، مسند احمد بن حنبل حدیث عدی بن حاتم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۵۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الصید من قال اذا انھر الدم الخ ادارۃ القرآن کراچی ۵/ ۳۸۹

مسئلہ ۱۷۲: شمس الہدٰی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلّہ سوداگراں ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

حضور پرنور کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ مچھلی کو اس کی آنت وغیرہ کے کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: مسئولہ شوکت علی صاحب ۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ (علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ت) کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب:

حمادیہ میں علماء کے دونوں قول نقل کئے ہیں، کہ بعض حرام کہتے ہیں اور بعض حلال۔

حیث قال الدود الذی یقال لہ جھینکہ عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک، و انما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک، وھذا لایکون کذٰلک، و قال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمك[1]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ وہ کیڑا جسے جھینگا کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سمندری شکار میں مچھلی کی اقسام ہی مباح ہیں، اور جھینگا ان میں سے نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حلال ہے کیونکہ اس کا نام مچھلی ہے۔ (ت)

اقول: عبارت حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک قول حرمت ہی مختار ہے کہ اسی کو تقدیم دی **والتقدیم اٰیۃ التقدیم** (مقدم کرنا مقدم بنانے کی علامت ہے۔ ت) اور جھینگے کو دود یعنی کیڑا کہا اور کیڑے حرام ہیں، اور اہل حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا وہ مچھلی ہے بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلق حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے۔ قاموس میں ہے:

الاربیان بالکسر سمك کالدود[2]۔	اربیان کسرہ کے ساتھ، کیڑے کی طرح مچھلی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی حمادیہ کتاب الصید والذبائح قلمی نسخہ ص ۵۶۷ و ۳۳۲

[2] القاموس المحیط باب الواؤ فصل الراء مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۳۵

صحاح وتاج العروس میں ہے:

الاربیان بیض من السمك کالدود یکون بالبصرۃ[1] ۔	اربیان سفید مچھلی ہے کیڑے کی مانند بصرہ میں ہوتی ہے۔ (ت)

صراح میں ہے: اربیان نوعے از ماہی ست[2] (جھینگا، مچھلی کی ایک قسم ہے۔ ت) منتہی الارب میں ہے:

نوعے از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگا میگویند[3] ۔	مچھلی کی ایک قسم ہے اسے ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔ (ت)

مخزن میں ہے:

روبیان اور اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان نامند[4] ۔	روبیان اور اربیان بھی آیا ہے۔ فارسی میں اس مچھلی کو روبیان کہتے ہیں۔ (ت)

اسی طرح تحفہ میں ہے۔ تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے:

روبیان اسم لضرب من السمك یکثر ببحر العراق و القلزم احمر کثیر الارجل نحو السرطان لکنہ اکثر لحما[5] ۔	روبیان مچھلی کی قسم ہے، بحر عراق اور بحر قلزم میں بکثرت پائی جاتی ہے یہ سرخ رنگ اور کثیر پاؤں والے کیکڑے کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ گوشت میں زیادہ ہے۔ (ت)

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الروبیان ھو سمك صغیر جدا احمر[6] ۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] تاج العروس باب الواؤ والیاء فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۴۳

[2] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواؤ والیاء نولکشور لکھنؤ ص ۴۵۴

[3] متن الارب باب الراء فصل الباء مطبع اسلامیہ لاہور ۲/ ۹۲

[4] مخزن الارویۃ فصل الراء مع الواؤ نولکشور کانپور ص ۳۱۳

[5] تذکرۃ اولی الالباب لداؤد انطاکی الباب الثالث حرف الراء مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۱

[6] حیاۃ الحیوان باب الراء المہملۃ تحت الروبیانۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۸

جامع ابن بیطار میں ہے:

روبیان سمك بحری تسمیه اهل مصر الفرندس، واهل الاندلس یعرفونه بالقمرون[1]۔	روبیان سمندری مچھلی ہے۔ مصر والے لوگ اسے فرندس اور اہل اندلس اسے قمرون کے نام سے جانتے ہیں۔ (ت)

انوار الاسرار میں ہے:

الروبیان سمك صغار جدا احمر[2]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔ (ت)

تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقًا حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔

والطافی لیس نوعا براسه، بل وصف یعتری کل نوع۔	طافی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک وصف ہے جو ہر قسم کو لاحق ہوسکتا ہے۔ (ت)

اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں، ردالمحتار میں ہے:

وفی معراج الدرایة ولو وجدت سمکة فی حوصلة طائر توکل وعند الشافعی لا توکل لانه کالرجیع ورجیع الطائر عنده نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر و فی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحابه لا یحل اکله لان رجیعه نجس وعند سائر الائمة یحل[3]۔	اور معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے گھونسلے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے، اور ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے اور ہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہوجائے گی، اور چھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔ (ت)

مگر فقیر نے جواہر الاخلاطی میں تصریح دیکھی ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔

---

[1] الجامع المفردات الادویة والاغذیة حرف الراء تحت روبیان دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۴۴۵

[2] انوار الاسرار

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

حیث قال السمك الصغار کلھا مکروھۃ کراۃ التحریم ھو الاصح[1]۔	جہاں کہں کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔ (ت)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدا اور گنگچے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔ اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔ اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نہیں معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہرحال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴ تا ۱۷۶: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم ھذہ المسائل افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی:	ان مسائل میں آپ کا کیا حکم ہے ہمیں بتاؤں، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے:
(۱) جھینگا خوردن چہ حکم دارد؟	(۱) جھنگا کا کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟
(۲) پوست بیضہ خوردن؟	(۲) انڈے کا چھلکا کھانا؟
(۳) نسج عنکبوت خوردن؟	(۳) مکڑے کا جالا کھانا؟

الجواب:

(۱) مختلف فیہ است۔ ہر کہ از جنس ماہی دانستہ حلال گفتہ فان السمك بجمیع انواعہ حلال عندنا۔ ہر کہ غیر او گمان بُردہ بحرمت رفتہ اذکل مائی ماخلا السمك حرام عندنا، اسلم درہمچوں مسائل اجتناب است الحمدللہ فقیر و اہل بیت فقیر عمر باست کہ نخوردہ ایم ونہ ہرگز ارادہ خوردنش داریم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(۱) مختلف فیہ ہے۔ جو حضرات اس کو مچھلی کی قسم کہتے ہیں حلال کہتے ہیں، کیونکہ مچھلی کی تمام اقسام ہمارے نزدیک حلال ہیں، اور جو حضرات اس کو غیر مچھلی کہتے ہیں وہ حرام مانتے ہیں کیونکہ مچھلی کے ماسوا تمام آبی جانور ہمارے نزدیک حرام ہیں، ایسے مسائل میں اجتناب بہتر ہے، الحمدللہ اس فقیر اور اس کے گھر والوں نے عمر بھر نہ کھایا اور نہ اسے کھائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔
(۲) پوست بیضہ جزاوست پس درحلت و	(۲) انڈے کا چھلکا انڈے کے حکم میں ہے کیونکہ

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص ۲۲۹۔۲۸۷

حرمت بحکم اوست ہمچوں جلد حیوان، واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۳)** تصریح ایں جزئیہ ایدوں بخیال نیست نہ اینجا کتب حاضر دارم اما ظاہر ممانعت است ہمچوں خانہ زنبور کما نص علیہ فی الھندیۃ[1] عن الملتقط عن الامام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی زیرا کہ نسجش متولد از لعاب اوست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا جزء ہے جیسا کہ حیوان کی کھال، واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۳)** مکڑے کے جالے کا حکم خیال میں نہیں ہے اور نہ ہی یہاں میری کتب ہیں لیکن ظاہری طور پر ممنوع ہے جس طرح زنبور کا گھر ممنوع ہے جیسا کہ ہندیہ میں ملتقط سے اور وہاں امام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کیونکہ جالا مکڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از موضع ڈرہال ضلع مراد آباد مرسلہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبا لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہڈی ملائم گائے کے نشانہ میں ہوتی ہے جس کو چبنی کہتے ہیں اور اسے گوشت کے ساتھ کھا لیتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں جب تک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۹۰

کتاب الصید

(شکار کا بیان)

مسئلہ ۱۷۸: ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

(آپ کا کیا فرمان ہے) اندریں مسئلہ کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے۔ پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے اور کس وقت میں؟ اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ دریں امور چہ حکم دارد، **بینوا مفصلا توجروا کثیرا۔**

الجواب:

شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ۔ مطلقًا باتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو آج کل بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیزیں لانے کو جانا اپنی کسر شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو۲ دو۲ پہر دو۲ دو۲ دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہے مثلا مچھلی بازار میں ملے گی وہاں سے لے لیجئے ہرگز قبول نہ کرسکیں گے، یا کہئے کہ اپنے

پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقیناً وہی تفریح وحرام ہے۔ درمختار میں ہے:

الصید مباح الا للتلھی کما ھو ظاھر[1]۔	شکار مباح ہے مگر لعب کے طور پر مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح اشباہ وبزازیہ ومجمع الفتاوٰی وغنیہ ذوی الاحکام وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں عامہ اسفار میں ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۹: معرفت مولوی امام بخش صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ وحید احمد خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار تفریحاً کھیلنا حرام ہے، زید کہتا ہے کہ شکار اگر گوشت کھانے کے واسطے کھیلا جائے تو کچھ حراج نہیں کیونکہ ہم روز گوشت ہی کھاتے ہیں اور چونکہ آج کل گوشت مہنگا ہے اس واسطے شکار سے ہم کو فائدہ ہوگا، اور اگر یہ کہو کہ کسی جان بے فائدہ لینا ٹھیک نہیں تو روز گوشت کیوں کھاتے ہو، زید کی اس گفتگو پر یہ سوال کیا گیا کہ تم مہنگے کا سوال پیش کرتے ہو، اور اگر تمھیں شکار سے پیٹ ہی بھرنا مقصود ہے تو روز شکار کیوں نہیں کھیلتے تاکہ تم کو پورا فائدہ حاصل ہو، گاہے گاہے کیوں شکار کھیلتے ہو، وہ بھی اپنے ہمعمروں کو ساتھ لے جاکر، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تم تفریحاً ہی شکار کھیلتے ہو، جس کی اجازت شرع شریف نہیں دیتی یہ بے نوا حضور سے مستفتی ہے کہ زید کی گفتگو صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کی یہ تاویل قابل سماعت ہوگی یا نہیں جبکہ نہ مجبوری ہے نہ کسی بیماری کی صحت شکار کے گوشت سے مد نظر ہے۔

الجواب:

تفریح کے لئے شکار حرام ہے۔ اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے۔ اور نیت کا علم اللہ کو ہے۔ اگر واقعی وہ کھانے ہی کے لئے شکار کو جاتا ہے تفریح مقصود نہیں تو حرج نہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ مچھلی کے شکار کو جانا چاہئے، اور مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں اور دام رکھتا ہو، نہ خریدے بلکہ شکار ہی کرکے لائے اور وہ تکالیف ومصائب جو اس میں ہوتی ہے گوارا کرے تو ہر گز اسے کھانا مقصود نہیں بلکہ وہی تفریح واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ علی احمد صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار مچھلی کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ شکار چارہ تلی سے اور گھیسے سے کھیلا جاتا ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

الجواب:

کسی جانور کا شکار اگر غذا یا دوا یا دفع ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آج کل رائج ہے اور اسی لئے اسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں، اور وہ جو کھانے کے لئے بازار سے کوئی چیز خرید کرلانا عار جانیں، دھوپ اور لو میں خاک اڑاتے اور پانی بجاتے ہیں، یہ مطلقًا حرام ہے۔ **کما نص علیہ فی الاشباہ والدر المختار وغیرہا** (جیسا کہ اشباہ اور در مختار وغیرہما میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائق نہیں، یہ سب اس فعل کی نسبت احکام تھے، رہی شکار کی ہوئی مچھلی اس کا کھانا ہر طرح حلال ہے، اگرچہ فعل شکار ان ناجائز صورتوں سے ہوا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱: از حیدر آباد دکن محلّہ افضل گنج اقامت گاہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھ جج ریاست حیدر آباد مرسلہ جناب صاحبزادہ مولوی سید احمد اشرف میاں صاحب متوطن کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد، شاگرد رشید مفتی صاحب مذکور ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام، گولی کو حلت صید میں تیر کا حکم ہے یا نہ-یں؟ لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بندوق کی گولی دربارہ حلت صید حکم تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقًا حرام ہے۔ کہ اس میں قطع وخرق نہیں، صدم ودق وکسر وحرق ہے، شامی میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاخراق، و الثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذ لیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم[1]۔	یہ مخفی نہیں کہ تابنے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہ ہوگا، اور یہی ابن نجیم کا فتوٰی ہے۔ (ت)

مطلول شکل کی جو گولیاں ہیں **اولًا:** وہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریبًا بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ **ثانیًا:** اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۰۴

ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے، اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔ اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق وصدمہ شدید قاتل ہے **کما سمعت اٰنفًا** (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔ت) تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا، واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما، وان وقع الشك و لایدری مات بالضرح او بالثقل کان حراما احتیاطا[1]۔	ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقینا حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطا حرام ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایوکل ما اصابہ البندقۃ فمات بھا لانھا تدق وتکسر ولا تجرح وکذٰلك ان رماہ بحجر وکذٰلك ان جرحہ، قالوا تاویلہ اذا کان ثقیلا وبہ حدۃ لاحتمال انہ قتلہ بثقلہ۔ الخ[2]، **واللہ تعالٰی اعلم۔**	بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۸۲: ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب (اس باب میں علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر شکار پر بندوق چلائی، پس جس وقت جاکر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے اور نہ جنبش تھی، جس وقت کہ اس کو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے، پس وہ شکار حلال ہے یا حرام؟ اور اگر اس کو حلال نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام؟ اور

---

[1] الہدایۃ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۹

[2] الہدایۃ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۸ و ۸۰۹

درصورت نہ نکلنے خون کے بھی، جواب تحریر فرمائے۔

الجواب:

اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔ اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔ غرض مدار کا اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خوں دے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا، وان لم تتحرک ولم یخرج الدم وھذا یتأتی فی منخنقۃ ومردیۃ ونطیحہ، والتی بقر الذئب بطنھا فذکاۃ ھذ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ وعلیہ الفتوٰی لقولہ تعالٰی الا ما ذکیتم من غیر فصل[1] اھ وفی ردالمحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروج الدم لا یدل علی الحیاۃ الا اذ کان یخرج کما یخرج من الحی قال وھو ظاہر الروایۃ[2]۔	مریض بکری ذبح کی تو اس نے حرکت نہ کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا نہ معلوم ہوسکا اور اگر زندہ ہونا یقینا معلوم ہے تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کرے، اور خون نہ نکلے یہ صورت گلہ گھونٹنے، اوپر سے گرنے والے اور سینگ زدہ میں متحقق ہوتی ہے اور جس کا پیٹ بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو وہاں یہ صورت ہوسکتی ہے تو ایسے جانور کا ذبح ہونا حلال کردے گا اگرچہ ان کی خفیف زندگی معلوم ہے، اسی پر فتوی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: الا ما ذکیتم یعنی جس کو تم نے ذبح کردیا، بلا تفصیل یہ حکم ہے اھ اور ردالمحتار میں بزازی سے انھوں اسبیجابی سے انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ محض خون نکلنا حیات کی دلیل نہیں مگر ایسا نکلے جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو حیات کی دلیل ہے۔ اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔ (ت)

اسی کی کتاب الصید میں ہے:

المعتبر فی المتردیۃ واخواتھا کنطیحۃ	اوپر سے گرنے والی اور اسی جیسی مثلاً سینگ زدہ،

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

وموقوذۃ وما اکل السبع والمریضۃ مطلق الحیاۃ وان قلت کما اشرنا الیه وعلیه الفتوی[1]۔	لاٹھی زدہ، درندہ کی کھائی ہوئی، اور مریضہ میں مطلق حیات معتبر ہے اگرچہ حیات قلیل ہی ہو جیسا کہ ہم نے اس طرف اشارہ کردیا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

مدارک التزیل میں ہے:

الموقوذۃ التی اثخنوھا ضربا بعصی او حجر[2]۔	موقوذہ وہ ہے جس کو لاٹھی یا پتھر سے مارا ہو۔ (ت)

معالم میں ہے:

قال قتادۃ کانوا یضربونھا بالعصی فاذا ماتت اکلوھا[3] اھ فظھران المضروب بکل مثقل کالبندقۃ ولو بندقۃ الرصاص کله من الموقوذۃ فیحل بالذکاۃ وان قلت الحیاۃ۔	قتادہ نے کہا جاہلیت میں لوگ لاٹھی مارتے جب مرجاتی تو اسے کھاتے تھے اھ، تو ظاہر ہوا کہ کسی دباؤ والی چیز سے ضرب لگی ہوئی جیسے بندق اگرچہ تانبے کی گولی ہو تو وہ موقوذہ یعنی لاٹھی زدہ کے حکم میں ہے تو وہ ذبح سے حلال ہوگی اگرچہ حیات قلیل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق و الثقل بواسطۃ اندفاعه العنیف اذلیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم[4]، واللہ تعالٰی اعلم۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل سے جو شدید دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بنتا ہے۔ کیونکہ دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس زخم سے حلال نہ ہوگی، اسی پر ابن نجیم نے فتوی دیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

[2] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۵/ ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۶۹۹

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۵/ ۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷

[4] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

مسئلہ ۱۸۳: از گونڈہ بہرائچ مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق کا شکار کھانا جبکہ تکبیر کے ساتھ سرکی جائے کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زندہ پایا اور ذبح کیا، ذبح کے سبب حلال ہوگیا ورنہ ہرگز نہ کھایا جائے، بندوق کا حکم تیر کی مثل نہیں ہوسکتا، یہاں آلہ وہ چاہیے جو اپنی دھار سے قتل کرے۔ اور گولی چھرے میں دھار نہیں، آلہ وہ چاہئے جو کاٹ کرتا ہو۔ اور بندوق توڑ کرتی ہے نہ کہ کاٹ، ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق و الثقل بواسطۃ اندفاعه العنیف اذ لیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم [1]۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل جو شدید دباؤ سے حاصل ہوتے ہیں سے بنتا ہے کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے حلال نہ ہوگی، اس پر ابن نجیم نے فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایحل صید البندقة وما اشبه ذٰلك و ان خرق لانه لایخرق الا ان یکون شیئ من ذٰلك قد حدده وطوله کالسهم وامکن ان یرمی بهی، فان کان کذٰلك و خرقة بحده حل اکله [2] انتهی، وبه اندفع ماظن بعض اجلة علماء کالنفور من الحرمة بالرصاص الکبیر لثقله دون الحبات لخفتها وذٰلك لان مناط الحل لیس ھی الخفة بل الحد والخرق، وبدیهی	بندوق وغیرہ کا شکار اگرچہ زخمی ہوجائے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں نہیں، ہاں اگر گولی کی لمبی دھار ہو تو تیر کی مانند ہونے کی بناء پر اسکی طرف پھینکی جاسکے اور وہ چیر دے تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اھ اس بیان سے کانپور کے بعض اجلہ علماء کا یہ گمان مدفوع ہوگیا کہ بڑی تانبے والی گولی سے حرام ہے کیونکہ وہ بھاری ہوتی ہے اور چھرے دار گولی سے حلال ہوگی کیونکہ چھرے باریک ہوتے ہیں، یہ اس لئے کہ حلت کا مدار خفیف و باریک ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مدار

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۳

ان لاشیئ من ذٰلك فی الحبات الا تری الی ماقال فی الدرالمختار لو کانت یعنی البندقۃ خفیفه بھا حدۃ حل[1] حیث لم یقتصر علی الخفۃ زاد بھا حدۃ۔ ولابد من قید اٰخر ترکه وصرحۃ به وھو من تصیبه بحدھا کمامر عن الامام فقیه النسف۔ وھی مسئلۃ المعراض الشھیرۃ فی الکتب، فالصواب اطلاق المنع، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	دھار دار اور چیرنا ہے اور یہ چیز چھروں یعنی دانوں میں بدیہی طور پر نہیں پائی جاتی، آپ دیکھ نہیں رہے جو درمختار میں فرمایا کہ باریک گولی کی دھار ہو تو حلال ہے یہاں انھوں نے صرف خفت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دھار کو زائد ذکر کیا اور ایک اور قید بھی ضروری جس کو واضح ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کیا وہ یہ کہ دھار لگنے سے زخمی ہو جیسا کہ امام فقیہ النفس (قاضی خاں) کا کلام گزرا، اور کتب میں معراض کے عنوان سے یہ مسئلہ مشہور ہے تو یہی درست ہے کہ گولی کا شکار مطلقًا منع ہے واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۴: از کراچی بندر محلّہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مکرانی ۲۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر شخصے شکار بہ تفنگ یعنی بندوق کرد، وبذریعہ بندقہ رصاص یعنی گولی یا چھرہ شکار زخمی شد و شخص مذکور وقت سرکدن بندوق بسم اللہ الرحمٰن اللہ اکبر ہم گفتہ اماجانور مذکور قبل ازذبح مرد، آیاآں جانور شرعا حلال ست یا حرام؟ دریں مسئلہ درمیاں علمائے بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است۔ آخرالامر طرفین بریں قرار دادہ اند کہ ہرجو ایکہ علمائے کرام بریلی دہند، جانبین تسلیم نمایند۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔	علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص بندوق سے شکار کرے اور تانبے کی گولی یا چھرہ سے شکار زخمی ہو کر ذبح سے قبل مرجائے اور وہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لے تو کیا وہ جانور حلال ہے یاحرام؟ اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء کا مباحثہ واختلاف ہے بالآخر دونوں فریقوں نے قرار دیا کہ علمائے بریلی جو بتائیں ہم تسلیم کرلیں گے، جواب دو اجر پاؤ قیامت کے روز۔ (ت)

الجواب:

حلال نیست زیراکہ آلہ آں باید کہ دم بُرندہ دارد نہ آنکہ صدمہ شکنندہ یا گرمی سوزندہ	حلال نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے خون بہانے والا آلہ چاہئے نہ کہ وہ جو ٹکڑا کر توڑے یا گرمی سے

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

کمافی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جلائے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۵: ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک خرگوش کو کتے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جس میں پیوستہ ہوگئے ہیں، اور بہت سارا جسم اس کا چباڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے، ہنوز ابھی جان باقی ہے۔ پس اس کو ذبح کرکے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے غیر حرم کے حلال جانور، وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا، اور کتا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اسکے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہوگیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مار ڈالا یا ایسا مجروح کردیا اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہوجائے گا اور کتے کو چھوڑنے میں کوئی کافر مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آج کل نصارٰی، رافضی، نیچری، وہابی، قادیانی وغیرہم، خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا، نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے نا تعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا کسی اور جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہو اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا، بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا، تو وہ جانور بے ذبح حلال ہوگیا، اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہو اور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہوجائے گا ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہو جائے گا، تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

(الصید بخمسۃ عشر شرطا) خمسۃ فی الصائد وھو ان یکون من اھل الذکاۃ وان یوجد منہ الارسال وان لا یشارکہ فی الارسال من لایحل صیدہ، وان لا یترک التسمیۃ عامدا۔ وان لایشغل بین الارسال والاخذ	کوئی شکار کل پندرہ شرطوں سے مباح بنتا ہے پانچ شرطیں شکاری میں پائی جائیں کہ ۱وہ ذبح کرنے کا اہل ہو، ۲اور وہ خود کتے کو شکار پر چھوڑے، ۳اور اس کے ساتھ چھوڑنے میں ایسا شخص شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا، ۴اور وہ قصدا بسم اللہ کو ترک نہ کرے، ۵اور کتا چھوڑنے اور شکار کر پکڑ لینے تک

بعمل اٰخر، وخمسة فی الکلب ان یکون معلما وان یذھب علی سنن الارسال، وان لا یشارکه فی الاخذ ما لایحل صیده وان یقتله جرحا، وان لایاکل منه و خمسة فی الصید، ان لا یکون من بنات الماء الا السمك وان یمنع نفسه بجناحیه اوقوائمه وان لا یکون متقویا بنابه، او بمخلبه، وان یموت بهذا قبل ان یصل الی ذبحه[1] اھ، **قلت** ومعنی قوله ان یموت ای حقیقة اوحکما بان لایبقی فیه حیاة فوق المذبوح، کما نص علیه فی الدر، واوضحه المحشی۔	درمیاں میں کسی اور عمل میں مصروف نہ ہو، اور پانچ شرطیں کتے میں پائی جائیں (۱) سکھایا ہوا ہو۔ (۲) سیدھا شکار کی طرف جائے (۳) کتے سے شکار کو وصول کرنیوالا ایسا شخص نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا (۴) شکار کو کتا زخمی کرکے مارے (۵) اور خود شکار کو نہ کھائے۔ اور پانچ شرطیں شکار میں پائی جائیں (۱) پانی میں پیدا ہونے والا شکار صرف مچھلی ہو۔ (۲) وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنا دفاع کرسکے (۳ و ۴) کیلی دانت یا پنجوں والا نہ ہو۔ (۵) ذبح تک رسائی سے قبل مرجائے اھ میں کہتاہوں اس کا کہنا کہ مرجائے، یعنی حقیقۃً مرجائے یا حکماً مرجائے مذبوح سے زائد اس میں حیات نہ ہو، جیسا کہ درمختار میں تصریح ہے، اور محشی نے اس کو واضح کیا ہے۔ (ت)

انھیں میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا، فصید الحرم لاتحله الذکاة مطلقًا (اوکتابیا، ولو مجنونا[2]) اھ ملخصا۔ والمراد به المعتوه کما فی العنایة عن النهایة لان المجنون لا قصد له ولا نیة لان التسمیة	ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان جو حالت احرام اور حرم میں نہ ہو۔ شرط ہے، اور شکار ہو تو ضروری ہے کہ حرم سے باہر ہو کیونکہ حرم کا شکار ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا مطلقاً ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو اگرچہ ذبح کرنے والا مجنون ہو اھ ملخصاً۔ مجنون سے مراد معتوہ (ابتدائی جنون) ہو جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے نقل کیا ہے کیونکہ کامل جنون والا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱، ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۷

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شرط بالنص وہی بالقصد وصحة القصد بما ذکرنا یعنی قولہ اذا کان یعقل التسمیة والذبیحة ویضبط[1] اھ ش۔	قصد اور نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنا منصوص شرط ہے اور وہ قصد کے بغیر ممکن نہیں اور قصد کی صحت ہمارے ذکر کردہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا قول کہ وہ بسم اللہ اور ذبح اور ضبط کو سمجھتا ہو، اھ ش۔ (ت)

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقاً حلال ہے اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے۔ اس کے دانت جسم میں پیوست ہوجانا وجہ ممانعت نہیں ہوسکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کرکے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کردے گا، دو وجہ سے غلط ہے۔

اوّلاً: شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہوجاتا ہے۔

ولذا فرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملاطفا فینجس او غضبان فلا۔	اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جانور پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔ (ت)

ثانیاً: اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہوجائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کتاب الاضحیه

(قربانی کا بیان)

مسئلہ ۱۸۶: از موضع مہچندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصرالدین صاحب ۱۴ محرم ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جلد چہارم کتاب شرح وقایہ کتاب الاضحیه ص ۴۳ میں تحریر ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو شخص دیکھے تم میں سے چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ کرے قربانی کا تو چاہئے کہ اپنے بال اور ناخن کو روک رکھے یعنی نہ کاٹے، روایت کیا جماعت نے، اب ایک شخص اہل اسلام کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے، تو وہ شخص دیکھنے چاند ذی الحجہ کے سے اپنے بال اور ناخن نہ روک رکھے یا حجامت کرالے، یا اس نے یہ حکم نہ مانا، اور رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حکم عدولی کرے تو اس کے واسطے شرع شریف میں سے کیا حکم ہے؟ اور کیا کہا جائے گا؟ جواب تحریر فرمائے، اور قربانی اس کی صحیح طور پر ہوگی یا کوئی نقص اس کی قربانی میں عائد ہوگا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

یہ حکم صرف استحبابی ہے کرے تو بہتر ہے نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلا عذر ناخن تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا،

اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے۔ فعل مستحب کے لئے گناہ نہیں کر سکتا۔

فی ردالمحتار فی شرح المنیۃ وفی المضمرات، عن ابن المبارك فی تقلیم الاظفار وحلق الرأس فی عشر ذی الحجۃ، قال لا تؤخر السنۃ، وقد ورد ذلك ولا یجب التاخیر اھ فھذا محمول علی الندب بالاجماع الا ان نفی الوجوب لا ینافی الاستحباب فیکون مستحبا الا ان استلزم الزیادۃ علی وقت اباحۃ التاخیر، ونھایتہ مادون الاربعین، فلا یباح فوقھا، اھ مختصرا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ منیہ کی شرح اور مضمرات میں ابن مبارک سے نقل کیا کہ ناخن کاٹنا اور سر منڈانا ذوالحجہ کے دس دنوں میں اپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ سنت کو مؤخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ تو یہ استحباب پر محمول ہے اور وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے لہٰذا مستحب ہے ہاں اگر اباحت کی مدت پر تاخیر کو مستلزم ہو تو مستحب نہ ہوگا، اباحت کی مدت کی انتہا چالیس روز ہے تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی اھ مختصراً واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷: مرسلہ ڈاکٹر واعظ الحق سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسروپور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

قربانی ایام تشریق تک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی یوم نحر تک یعنی دسویں سے بارھویں تک جائز ہے، آخر ایام تشریق تک کہ تیرھویں ہے جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ مولوی حاجی الہ یار خاں صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

رامپور میں عیداضحٰی شنبہ کے دن ہوئی اور بریلی میں ایک شنبہ کو، اب درصورت عدم اطلاع کے جن لوگوں نے سہ شنبہ کو قربانی کی، اور بعد میں اس کے مطلع ہوئے، ان لوگوں کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اب ان پر کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۵

الجواب:

دوسرے شہر کی رؤیت مجرد حکایات واخبار سے ہر گز ثابت نہ ہوگی، مثلاً چند آدمی اگر چہ کیسے ہی عادل ثقہ ہوں یہاں آکر بیان کریں، وہاں فلاں دن رؤیت ہوئی یا عید کی گئی، یا حکم دیا گیا، یا ہمارے سامنے گواہیاں گزریں، یا منادی پھری، کچھ قابل التفات نہیں کہ امر شرعی کا ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خانگی طور کا یقین کوئی چیز نہیں، گو عوام تو عوام اس زمانے کے بہت ذی علم بھی یقین شرعی وعرفی کے فرق سے غافل ہیں،

فی الدرالمختار وحاشیة ردالمحتار (لالو شهدوا برؤیة غیرهم لانه حکایة[1]) فانهم لم یشهدوا بالرؤیة ولا علی شهادة غیرهم وانما حکوا رؤیة غیرهم، کذا فی فتح القدیر، قلت وکذا لو شهدوا برؤیة غیرهم، وان قاضی تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانه حکایة لفعل القاضی ایضا ولیس بحجة بخلاف قضائه[2] الخ۔	درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے اگر لوگوں نے غیر کی رؤیت پر شہادت دی تو جائز نہیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے کیونکہ انھوں نے اپنی رؤیت پر شہادت دی اور نہ غیر کی شہادت پر مبنی شہادت دی انھوں نے تو صرف غیر کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ یوں ہی فتح القدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ غیر کی رؤیت پر شہادت بھی دیں تب بھی یہی حکم ہے اور یونہی اگر وہ اس شہر کے قاضی کے اس حکم پر شہادت دیں کہ اس نے لوگوں کو رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ قاضی کے فعل کی حکایت ہے اور یہ حجت نہیں ہے، بخلاف جبکہ وہ قاضی کی قضاء پر شہادت دیں وہ حجت ہے الخ (ت)

پس اگر رامپور کی خبر اسی طرح یہاں آئی جب تو سہ شنبہ کی قربانی میں اصلا خلل نہیں،

لانهم بنوها علی امر شرعی وهو اکمال العدة ثلثین عندالغمة ولم یثبت مایرده فلا یخاطبون لابها وقع عندهم۔	کیونکہ انھوں نے شرعی حکم کو مبنٰی قرار دیا وہ تیس کی گنتی پوری کرنا جب بادل ہوں اور اس شرعی حکم کو رد کرنے والی کوئی چیز ثابت نہیں جبکہ لوگ اپنے ہاں پائی جانی والی دلیل کے مخاطب ہیں۔ (ت)

اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط بیشک کیا کہ قطع نظر اس سے کہ افضل وفاضل یعنی دہم یازدہم چھوڑ کر سب میں گیا درجہ اختیار کیا، جب اگلے چاند کی تاریخ میں بھی احتمال تھا، اور بے رؤیت وشہادت صرف تیس

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

پورے کرنے پر بنائے کار ہوئی تھی تو شنبہ کی عید بھی ایک احتمال رکھتی تھی، ایسی حالت میں فی التاخیر اٰفات پر نظر کرکے سہ شنبہ تک بیٹھا رہنا نہ چاہتے تھا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بحالت احتمال مستحب ہے بارھویں تک دیر نہ لگائے اور دیر ہوجائے تو مستحب ہے کہ اس قربانی سے کچھ اپنے یا اپنے اغنیاء کے صرف میں نہ لائے بلکہ بالکل راہ خدا میں اٹھائے۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

لوشك فی یوم الاضحی فاجب ان لا یوخر الی الیوم الثلث والافاحب ان یتصدق کله[1]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو تیسرے دن تک مؤخر نہ کی جائے ورنہ تمام گوشت کو صدقہ کرنے مجھے پسند ہے۔ (ت)

بااین ہمہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی قربانی قضاء ہوگئی، البتہ افضل یہ ہے کہ جس قدر گوشت وغیرہ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں آگیا ہو اس کی قیمت لگا کر صدقہ کریں، اور نیز جانور مذبوح وزندہ میں بوجہ ذبح جو تفاوت قیمت ہوگیا وہ بھی خیرات کریں، مثلاً زندہ ایک روپیہ کو آیا تھا اور ذبح کیا ہوا بارہ آنے کو جاتا تو چار آنے اور تصدق کئے جائیں، عالمگیری میں ہے:

اذا شك فی یوم الاضحی فالمستحب ان لایؤخر الی الیوم الثالث فان اخر یستحب ان لا یاکل منه و یتصدق بالکل فیتصدق بفضل مابین المذبوح و غیر المذبوح لانه لو وقع فی غیر وقته لا یخرج عن العهدة الا بذلك کذا فی المحیط السرخسی[2]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو مستحب یہ ہے کہ تیسرے روز تک مؤخر نہ کی جائے اور مؤخر ہوجائے تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کیا جائے اور خود کچھ نہ کھائے اور مذبوح اور غیر مذبوح میں قیمت کے فرق زائد کو صدقہ کرے کیونکہ اگر قربانی اپنے فروخت سے باہر ہو تو اس کے بغیر عہدہ برآہ نہیں ہوتا یوں محیط سرخسی میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فان اکل تصدق بقیمة ما اکل[3] اھ ذکرہ فی الناذر، و افاد الشامی ان النذر	اگر کھالیا تو جتنا کھایا اس کی قیمت کو صدقہ کرے اھ انھوں نے یہ نذر ماننے والے کو فرمایا اس پر علامہ شامی

---

[1] جامع الرموز کتاب الاضحیہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۵۷۔۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب لثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۵

[3] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

لیس بقید[1] بل کذلك الحکم فی کل ماوجب التصدق به. **قلت** واذا وجب ھذا فی واجب التصدق، ندب الیه فی مندوبه کالتصدق باللحم وبفضل ما بین المذبوح الی غیر المذبوح کما لایخفی لان المقصود الاحتیاط للخروج عن العھدۃ بالیقین، فکل ماکان علی العھدۃ لو تیقن القضاء لایکون مستحبا ھنا، لدفع المراء، ھذا مما لایضن به خفاء۔	نے یہ افادہ فرمایا کہ نذر کی قید نہیں بلکہ ہر چیز جس کا صدقہ واجب ہو اس کا یہی حکم ہے، **میں کہتا ہوں** جب واجب صدقہ کا یہ حکم تو نفلی صدقہ میں گوشت کو صدقہ کرنا اور مذبوح اور غیر مذبوح سے فرق میں زائد کو صدقہ نفل ہوگا جیسا کہ مخفی نہ ہے کیونکہ مقصد یقینی طور پر عہدہ برآمد ہونا ہے تو ذمہ دار کو اگر عہدہ برآ ہونے کا یقین ہوجائے تو یہ مستحب نہیں ہے تاکہ ریاکاری نہ بن پائے اس میں خفا کا گمان نہیں ہے۔ (ت)

ہاں اگر بطریق موجب شرح وہاں کی خبر ثالث ہو، مثلاً دو گواہ عادل نے آکر خود اپنی رؤیت پر گواہی دی یا دار القضا میں قاضی شرعی نے باستجماع شرائط ان کے سامنے حکم دیا انھوں نے اس حکم پر شہادت ادا کی، یا وہاں کے دو عادل اہل رؤیت نے انھیں بعبارت معتبرہ شرع اپنی شہادت کا حامل کیا، انھوں نے شہادۃ علی الشہادۃ باستیعاب شرائط گزاری، یا وہاں کی خبر مستفیض و مشتہر ہوگئی، بایں معنی کہ رامپور سے متعدد گروہ آئے اور سب یک زبان یہی خبر لائے تو نہ یہ اصلی مخبر وحاکی دو تین شخص تھے ان کی زبانی نقل در نقل ہو کر شہر میں شہرت ہوگئی کہ یہ اصلا قابل اعتبار نہیں، وان اشتبه کثیر علی العوام ومن ضاھاھم (اگرچہ یہ بات بہت سے عوام اور ان جیسے لوگوں پر مخفی ہے۔ ت) ایسی حالتوں میں بیشک وہاں کی رؤیت بروجہ شرعی ثابت ہوجائے گی۔

فی فتح القدیر و ردالمحتار ماسمعناك ففی الدر المختار وحاشیته للعلامة الطحطاوی (یلزم) ثبوت الھلال سواء کان ہلال الصوم اوالفطر (اھل المشرق برؤیة اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیة اولئك بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھد علی حکم القاضی، اویستفیض	فتح القدیر میں اور ردالمحتار میں بیان کردہ ہم نے آپ کو سنا دیا ہے اور درمختار اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ رمضان کا ہلال ہو یا فطر کا اس کا ثبوت مشرق والوں پر مغرب والوں کی رؤیت سے لازم ہوجاتا ہے جب مغرب والوں کی رؤیت مشرق والوں کے ہاں موجب طریقہ سے ثابت ہو مثلاً دو گواہ بنیں، شہادت پر قاضی کی قضاء پر یا رؤیت

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۰

الخبر، بخلاف ما اذا خبرا ان اهل بلدة كذا رأوه لانه حكاية اھ حلبی[1] الخ۔	کی خبر مستفیض ہو جائے بخلاف اس صورت کے کہ دو شخص یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ محض حکایت ہے اھ حلبی الخ (ت)

علامہ مصطفٰی رحمتی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

معنى الا ستفاضة ان تأتي من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية الخ نقله الشامي[2] وقواه۔	خبر مستفیض کا معنی یہ ہے کہ وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر جماعت یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ اس کو علامہ شامی نے نقل کیا اور اسے قوی قرار دیا ہے۔ (ت)

اور علامہ شامی نے اگرچہ دربارہ اضحیہ مطلع کو معتبر ماننے کا استظہار فرمایا۔

حيث قال اختلاف المطالع انما لم يعتبر في الصوم لتعلقه بمطلق الرؤية، وهذا بخلاف الاضحية فالظاهر انها كاوقات الصلوات يلزم كل قوم العمل بما عندهم فيجزئ الاضحية في اليوم الثالث عشر عـــه وان كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر[3]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ روزہ میں مطالع کا اختلاف صرف اس لئے معتبر نہیں کہ روزے کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے اور یہ قربانی کے کے معاملہ کے خلاف ہے تو ظاہر یہ ہے کہ قربانی کا معاملہ اوقاف نماز کی طرح ہے ہر علاقہ کی قوم پر وہی لازم ہے جو اس کے ہاں ثابت ہو۔ لہٰذا تیسرے دن قربانی جائز ہے اگرچہ وہ دن دوسروں کے ہاں چوتھا دن بنتا ہو۔ (ت)

مگر یہاں اس کی گنجائش نہ ملے گی کہ مسئلہ قربانی میں مطالع شمس سے کام نہیں، جو ایک ہی فرسخ یعنی تین میل پر

عـــه: لايخفى ان الثالث والرابع عشر وقعا سهوا وانما مقصوده رحمه الله تعالٰى الثاني والثالث عشر ۱۲ منه قدس سره۔	شامی میں تیرہ اور چودہ تاریخ کا ذکر سہوا ہوا، جبکہ مقصد بارھویں اور تیرھویں تاریخ کا بیان ہے ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹، حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

[3] ردالمحتار کتاب الصوم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

مختلف ہوجاتے ہیں:

کما نص علیه علماء الهیئة قلت بل الحق انها تختلف فی میل واحد بل اقل من ذٰلک. غیر ان التفاوت لقلته جدا لایستبین لنا الا فی نحو فرسخ۔	جیسا کہ اس پر علماء ہیئت نے تصریح کی ہے میں کہتا ہوں بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ایک میل بلکہ اس سے کم میں مختلف ہوجاتے ہیں لیکن وہ اختلاف اتنا قلیل ہوتا ہے کہ ہمیں صرف فرسخ کی مسافت تک معلوم ہوسکتا ہے۔ (ت)

بلکہ یہاں غرض مطالع قمر سے ہے کہ چوبیس فرسخ یعنی بہتر میل سے کم میں نہیں بدلتے، جن کے اس حساب سے کہ ایک میل کوس کے پانچ ثمن کا نام ہے،

کما تشهد به التقادیر الدائرة بین اهل اللسان اذا اقیست الی الامیال المنصوبة فلا عبرة بما تلهج به متعلم النصارٰی	جیسا کہ اہل لسان کے ہاں معروف اندازے اس پر شاہد ہے جبکہ گاڑے ہوئے میلوں کا حساب کیا جائے تو نصارٰی کے شاگردوں کے قول کا اعتبار نہیں۔ (ت)

پینتالیس کوس ہوئے۔

فی ردالمحتار فی شرح المنهاج للرملی وقد نبه التاج التبریزی علی ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعة وعشرین فرسخا وافتی به الوالد والاوجه انها تحدیدیة کما افتی به ایضا اھ فلیحفظ انتهی[1] **اقول:** والمنفی هو الامکان العادی وان زعمت الفلاسفة ما زعمت فان الله علی کل شیئ قدیر۔	ردالمحتار اور شرح منہاج امام رملی میں ہے۔ اور تاج الدین تبریزی نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ چوبیس فرسخ سے کم میں مطالع کا اختلاف ممکن نہیں ہے اور والد گرامی نے اس پر فتوٰی دیا ہے اور اس اندازہ کا تحدیدی ہونا مناسب ہے، جیسا کہ انھوں نے یہ بھی فتوٰی دیا ہے اھ محفوظ کرو انتهی، **میں کہتا ہوں** امکان عادی کی نفی کی گئی ہے اگرچہ فلاسفہ جو چاہے خیال کریں، تو بیشک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے (ت)

اور بریلی سے رامپور کا فاصلہ براہ دائرہ طول کہ علم ہیئت میں اسی کا لحاظ ہے، اس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۲

مقدار[عـــہ] کے نصف کو بھی نہیں پہنچتا اور اگر حساب عامہ ہی لیجئے تو بھی اس سے بہت کم ہے۔ بہر حال وہ تفاوت ہر گز نہیں جس کے باعث چاند کے مطلع بدلتے ہیں، لاجرم جب ثبوت شرعی پہنچے گا قطعاً ظاہر ہو جائے گا کہ سہ شنبہ کی قربانیاں ایام نحر گزر جانے کے بعد تیرھویں تاریخ واقع ہوئی اب وہ احکام تصدق جو صورت بالا میں بطور افضلیت واستحباب مذکور ہوئے تھے سب واجب ہو جائیں گے **کماظھر ممامر** (جیساکہ گزشتہ سے ظاہر ہوا۔ت)

تحقیق ان مسائل کی فقیر کے رسالہ "**ازکی الاھل بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال**" میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از ابرایاں محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امسال اخبار وغیرہ سے معلوم ہوا کہ بقر عید کو ۲۹ کا چاند ہوا مگر معقول سند نہ ملنے سے تیس کے حساب سے عیدالاضحٰی ہوئی، تو قربانی ۱۲ تاریخ کو ۳۰ کے حساب سے کرے یا احتیاطاً اختلاف کی وجہ سے ۱۱ تک کرلے ۱۲ کو نہ کرے۔

الجواب:

دربارہ رؤیت کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ ۲۹ کا چاند اگر ثابت نہ ہو تو ۳۰ دن پورے کرلیں **فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین** (اگر بادل ہو جائے تم پر تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ت) ۳۰ کے حساب سے بارھویں تک قربانی بے تکلف کریں، احتمالات کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از بنگالہ شہر اسلام آباد چاٹگام موضع ادھونگر مرسلہ مولوی عبدالجلیل صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ درخانہ شخصے دہ کس موجود است، وقربانی برہر یک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گاوے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید،	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گھر میں دس حضرات موجود ہیں اور ان سب پر قربانی واجب ہو تو گھر والے شخص نے سات حضرات کی طرف سے گائے خریدی اور قربانی کردی، اور باقی تین حضرات کی قربانی نہ ہوئی اور

[عـــہ]: طول رامپور قید لو یعنی ۳۶/۱۱۴ طویل بریلی قید لط یعنی ۵۹/۱۱۴ فصل بقدر ہا کج یعنی ۲۳/۰ میل تقریباً ۲۵۔ ۱/۳ جن کے سولہ کوس سے بھی کم ہوئے ولہٰذا دونوں شہر کے نصف النہار میں تفاوت صرف بقدر ہا الب ہوتا ہے یعنی جب یہاں ۱۲ بجتے ہیں وہاں بارہ بجنے میں ڈیڑھ منٹ باقی ہوتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** منہ قدس سرہ العزیز

پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں مر فقراء و مساکین را صدقہ کنند شرعا چہ حکم است۔ بینوا بسنة الکتاب توجروا من الملك الوهاب۔	قربانی کاوقت ختم ہوگیا تو کیا باقی حضرات کی قربانی ساقط ہوجائے گی یا وہ حضرات کی مالیت کو فقراء ومساکین پر صدقہ کریں، شرعا کیا حکم ہے؟ بتاؤ اور اجر اپنے عطا کرنے والے مالک سے پاؤ۔ (ت)

الجواب:

از شہ باقی ساقط نشود فان الاضحیة واجبة عینا لا کفایة، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہر ایک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ دراضحیہ کافی شود، بر فقرا صدقہ کند فی الدر لمختار ترکت التضحیة ومضت ایامها تصدق غنی بقیمة شاة تجزئ فیها [1] اھ ملتقطا۔ والله سبحانه و تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	باقی تین سے قربانی ساقط نہ ہوگی کیونکہ واجب عینی ہے واجب کفایہ نہیں ہے جب وقت گزر گیا تو ان کو چاہئے کہ وہ بکرے کی قیمت فقراء پر صدقہ کریں، درمختار میں ہے کہ قربانی چھوٹ گئی ہو تو وقت ہوجانے پر غنی شخص بکرے کی قیمت صدقہ کردے تو اس سے کفایت حاصل ہوجائے گی اھ ملتقطا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۹۱: ۲ اذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تو اس پر قربانی واجب ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یا اس کے اور مال سے کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو مل کر چھپن روپے کی قیمت کو پہنچیں، اگرچہ مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یا سادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کا ایک اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو اور اس کی قیمت تنہا یا اسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے۔ اسی طرح صدقہ بھی۔

فی الهندیة عن الظهیریة ان کان له عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ	ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ زمین اور آمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی نے

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

المتاخرون رحمهم الله تعالٰی فالزعفرانی و الفقیه علی الرازی اعتبر قیمتها وابو علی الدقاق وغیره اعتبرا الدخل۔ واختلفوا فیما بینهم، قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل له من ذٰلك قوت سنة فعلیه الاضحیة ومنهم من قال قوت شهر، ومتی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة[1] الخ ونحوه فی ردالمحتار ولم یذکر ترجیحا ورأیتنی کتبت علی هامشه مانصه، اقول: به جزم فی الخانیة من صدقة الفطر ولم یحك خلافا حیث قال وما زاد علی الدار الواحدة والد ستجات الثلثة من الثیاب یعتبر فی الغناء[2] اھ ثم قال واذا کان له دار لا یسکنها ویؤاجرها اولا یؤاجرها یعتبر قیمتها فی الغناء وکذا اذا اسکنها و فضل عن سکناه شیئ، یعتبر فیه قیمة الفاضل فی النصاب ویتعلق بهذا النصاب احکام وجوب صدقة الفطر والاضحیة وحرمة وضع الزکاة فیه ووجوب نفقة الاقارب[3] اھ	اختلاف کیا ہے۔ تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا اور ابو علی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا، ابو علی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہو جائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دو سو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد تو اس پر قربانی واجب ہے الخ اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) خانیہ میں اس پر جز فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا، جہاں انھوں نے فرمایا، جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہوں وہ غناء میں شمار ہوگا اھ، پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غناء میں شمار ہوگا، اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقہ فطر اور قربانی زکوۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہو جائیں گے اھ۔

---

[1] فتاوٰی ہندیه کتاب الاضحیة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقه الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقه الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

وھکذا انقل الکلام عنھا برمزہ "خ" فی خزانة المفتین وکذٰلك ذکر فی البزازیة اقوال المتاخرین کالزاعفرانی والدقاق وغیرھما مقدما قول الزعفرانی ان العبرة بالقیمة ثم قال وعند الثانی رحمه الله ھو موسر بالضیاع۔[1] اھ وفی الھندیة عن الخلاصه عن الاجناس لو کان له دار فیھا بیتان شتوی وصیفی و فرش شتوی وصیفی، لم یکن بھا غنیا فان کان له فیھا ثلث بیوت و قیمة الثالث مائتا درھم فعلیه الاضحیة[2] الخ، ومثله فی البزازیة[3] وقال قبله لو کان فی دار اجارة فاشتری ارضا بنصاب وبنی فیھا منزلا یسکنه لزمت[4] اھ، وبالجملة قد تظافرت الروایات علی الایجاب وھو الموافق لاطلاق المتون والشروح من قولھم کما فی الھدایة وغیرھا واجبة علی الحر المسلم، اذاکان مالکا لمقدار النصاب فاضلا عن	اور خزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کو اس کی رمز "خ" کے ساتھ ذکر کیا اور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین کے اقوال کو ذکر کیا اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی) کے نزدیک زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا اھ، اور ہندیہ میں خلاصہ سے بحوالہ اجناس ذکر کیا کہ اگر مکان میں دو کمرے ہوں موسم سرما اور دوسرا موسم گرما کے لئے ہو اور سردی اور گرمی کے بستر ہوں تو اس سے غنی شمار نہ ہوگا، اور اگر مکان کے تین کمرے ہوں اور تیسرے کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس پر قربانی لازم ہوگی الخ اور اس کی مثل بزازیہ میں مذکور ہے انھوں نے اس سے قبل ذکر کیا اگر کوئی کرایہ کے مکان میں ہو تو اس نے نصاب برابر قیمت سے زمین خرید کر مکان بنایا اور اس میں رہائش پذیر ہوا تو اس پر قربانی لازم ہے اھ، خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش، لباس، ضروری سامان

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده[1] وھو المنقول من احد شیخی المذھب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم ھوالاحوط فعلیه فلیکن التعویل، **فان قلت** الیس قد احالو یسار الاضحیة علی یسار صدقة الفطر واحال فی التنویر یسار ھا علی نصاب یحرم الصدقة، حیث قال صدقة الفطر تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم وبه تحرم الصدقه[2] اھ وقال فی الدر من مصارف الزکوٰۃ لایصرف الی غنی، یملك قدر نصاب فارغ من حاجته الاصلیة من ای مال کان[3] اھ وقال فی رد المحتار ذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة، لکن غلتها لاتکفیه ولعیاله انه فقیر و یحل له اخذ الصدقة عن محمد وعند ابی یوسف لاحل کذا لوله کرم لاتکفیه غلته اھ،	سے زائد مقدار نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعث احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، **اگر تو اعتراض کرے** کہ فقہاء کرام نے قربانی کے معیار وجوب کو صدقہ فطر کے معیار وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصل حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگرچہ وہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے اھ۔ اور درمختار میں مصارف زکوۃ کے باب میں کہا کہ زکوۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ ہے کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدر نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو اھ اور رد المحتار میں کہا کہ فتاوی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وہ فقیر ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس کو زکوۃ حلال ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

---

[1] الھدایہ کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲-۴۳

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

وفی التتارخانیة عن الصغری له داریسکنها لکن تزید علی حاجته بان لایسکن الکل یحل له اخذ الصدقة فی الصحیح. وفیها سئل محمد عمن له ارض یزرعها، او حانوت یستغلها، اور دار غلتها ثلثة الاف، ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء، وعلیه الفتوی و عندهما لایحل[1] اھ الکل ملخصات. **قلت** نعم، یفتٰی بهذا فی حرمة الصدقة، وبه جزم فی الخانیة وخزانة المفتین، قالا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلثة الاف، وغلتها لا تکفی لقوته وقوة عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه وکذا لو کان له ضیعة تساوی ثلثة الاٰف ولا یخرج منها مایکفی له ولعیاله یجوز له اخذ الزکوٰة[2] اھ ثم لم یمنعها هذا علی جزمهما فی مسئلة الاضحیة	اور یونہی اگر انگور ہوں اور ان کی آمدن اسے کافی نہ ہو اھ، اور تتارخانیہ میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے کسی کا مکان رہائشی ہو لیکن حصہ حاجت سے زائد نہ ہو اور سب میں رہائش نہ ہو تو صحیح قول میں اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور اس میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے سوال کیا گیا کہ کسی کی زراعت والی زمین ہو یا دکانیں کرایہ پر دی ہو یا مکانات کرایہ والے ہوں اور ان کی آمدن تین ہزار ہوا اور وہ اس کو اور اس کے عیال کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اگر ان کی قیمت خرچہ کو پورا کرتی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں ہے اھ، یہ تمام عبارتیں ملخص ہیں، جواب **میں کہتا ہوں** ہاں زکوٰۃ کے حرام ہونے کے لئے یہ فتوٰی ہے اور اسی پر خانیہ اور خزانۃ المفتین میں جزم کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ اگر دکانیں اور مکان کرایہ پر دئے ہوں جن کی آمدن تین ہزار ہو اور یہ آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور یوں اگر زرعی زمین ہو جس کی قیمت تین ہزار ہو جبکہ اس سے حاصل ہونے والا غلہ اتنا نہیں کہ اس کو اور اس کے عیال کو کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اھ، پھر یہ زکوٰۃ لینے کا جواز ان دونوں حضرات کے جزم کے مطابق قربانی کے مسئلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الزکوٰۃ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۲۴، خزانۃ المفتین کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷

بما رأیت ولا تلازم بین حل الصدقة و سقوط الواجبات المالیة، حتی صرح العلماء ان من له نصاب سائمة لا تساوی مائتی درهم تحل له الزکوٰة وتلزمه الزکوٰة، فی ردالمحتار عن الشرنبلالیة عن الجوهرة عن الامام المرغینانی اذا کان له خمس من الابل قیمتها اقل من مائتی درهم تحل له الزکوٰة وتجب علیه[1] اھ وتمامه تحریره فیه ولا شك ان الزکوٰة اضیق وجوبا من صدقة الفطر والاضحیة فلا غروان وجبتا علی صاحب الضیاع والمستغلات لملکه نصابا فاضلا، وحلت له الصدقة لعدم کفایة الغلة له و لعیاله معا یبقی خلاف مفهوم ما افاده فی التنویر ولا حرج فیه بعد ماجاءت من العلماء تلك النصوص بالتکثیر، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ تم نے دیکھا، جبکہ زکوٰۃ کے حلال ہونے اور واجبات مالیہ کے ساقط ہونے میں تلازم نہیں ہے حتی کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ جس کے پاس سائمہ جانوروں کا نصاب موجود ہو اور ان جانوروں کی قیمت دو سو درہم کے مساوی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اس کے باوجود جانوروں کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، اور ردالمحتار میں شرنبلالی بحوالہ جواہر امام مرغینانی سے منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں جن کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے باوجود یہ کہ اس پر اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہے اھ اور اس مکمل بحث وہاں موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ کا وجوب صدقہ فطر اور قربانی کے وجوب سے کڑا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ صدقہ فطر اور قربانی زمین وغیرہ کی آمدن والے پر واجب ہوں جبکہ وہ آمدن اصل حاجت سے زائد نصاب برابر اور ساتھ ہی اس کو زکوٰۃ لینا حلال بھی ہو کیونکہ زمین کی آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو، ہاں تنویر کے مفاد مفہوم کا خلاف باقی رہا تو اس میں علماء کی کثیر نصوص آجانے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۲: مسئولہ مولوی ظفرالدین صاحب از بانکی پور پٹنہ ۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص برائے نام صاحب جائداد ہے۔ سو روپیہ سالانہ آمدن کی جائداد ہے۔ وہ شخص (ہہ۔للعہ) ماہوار کا نوکر بھی ہے۔ جو اس کی ضروریات دنیویہ کو کافی ہے۔ کسی سال میں کچھ نہیں بچتا

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

اس کی بیوی کے پاس تقریبا (معہ ۷۰) روپیہ کازیور ہے۔ ۵۰ کا طلائی باقی نقرئی، اب ایسی صورت میں یہ توظاہر ہے کہ زکوۃ میاں بی بی دو میں کسی پر واجب نہیں مگر صدقہ فطر وقربانی ان دونوں یا ایک پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس پر؟

الجواب:

ستر روپیہ کازیور اگر مملوک زن ہے اراس پر قرض نہیں تواس پر نہ صرف اضحیہ وصدقہ فطر بلکہ زکوۃ بھی فرض ہے کہ اگرچہ (صہ) کے سونے (عہ) کی چاندی میں کسی کی نصاب کامل نہیں، مگر سونے کو چاندی کرنے سے چاندی کی نصاب کامل مع زیادہ ہوجائے گی، ہاں شوہر پر صدقہ واضحیہ بھی نہیں، اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے۔ مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں اور راجح ومفتی بہ اول ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

ان کان له عقار ومستقلات ملك اختلف المشائخ المتاخرون رحمهم الله فالزعفرانی والفقيه علی الرازی اعتبر اقيمتها، وابو علی الدقاق وغيره اعتبر الدخل، واختلفوا فيما بينهم، قال ابو علی الدقاق ان كان يدخل له من ذٰلك قوت سنة فعليه الاضحية و منهم من قال قوت شهر و متی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعليه الاضحية[1]۔	اگر کسی کی زمین اور آمدن والی ملکیت ہو متاخرین مشائخ کااختلاف ہے توزعفرانی اور فقیہ علی رازی نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور ابو علی الدقاق وغیرہ نے آمدن کا اعتبار کیا ہے اور ان کاآپس میں اختلاف ہوا اور ابو علی الدقاق نے کہا اگراس کو ان اشیاء سے سال بھر کے خرچہ کی آمدن ہو تواس پر قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ماہانہ خرچہ کی آمدن ہو اور جب سال بھر میں دوسو درہم یازائد فاضل بچ جائے تواس پر قربانی واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل محل عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلثة الاف ولاتکفی لنفقته ونفقة	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے متعلق کہ اس کی زرعی زمین یا دکان یا مکان کا کرایہ آمدن تین ہزار ہے اوراس کے اور

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمته تبلغ الوفاء وعلیه الفتوی وعندهما لا یحل [1]۔	اس کے عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی نہیں اس کو زکوٰۃ حلال ہے اگرچہ ان کی قیمت کفایت کو پہنچی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔ (ت)

درمختار کے صدقہ فطر میں ہے:

تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم، وبهذا النصاب تحرم الصدقة، وتجب الاضحیة ونفقة المحارم علی الراجح [2] اھ **قلت** فالذی له ارض قیمتها الوف کما وصف لو کان تجب علیه الاضحیة لحرمت علیه الزکوٰة لکنها لم تحرم فالاضحیة لم تجب، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہر مالک نصاب مسلمان پر کہ اس کی اصل حاجت سے زائد ہو اگرچہ یہ نصاب نامی نہ ہو تو راجح قول پر محارم کا نفقہ اور قربانی واجب ہے اور اس نصاب سے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے، **میں کہتا ہوں** جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت ہزاروں ہے جیسے بیان کیا گیا ہے اگر اس پر قربانی واجب ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے لیکن زکوٰۃ حرام نہیں، لہٰذا قربانی واجب نہیں، واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۳: از سرکار مارہرہ شریف مرسلہ حضور سیدنا سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ اقدس دامت برکاتہم ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اعلیحضرت محترم خادمانہ عرض ہے۔ فقیر رضوی کی عمر گیارہ سال کچھ ماہ کی ہے۔ زیور اس کے پاس غالباً ساٹھ روپے کا ہے۔ بالغ نہیں ہے۔ قربانی اس کے ذمہ واجب ہیے یا نہیں؟ پیر برکات عمر سترہ سالہ خلف بھائی جان مرحوم بے ماں باپ کا ہے لیکن اس کی والدہ کا زیور وظروف مسی وپار چہائے پوشیدنی ہیں جو بعضب ایک شخص کے پاس ہیں جن کے ملنے کی کسی قسم کی امید اس کو کسی زمانہ میں نہیں وہ مالک ووارث ان چیزوں کا ضرور ہے مگر اس کے قبضہ سے قطعی باہر ہیں اور صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان چیزوں کا وجود ہے یا نہیں۔ اس کے ذمہ قربانی ہے یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقه الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲ و ۱۴۳

الجواب:

حضور والہ آداب غلامانہ معروض، نابالغ اگرچہ کسی قدر مادار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر، حضرت صاحبزادہ صاحب اگر اس مال کے سوا اپنی حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان پر قربانی ہے ورنہ نہیں، وہ مال کہ نہ کبھی اس کے ملنے کی امید ہو نہ اس کا وجود ہی معلوم، مثل معدوم ہے۔ اس کے سبب وجوب نہ ہوگا۔ زیادہ حد ادب۔

مسئلہ ۱۹۴: ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔ سائل دریافت کرتا ہے کہ قربانی ولی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہوجائے گی کیونکہ سب اولاد شامل ہے مثلاً بیٹے اور بیٹوں کی اولاد، نواسے وغیرہ اور سب مال اسباب کا دادا جو کہ ولی ہے مالک ہے۔ اور دوسروں کو اختیارات بالکل نہیں ہیں، اور ولی اپنے دل میں خیال کرکے قربانی یا دیگر صدقات یا زکوۃ یا میلاد شریف کرتا ہے اس صورت میں سب کی طرف سے قبول ہوگی یا ولی کی طرف سے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہوسکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔ اگر اس کی نابالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربان جدا کرے، یونہی زکوۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوۃ سب کی طرف سے نہیں ہوسکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلاً صدقہ نفل ومیلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگرچہ فرض ہوا اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہئے پہنچا سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از مدرسہ منظر الاسلام مرسلہ مولوی احسان علی صاحب متعلّم مدرسہ مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ۵۲۔۱/۲ (ساڑھے باون) تولے چاندی یا ۷۔۱/۲ (ساڑھے سات) تولے سونا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہوں جب قربانی واجب ہے یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں اگر ایسے شخص کے پاس ۶۰ روپیہ کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں کسی شخص کو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے لیکن بزمانہ قربانی ایک روپیہ بھی اس کے پاس موجود نہیں، وہ شخص قرض لے کر قربانی کرے گا یا کہ نہیں، علٰی ہذا القیاس کاشت فروخت کرکے قربانی کرے گا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصل حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے بل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان کا شمار نہ ہو، ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی والا آدمی قربانی کے دن ۵۶ روپیہ کا مالک نہ ہو، یہ صورت خلاف واقعہ ہے۔ اور اگر ایسا فرض کیا جائے کہ اس وقت وہ فقیر ہے تو ضرور اس پر قربانی نہ ہوگی، اور جس پر قربانی ہے اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں وہ چاہے قرض لے کر کرے یا اپنا کچھ مال بیچے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۶: ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری پارسال قربانی کے ارادہ سے لی گئی، اس نے گھر میں آکر دودھ دیا، اور لوگوں نے کہا، یہ بکری دودھ کی ہے، اس کی قربانی مت کرو، تو اس کے عوض ایک مینڈھا قربانی کردیا، اور بکری کو گاؤں بھیج دیا، وہاں جاکر وہ گابھن ہوگئی، پھر اس کو مکان پر بلالیا، یہاں آکر دو بکری بیائی، اور ان کا بھی یہی ارادہ کیا کہ جب یہ دونوں بکری سال بھر کی ہوجائیں گی ان کی بھی قربانی کردی جائے گی، اس کا دودھ بھی اپنے کام میں آیا، بعد کو بکری مع اس کے بچوں کے گاؤں کے بھیج دی گئی، پھر اب اس کو گاؤں سے منگوالیا قربانی کے لئے، تو اس کے آثار سے معلوم ہوا کہ گابھن ہے اس کی قربانی نہیں کی بلکہ اس کے عوض میں ایک مینڈھا قربانی کردیا گیا۔

پس اس صورت میں بکری کا دودھ کام آسکتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس بکری کو فروخت کرنا یا لینا جائز ہے اپنے لئے یہ بکری کا دودھ ڈھائی روپیہ میں پارسال خریدی گئی تھی اور پارسال جو مینڈھا اس کے عوض میں قربانی کیا گیا اس کی قیمت یاد نہیں۔ اور اب کے جو مینڈھا قربانی کیا گیا دو روپیہ چھ آنہ میں خریدا گیا تھا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

دودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے۔ حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی، سائلہ جبکہ غنیہ مالکہ نصاب ہے تو بہ نیت قربانی بکری خریدنے سے خاص اسی کی قربانی اس پر لازم نہ ہوئی اسے بدل لینے کا اختیار تھا، دودھ دیتی دیکھ کر اس کے عوض مینڈھا کردیا، اس سال گابھن خیال کرکے بھی مینڈھا کیا کچھ حرج نہ ہوا، اس بکری کا پالنا، بیچنا، دودھ پینا سب روا ہے۔

وکراھۃ الانتفاع بلبن الاضحیۃ وصوفھا	قربانی سے قبل اس جانور کے دودھ اور اون سے انتفاع

قبل التضحیة انما کان لانه التزام اقامة القربة بجمیع اجزائها کما فی الدر[1] افاذا اقام القربة بغیرھا بقیت علی حکم ملکه المطلق المتصرف علی ان منهم من اجازھما اعنی الانتفاع باللبن والصوف للغنی مطلقًا لوجوبها فی الذمة فلا یتعین کما فی الدر[2] عن الزیلعی قال الشامی والجواب ان المشتراة للتضحیة متعینة للقربة الی ان یقام غیرها مقامها[3] اما کراھة الاستبدال فشیئ خارج عما نحن فیه لان الکلام فی حلا الانتفاع بها بیعا وحلبا بعد ما ابدلت بل ھی الکراھة فی غیرھا اذا وجدها ذات در او حمل لورود الحدیث بالنهی عنهما، واللہ تعالٰی اعلم	اس لئے مکروہ ہے کیونکہ اس نے اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربت کے لئے لازم بنایا ہے جیسا کہ در مختار میں ہے تو جب اس نے قربت دوسرے جانور سے قائم کرلی تو اب یہ اس کی مطلق ملک والے تصرف میں ہوگیا، علاوہ ازیں بعض نے دودھ اور اون سے غنی کو انتفاع مطلقًا جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب ہے لہٰذا یہ جانور متعین نہ ہوا جیسا کہ در مختار میں زیلعی سے منقول ہے۔ علامہ شامی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خریداری قربانی کے لئے ہونے کی وجہ یہ جانور متعین رہے گا جب تک دوسرا اس کے قائم مقام نہ بنالے، لیکن دوسرے سے تبدیل کرنے کی کراہت علیحدہ معاملہ ہے وہ ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ یہاں اس جانور کو تبدیل کرنے کے بعد اس کی بیع اور دودھ سے انتفاع حلال ہونے میں بحث ہے بلکہ کراہت دودھ یا حمل پائے جانے کی وجہ ہے اس لئے بوجہ الغیر ہوسکتی ہے کیونکہ دودھ اور حمل والی کی نہی پر حدیث وارد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷تا ۱۹۸: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب رضوی محرر چونگی شب ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) قربانی کس پر ہے اور واجب ہے یا فرض؟

(۲) آج کل ہندوستان میں گائے کی قربانی بعض مسلمان مشرکوں کی خوشنودی کے لئے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بکری کی قربانی کی جائے۔ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) صاحب نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال کا مالک ہو اس پر قربانی

---

[1] درمختار کتاب الاضحیه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار کتاب الاضحیه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

واجب ہے۔

(۲) مشرکوں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی بند کرنا حرام حرام سخت حرام ہے۔ اور جو بند کرے گا جہنم کے عذاب شدید کا مستحق ہوگا اور روز قیامت مشرکوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از موضع غنی پور ضلع منوا کھال ڈاکخانہ صفدر گنج مرسلہ مولوی عبدالعزیز ۲۶ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مثلاً تین بھائی ہیں کہ تینوں ایک ساتھ رہتے ہیں، جبکہ قربانی کا وقت آیا تو تینوں آپس میں مل کر بڑا بھائی کو حکم کیا کہ تم ہمارے نام کی ایک بکری خرید کر قربانی کرو، اس میں دو تین روپیہ جو بھی خرچ ہوں اس کا دعوی ہم نہیں رکھتے ہیں اس حالت میں قربانی ہوگا یا نہیں۔ میرے یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قربانی بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ شریک دار کا حصہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا، اس فساد میں بہت سے لوگوں نے قربانی چھوڑ دیا، کیونکہ بعض تو ایسے ہیں کہ انھوں کے مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں، ان علماؤں نے فرمایا ہیں کہ جنھوں کا مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں، انھوں کو قربانی نا کرنا چاہئے، اگرچہ قربانی جائز ہے تو ان علماؤں کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب المطول

مال شرکت میں جس کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے، اس پر قربانی واجب نہیں، یعنی نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا نہ یہ کہ اس کو قربانی نہ چاہئے یہ محض غلط ہے بلکہ کرے گا تو ثواب پائے گا بلکہ بہ نیت قربانی جانور خریدے گا تو اس پر بھی خاص اس جانور کی قربانی واجب ہو جائے گی نہ کرے گا اور اس جانور کو دوسرے سے بدل نہیں سکتا کہ اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہوئی، درمختار میں ہے:

وفقیر ماشراھا لھا لوجوبھا علیہ بذٰلک حتی یمتنع علیہ بیعھا[1]۔	اور فقیر نے واجب نہ ہونے کے باوجود خریدی ہے اس لئے اس کو فروخت ممنوع ہے (ت)

ایک شریک اگر دوسرے شرکای کے اذن سے زر مشترک سے جانور خاص اپنی قربانی کے لئے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کرے تو بلاشبہ جائز ہے۔ اور قربانی صحیح ہو جائے گی، خواہ ان میں شرکت عقد ہو

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

یا شرکت ملک، بیان اس کا یہ کہ یہاں پانچ صورتیں ہیں:

۱ایک شرکت ملک کی اور چار شرکت عقد کی، کہ ۲شرکت مفاوضہ ہو یا ۳شرکت عنان، مطلق ہے خرید وفروخت میں، جیسے یہ کہیں کہ جو کچھ ہم خریدیں وہ ہمارے آپس میں مشترک ہے۔ یا ۴شرکت جن خاص اجناس میں قرار پائی ہے یہ جانور کہ اسے قربانی کو خریدا ان اجناس سے ہے۔ ۵اخیر صورت یہ ہے کہ یہ شرکت خاص ہے، اور جانور اس کی جنس تجارت سے نہیں، اول و اخیر یعنی شرکت ملک و شکل اخیر میں تو ظاہر ہے کہ یہ جانور خاص اس خریدنے والے کی ملک ہوگا۔

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الاشباہ [1] وغیرھا، بل قال فی الدر وغیرہ لو اشترٰی لغیرہ نفذ علیہ [2] الخ قال الشامی لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملك لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذٰلك لانھا انما تلحق الموقوف لا النافذ [3]۔	کیونکہ خریداری جب مشتری پر بطور نفاذ پائی نجائے تو نافذ ہو جائیگی، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ بلکہ در مختار وغیرہ میں کہا اگر غیر کے لئے خریدی تو خود اس پر نافذ ہو گی الخ، شامی میں فرمایا کیونکہ غیر کا وکیل خریداری میں یہ نہیں ہے تو اس کی ملکیت قرار پائی گی تو اس کے بعد کی اجازت معتبر نہ ہو گی کیونکہ بعد کی اجازت موقوف بیع کا لاحق ہو سکتی ہے نافذ کو نہیں لاحق ہو سکتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شریك العنان لہ ان یشتری مالیس من جنس تجارتھا ویقع الشراء لہ ویطالب بالثمن وکذا یقع الشراء لہ من جنس تجارتھما بعد ماصار المال عروضا [4] اھ قلت ولم اذکر	شرکت عنان میں شریک کو اختیار ہے کہ وہ مسلمہ تجارت کے غیر کو خریدے جبکہ خریداری شریک کی اپنی ہو گی اور بائع اس سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور یونہی جب ان کی مسلمہ تجارت کی جنس کو خریدے نقد مال کے سامان بن جانے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیہ کتاب البیوع الفضل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۹، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب البیوع فضل الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۱

ھذا الاخیر لان الفرض انہ اشتری بدراھم الشرکۃ۔	کے بعد اھ، میں کہتا ہوں، میں آخر صورت کو ذکر نہ کروں گا کیونکہ یہاں مشترکہ دراہم سے خریدنا مفروض ہے۔ (ت)

غایت یہ کہ ثمن جو مال شرکت سے ادا کیا ہے اس میں حصہ دیگر شرکاء کا اسے تاوان دینا ہوگا جبکہ شرکاء نے قیمت خریداری ثمن میں اپنے اپنے حصہ اسے ہبہ کئے ہوں کہ شیئ قابل قسمت میں ہبہ صحیح نہیں یا قبل شراء اپنے حصوں سے ابراء کیا ہو کہ ابراء یعنی معافی دین سے ہوتی ہے یہاں ابھی دین نہیں، یا ابراء معلق کیا ہو، یعنی جب تو اپنے لئے شرکت کے مال سے خریدے تو ہم نے تجھے اپنے حصے معاف کئے کہ ابراء صالح تعلیق نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

احد المشرکین اذا قال لشریکہ، وھبت لك حصتی من الربح قالوا ان کان المال قائما لا تصح لکونھا ہبۃ المشاع فیما یقسم، وان کان الشریك استھلك المال صحت الھبۃ لکونھا اسقاطا حینئذ کذا فی الظھیریۃ[1]۔	دونوں شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا میں نے اپنے حصے کا نفع تجھے ہبہ کردیا تو فقہاء نے فرمایا اگر نقد مال موجود ہو تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا کیونکہ قابل تقسیم چیز کا مشاع حصہ ہے اور اگر شریک نے مال کو ہلاک کردیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ اس صورت میں ہبہ کا مطلب حصہ کو ساقط کرنا ہے۔ ظہیریہ میں یوں ہے۔ (ت)

عینی پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

انہ ای الابراء تملیك من وجہ حتی یرتد بالرد، وان کان فیہ معنی الاسقاط فیکون معتبرا بالتملیکات فلا یجوز تعلیقہ بالشرط[2]۔	کسی کو بری کرنا من وجہ تملیک ہے حتی کہ رد کردینے سے ابراء ہوجاتا ہے اگرچہ اس میں اسقاط کا معنی ہے۔ لہٰذا تملیکات میں معتبر ہوگا اس لئے شرط کے ساتھ اس کی تعلیق جائز نہیں۔ (ت)

ایضاح الکرمانی پھر عزمیہ پھر شامیہ میں ہے:

قال ان دخلت الدار فقد ابرأتك	اگر کہا تو گھر میں داخل ہوجائے تو میں نے تجھے بری کیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

وقال لمدیونه او کفیله اذا ادیت الی کذا، او متی ادیت، او ان ادیت الی خمس مائة فانت بری عن الباقی فهو باطل ولا ابراء[1]۔	اور اپنے مدیون یا کفیل کو کہا اگر تو مجھے اتنے یا جب ادا کرے، یا یوں کہا اگر تو مجھے پانسو ادا کرے تو باقی سے بری ہے۔ تو یہ باطل ہے کوئی برائت نہ ہوئی۔ (ت)

ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

قال ائمة بلخ التحلیل یقع علی ماھو واجب فی الذمة لا علی عین قائم[2]۔	بلخ کے ائمہ نے فرمایا جو ذمہ میں واجب ہو اس سے برائت ہوتی ہے نہ کہ عین موجود مال سے (ت)

مگر اس سے جانور میں شرکاء کی ملک نہیں ہوتی، خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشتری للاب[3]۔	باپ کے مال کے ساتھ خریداری کرنے سے یہ لازم نہیں اتا کہ خرید کردہ چیز باپ کی ہوجائے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماشتراہ احدھما لنفسه یکون له و یضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك[4]۔	ان میں سے کسی نے چیز کو اپنے لئے خریدا تو اسی کی ہوگیہ اور وہ اپنے شرکاء کے حصے کا ضامن ہوگا اگر خریداری میں مشترکہ مال دیا ہو (ت)

اور تین صورتوں میں اگرچہ جانور سب شرکاء کی ملک مشترک ٹھہرے گا مگر جبکہ وہ سب اسے اذن دے چکے کہ خاص اپنی طرف سے قربانی کردے، اور یہ ناممکن ہے بے اس کے کہ جانور خاص اس کی ملک ٹھہرے، تو ان کا یہ اذن جانور میں سے اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کرنا ہوگا، اور جانور قابل قسمت نہیں جو شیئ ناقابل قسمت ہو اس میں ہبہ مشاع صحیح ہے، تو تنہا یہی اس جانور کا ملک ہوگیا، اور قربانی اس کی بلاد غدغہ صحیح ہوگئی اور اب اس پر ثمن میں حصہ شرکاء کا بھی تاوان نہیں آسکتا، محیط پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الھبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفة بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

الشراء حال الشرکۃ لو من جنس تجارتھما فھو للشرکۃ، وان اشھد عند الشراء انہ لنفسہ لانہ فی النصف بمنزلۃ الوکیل بشراء شیئ معین وان لم یکن من تجارتھما فھو لہ خاصۃ[1]۔	اگر جنس تجارت کو شرکت کے مال سے خریدا تو وہ شرکت کی ہوگی اگرچہ وہ خریداری کے وقت اپنی ذاتی ہونے پر بھی گواہ بنالے کیونکہ وہ معین چیز کی خریداری میں نصف کا وکیل ہے۔ ہاں اگر وہ چیز جنس تجارت میں سے نہ ہو تو اس کی ذاتی ہوگی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا اذن احدا المتفاوضین لصاحبہ ان یشتری جاریۃ فیطأہا ففعل فھی لہ بغیر شیئ لان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ علی البتات جریا علی مقتضی الشرکۃ، اذھما لایملکان تغییرہ فاشبہ حال عدم الاذن، غیر ان الاذن یتضمن ھبۃ نصیبہ منہ لان الوطئ لا یحل الا بالمالک، ولاوجہ الی اثباتہ بالبیع (ای انہ ھلك بالشراء) لما بینا انہ یخالف مقتضی الشرکۃ فاثبتناہ بالھبۃ الثابتہ فی ضمن الاذن[2] اھ مختصرا بزیادۃ مابین الھلالین للایضاح۔	جب شرکت مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو لونڈی خرید کر وطی کی اجازت دے دی ہو اور اس نے ایسے کرلیا تو وہ لونڈی بلا عوض اس کی ہوجائے گی کیونکہ وہ لونڈی شرکت میں ہے۔ شرکت کا مقتضی یہی ہے کیونکہ عقد شرکت کے بعد دونوں میں سے کوئی اس کو متغیر نہیں کرسکتا لہٰذا وہ وطی گویا کہ بلااذن متصور ہوئی مگر اجازت دینا اپنے حصے کو ہبہ کردینے کو متضمن ہے کیونکہ وطی مستقل ملکیت کے بغیر حلال نہیں ہوتی اور اس ملکیت کو بیع کی طرف منسوب کرنا یعنی یہ کہنا وطی کرنے والا خریدنے سے مالک ہوگیا درست نہیں کیونکہ یہ مقتضی شرکت کے منافی ہے تو ہم نے ملکیت کو اس ہبہ سے ثابت کیا ہے جو اذن کے ضمن میں پایا گیا اھ مختصراً۔ اور وضاحت کے لئے ہلالین میں درج شدہ عبارت کا اضافہ کیا ہے۔(ت)

یہ لوگ جنھوں نے قربانی ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا اور لوگوں سے قربانیاں چھڑادیں فقہ سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں اور جو ایسا ہو اسے فتوٰی دینا حرام ہے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۳۔ ۳۴۲

[2] الہدایہ کتاب الشرکۃ مطبع یوسفی لکھنؤ انڈیا ۲/ ۶۱۶

الجواب المختصر

صورت مستفسرہ میں قربانی بلاشبہ جائز ہے۔ اور بعض کا وہ شبہ محض بے اصل وباطل ہے۔ اجازت اباحت ہے۔ اور اباحت وہبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ قربانی تو یوں جائز کرلی، مال مشترکہ سے شریکوں کا کھانا پہننا کہ زمانہ رسالت سے بلانکیر رائج ہے سب حرام ہوجائے گا کہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ ؕ"[1]۔	اگر تم آپس میں ملالو تو تمھارے بھائی ہیں۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡكُلُوۡا جَمِيۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا ؕ"[2]	تمھیں حرج نہیں کہ تم اکٹھے کھاؤ یا متفرق۔ (ت)

اس فتوی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوی دینے والے لوگ فقہ نہیں جانتے نہ اس کام کے اہل ہیں، اور نااہل کو فتوی دینا حرام اور سخت کبیرہ ہے۔ حدیث میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض۔[3]	جو بغیر علم کے فتوی دے آسمان وزمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: بمقام گھوسیا ضلع مرزاپور ڈاکخانہ اورائی مرسلہ جناب اکمل الدین صاحب مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس بارے میں کہ ہمارے موضع میں زمانہ قدیم سے تمام مسلمان حنفی المذہب ہوتے چلے آرہے ہیں مگر عرصہ چند روز ہوا کہ سات آدمیوں نے مذہب اہلحدیث کو اختیار کرلیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بڑی سعی کوشش سے قید کی مصیبت کو برداشت کرکے گورنمنٹ سے تین دن کی قربانی کا حکم جاری کرالیا تھا لیکن اس سال اسی فرقہ اہل حدیث سے ایک شخص نے کپتان کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ بن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳، الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷۸

دستخط کردئے کہ ہم لوگ ایک روز قربانی کریں گے لہٰذا ہم لوگوں کے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اسی سال میں دستخط کرنے کی وجہ سے دوروز کی قربانی منسوخ ہوگئی، آئندہ خدا جانے ایک دم سے منع ہوجائے تو کیا تعجب ہے اور یہ گروہ تقلید کے بالکل منکر ہیں لہٰذا دستخط کنندہ کے ذمہ عائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے تو مع دلیل کے تحریر فرمائے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے دیا جائے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ثناء اللہ اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفحہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق کرگئے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو تاکید مزید اسی عمل کی کیا کرتے۔ لہٰذا اس کی سند صحیح ہے یا لغو۔

الجواب:

غیر مقلدین گمراہ بدین ہیں، ان پر بوجہ کثیرہ کفر لازم ہے۔ جس کی تفصیل "**الکوکبۃ الشھابیۃ**" میں ہے کہ حسب تصریحات قرآن عظیم واحادیث وائمہ ستر وجہ سے لزم کفر بیان کیا ہے۔ ان کا مساجد میں کوئی حق نہیں۔ اور قربانی کے دودن چھوڑ دینے کا ان سے کیا تعجب، وہ سارا دین ہی قربان کئے بیٹھے ہیں جس کی تفصیل **الکوکبۃ الشھابیہ وحسام الحرمین والاستمداد علی اجیال الارتداد وغیرھا** کتب میں شائع ہوچکی۔ خوشنودی ہنود کے لئے گاؤکشی بند کرنا یا اس کی توسیع میں جو اللہ و رسول نے دی، کمی قبول کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُۙ"[1] وقال اللہ تعالٰی "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۝۶۲"[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظلم کرنیوالوں کی طرف میلان نہ کرو۔ تو تم کو آگ جہنم چھوئے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر مومن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۱: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں شہر میں قبل نماز عید بعد طلوع شمس قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل قریہ یا کہ شہر والے اپنی قربانی کو گاؤں بھیج دیں تو ان کو بعد صبح قبل نماز عید قربانی کرلیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

الجواب:

شہر میں قربانی اگرچہ ساکن دِہ کی طرف سے وہ روز واول پیش از نماز عید (اور اگر نماز عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش از خروج وقت نماز عید) ناجائز و نامعتبر ہے۔ اور بیرون شہر اگرچہ فنائے مصر غیر متصل بمصر ہو، اگرچہ قربانی ساکن شہر کی ہو، پیش نماز بعد طلوع فجر تاریخ دہم جائز ہے۔

فی الدرالمختار اول وقتها بعد الصلٰوۃ ان ذبح فی مصرای بعد اسبق صلٰوۃ ولو قبل الخطبة، لکن بعدها احب وبعد مضی وقتها لو لم یصلو اعلیه العذر، ویجوز فی الغد وبعدہ قبل الصلٰوۃ لان الصلٰوۃ فی الغد تقع قضاء لااداء، زیلعی وغیرہ، وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ان ذبح فی غیرہ والمعتبر مکان الاضحیة لامکان من علیه فحیلة مصری ارادان یخرجها لخارج المصر فیضحی بها اذا طلع الفجر اھ[1]، فی رد المحتار لخارج المصرای الی مایباح فیه القصر، قهستانی[2] اھ، وفیه "من باب صلٰوۃ المسافر" یشرط مفارقة ماکان من توابع موضع الاقامة کربض المصر، وهو ماحول المدینة من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر وکذا القری المتصلة بالربض فی الصحیح	در مختار میں ہے قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے اگر شہر میں کرے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ خطبہ سے قبل ہو، لیکن خطبہ کے بعد مستحب ہے اور اگر عید کی نماز نہ پڑھیں تو نماز کا وقت گزر جانے کے بعد، اور دوسرے اور تیسرے اور تیسرے روز نماز سے قبل کیونکہ دوسرے روز عید کی نماز قضاء ہوگی نہ کہ ادا، زیلعی وغیرہ، اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد، قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں، تو شہری کے لئے جلدی قربانی کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے باہر لے جائے تو فجر طلوع ہونے کے بعد قربانی کرے اھ، رد المحتار میں ہے: شہر سے باہر اتنی دور لے جائے جہاں سے مسافر کے لئے قصر شروع ہوتی ہے۔ قہستانی اور اس کے باب صلٰوۃ المسافر میں ہے کہ قصر جائز ہوگی بشرطیکہ وہ اپنے شہر کے توابع سے نکل جائے شہر کے توابع کی مثال ڈیرے وغیرہ اور وہ شہر کے ارد گرد کے مکانات ہیں، اور شہر سے متعلق رہائش گاہیں شہر کے حکم میں ہیں، اور یوں وہ دیہات جو شہر کے باڑوں سے متصل ہوں صحیح قول میں

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۲

بخلاف البساطین ولو متصله بالبناء لانها لیست من البلدة امداد، واما الفناء، وهو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتٰی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزته وان انفصل بغلوة اومزرعة فلا[1] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	شہر کے حکم میں ہیں بخلاف باغات کے اگرچہ وہ عمارت سے متصل ہوں کیونکہ آبادی میں شمار نہیں، امداد الفتاوٰی، لیکن فناء شہر وہ ہے جو شہری سہولیات کے لیئے بنائی گئی ہو جیسا کہ جانوروں کے باڑے اور مردے دفن کرنے اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ اور اگر شہر سے متصل ہوں تو ان سے گزر جانا معتبر ہوگا اور اگر شہر سے فاصلہ پر تیراندازی یا زراعت تک ہو تو وہاں سے گزر جانا ضروری نہیں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از مخدوم پور ڈاکخانہ ترہٹ ضلع گیا مرسلہ سید رضی الدین حسین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدومنا زاد مجدھم دیہات میں قربانی حسب دستور ہو یا نہ ہو، کیونکہ مسئلے اس کے جمعہ کے مسئلے سے ملتے ہیں، زیادہ حد نیاز

الجواب:

قربانی میں شہر و دِہ بلکہ آبادی جنگل سب برابر ہیں، جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے انھیں شرائط سے گاؤں بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے فقط مقیم ہونا چاہیئے کہ شہر میں نہ ہو پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے نہ یہ کہ ممانعت ہو، اگر کرے گا فضل ہوگا ثواب پائے گا۔

فی الدرالمختار التضحیة علی حرمسلم مقیم بمصر او قریة اوبادیة عینی فلا تجب علی مسافر[2] اھ ملتقطًا۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے آزاد شہر یا گاؤں یا بادیہ میں مقیم مسلمان پر واجب ہے، عینی، تو مسافر پر واجب نہیں ہے اھ ملتقطًا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

هادی الاضحیة بالشاة الهندیة ۱۳۱۴ھ

(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا)

مسئلہ ۲۰۳: از کانپور مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب مدرس اعلی مدرسہ فیض عام کانپور اواخر رمضان مبارک ۱۳۱۴ھ

علم الہدی سمی المصطفٰی باسمہ الذی بشر بہ عیسٰی، بزیادۃ لفظ معناہ المرتضی دامت عنایتکم از احمد حسن عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، وبعد ازیں آنکہ دریں وقت یک استفتاء از پنجاب آمدہ است، ونہایت غور طلب ست اکثر علمائے پنجاب دریں امر کہ شیدہ اند لکن بمنزل مقصود نرسیدہ اند، وجواب استفتاء یک شخصے کہ مایہ علم اتم دارد نوشہ لکن چونکہ جواب مخالف معمول ست قبول نمی کنند، اکنوں جواب را نقل کردہ بخدمت سامی ارسال ست۔ ہرچہ تحقیق جناب	**(خلاصہ)** ہدایت کے نشان، حضرت مسیح کی بشارت والے، نام میں رسول مقبول کے ہم نام، اور جناب مرتضٰی کے اسم مبارک کے ہم مادہ، مولا احمد رضا خاں صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پنجاب سے ایک سوال آیا ہے جس کے جواب کے لئے بہت سے علماء سرگرداں ہیں لیکن منزل مقصود مفقود ہے۔ ایک پر مغز عالم نے ایک جواب تحریر کیا وہ معمول قدیم کے خلاف ہے اس لئے عوام اور علماء کوئی قبول نہیں کرتا، میں سوال وجواب دونوں ہی خدمت میں ارسال کررہا ہوں، جواب اگر صحیح نہ ہو تو وجہ غلط

ست ارسال فرمایند اگر مخالف رائے جناب باشد امید کہ بوجہ احسن روشن کنند واگر موافق باشد نیز بزیادہ ادلہ ثبت فرمایند۔

ماقول العلماء المحمدية الحنفية عليه افضل الصلوٰة واكمل التحيات في حيوان ذات صوف ولا الية له عـــه، **ويقال في اللغة الملتانية لانثاه بهيڈو لذكره گهٹه، اتجوز به التضحية ام لا، بينوا توجروا من الملك العلام۔**

الجواب: اقول: وبه نستعين اني رأيت كتب الحنفية الموجودة عندي من شرح الوقاية وحاشيتها للچلپي والدر المختار وشرحه للشامي، ومفاتيح الجنان شرح شرعة الاسلام، والتعليل المجد شرح مؤطا امام رحمه الله واشعة اللمعات ووجدت فيها انهم ينحصرون الاضحية في الشاة والبقر والابل اوالغنم والبقر والابل ويعمون الشاة بقوله ضانا كان اومعزا وكذلك الغنم ويفسرون الضان بما تكون له الية و يدخلون الجاموس في البقر ويقولون انه نوع منه فصارت انواع الاضحية خمسة الضان والمعز والبقر و الجاموس والابل ذكورا كانت

بتائیں اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں

سوال: علمائے اسلام بالخصوص اعلام احناف بھیڑ اور بھیڑے (نر ومادہ) کے بارے میں کیا فرق ہیں، ان کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: شرح وقایہ اور اس کے دو حاشیے از علامہ چلپی، در مختار اور شامی، مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، تعلیق المجد، اشعۃ اللمعات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں:

(۱) شاۃ یا غنم (یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانوروں کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں)۔

(۲) بقر (اس کی دو قسمیں کرتے ہیں گائے اور بھینس)۔

(۳) جمل (اس کی ایک قسم شمار کرتے ہیں)۔

شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ضان اور معز اور بقر کی بھی دو قسم کرتے ہیں: بقر وجاموس اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(۱) جمل (اونٹ) (۲) بقر (گائے)

عـــه: سائل کی الجھن اصل یہ ہے کہ عرب میں دنبہ ہوتا ہے اور بکری بھیڑ جو ہمارے یہاں ہوتی ہے جس کی صرف دم دنبہ سے مختلف ہے یہ کس میں داخل ہے، دنبہ میں یا بکری میں یا کوئی تیسری قسم ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ عبدالمنان اعظمی۔

اوانا ثا فتلك عشرة كاملة، وحسبت ان الحیوان المذکور و المسئول عنه لیس داخلا فی الخمسة لانه لو کان داخله فیها لما فسروا الضان بان تکون له الیة، بل عمموه بما تکون له الیة اولا حتی صارت انواع الشاة او الغنم ثلثة والکل ستة، واذ لیس فلیس فان قیل یدخلون الجاموس فی البقر فما السرفی عدم ادخال الحیوان المسئول عنه فی الضان مع انه یؤید ادخاله فیه تفسیر اہل اللغة لفظ الضان بمیش، کما فی الغیاث[1] وغیرہ، قلت لعله ان الجاموس اکمل من البقر فی اللحم والقیمة، والحیوان المسئول عنه ناقص عن الضان فی العضو ای الالیة۔ فالحاق الاکمل بالکامل اولی من الحاق الناقص بالکامل، و اما تفسیر اہل اللغة[2] فمعناہ ان العرب	(۳) جوموس (بھینس) (۴) ضان (دنبہ) (۵) معز (بکری) اور مذکر ومؤنث دونوں کو شامل کردیا جائے تو کل دس قسمیں ہوتی ہیں: **پہلی دلیل:** سوال میں ذکر کی ہوئی ہندوستانی بھیڑ اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے اگر شامل ہوسکتی ہے تو ضاں (دنبہ) میں اگر اس میں شمار نہ ہوئی تو پھر کسی قسم میں شمار ہونے کا سوال ہے یوں غلب ہے کہ ضان یعنی دنبہ کی تعریف میں یہ قید ہے کہ اس کے الیہ (چکی) ہوتی ہے اور بھیڑ کے چکی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ہی نہیں اس لئے اس کی قربان جائز نہیں، اس امر پر قرینہ یہ ہے کہ اگر بھیڑ کو قربانی کے جانور میں شریک کرنا مقصود ہوتا تو دنبہ کی تعریف میں چکی ہونے کی قید نہ لگاتے بلکہ ایسا لفظ بولتے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہو، اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مقصد اس نوع کی شریک کرنا ہی نہیں ہے۔ **دوسری دلیل:** ایک بات یہ ہے بھی ہے کہ ازروئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بنائی گئی ہے۔ ضان اور معز اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے تو ایک کے اضافہ کے بعد غنم کی ۳ قسم ہوجائے گی اور سب کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہوجائے گا

---

[1] غیاث اللغات باب خادمعجمه فصل ضاد معجمه مع الف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

كما يطلقون لفظ الضان على ماتكون له الية كذٰلك الفرس يطلقون عليه لفظ ميش فمؤداهما واحد كما يشعر به عبارة الغياث، گوسفند بمعنی میش مقابل بز چنانکہ معز در عربی مقابل ضان ست کما استفاد من القاموس و الصراح، وبعضے نوشتہ اند کہ اطلاق گوسفند بر میش و بز ہر دو آمدہ، از سراج، **انتھی** [1] عبارۃ الغیاث۔	جو تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے ثابت یہی ہوا کہ یہ قربانی کا جانور ہی نہیں ہے۔ **ایک شبہ:** شکل وصورت، رنگ وروپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا تو صرف دم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی، **جواب:** بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے۔ اور بھیڑ دنبہ سے چکی میں ناقص ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کے ساتھ شمار کیا جائے، اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ جوڑا جائے، اسی لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں۔

دوسرا شبہ: اہل لغت نے ضان کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا ہے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہئے۔

جواب: اہل لغت کی تشریح کے موافق لفظ میش بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں بلکہ میش صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔

فارسی میں لفظ گوسفندی لفظ میش طرح لفظ بز کا مقابل ہے جیسا کہ عربی میں لفظ معز ضان کا مقابل ہے۔ قاموس وصراح دونوں سے یہی ثابت ہے۔

البتہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ گوسفند لفظ میش کا ہم معنٰی نہیں بلکہ میش وبز (دنبہ وبکری) دونوں کو عام ہے۔ (غیاث اللغات) [2]

پس ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیواں کہ عرب آن راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس آں رابز گویند، **لاان لفظ میش عام یطلق علی الضان**	اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے اہل فارس اس کو میش کہتے ہیں (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں اہل فارس اسی کو بز کہتے ہیں، نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے۔

---

[1] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

وعلى الحيوان المسئول عنه ولو سلم ان لفظ ميش فی لغة الفرس بمعنى ذوات الصوف اعم من ان يكون لها الية اولا ليشتمل الضأن والحيوان المسئول عنه فتفسير اہل اللغة لفظ الضأن بلفظ ميش تفسير بالاعم وهو جائز اذا كان المقصود هو التمييز عن بعض ماعداه[1]۔ وذكره الفاضل اللاهوری فی بحث خواص الاسم۔	**ایک اور جواب:** اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کا اطلاق اون والے پر ہوتا ہے تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے۔ اسکے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔ کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے۔ جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے (کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بنی اس اس پر دلالت کرتا ہے) اور کبھی تعریف کے لئے معرف سے عام لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے السعدانة نبت (کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے) جبکہ نبت ہر گاس کو کہا جاتا ہے۔ اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص، الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے[2] (فاضل لاہوری بحث خواص اسم)

وههنا كذٰلك او المقصود من تفسيره به تميزه عن بعض ماعداه كالمعز والبقر، فانهما من ذوات الشعر، ولو قيل ان غرضهم من تفسير الضأن بلفظ ميش ان الضأن ماكان من ذوات الصوف سواء كان له الية اولا كما ان ميش كذٰلك فبعد التسليم لايصير حجة علينا لان الحجة علينا تفسير الفقهاء لا تفسير اهل اللغة، ووجب علينا اتباع الفقهاء	تو یہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کردیا جس کا مفہوم اون والا۔ لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی بلکہ دنبہ کو گائے، بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں، اور دنبہ اون والا جانور ہے۔ اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکی والے جانور سے کی۔ **جوب الجواب:** اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل

---

[1] کلام لفاضل اللاھوری

[2] کلام لفاضل اللاھوری

لااھل الغة وھم کثیر امایخا لفون اھل اللغة عمدا کما قال الچلپی علی شرح الوقایة۔فی باب الاضحیة قوله الجذع شاۃ لھا ستة اشھر ای فی مذہب الفقھاء۔ و انما قیدنا ہ بھذا الان عند اھل اللغة الجذع من الشاۃ ماتمت لھا سنة کذا فی النھایة [1] والعینی علی الکنز۔فی باب الاضحیة وجاز الجذع من الضاع لا غیر۔وھو ماتمت له ستة اشھر عند الفقھاء [2] وفی کتاب الزکاۃ والمعز کالضان ویؤخذ الثنی فی زکاتھا لا الجذع وھو مااتی علیہ اکثر ھا۔وھذا اتفسیر الفقھاء و عند اھل اللغة الجذع ماتمت له سنة۔وطعن فی الثانیة [3]۔	اور ادعائی بات ہے۔اس لئے قابل تقسیم نہیں ظاہر ہے کہ ان کا منشاء ضاں کا ترجمہ پیش کرکے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکی ہو یا نہ ہو، اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تو لغۃً بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی، **جواب:** چلئے اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں، لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہل فقہ کی بات ہے جب وہ ضان کے معنی چکتی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا، اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔ رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے۔تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ جذع ہے کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں،

اہل لغت ایک سالہ بچہ کو، اور مسئلہ کا حل اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے۔چلپی علی شرح الوقایہ، عینی علی الکنز)

واماتفیسر الضان ^{عـــہ} بماکان من ذوات	**شبہ نمبر ۳:** بعض فقہاء نے بھی تو ضان کی تعریف

عـــہ: عبدالمجید ھکذا اوالعبارۃ فی الاصل ھکذا الضان ماکان من ذوات الصوف ولمعز من ذوات الشعر [4]۔ قھستانی ۱۲۔ عبدالمنان الاعظمی۔	مجیب نے یوں تعبیر کیا ہے حالانکہ اصل کتاب میں یوں ہے، ضان وہ ہے جو اون والا ہو اور معز جو بالوں والا ہو، قہستانی ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

---

[1] ذخیرۃ العقبیٰ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الاضحیہ نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۷

[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

[3] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ السوائم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱

[4] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۰۶

الصوف والمعز بماکان ذوات الشعر، کمافعل بعضھم فتفسیر کل واحد منھما تفسیر بالاعم، کما یشعر بہ من لاالمساوی، وغرضھم من ھذا التفسیر تمیز کل واحد من الاخر، الاتری ان البقر والجاموس من ذوات الشعرء فلو کان تعریف بالمساوی بطل الطرد، فھکذاتعریف الضأن۔	"مالہ صوف" (جس کے اون ہو) سے کی ہے۔ جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔ **جواب:** جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے۔ "الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز ماکان ذوات الشعر" لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالا عم ہے۔ بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے۔ بھیڑ سے ممتاز کرنے کے لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "مالہ الیۃ" جس کی چکتی ہو، تاکہ بھیڑ نکل جائے)

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ من استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے۔ "**ماکان ذوات الشعر**" جو بالوں والی ہو۔ تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہو جائیں گے، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف کو بالاعم قرار دیا جائے تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں (کیونکہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے۔

الاٰن نکتب عبارات الکتب الموجودۃ فانظر فیھا حق النظر حتی یتبین لك الحق والحق احق بان یتبع (م)وصح الجذع من الضأن(ش)الجذع شاۃ لھا ستۃ اشھر، والضأن بماتکون لہ الیۃ(م)والثنی فصاعدا من الثلثۃ(ش)ای من اشاۃ اعم من ان یکون ضأنا او معزا، ومن البقر، ومن	**حوالے:** اب ہم کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں جس سے حق واضح اور روشن ہو جائے گا: (۱) ضان کا جذعہ قربانی میں جائز ہے یعنی شش ماہہ بچہ اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں، ثنی اور اس سے بڑی عمر والے جانور تینوں اقسام کے جائز ہیں یعنی شاۃ میں دنبہ ہو یا ۲بکری اور گائے میں ۳ گائے ہو یا ۴بھینس اور اونٹ (شرح وقایہ من عینی) (۲) مصنف کے مذکورہ بالا قول میں ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں

الابل[1]۔ شرح وقایہ من عینی، قولہ وصح الجذع الی قولہ من الثلثة اشارة الی بیان الانواع التی لاتجوز الاضحیة الابها، وتصریح بینها التی لاتجوز فیما دونه[2]، چلپی علی شرح الوقایة، من عینی، وصح الجذع ذوستة اشهر من الضأن ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لایمکن التمییز من بُعد، وصح الثنی فصاعدا من الثلثة والثنی هو ابن خمس من الابل و حولین من البقر والجاموس۔ وحول من الشاة[3] اھ درمختار من عینی، قوله من الضأن هو ماله الیة منح، قید به لانه لا یجوز الجذع من المعز وغیره بلا خلاف، کما فی المبسوط قهستانی والجذع من البقر ابن سنة، ومن الابل ان اربع، بدائع، قوله من الثلثة، ای الاتیة وهی الابل۔ والبقر، بنوعیه والشاة بنوعیه[4] رد المحتار من عینی ومن سنن الاسلام التضحیة بالانعام التضحیة ذبح الاضحیة والانعام بالفتح جمع نعم بفتحین	اور ایسی عمروں کا بیان ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں، (حاشیہ شرح وقایہ چلپی من عینی) (۳) ضان کا اتنا بڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو لیکن دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو (درمختار عینی) ضان جس کے چکتی ہو، یہ چکتی کی قید اس لئے لگائی کہ بکری گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثناء مقصود تھا، بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتا ہے اور گائے کا سال بھر کا اور اونٹ کا چار سال کا، اور "من الثلاثة" کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہا ہے یہ اونٹ اور بقر ان دونوں نوعوں کے ساتھ اور اسی طرح اپنی دونوں قسموں کے ساتھ، (ردالمحتار من عینی) (۴) اور انعام کی قربانی مسنون ہے، انعام چوپایہ کو کہتے ہیں، اضحیہ کے معنی قربانی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ، یا سات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون ہے اور ایک سالہ بچہ کی بھی، لیکن اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ ضان ہو کہ معز، اور اونٹ اور بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے۔ اونٹ کا ثنی پانچ سالہ اور بقر کا دوسالہ اور شاۃ کا ایک سالہ۔ اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی کہ بکری چھ ماہہ جائز نہیں، اور ضان چکتی والے جانور کو

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۹۳

[2] ذخیرۃ العقبٰی حاشیة شرح الوقایہ کتاب الاضحیة نولکشور لکھنؤ ۴/ ۵۷۴

[3] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

وھو ذوات القوائم الاربع یعنی ان من السنة التضحیة بالجذع من الضان، وھو ماتم لہ ستة اشھر، وقیل سبعة اشھر، وبالثنی فصاعدا من شاة، اعم من ان یکون ضانا او معزا، ومن الابل والبقر مطلقًا، وھو ای الثنی ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقرة وحول من الشاة والمعز۔ والجذع بفتحتی الجیم والدال، وقیدناہ بالضان و ھو مالہ الیة۔ لان الجذع من المعز لاتجوز بہ التضحیة و قولنا مطلقًا اشار الی انہ یجوز المذکور والانثی من جمیع ماذکر، وان الجاموس داخل فی البقر ھکذا ذکرہ فی الفروع [1] اھ، ویختار من الشاة الکبش ای الذکر من الغنم فان الانثی منہ اعنی النعجة وکذا المعز و ان جازہ لکن الکبش ھوا الاولی [2] انتھی ماردناہ مفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام من عینی، والکبش افضل من النعجة ھی الانثی من الضان قاموس [3] رد المحتار من عینی، قولہ الجذع من الضاف ھو ذوات الصوف من الغنم التی لہ الیة، کما فی منح الغفار وغیرہ التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد من عینی [4]۔ وعن	کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقًا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے۔ اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے۔ دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے۔ مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام) (۵) اور مصنف نے "جامع من الضان" کہا، اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکتی ہو، ایسا ہی منح الغفار وغیرہ میں ہے۔ (تعلیق المجد من عینی) (۶) اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے اور یہ ضان کا مؤنث ہے۔ قاموس۔ (ردالمحتار) (۷) مسنہ ہی ذبح کرو۔ یہ نہ ملے تو ضان کا "جذعہ" اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں، قربانی کے جانور کی تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور اصحابہ سے ان کے علاوہ قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معز رکو فارسی

---

[1] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

[2] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[4] التعلیق المجد علی مؤطا لامام محمد مع المؤطا کتاب الضحایا ومایجز منہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۲۸۰

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنة بضم میم وکسر سین ونون مشددة، فرمودہ زبح نہ کنید مگر مسنہ، الا ان یعسر علیکم فتذبح جذعة من الضان، مگر آنکہ دشوار شود بہم سانیدن مسنہ برشما، پس ذبح کنید جذعہ را از میش جذع بفتح جیم وذال رواہ مسلم شرح ایں حدیث تفصیلے دارد آنرا موافق مذہب حنفی بیان کنیم، ودر شرح موافق مذاہب اربعہ ذکر کردہ شدہ است بدانکہ اضحیہ جائز نیست، مگر از اہل وبقر وغنم، وروایت کردہ نشدہ است ازاں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہ از اصحاب وے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین جز اصناف ثلثہ از ذبائح وغنم ووصنف معز کہ آنرا بُز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، وجاموس بسین مہملہ کہ معرب گاؤمیش ست نوع از بقرت وجائز است، از جمیع اں اقسام ثنی انتہی ما اردناہ اشعة[1] المعات علی المشکوٰة۔	میں بز کہتے ہیں، اور ضاں کو میش اور جاموس گاؤ میش کا معرب ہے یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے۔ اور ان سب کا ثنی جائز ہے۔ (اشعۃ اللمعات)
فان قبل قلت فیما سبق الحجة علینا تفسیر الفقھاء لا تفسیر اھل اللغة، ورأیت الآن ترجمة الشیخ لفظ الضان بمیش وھو من اعاظم مقلدی الحنفیة وانت نقلته ایضا للسند، فلم لاتقول بجواز اضحیة الحیوان المسئول عنه بعد، قلت لاتفرح بترجمة الشیخ مثلاً کما فرح العامة بھا،	**سوال:** آپ نے اس سے قبل کہا کہ ضان کا ترجمہ میش (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں، اور اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے ہیں تو ہم بھی تسلیم کرلیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صاحب اشعۃ المعات توائمہ وحدیث میں سے ہیں، اور انھوں نے بھی وہ اہل لغت والا ترجمہ کیا ہے تو آپ کو کیا عذر ہے۔ **جواب:** شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش

---

[1] اشعة اللمعات کتاب الصلوٰة باب الاضحیه الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

وجوزوا التضحية بالحيوان المسئول عنه فضلو او اضلو نعوذ بالله منها، فان لفظ میش لغة الفرس لالغتنا، فاما حقيقة فيما له الية ومجاز فی الحيوان المسئول عنه، لكونه من ذوات الصوف مثل مال اليه۔ اوبالعكس واما مشترك بينها، فعند تفسير الضان به كما فسره الشيخ به لا يجوز ان يراد به معالانه يلزم الجمع بين الحقيقة والمجاز، ولو بين معینی مشترك فی اطلاق واحد، وبطلانهما لايخفى على الكل، مع انه حينئذ يصير للغنم لواشاة اصناف ثلثة، المعز وماله الية ومالا الية له ويخالف قول الشيخ فيما بعد وغنم دوصف است[1] وقال الشامی والشاة بنوعية[2]۔ وهكذا وان اريد به عموم المجازی ای ماكان من ذوات الصوف فلا يلزم الجمع بالمعنين الا ان التخالف بينه وبين قول الشيخ وغيره المذكورين باق وهو ظاهر، وكاف فی عدم ارادتهم، فاما ان يراد به الحيوان المسئول عنه فقط حقيقة كان اومجازا، فيخرج ماله الية من باب التضحية۔ و

ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہوں گے، یاان میں سے کوئی ایک اور دونوں ہی مراد ہوں گے تو بطور حقیقت مجاز، یااشتراک یا عموم مجاز، تو حقیقت ومجاز، یااشتراک کے طور پر دونوں معانی کاایک ساتھ مراد لینا اصول لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے۔ اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہوتے ہیں، حالانکہ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں، اور ایک ہی مراد لیں، اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتا ہے جو بالاتفاق قربانی کا جانور ہے۔

مزید سوال: آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دنبہ مراد لینے پر بھی جاری ہوتی ہے، تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔

جواب: جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کردیا تو اب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں یا حقیقی یا بطور اشتراک۔

پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے۔ اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

يصير النوع الخامس، من الانواع الخمسة بها الحيوان المسئول عنه، لاماله الية و هو خلاف الاجماع اويراد به ماله الية فقط حقيقة كان او مجاز فيحرم الحيوان المسئول عنه من البين كما هو حقه وہو المطلوب۔ واجراء ہذا التفصيل بعينه فی لفظ الضأن ان كما وقع فی الحديث والمتون بان يقال لفظ الضأن لفظة لغة العرب لالغتنا فاما حقيقة فيما له الية و مجاز فی الحيوان المسئول عنه الى قولنا وهو المطلوب، فقيل تفسيره بما تكون له الية يمكن ويحصل الفائدة منه، وهی الاستقرار علی المطلوب واما بعد تفسيره بماله الية كما فعل الفحول من العلماء، فلا فائدة فيه لانه يعلم من هذا التفسيران مراد الفقهاء بالضأن ماله اليه سواء كان معنی حقيقيا او مجازيا فما مطلبنا فی الاجراء وتطويل المسافة فطننت بل علمت من هذه النقول ان التضحية بالحيوان المسئول عنه لا تجوز۔ وقد سمعت تحقيقة بما لا مزيد عليه اُنفا فاقول ما انا عليه، وعليه التعويل هو عدم جواز التضحية به، فان اصبت فمن الله تعالٰی، وان اخطأت فمعنی ومن الشيطان وان وجد فی الكتب الاخر المعتمدة عليها	قاہرہ ہم نے ظاہر کردئے۔ اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، یا میش کے معنی بھیڑ ہیں یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے یہ فتوی صحیح ہو تو اللہ تعالٰی کی طرف سے، اور غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (نظام الدین مدرس اسلامیہ احمد پور شرقیہ)

الغیر الموجودۃ عندی جوازھا، فح ترک التضحیۃ بہ اولی لان مقتضی الاحتیاط ح ھو عدم الجواز علی ما علم من اصول الفقہ، ھذا بالنواجذ ولا یلتقف الی قول المخالفین القائلین بالجواز فان اقوی دلائلھم "وجدنا علیہ اسلافنا" وتعلم حالہ وما سوی ھذا الدلیل من تفسیر الضان بلفظ میش وما کان من ذوات الصوف، فاوھن من بیت العنکبوت کما مر، ھذا ماظھر لی ولعل عندی غیری احسن من ھذا۔ المجیب نظام الدین مدرس مدرسۃ الاسلامیہ احمد پور شرقیہ۔	

الجواب:

الحمدللہ الذی خصنا بالاکرام وعمنا بالانعام خلق لنا الانعام، للتقرب والاطعام، وکثیر من الحاج، ثمانیہ ازواج من الضان اثنین، و من المعز اثنین، آ الصوف حظر، ام الشعر حجر، آ بالاذناب امر، ام علی الالا یاقصر، ومن الابل اثنین، ومن البقر اثنین، آ با لبخت جد، ام فی العراب حصر، آ الجاموس رد، ام طائف البقر، آ بطول وقصر وصغر وکبرفی عضو او شعر، للنوع غیر، اوبالحصر ضرر، نبؤنی بعلم ان کان لکم خبر، والصلاۃ والسلام علی السید الاعز والہ وصبحہ کل کریم معز۔ عدد	اس خدا کی تعریف جس نے ہم کو اکرام کے ساتھ خاص فرمایا اور انعام کے کو ہم پر عام فرمایا، اور حاجیوں کے لئے اور ہمارے لئے چارپائے بنائے کہ کھائیں بھی اور قربانی بھی کریں۔ یہ آٹھ جوڑے ہیں، ضان کے دو اور معز کے دو[2]، تو کیا اُون والے ممنوع ہیں یا بال والے، یا دم والوں پر روک ہے یا چکتی والوں پر، اور اونٹ کے دو اور گائے کے بھی دو، تو کیا بختی اونٹوں پر انحصار ہے یا اعراب پر، اور بھینس مردود ہے یا گائے کی مختلف اصناف لانبی (لمبی) اور ناٹی، یا کسی عضو یا بال کی چھوٹائی بڑائی، نوع کو بدلنے والی اور حصر کو قائم کرنیوالی ہے تمھیں علم ہو تو مجھے بتاؤ، اور صلاۃ وسلام ہو

اصواف الضاف واشعار المعز۔ **و بعد** فلا شك ان هذا لحیوان من بهیمة الانعام، ومن الاغنام ومما تجوز التضحیة به باجماع اهل الاسلام مسئلة واضحة جلیلة النبیان غنیةعن البیان، لا تتناطح فیها عنز ان وتد توارث التضحی به المسلمون، وعلماؤهم متظافرون، طبقة فطبقة وجیلا بعد جیل من دون نکیر منکر، ولا مراء عقیل فمن نسبهم جمیعا الی الضلال والاضلال فقد عتاوعصی، وشق العصا، یولی ماتولی، ولسوف یری، وقد کان الاعراض عن مثل هذا امثل واحری، فان الامر اذانتهیٰ الی انکار الواضحات کان السبیل ترك التحاور، فانها هی المقاطیع للحجج الشامخات، والبراهین الغر، فمن یماری فیها فیما ذا یوقن، وبای حدیث بعد ها یؤمن ولکن وجوب اخماد الباطل وارشاد الغافل۔ والرفق بضعفاء المسلمین کیلا یقعوا فی ضلال مبین، و تحسین الظن بالمسلم العاقل، فانه ربما عثر، فاذا ذکر تذکر، واذا بصر ابصر، وانما العاقل من اقر وما اصر فاذاعلم الخبر هجر الهجری وانکرا لمنکر، و ربك غفارلمن استغفر، کل ذٰلك یدعون ان نأتی فی الباب بعدة تنبیهات	تمام معززین کے سردار پر، ان کی آل پر، اصحاب پر جو کریم اور معزز ہیں، بھیڑوں کی اون اور بکریوں کے بال برابر۔ حمد و صلاۃ کے بعد بلا شبہ بھیڑ بکریوں اور انعام میں شمار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے اور اس کی قربانی جائز ہے۔ یہ مسئلہ خود واضح اور بیان سے بے نیاز ہے۔ اس کی قربانی مسلمانوں میں شروع ہی سے متوارث ہے علماء کے تمام گروہ اور مختلف جماعتوں نے اس میں کبھی کوئی اختلاف اور جدال نہیں کیا، تو بلاامتیاز سبھی کو گمراہ او گمراہ گر کہنا سرکشی اور جرم ہے۔ اور امر محبوب سے روگردانی، جس کا انجام آئندہ معلوم ہوگا۔ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے چشم پوشی ہی بہتر تھی کیونکہ یقینیات جہاں دلائل کے پر جلتے ہیں، جو ایسی باتوں کا انکار کرے پھر کس بات کا اقرار کرے گا اور کس پر ایمان لائے گا، لیکن باطل کو بجھانا اور غافل کو بتانا، کمزور اہل اسلام کو گمراہی سے روکنا، اور یہ خوش گمانی بھی کہ پھسلنے والا سنبھالے سنبھل بھی جاتاہے۔ راہ دکھاؤ تو کوئی کوئی دیکھ بھی لیتاہے۔ اور واقعی عقلمند وہ ہے جو ہر بات پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے، اور حقیقت آشکار ہو تو یاوہ گوئی اور انکار چھوڑ دے تو پروردگار غفور و رحیم ہے۔ ان سب باتوں نے ہمیں چند تنبیہات پر مجبور کیا، سبحان اللہ چمکتے سورج پر کیا حجاب میں تمھیں ہدایت کرتاہوں کہ بیکار امیدوں یا ملال کے چکر، یا طیش

تقرر الصواب وتمیط الحجاب ویا سبحٰن اللہ ھل من حجاب، علی وجہ شمس تجلت من سحاب ھذا وایاک ثم ایاک ان یلھیک الا مل، اویطغیک الملل، او یستخفک الطیش، فیاخذک العجل۔ قبل ان تجمع الکلمات الاخر بالاول فانی ارید، ان استدرجک من الرفیع الی الرقیع، ومن ذی سم الی اشم حتی اوقفک علی شمس تتضاء لا دونھا الظلم، فعسٰی ان یعتریک وھم وباتیک مایزیح، اوتمسی فی حلم اوستصبح فیما یریح، علی انی قد علمت ان السبیل وعر الی ایضاح الجلیات، وانما الجادۃ المسلوکۃ اظھار الخبیات، لکنی اتنزل لک الی وھدۃ وقعت، ولا اٰلو ان ارفعک الی الحق ما استطعت **فاقول:** وتوفیق بالقریب المجید، علیہ توکلت والیہ اُنیب،	کے فوران میں پھنس کر پوری بات دیکھے سنے بغیر جلد بازی نہ کر بیٹھنا، میں تمھیں ادنٰی سے اعلٰی تک آہستہ آہستہ لے کر چل کر سورج کے پاس کڑا کردوں گا جہاں تاریکیاں کافور ہیں، کیونکہ جہاں وہم پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ بھی ہوتا ہے اور رات کے بھیانک خواب سے صبح کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ توضیح تر پوشیدہ امور کی ہوتی ہے۔ اور بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ میں نے حق کی طرف رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی ہے۔
الاول: قال ربنا عزمن قائل "اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ"، الی قولہ عزوجل "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ع (۳۳)"[1]، وقال سبحنہ وتعالٰی "وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِؕ"[2]۔ فقد اذا دجل جلالہ ان الانعام کلھا محل المنسک، وانھا التی یتقرب بنحرھا وذبحا الی ربنا وربھا دون سائر البھائم والحیوانات، قال	**تنبیہ اول:** اس بات کے بیان میں کہ صرف انعام ہی قربانی کے جانور ہیں: اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: تمھارے لئے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہوں بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر، پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو، اور جو اللہ کا شریک کرے کہ وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچھک لے جاتے ہیں، یا ہوا اسے کسی دوسری

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰تا۳۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۴

الامام محی السنة البغوی، فی معاملة التنزیل "لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم من بھیمة الانعام" عند نحرھا وذبحھا، وسماھا بھیمة الانعام، لانھا لا تتکلم، وقال بھیمة الانعام لانھا لا تتکلم وقال بھیمة الانعام قید بالنعم لان من البھائم مالیس من الانعام، کالخیل والبغال والحمیر، لایجوز ذبحھا فی القرابین[1] اھ ولاادری مرتابا یرتاب فی ان حیواننا ھذا من بھیمة الانعام، بانہ اھلی ذات قوائم اربع و ظلف، قال فی المصباح المنیر لغة الفقه، الانعام ذات الخف، والظلف، وھی الابل، والبقر، والغنم[2] اھ فان کنت فی ریب من ھذا فانبئنا ماذا تراہ امن الوحوش ام من السباع، ام من الطیور، ام من الھوام، ام ذوات الحوافر، ام نوع اٰخر مقطوع الدابر، مابه علم ولا عنه مخبر۔	جگہ چھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے، تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ تمھارے لئے انعام میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک، پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، تو تمھارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو۔ (سورۂ حج۔ پ۱۷) ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں، حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی، یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ ان کا نہ بولنا ہے۔ انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کئے جاتے، جیسے گھوڑا، خچر، گدھا ____ اتنا ثابت ہوجانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کاانعام ہونا بھی ثابت کریں، اور یہ کہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے دو کُھر والا چوپایہ ہے، مگر ہم شہادتیں فراہم کررہے ہیں:

اَنعام کُھردار جانور اور خف والے، یہ اہل، بقر، غنم ہیں (مصباح المنیر)

اگراس کے بعد بھی شبہ ہو تو بتاؤ کیا وحشی ہے یا درندہ ہے، کہ پرندہ ہے یا حشرات الارض میں سے ہے، سُم والوں ہے یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہو گئی ہے۔

---

[1] معالم التنزیل علی ھامش الخازن تحت آیۃ ۲۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۸

[2] المصباح المنیر النون مع العین مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۴_۱۸۳

الثانی[٢]: قال جل ذکرہ "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًاؕ"[1]۔ قال الشاہ عبدالقادر الدہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی ترجمۃ الکریمۃ پیداکئے مواشی میں لدے والے اور دبے[2] وقال فی فوائدہا لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبے بکری اور بھیڑ[3]۔	**تنبیہ دوم**: اس بات کے ثبوت میں کہ بکری انعام میں سے ہے: ارشاد الٰہی ہے "من الانعام حمولۃ وفرشا۔" شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا: "پیداکئے مواشی میں لدنے والے اور دبے" اور فوائد میں فرمایا: "لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبنے والے بھیڑ اور بکری"۔
الثالث[٣]: اجمع المسلمون واعترف الرجل، ان الغنم من الاضاحی، وقد علم من یفرق بین البہم والبہم، ان ھذا من الغنم قال اللہ عزوجل "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ"[4]۔ قال الفاضل رفیع الدین الدہلوی فی ترجمۃ اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی[5]۔	**تنبیہ سوم**: بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے: مفتی سابق نے اعتراض کیا، اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے۔ اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے قرآن عظیم کی آیت "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں: "اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی"۔
الرابع[٤]: انما المرجع فی امثال الامور الی علماء اللسان و کما علم کل من یعلم اللسن الثلث ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بکری وذکرہ بکرا،	**ایضاً تنبیہ چہارم**: اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غنم میں داخل ہے یا نہیں۔ وہی حضرات علماء کرسکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو توان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری اور

---

[1] القرآن الکریم ٦/ ١٤٢

[2] موضع القرآن تحت آیۃ ٦/ ١٤٢ مطبع مصطفائی انڈیا ص ١٤٦

[3] موضع القرآن تحت آیۃ ٦/ ١٤٢ مطبع مصطفائی انڈیا ص ١٤٦

[4] القرآن الکریم ٦/ ١٤٦

[5] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ٦/ ١٤٦ ممتاز کمپنی لاہور ص ٦٣۔١٦٢

هوالذی یسمی بالفارسیة بُز، وفی الاطلاق الاعم گوسپند، وبالعربیة معزا، وفی الاعم غنما وشاة، و ذکرہ تیسا وماعزا، وانثاۃ عنزا۔ وما عزۃ، کذٰلك علموا ان الحیوان الذی یسمی بالهندیة بھیڑ، وذکرہ مینڈھا، وعند قوم وانثاہ بھیڑ ولقوم بھیڑی ھو الذی یسمی بالفارسیة میش، وبالاطلاقین الاخص و الاعم گوسفند، وذکرہ المناطح فوچ، وبالعربیة ضانا، وبالاطلاقین شاۃ، وغنما، وذکرہ کبشا وضانا، وانثاہ نعجة وضائنة، قال اللّٰه عزوجل "ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ"[1] قال فی موضح القراٰن پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو[2]، وفی ترجمة الرفیعة آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[3]۔ وقال الشاہ ولی اللّٰه الدهلوی فی ترجمتها آفرید ہشت قسم راز گوسفند دو قسم واز بُز دو قسم[4]۔ وقال الفاضل یوسف چلپی فی ذخیرۃ العقبٰی حاشیة شرح الوقایة،	اس کے نر کو بکرا کہتے ہیں، فارسی میں اسی کو بُز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز، اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں اس کے مذکر کو "تیس" اور ماعز کہتے ہیں اور مؤنث کو عنز اور ماعزہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں، اسی کی مؤنث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں، اسی کو فارسی میں میش اور عام بوچال میں گوسفند اس کا مذکر مناطح قوچ کہلاتا ہے یہی عربی میں ضان اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے اس کا مذکر ضان و کبش اور مؤنث کو نعجہ کہا جاتا ہے۔ "ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ" پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑے اور بکری سے دو (از موضح القرآن) آٹھ جوڑے بھیڑوں میں سے اور دو[2] بکری میں سے دو، (شاہ رفیع الدین) آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم، واز بز دو قسم (شاہ ولی اللّٰه)۔ ضان، ضائن کی جمع، ماعز کے خلاف۔ اور یہ غنم کی ہی دو[2] نوعیں ہیں، پہلے کو فارسی میں میش اور ثانی کو بُز

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[3] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ ممتاز کمپنی لاہور ص ۱۶۲

[4] ترجمۃ القرآن (فارسی) لولی اللہ الدہلوی تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع ہاشمی دہلی ص ۹-۱۴۸

ضانا جمع ضائن خلاف الماعز، وھما نوعان من جنس الغنم، یقال للاول بالفارسی میش وللثانی بُز، والشاۃ اسم جنس یشملھا کالغنم ویقال لھا بالفارسی گوسفند، کذا فی الصحاح، والاسماء [1] اھ باختصار، وقد ترجم فی النفائس بھیڑ ا بالفاسیۃ بمیش نر، وبالعربیۃ بکبش وضان [2] وقال فی تحفۃ المؤمنین بھیڑ بھندی غنم است [3]، ثم قال غنم ضان ست [4] ثم قال ضان بفارسی میش نامند [5]۔ بھیڑا فارسی میں میش نر اور عربی میں ضان ہے (نفائس) وفی المنتخب الرشیدی ضان میش ضائن میش نر [6] وفی الصراح ضائن میش نر، خلاف ماعز، والجمع ضان، خلاف معز اھ [7]۔ فان کان فی مریۃ بعد فلیقم ولیَعُدُ فلیذھب بقطیع منہ الی العرب، والفرس، و لیدر فیھا بلادا وقری وجبالا ومفاوز، ولیسأل کل اھل ناد من حاضر، وباد، ورجل، وامرأۃ	کہتے ہیں اور غنم کے ہی ہم معنٰی لفظ شاۃ ہے جس کا اطاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے اور اس معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتا ہے اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے (مختصرا) (ذخیرہ عقبٰی چلپی) بھیڑ ہندی میں غنم ہے۔ اور غنم ضان ہے اور ضاں فارسی میں میش ہے (تحفۃ المومنین) ضان میش، ضان نر۔ (منتخب رشیدی) ضائن میش نر، خلاف ماعز۔ اور اس کی جمع ضان خلاف معز (صراح)۔ ان سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئی ہے اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہیں، تو بھیڑ کا ایک گلہ لے کر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر جنگلوں اور پہاڑوں، آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر ہر ایک

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الاموال نولکشور کانپور ۱/ ۱۲۷

[2] النفائس

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص ۴۲۵

[5] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الصاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۳۹۷

[6] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[7] الصراح فی الغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۸

وحر وامة، وعالم وجاہل، وسائر و قافل فان اخبرہ العرب جمیعا ان ھذا ضان، غنم، شاۃ، کبش، نعجة، وقالت الفرس ایں ست میش، و گوسپند، نر وو مادہ، فلیصدق بالحق، وان اعربت العرب ان ھذا عصفور، اوکلب عقور اوفیل ماسور، و تفرست الفرس، فقالت خرگور، اوچرغ پرزور اوچغد شبکور، فھو معذور۔	شہری ودیہاتی، عالم وجاہل سے سوال کرو، تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے غنم ہے۔ شاۃ ہے کبش ہے، نعجہ ہے۔ اور فارسی کہیں یہ میش ہے گوسپند ہے۔ تو حق بات تسلیم کرو، اور اگر عرب اس کو گوریا، کٹکھنا کتا یا ہاتھی یا اہل فارس اس کو گورخر یا چیتا یا الو کہیں تو تم معذور ہوگے۔
الخامس[۵]: ارأیت ان انکر منکر، ان ھذا المھیب الثقیل، ذا الخرطوم الطویل، الذی یقال لہ بالھندیا تھی و گج، لیس ھو الذی یقال لہ بالعربیة فیل، وبالفارسیة پیل، فھل عندك علیہ من حجة ودلیل، الاالرجوع الی اھل اللسن، وابانة ان اطباقھم علی امثال ذٰلك من باب التواتر المورث للیقین، کما ان من جحد وضع بمبئی اوکلکتہ، مثلا لھذا البلد المعلوم، فلا دواء لہ الا الانباء بان الناس مطبقون علی ان ھذا البلد بھذا مسمی وبہ موسوم فان عاند وعاد وعاود اللداد، فمالہ من طب الا الا فتصاد۔	**تنبیہ پنجم تائید مزید**: لمبی اور دراز اسونڈ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں، جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے، تو اس کی سبیل بھی یہی ہے کہ اسے بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلا دیا جائے کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں:
السادس[۶]: من الظن زعم الحاق الجوامیس بالبقر، وانما عرفت الاضحیة علی خلاف القیاس لکونھا تقربا باراقة دم،	**تنبیہ ششم**: بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا: یہ کہنا بھینس کو گائے کے ساتھ ازروئے قیاس لاحق کیا گیا غلط ہے کیونکہ یہ مسئلہ

وازهاق روح فكيف يسوغ الالحاق فيها، ولو ماغ لكانت المها والوعول والظبا احق انه تلحق بالبقر او المعز، قال العلامة الاتقانی فی غاية البيان، التضحية امر مستفاد بالشرع بخلاف القياس، لان كون اراقة الدم قربة غير معقول المعنى فاقتصر على مورد الشرع، ولهذا لم تجز التضحية بشيئ من الوحش اه[1] وقال العينی فی رمز الحقائق انها عرفت بالنص على خلاف القياس فيقتصر عليها[2] اھ۔ وقال العلامة الطوری فی تكملة البحر الرائق جواز ها عرف بالشرع فی البقر الاهل دون الوحشی والقياس ممتنع[3]. اه ومثل ذٰلك فی كثير من الكتب و انما الشان انهم علموا انها من نوع البقر فتناولهما النص تناول اوليا من دون حاجة الى الحاق، بهذا علل كما نص عليه فی الهداية والخانية والذر وشرح النقاية للبرجندی، وفی الجامع الرموز عن جامع المضمرات ومجمع الانهر عن المحيط، وفتح الله المعين عن التبيين و البحر الرائق عن الوالو الجية، والهندية عن البدائع۔	قیاسی ہے ہی نہیں، اگر قیاس پر مدار ہوتا تو سفید نیل گائے کو گائے کے ساتھ، اور پہاڑی بکری اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجہ اولٰی بہتر ہوتا لیکن ایسا جائز نہیں۔ علامہ اتقائی نے غایۃ البیان میں فرمایا: "قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے کیونکہ خون بہانا کار ثواب ہو، یہ بات غیر معقول ہے۔ اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دے دیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں" علامہ عینی نے رمزالحقائق میں تحریر فرمایا: "قربانی حکم الٰہی سے خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے، تو اسی پر اقتصار کیا جائے گا"۔ علامہ طوری تکملہ بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں: "قربانی کا جواز شرح مطہر میں انھیں جانوروں میں ثابت ہے جو اہلی ہوں وحشی میں نہیں، اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں" تو حقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے کی ہی نوع میں ہونا ثابت ہوا تو انھوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ بقر

---

[1] غاية البيان

[2] رمز الحقائق فی شرح كنز الدقائق كتاب الاضحية مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

[3] تكمله من البحر الرائق كتاب الاضحية ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

وردالمحتار عنها وعن المُغرَب وان اقترحت جليت لك نقولها، فانى لم اثر فى هذه الرسالة شيئا الا من الكتب التى منحنى بى فهى عندى فى ملكى ويدى، حتى انهم اخذوا على لفظة توهم التغاير بينهما كقول الكنز، الجاموس كالبقر كما فى التبيين[1]، و البحر[2] والنهر والشرنبلالية، ومجمع الانهر وابى السعود وغيرها مع انه ان انما هو كقوله ايضا البخت كالعراب بيد ان اول المسئلة كان هناك بلفظ الابل فلم يوهم التشبيه وههنا بلفظ البقر فاوهم، ثم لما ذا استكثر من هذا الفصل وانت الناقل عن رد المحتار قوله البقر بنوعيه[3] اھ، وعن مفاتيح الجنان ان الجاموس داخل فى البقر[4] اھ۔ وعن الاشعة جاموس

بھینس کو شامل ہے اس لئے مسئلہ ہذا کے الحاق والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں، یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری، مستخلص الحقائق، شرح ملا مسکین، طحطاوی علی الدر، شرح نقایہ برجندی، جامع الرموز، جامع المضمرات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ المعین عن التبیین، بحر الرائق۔ والوالجیہ، ہندیہ، عن البدائع، ردالمحتار عن البدائع و عن مغرب منصوص ہیں، ضرورت پر ساری کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں، الحمدللہ ساری کتابیں میری ذاتی ہیں، ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے جس سے یہ شبہ ہوگا کہ گائے اور بھینس میں تغایر ہے اور وہ کنز، تبیین، بحر، نہر، شرنبلالیہ، مجمع النہر ابی سعود وغیرہ میں ذکر کیا ہوا لفظ **"الجاموس کالبقر"** ہے لیکن اس سے دھوکا کھانا غلط ہے، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں **"البخت کالاعراب"** بیان مسئلہ میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود جب بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے تو صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر وجاموس دو نوع کیسے ہوں گے، اور خاص کر مجیب صاحب کو

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۷

[2] تکملہ من البحر الرائق کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴

[4] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

نوعے از بقرست[1] فمالی اراك نقل العبارات وتنبؤ عنها كان لم تسمعها، كلا بل تسمع وتفهم ثم تحيل، اما سمعناك نقول انهم يدخلون الجاموس فی البقر، ويقولون انه نوع منه، ثم عدت تعد الا نواع خمسة، وتجعل النوع يقابل جنسه، وبالجملة قد تبيين بطلان تخميس الا نواع، وعد الجاموس نوعا براسه۔ ثم لايخفى على كل ذی حجی مالم يكن اغلظ طبعا من الجواميس، مابين البقر والجاموس من البون البين صورة ومعنى، يبائن الوضع الوضع، و الطبع الطبع، واللحم اللحم، واللبن اللبن، والطعم الطعم، والحمل الحمل، والمزاج المزاج، والاثار الاثار، والافعال الافعال، والخواص الخواص، حتى حكم القياس انهما نوعان متباينان، وان الجواميس لا تجوز التضحية بها، وانما الاجزأ حكم الاستحسان قال فی الخلاصة ثم الاتقانی فی شرح الهداية و الحلبی فی تكملة لسان الحكام الجاموس يجوز فی الضحايا	تو یہ شبہہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ انھوں نے خود ہی ردالمحتار کی عبارت "البقر بنوعیه" اور مفاتیح الجنان کا حوالہ "ان الجاموس داخل فی البقر" (بھینس گائے میں شامل ہے)۔ اور اشعۃ اللمعات سے "جاموس نوع از بقر" (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا پس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط، اور بھیڑ کو چھٹی قرار دے کر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ گائے اور بھینس میں صورۃ اور معنا بناوٹ، طبیعت، گوشت اور دودھ، مزے اور اعمال وآثار میں تباین ظاہری ہے جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے۔ اور بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہئے مگر جائز ہے، تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔ خلاصہ اتقانی، حلبی میں: "بھینس کی قربانی استحسانا جائز ہے" فاضل عبدالحیٔ لکھنوی کی شرح مختصر وقایہ میں

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

والهدایا استحسانا [1] اھ. وفی شرح مختصر الوقایة للفاضل عبدالعلی الجاموس کالبقرۃ لانه نوع منها، فی الروضة هذا الاستحسان و القیاس انه لا یجوز [2] اھ وتغایرہما فی العرف ظاہر. ولذا لو حلف لایاکل لحم البقر لم یحنث باکل لحم الجاموس، کما فی زکوٰۃ الهدایة، ولا بعکسه، کما فی ایمان الخانیة، وما اذا یعنی مجرد الوفاق فی عدد الاعضاء مع الخلاف فی جمع ما مر. فان ذٰلك حاصل فی الخیل والعیر ایضا مع انهما نوعان متباینان قطعا عرفا وشرعا، بل لك ان تقول لا وفاق فی العدد ایضا، فان لبقر جلدا متدلیا من مبدأ حلقه الی منحرہ، ولیس ذٰلك للجاموس، والشعر یعم بدن البقر ولیس علی جمع الجاموس الا شذر مزر. فاذا استحسنوا مع کل ذٰلك ان الجوامیس لیست الا من نوع البقر، کانت ضئین الهند احق بان تعد من نوع اضؤن العرب، فانهما الاخلف بینهما فی شیئ	ہے" بھینس گائے کی طرح ہے یہ اسی کی ایک نوع ہے" روضہ میں ہے: "اس کی قربانی استحسانا جائز ہے قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہئے۔" عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے، اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا، تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا، یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں ہے، اور خانیہ میں ہے بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا، اور اگر خالی اعضاء کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونے کا خیال کیا جائے اور تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے حالانکہ وہ دونوں عرفا اور شرعا ہر لحاظ سے دو متبائن نوعیں ہیں، اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضاء کی تعداد میں بھی موافقت نہیں ہے کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے جو بھینس میں نہیں ہوتی، اور گائے کے سم پر گھنا بال پورے بدن پر اگا رہتا ہے اور بھینس کے جسم پر چند قلیل بال ہوتے ہیں پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس کے ایک جنس ہوئے تو دنبہ اور بھیڑ کے ایک جنس ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الرابع مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۱۴

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۵

مما وصفنا حتی لو ان ضائنین منهما متشابهی اللون، والجثة نظر هما ناظر من قدام لم یکد یمیز بینهما کضائنین کذٰلك من ارض واحدة. نعم الالیة من احدهما عریضة قصیرة ومن الاخری ضئیلة طویلة ومثل هذا الخلف بل اکثر منه کثیرا مایوجد فی افراد نوع واحد باختلاف الاراضی واختلاف المادة وغیرہ ذٰلک۔	کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں، اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا کہ کون بھیڑ ہے اور کون دنبہ، ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے اور بھیڑ کی دم لمبی اور بالدار ہوتی ہے۔ لیکن یہ کوئی بات نہیں اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلاف آب وہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں، اور ان کا لحاظ کرکے کوئی اختلاف نوع کا حکم نہیں لگاتا۔
الاتری الی غلظ شفاہ الحبش، وصغر عیون الترك فطس انوف الصین، ولبعض من اتراك الوحوش علی عصعصه لحمة زائدة قدر شبر یشبه الذنب والهنة الناتیة بین الشفرین لاتوجد خلقة فی نساء المغرب، وربما یکون لانسان ستة اصابع وذکر الفقهاء ما اذا کان للمرء، یدان فی ید، او رجلان فی رجل اوکفان فی کف، هل یجب غسلها فی الوضوء، کما فی البحر، والنهر، والدر، والهندیة وغیرها، ولقد رأیت لبعض البلاد جمالا جمیلة المنظر، لطاف الجسم، صغار الحجم،	**امثلہ** (۱) آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے، (۲) ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہے (۳) چینیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے (۴) اور بعض وحشی ترکیوں کی دم کی ہڈی پر دم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے (۵) عام عورتوں کی شرمگاہ میں جو پارہ گوشت اُبھرا ہوا ہوتا ہے مراکشی عورتوں میں خلقۃً نہیں ہوتا (۶) ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہوجاتی ہے، چنانچہ فقہاء کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں یا دو دو پاؤں یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے۔ یہ مسئلہ بحر، نہر، درر اور ہندیہ میں مصرح ہے۔ (۷) میں نے بعض شہروں میں اونٹ دیکھے ہلکے پھلکے، لمبے بال والے، جن کے پُشت پر دو کوہانیں تھیں جن کے بیچ میں ایک

طوال الوبر، لکل منها علی ظهره سنامان رفیعان، بینهما مجلس الراکب یکونان له کعودی الرحل، وقد قال العلامة القزوینی فی عجائب الموجودات، ثم الامام الدمیری فی حیوة الحیوان انه یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدره الیة، وعلی کتفه الیتان، وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة وربما تکبر الیة الضأن حتی تمعنه من المشی، زاد القزوینی فیتخذ لالیتها عجلة توضع علیها وتشد الی صدرها، فیمشی الضان وتجر العجلة والا لیة علیها اھ[1]، فهذه اختلافات فی الاعضاء باصل الوجود و العدم، فضلا عن الصغر، والکبر، والطول والقصر، فهل یجوز لعاقل ان یحکم لذلك باختلاف النوع، وان احد من صنفی الابل ذات کومین و ذات کوم، مثلا لیس من نوع الابل، لاتجوز التضحیة به، ولا تجب الزکوٰة فی سائمته۔	آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، (۸) امام قزوینی نے عجائب المخلوقات اور دمیری نے حیوۃ الحیوان میں تحریر کیا، ہندوستان کے بعض دنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں پر دو چکتی اور رانوں پر دو چکتی اور دم پر ایک چکتی ہوتی ہے جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچتا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہونے، چہ جائیکہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف، تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونٹ، اونٹ ہی نہیں، نہ ان کی قربانی ہوسکتی ہے نہ یہ سائمہ جانوروں میں شمار ہوں گے نہ ان پر زکوۃ ہوگی۔
السابع۷: اطبق اهل التفسیر والحدیث والفقه و اللغة من العرب والعجم، ان الغنم نوعان، ضأن و معز،	**تنبیہ ہفتم توضیح مزید:** عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث، اہل فقہ ولغت اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کی دو قسمیں ہیں: ضان اور معز، جس کی

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمۃ (الضأن) مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳۴، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات الضان مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

میش وبُز، وان الضأن ومیش خلاف المعز وبُز، و المعز وبُز خلاف الضأن ومیش، قال العلامة الخفاجی فی عنایة القاضی وکفایة الراضی حاشیته علی تفسیر البیضاوی الضائن خلاف الماعز، وجمعه ضأن اھ[1]، وقال فی مجمع بحار الانوار ضوائن ذات صوف عجاف ھو جمع ضائنة، وھی الشاة من الغنم خلاف المعز[2] اھ وقال فی المرقات الضأن خلاف المعز من الغنم[3] اھ، وقال العلامة مسکین فی شرح الکنز، الغنم اسم یطلق علی الذکر و الانثی من الضأن والمعز والضأن خلاف المعز[4] اھ، وقال فی القاموس المعز ھو خلاف الضأن من الغنم[5] اھ، وفیه الضائن خلاف الماعز من الغنم، جمع ضأن اضئن ضأنك اعزلها من المعز[6] اھ، وفی مختار الصحاح للعلامة الرازی الضائن ضد الماعز و الجمع الضأن والمعز[7] اھ	تعبیر فارسی میں میش اور بز سے کی جاتی ہے اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے کہ جو معز ہے ضان نہیں اور جو ضان ہے معز نہیں، حوالے: ○ ضائن ماعز کے خلاف، اور اس کی جمع ضان ہے (علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی) ○ ضوائن اون والی ضائنہ کی جمع، یہ بکری کی ایک قسم خلاف ماعز ہے۔ (مجمع بحار الانوار) ○ ضائن معز کے خلاف غنم میں سے۔ (مرقات) ○ غنم اسم جنس ہے۔ یہ ضان ومعز مذکر ومؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے، اور ضان اور معز میں اختلاف ہے۔ (شرح کنز علامہ مسکین) ○ معز ضان کے خلاف ہے۔ غنم کی ہی ایک قسم ہے (قاموس) ○ ضائن، بکریوں میں معز کے خلاف، اور جمع ضائن، محاورہ ہے: اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو۔ (قاموس) ○ ضائن ماعز کا ضد ہے۔ اور جمع ضان اور معز ہے (مختار الصحاح رازی)

---

[1] عنایة القاضی حاشیة علی البیضاوی تحت آیۃ ۶/۸۰ دار صادر بیروت ۵/ ۳۵۹

[2] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الهمزة ضائن مکتبة دار الایمان المدینة المنورہ ۳/ ۳۸۳

[3] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیة الفصل الاول المکتبة الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۶۱

[4] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاضحیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۱

[5] القاموس المحیط باب الزاء فصل المیم (العز) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

[6] القاموس المحیط باب النون فصل الضاد (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۴۴

[7] مختار الصحاح تحت لفظ ضائن مؤسسة علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

وفیه المعز من الغنم ضد الضأن[1] اھ، وتقدمت اٰنفا عبارات ذخیرۃ العقبٰی والصراح وانت المحتج بقول الغیاث گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکہ معز در عربی مقابل ضان ست[2] الخ، وحشیت علیه بقولك ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس بُز گویند، ونقلت عن الشیخ المحقق قدس سرہ غنم دوصنف ست معزکہ آں رابُز گویند وضان کہ آں رامیش خوانند[3] وایدته بقول الشامی الشاۃ بنوعیه[4] اھ، فکان اجماعا علی ان ماکان من الغنم خارجا عن الضان، ومیش فھو داخل فی المعز وبُز وماکان منھا خارجا عن المعز وبز فھو داخل فی الضان ومیش، وقد بینا ان حیوانا ھذا من الغنم، وان ستربك فیه فلن یستر بین احد ممن له قسط من العقل انه من بھیمة الانعام، ثم لعلك تزھو بنفسك ان تدعی کونه ابلا اوبقرا فاما	معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے۔ (مختار الصحاح رازی) ذخیرہ عقبٰی اور صراح کی عبارتیں اوپر گزریں۔ ○ گوسفند معنی میں میش کے جو بز کا مقابل ہے جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے۔ (غیاث اللغات بحوالہ مجیب) ○ جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں فارسی میں میش کہتے ہیں (تقریر مجیب) ○ غنم کی دو قسم ہے۔ معزکہ اس کو بز کہتے ہیں، اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں (شیخ محقق، بحوالہ مجیب) ○ بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ (شامی بحوالہ مجیب)۔ تو ایک طرح اجماع ہوگیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے، جو غنم معز نہیں وہ ضان ہے۔ اور جو ضان نہیں وہ معز ہے۔ تو لامحالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا، اور اگر کچھ شبہ ہو تو اتنا تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے۔ اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں۔ اس امر کی تصریح امام بغوی نے معالم میں اور

---

[1] مختار الصحاح تحت لفظ (المعز) مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۶۲۷

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

ان یکون من المعز او من الضأن، اذا الانعام منحصرۃ فی الاربع بتصریح العلماء کافۃ کما نص الامام البغوی فی المعالم، والامام الرازی فی المفاتیح والعلامۃ الرومی فی ارشاد العقل، والمولی القاری فی المسلك المتقسط، و الفاضل طاہر فی مجمع البحار وغیرھم فی غیرھا لکن الاول باطل اذا المعز ذات شعر، وھذا باعترافك ذات صوف والمعز بُز وبکری و ھذا لیس بھا عند احد من الصبیان فضلا عن علماء اللسان فتعین ان یکو ن من الضان فانظر الی حججك کیف کرت علیك بالحجاج، فان الضان ومیش لوکان مختصۃ عند العرب والعجم بمالہ الیۃ وھذا لا الیۃ لہ بزعمك توجب ان یکون خارجا منھا، فوجب ان یکون داخلا فی المعز وبُز، وقد قفیت علی نفسك انہ لیس منھا، فبطل انحصار الغنم فی نوعین، وقد کنت بھجت بہ نقلا واستنادا، و تعویلا واعتمادا ثم بطلانہ یقتضی ببطلان دعوٰك فان مدار التضحیۃ علی النعمیۃ دون خصوص الالیۃ والضانیۃ۔

الثامن٨: کل ماشقق، ورقق، وظن ان قد دقق من کون میش حقیقۃ فی کذا ومجازا فی کذا او مشترکا بینھا الخ انما ھو علی زعم

رازی نے مفاتیح میں رومی نے ارشاد میں ملا علی قاری نے ملسک المتقسط میں اور فاضل طاہر نے مجمع البحار میں کی ہے۔ اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے۔ اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرات کر ہی نہیں سکتے۔ لا محالہ یہ ضان میں ہی شامل ہوگا، معز یا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے اور معز کے اون نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کا یہ خود کا اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے، تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چکتی مابہ الامتیاز نہیں، ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا، اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور اسی سے آپ کے دعوی کا رد بھی ہوگیا کہ یہ قربانی کا جانور نہیں۔

تنبیہ ہشتم حقیقت و مجاز والی تدقیق کا جواب: اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک، سب کا مبنٰی یہ تھا کہ چکتی کو میش کی حقیقت

ان ماله الیه مغایر بالنوع لما لیست له الیة بالمعنی الذی توهم فظن ادخالها جمیعا یؤدی الی التثلیث و لم یدر انه هو الواقع فیه لما بینا ان هذا الحیوان من الانعام قطعا واذ لیس من البدن فمن الغنم فلو کان نوعا مغایر الذوات الالیات لوجب التثلیث۔

التاسع۹: احسنت اذ ایقنت ان التفسیر بالاعم انما یجوز حیث یقصد التمییز عن بعض الاغیار ولکن دعواك ان ہهنا کذالك فمفسروا الضأن بمیش انما قصدوا المیز عن البعض، کلمة انت قائلها لا برہان لك علیها بل الحجة، ناطقة بخلافها حیث کان المحل لبیان حکم لا یعد والضان کجواز الجزع کما فی عبارة الشیخ المحقق رحمه اللّٰه تعالٰی فی اشعة اللمعات[1] وغیرها۔

العاشر۱۰: انما الخطاب بلغة العرب، فمالم یثبت النقل فالاحتجاج باللغة تام قطعا ولا یدفع بالاحتمال بناء علی ان اهل الشرع قد یصطلحون علی معنی اٰخر، بذٰلك استدل الامام المحقق علی الاطلاق محمد بن الهمام

میں بنیادی دخل ہے۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے، تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہوگئیں، اور انھیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی، بھیڑ کے بعد اس کی تین قسم بنیں گی۔

تنبیہ نہم ذات الصوف تعریف بالاعم نہیں: یہ بات بلاشبہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف و تفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے دعوی کیا ہے۔ لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے۔ بے حقیقت بات ہے۔ بلکہ شہادات اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے جو اضان کے ساتھ خاص ہے جیسے صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ بھی جائز ہے۔

تنبیہ دہم دربارہ لغت فقہاء واوہاء: نیز یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اعتبار فقہاء کی لغت کا ہے نہ کہ ادیبوں کی لغت کا، جب خطاب زبان عرب میں ہے۔ تو جب تک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو ضروری ہے کہ لغوی معنی ہی مراد ہوں اس کی تائید ابن ہمام رضی اللہ تعالی عنہ کے اس

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

على تحريم البنت من الزنا. قال في الفتح لانها بنته لغة والخطاب انما هو باللغة العربية مالم يثبت نقل[1] وتبعه عليه البحر في البحر. والشامي في ردالمحتار وغيرهما من العلماء الكبائر. وهذا الذلم يظهر من الوفاق. فكيف وقد ثبتت مواطاتهم عليه كما مر و ياتي بتوفيق الله تعالى۔ **الحادی عشر**: تظافرت كلمات علماء التفسير و الحديث والفقة. واللغة وغيرها على الميز بين الضان والمعز بالصوف والشعر. قال الامام محى السنة البغوى في معالم التنزيل الضأن النعاج وهي ذوات الصوف من الغنم والمعز ذوات الشعر من الغنم[2] اھ مختصرا. وقال الامام الرازى في تفسير الكبير الضأن ذوات الصوف من الغنم. والمعز ذوات الشعر من الغنم[3] اھ ملخصا وفي المصباح المنير وحيوة الحيوان وغيرهما الضأن ذوات الصوف من الغنم[4] اھ. و	فرمان سے ہوتی ہے کہ "لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کے فرمان وبناتکم میں یہ بھی داخل ہوگی، اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی سے حرام ہوگا"۔ (امام ابن ہمام، بحر، شامی) **تنبیہ یازدہم تفسیر بالاعم کی حقیقت**: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علماء تفسیر وحدیث اور فقہ ولغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو تفسیر بالاعم وغیرہ کی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان قلیل التعداد علماء کے کلام میں جو ایک لفظ خاص "ذات الیۃ" (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں، حوالے: ○ بغوی معالم التنزیل "ضان ونعجہ، نر ومادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں اور بال والی کو معز"۔ ○ امام رازی تفسیر کبیر: "اون والی بکری ضان ہے اور بال والی معز"۔ ○ مصباح المنیر وحیوۃ الحیوان "بکری کی اون

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۸

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[4] المصباح المنیر الضاد مع الاواو الضان مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

فی شرح النقایة، ثم الطحطاوی، و ردالمحتار الضان ماکان من ذوات صوف والمعز من ذوات الشعر[1]۔ وبه فرق بینهما فی البحرالرائق وغنیة ذوی الاحکام، وفتح الله المعین جمیعا عن معراج الدرایة، والیه یشیر حدیث الامام احمد، وابن ماجة، والحاکم، و قال صحیح الاسناد عن زیدبن ارقم رضی الله تعالٰی عنه قال قال اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یارسول الله ماھذا الاضاحی، قال سنة ابیکم ابراھیم علیه الصلٰوة والسلام، قالوا فما فیها یارسول الله، قال بکل شعرة حسنة، قالوا فالصوف یا رسول الله قال بکل شعرة من الصوف حسنة[2]، قال فی المرقات لما کان الشعر، کنایة عن المعز، کنواعن الضان بالصوف[3] الخ، والیه مآل النصوص التسعة المذکورة فی التنبیه السابع، عن العنایة و الجمع، والمرقاة، وشرح الکنز، وذخیرة العقبٰی و القاموس والصراح، ومختار الصحاح،	والی قسم ضان کہلاتی ہے"۔ طحطاوی شرح نقایہ ردالمحتار: "ضان اون والی اور معز بال والی"۔ ○ بحرالرائق، غنیہ ذوی الاحکام فتح اللہ المعین عن معراج الدرایۃ (ایضا) ○ حدیث امام احمد ابن حنبل: ابن ماجہ کا ارشارہ یہی ہے: "زید بن ارقم کہتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا: ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: اس کے ہر بال کے برابر نیکی۔ لوگوں نے عرض کیا:- اون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی"۔ ○ مرقات میں ہے: "حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا۔ تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھ لیا" ساتویں تنبیہ میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرہ عقبٰی، قاموس، صراح، مختار الصحاح،

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] مسنداحمد بن حنبل حدیث زید بن ارقم رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۳

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیۃ المکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

وغیاثك الذی استغثت به من تفسیر الضان بما یخالف المعز وبالعکس اذلو کان الفصل بینهما بشیئ اخص من الصوف لم یکن کل مالیس بضان معز اولا بالعکس بقاء مادة تفارق الصوف من ذٰلك الاخص خارجا منهما جمیعا عدم الضاینة لعدم الاخصی وعدم المعزیة لوجود الصوف، فهذه احد واعشرون نصوصا، سبعة اضعاف ما جئت به کلها قاضیة بهذه التفسیر، ولعل ماترکناه اکثر مما سردنا وقد اعترف الرجل وان لم یعرف فسیقضی العیان ان هذا الحیوان من ذوات الصوف فهو من خصوص الضان فضلا عن عموم الغنم اوالانعام و التعریف بالاعم وان جاز عند الاوائل فلیس بجید بالاجماع۔	غیاث اللغات کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے۔ کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہو تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوا جاتا ہے۔ یہ ۲۱ نصوص ہیں اور جو مذکور نہ ہوئے اس سے بہت زیادہ ہیں، سب اس بات کا فیصلہ کررہے ہیں کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے چکتی سے نہیں، اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی سہی، یہ اعتراف کرلیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا، عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے۔ ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے۔
قال المولی المحقق السید الشریف قدس سره الشریف فی شرح المواقف، اعلم ان اشتراط المساواة فی الصدق مماذهب الیه المتاخرون، واما المتقدمون فقالوا الرسم منه تام یمیز عن کل مایغایر منه وناقص یمیز عن بعض، وصرحوا بان المساواة شرط لجودة الرسم کیلا یتناول مالیس من المرسوم ولا یخلو عما هو منه[1] اھ مختصرا، وقال العلامة حسن چلپی فی حاشیة التلویح لاخلاف فی اشتراط المساوات الجودة التعریف[2]۔ اھ	میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں فرمایا: "متاخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دے دے وہ رسم تام ہے۔ اور جو بعض سے ممتاز کرے رسم ناقص ہے۔ اور تعریف تبھی عمدہ ہے کہ مساوی سے ہو کہ امتیاز کامل حاصل ہو" اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا: تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے"

---

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۴،۵

[2] حاشیہ التلویح مع التوضیح والتویح المطبعة الخیریة مصر ۱/ ۶۷

فحمل کلامهم علی مالیس بجید لیس بجید۔

الثانی عشر ۱۲: لوفرضنا التساوی فی الجودة فلا یرتاب من له عقل ورزق سلیقة مافی فهم الکلام، ان الظاهر المتبادر من التعریف انما هو التساوی ولا یجوز العدول عن الظاهر الا بدلیل، الا تری ان العلامة المحقق سعد الدین التفتازانی رحمه الله تعالٰی صرح فی حاشیة الکشاف کما نقله حسن چلپی فی حواشی التلویح، ان قول الفائق الحمد هو المدح صریح فی الترادف[1] اھ مع انه لو القائل فی التلویح ان کتب اللغة مشحونة بتفسیر الالفاظ بماهوا عم من مفهوما تهما الخ[2]، فلم یمنعه تصریحه هذا عن جعله تفسیر الفائق الحمدبالمدح صریحا فی الترادف، وهل هو الا؛ لان الظاهر هو التساوی مالم یدل علی خلافه دلیل، وبه یجاب عن بحث چلپی، و هکذا قال المولی السید الشریف (رحمة الله تعالٰی) فی شرح الکشساف، قوله الحمد والمدح

تو یہ علماء جس بات کو غیر عمدہ بتادیں، ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔

تنبیہ دوازدہم تشریح مزید: ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے۔ پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی ہے اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلاف نقل و عقل ہے۔

امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ کتب لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے۔"

اس کے باوجود "فائق" کے قول "الحمد ھو المدح" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اورت مدح دو مرادف لفظ ہیں۔" (شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انھوں نے ظاہر متبادر و مساوی پر کلام "فائق" کو محمول کیا۔

ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔ شرح کشاف میں "المدح والحمد"

---

[1] حاشیة التلویح مع التوضیح والتلویح بحواله شرح الکشاف المطعة الخیریة مصر ۱/ ۶۷

[2] حاشیة التلویح مع التوضیح والتلویح بحواله شرح الکشاف المطعة الخیریة مصر ۱/ ۶۷و۶۸

اخوان[1] ای هما مترادفان ویدل علی ذٰلك انه قال فی الفائق والحمد هو المدح والوصف بالجمیل الخ فقد استدل بتفسیر اللغة علی الترادف مع انه مصوب لجواز التفسیر بالاعم کما سیأتی وبالجملة فجواز شیئ شیئ وجواز الحمل علیه شیئ اُخر، فقد یجوز شیئ فی نفسه ولا یحوز حمل الکلام علیه لکونه خلاف الظاهر فلا عدول عنه الا بدلیل زاهر۔	اخوان فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے۔ اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔ پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔
الثالث عشر[١٣]: الحق عندی ان التفسییر بالاعم انما یجوز ان جاز حیث وضح المفاد وقامت القرینة علی المراد، والا فلا قطعا لعرق التغلیط، لما فیه ح من التلبیس والتخلیط، وطریقة اهل اللغة معروفة انهم اذا نکروا عرفوا واذا عرفوا نکروا فاذا قیل اُحد جبل وسعدانة نبت، لو یفهم منه الا انه جبل معین ونبت مخصوص، ولئن قال ان اُحدا الجبل وسعدانة النبت لکان مخطئا قطعا، وان کان لم یرتکب الا تفسیرا بالاعم کیف وانه افهم ان احدا یرادف الجبل والسعدانة النبت وهذا ان کان خفیا علی غبی، فلیس یخفی علی ذکی و اذا کان هذا فی اللغة، فما ظنك بالشرعیات	**تنبیہ سیزدہم توضیح مزید:** اور جو سچ پوچھو تو ہمارے نزدیک اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جبکہ اس سے مراد خاص ہو۔ مثلا اہل لغت کا یہ دستور ہے کہ نکرہ بول کو معرفہ اور معرفہ بول کو نکرہ مراد لیتے ہیں۔ اب انھوں نے کہا "اُحُدُ جبل" و "سَعُدَانَۃُ نبت" تو اس کا ترجمہ ہوا "احد ایک خاص پہاڑ ہے، اور "سعدانہ ایک خاص گھاس ہے" تو یہاں تعریف احد میں ایک عام لفظ جبل بول کر بھی مراد خاص پہاڑ ہو، اور محاورہ نکرہ بول کر معرفۃ مراد لیا ہو، اس موقع پر کوئی جبل کے بجائے الجبل بولے تو خلاف محاورہ اور غلط ہوگا، حالانکہ اس بیچارے نے معرفہ کی تعریف میں لفظ معرفہ ہی استعمال کیا ہے، لیکن اس عبارت سے کوئی یہ نہ سمجھے گا

---

[1] حاشیه علی الکشاف للجرجانی مع الکشاف سورۃ افاتحۃ الکتاب انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۴۶

حیث المحل لبیان الاحکام الالهیة الخاصة بالشیئ، فان التفیسر بالاعم ثم من ابین الاباطیل من دون اقامة قرینة وایتاء دلیل، الاتری ان من علیه کفارة صوم اذ سأل ما تحریر رقبة، فزعم زاعم انه رفع قید عن شیئ حی، فقد اخطأ وجعل سائله عرضة للخطأ فانه ان قنع بقوله فسیظن انه یجزئ عنه اطلاق انسان، اوطلاق نسوان، اوتسبیب حیوان و لذا تری العلماء المحققین من الفقهاء والمحدثین لم یزالوا یواخذون بترك القیود وبانثلام فی عکس، اوانخرام فی طرد یاخذون علی الحدود، ولقد احسن واجاد المولی المحقق محمد بن عبدالله الغزی فی منح الغفار کما اثر عنه فی ردالمحتار اذ یقول فی بیان شناعة الاطلاق فی محل التقیید، ما نصه	کہ اُحد اور الجبل میں ترادف ہے۔ تو سر اس میں یہی ہے کہ تعبیر اول میں محاورہ عام سے مراد خاص ہے اور ثانی میں خاص سے مراد عام ہے۔ اور محاورے کا یہ فرق ہر صاحب فہم پر واضح ہے۔ تو جب لغت کا یہ حال ہے کہ بولیں عام اور مراد لیں خاص، تو شریعت غرا جس میں خاص شیئ کے احکام مخصوصہ کا بیان ہوتا ہے۔ عام بول کر عام ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہوگی، دلیل تنویری: روزہ کا کفارہ قرآن مجید میں ایک گردن آزاد کرنا آیا ہے۔ اگر اب کوئی شخص لفظ تحریر رقبۃ کے معنی عام (زندہ کی قید دور کرنا) مراد لے تو غلط ہوگا کیونکہ ترجمہ کی بنیاد پر بندھے آدمی کو کھولنا، عورت کو طلاق دینا، اور جانور کو چھوڑ دینا، سبھی مراد ہو سکتے ہیں، تو لازم آئے گا کہ یہ سب چیزیں روزہ کا کفارہ بنیں۔ یہیں سے علمائے محققین فقہاء و محدثین کے اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت و منعیت کا لحاظ کیوں کرتے حالانکہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت و منعیت کا لحاظ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس کی مراد ایک جامع مانع محدود ہی ہوتا ہے ــــ علامہ غزی تمر تاشی سے "شامی" نے نقل کیا کہ: حضرت علامہ نے الفاظ عامہ کو محل تقیید میں بھی عام مراد لینے والوں کے خلاف فرمایا:

فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق، فیجری الحکم علی اطلاقه وهو مقید، فیرتکب الخطأ فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء،[1] اھ مثلا فی مانحن فیه ان کان تفسیر الضأن بذات الصوف، وبخلاف المعز و بمیش کل ذٰلك تفیسر بالاعم، فمن وقف علی کلماتهم المتظافرة المتکاثرة المتوافرة فی ذٰلک، فربما یجترح فی تضحیة بذات صوف لیست من الضأن فیأثم بترك الواجب والاصرار علیه سنین متطاولة کما هو حال عامة المسلمین بالدیار الهندیة عالمهم وجاهلهم عند هذا الرجل قد حکم علیهم بالضلال والاضلال فما اضلهم ان ضلوا الا الی هذه التفاسیر بالاعم، وان کان رجل علق ابانة عرسه بالتضحیة، فضحی بهذا یحکم الواقف علی کلماتهم بوقوع البینونة، وهی لم تبن، فیحرم الحلال او بعدمها ففعل ذٰلك یحکم بعدم الوقوع، وهی قد بانت فیحلل الحرام الی غیر ذٰلك الشنائع العظام، ما هجمت تلك الامن تلقاء ذٰلك التفسیر بالعام، فکیف یسوغ ان یحمل کلامهم علی مثل هذا	"جو مقام تقیید میں لفظ کے اطلاق کا سہارا لے کر احکام عامہ جاری کرے گا وہ بیشمار احکام کے فیصلہ میں قضاء اور افتاء غلطی کرے گا۔" مثلاً ہم مسئلہ دائرہ میں ہی لے لیں، ضان کہ جنتی تفسیریں ہیں، جیسے اون والی، جو معزنہ ہو، اور میش یہ سب تعریفیں کے الفاظ بالاعم ہیں، اب کوئی اون والی تعریف کے الفاظ پر غور کرکے بھیڑ ذبح کردے، تو اس نے بقول مجیب غلط نہیں کیا، الابرھان واین البرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔ مگر آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے ایسے تمام لوگوں کو جاہل اور جاہل گر بنایا، یا مثلاً کسی نے اپنی عورت کے طلاق کو قربانی کرنے پر معلق کیا، اور بھیڑ کی قربانی کردی، تو ایک ایسا شخص جو کلمات علماء کے مفہوم ومراد کو سمجھتا ہے۔ بھیڑ کی قربانی کو قربانی قرار دے کر طلاق بائن واقع مانے گا، جبکہ مجیب صاحب عام کو عام رکھتے ہوئے بھی اس کو قربانی کے جانور سے نکال کر طلاق نہ واقع ہونے کا فتوی دیں گے، اب ان دونوں باتوں میں حقیقت امر سے قطع نظر جس کو پہلے صاحب حرام کہہ رہے ہیں، دوسرے صاحب حلال ہونے کا فتوی دے رہے ہیں، تو یہ سارے قبائح اسی تفسیر بالاعم کا شاخسانہ ہیں، تو یہ معلوم ہوا کہ یہ قول ہی غلط ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد فصل فی کیفیة القسمة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

الا ببرھان و این البرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

الرابع عشر[۱۴]: مسألة التحدید ان کانت تؤخذ من جھة التقلید، کما یدل علیه الاستناد بالاھوری، فاجلة ائمة الدین وجھابذة النقاد المحققین مثل الامام فخر الدین الرازی فی شرح الاشارات، والامام صدر الشریعة فی التنقیح، والعلامة القاضی عضد الدین فی المواقف، والقاضی النحریر ناصر الدین البیضاوی فی طوالع الانوار، والعلامة سعد الدین التفتازانی فی التھذیب، والفاضل قطب الدین الرازی فی شرح الشمسیة، و المحقق شمس الدین محمد بن حمزة الفناری فی فصول البدائع فی اصول الشرائع وغیرھم من الاکابر المصرحین بان المعرف لا بدله من التساوی، فلا یجوز التعریف بالاعم، ولا بالاخص، احق بالاتباع وان شئت نقلت لك نصوصھم، ولا یخفی علیك ان المسألة شھیرة دائرة، وفی کتب الکلام و الاصول والمیزان سائرة، فالاستناد الی اللاھوری کیفما کان من ابعاد النجعة لاسیما وکتابه فی النحو، ولیست المسألة من مسائل ذا النحو۔

تنبیہ چہاردہم حد کے تقلیدی ہونے کی بحث: تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں تقلیدی ہے۔ مطلب یہ کہ عام سے اگر تعریف جائز ہے تو بزور قیاس اس کور دور نہیں کر سکتے جیسا کہ مجیب نے اس مسئلہ میں فاضل لاہوری کی سند پکڑی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسئلہ تقلیدی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ تقلیدی کن لوگوں کی کی جائے اور جن کی تقلید کرتا ہے وہ کیا کہتے ہیں۔ تو امام رازی شرح اشارات میں صدرالشریعہ تنقیح میں، قاضی عضدالدین مواقف میں، قاضی بیضاوی طوالع الانوار میں، تفتازانی تہذیب میں، قطب رازی شرح شمسیہ میں امام فناری اصول بدائع میں، وغیرہ اکابر علمائے اعلام تصریح فرماتے ہیں کہ تعریف کے لئے تساوی ضروری ہے۔ نہ تو معرف عام تعریف میں چلے نہ خاص، تو ان علماء کی بات مانی جائے گی کہ فاضل لاہوری کی، جبکہ ان کی کتاب فن نحو کی کتاب ہے، اور یہ مسئلہ علم نحو کا نہیں۔

والخامس عشر[۱۵]: الاوائل ان جوزوا التعریف بالاعم وھو الاقرب حیث لابُعد، کما قدمت فقد جوزوا التعریف بالاخص ایضا، والدلیل الدلیل فان عندھم لیس من شریطة التفسیر الا التمییز عن بعض ما یغایر، وھو حاصل فی الکل بل قد یمکن ان یحصل بالمباین فالقصر قصور، بل لك ان تقول ان من قبل الاعم فھو الاخص اقبل، لانه یمیز المعرف عن کل ماعداہ، کما ھو ظاھر وقد نص علیه الحسن چلپی فی حواشی المواقف وغیرہ فی غیرھا. قال المحقق الشریف فی شرحھا اما المتقدمون فقد جوزوا الرسم بالاعم و الاخص، وایدہ بان المعرف لا بد ان یفید التمیز عن بعض الاغیار، واما عن جمیعھا فلیس شرطا له، فالمساواۃ شرط للمعرف التام دون غیرہ، حدا کان او رسما[1] اھ وکذلك ایدہ ایضا فی حواشیه علی شرح المطالع کما نقله چلپی فیھا، وقال قدس سرہ فی حواشیه علی شرح الشمسیة الصواب ان المعتبر فی المعرف تمییزہ عن بعض ماعداہ، اما عن الکل فلا فالاعم والاخص یصلحان للتعریف[2] اھ.

تنبیہ پانزدہم متقدمین کا مسلک: متقدمین نے جس طرح اعم سے تعریف جائز رکھی (اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، جیسا کہ ہم نے بھی بیان کیا) انھوں نے اخص سے بھی تعریف کو جائز رکھا اور مبائن سے بھی امتیاز ہوجائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جمیع ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں، بعض مشترکات سے بھی تمیز حاصل ہوجائے تو تعریف جائز ہے۔ پس لفظ عام کی ہی کوئی خصوصیت نہیں رہی اخص بلکہ مبائن سے بھی تعریف جائز ہوئی۔ بلکہ اخص تو جمیع ماعدا سے ممتاز بھی کردیتا ہے۔ البتہ کچھ فرد کو اپنے سے بھی خارج کردیتا ہے۔

شہادتیں: ○ متقدمین نے اعم اور اخص دونوں سے تعریف جائز رکھی۔

دلیل یہ دی کہ تما مشترکات سے تمیز دینا مقصود نہیں، بعض اغیار سے تمیز مقصود ہوتی ہے۔ البتہ معرف تام کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات حد و رسم کے لئے عام ہے۔

(حاشیہ شرح مواقف میر سید شریف وشرح مطالع حسن چلپی)

○ معرف میں بعض ماعدا سے امتیاز مطلوب ہوتا ہے تمام ما عدا سے نہیں، تو خاص اور عام دونوں تعریف کی صلاحیت رکھتے ہیں (شرح شمسیہ میر سید شریف)

---

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۶، ۵

[2] لوامع الاسرار ھاشیة علی شرح مطالع الانوار

وكذلك صححه المولى العلامة بحرالعلوم قدس سره فی شرح السلم. فقال المتقدمون قالو ان كان الغرض الامتیاز عن كل ماعداه، فلا یجوز الاالمساوی والاخص، ان لم یكن الاعم ذاتیا له۔ وان كان الغرض الامتیاز عن بعض الاغیار، فیجوز بالاعم والاخص والمساوی، واما المباین فان كان یورث الامتیاز فلا حجر فی التعریف به لكنه نادر جدا، ووجه حقیة هذا المذهب ظاهر، فان الحاجة الی جمیع الاقسام المذكورة ثابتة، فاسقاط البعض عن درجة الاعتبار غیر لائق[1] اھ الكل مختصر واذا جاز الامران، فمن این لك ان اطباق المترجمین قاطبة، علی التفسیر بمیش، وتفسیر اكابر العلماء من الفقهاء والمفسرین والمحدثین، واللغویین بذات الصوف، اوبخلاف المعز، وهوالخارج من جادة الجودة، دون تفسیر البعض لصاحبة الالیة، وما یدریك لعل الثلثة الاول هی التفسیر بالمساوی، وهذا تفیسیر بالاخص و لم تكن بیدیك علقة شبهة تدعوك الی ما ادعیت الا الاغترار بهذا الفظ فحسب، وقد شرد عنك وبردلنا ما قدمنا ونذكر بعد ولله الحمد من قبل ومن بعد۔

متقدمین کہا کہ کل ماعدا سے امتیاز مطلوب ہو تو مساوی یا اخص کے سوا جبکہ عام اس کا ذاتی نہ ہو، کسی سے بھی تعریف جائز نہیں، اور اگر غرض بعض ماعدا سے امتیاز ہو تو اعم واخص اور مساوی سبھی سے جائز ہے۔ اور مبائن سے امتیاز ہوسکے، تو اس سے بھی تعریف جائز ہے لیکن ایک نادر الوجود بات ہے اور اس مذہب کی حقانیت ظاہر ہے کیونکہ وقت وقت سے ضرورت سارے ہی اقسام کی پڑی ہے۔ تو بعض کو ترجیح دینا اور بعض کو ترک کرنا غلط ہے (شرح سلم بحر العلوم)

تو ثابت ہوا کہ عام کی کوئی تخصیص نہیں خاص وعام دونوں ہی سے تعریف ہوسکتی ہے پس آپ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ علمائے محققین مفسرین و محدثین کی ان تینوں تعریفوں کی (میش، اون دار، خلاف ماعز) تو آپ ساقط الاعتبار گردانیں اور بعض حضرات نے "صاحب الیہ" تفسیر کردی تو وہ قابل اعتبار ہوگئ، کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ تینوں تعریفیں مساوی کے ساتھ ہوں، اور چکتی والی تعریف بالاخص ہو، ہمارے اس نظرئے کے خلاف خوش اعتماد کے سوا اور کوئی دلیل نہیں، تو مسئلہ بالکلیہ ہمارے موافق ہوگیا۔

---

[1] شرح السلم لبحرالعلوم فصل المعرف الشیئ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۱۸

السادس عشر[١٦]: استشهادك بمن التبيعضية ان تمشيئ، ففي عبارة شرح النقاية دون سائر عبارات التي نقلنا بعضها، ثم لاحجة لك فيها ايضا فان ما في قوله ماكان من ذوات الصوف[1] للاستغراق والغردية تاتي بالبعضية فمن في محلها قطعا من دون دلالة على عموم الحد، والمعنى ان الضأن اسم كل فد من ذوات الصوف، كان تقول على ما اشتهر باقتفاء، اٰثار الفلاسفة المبطلة ان الانسان اسم كل من كان من اهل النطق، افيفهم منهم ان الناطق يعم الانسان وغيره وانظر الى عبارة نفسك حيث نزلت عن ادعاء التفسير بالاعم و اتيت على تعبير المساوات بين الضأن و ذات الصوف على قول مخالفک، فقلت لو قبل ان غرضهم من تفسير الضأن بميش ان الضأن ما كان من ذوات الصوف سواء كان له الية اولا، كما ان ميش كذٰلك الخ فاين ذهب عنك ههنا من التبعيضية۔	**تنبیہ شانزدہم تعریف میں من تبیعضیہ کی تحقیق:** صرف شرح نقایہ کی عبارت میں لفظ من آیا ہے، ماکان من ذوات الصوف (جو اون دار میں سے ہو) اس کو بعض کے معنی میں لے کر یہ سہارا پکڑنا کہ یہاں مراد تمام صوف والے نہیں بلکہ بعض صوف والے ہیں (یعنی دنبہ) غلط ہے، کیونکہ اس سے قبل ما کان ہے۔ جو استغراق کے لے ہے، تو یہاں مِنْ جو تبعیض کے لئے آتی ہے کلی کے افراد پر فرداً فرداً دلالت کے لئے ہے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ ضان نام ہے اون والے جانور میں سے ہر ہر فرد کا، تو من کی تبعیض بھی سلامت رہی اور ماکا استغراق بھی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ فلاسفہ نے انسان کی اوندھی سیدھی جو تعریف کی ہے: الانسان حیوانٌ ناطقٌ۔ اس کی تعبیر کوئی یوں کرے: الانسان اسم لکل ماکان من اھل النطق (انسان ہر اس کا نام ہے جو نطق والوں میں سے ہو) تو کیا اس مثال میں کوئی یہ گمان کرسکتا ہے کہ ناطق انسان سے اعم ہے۔

مجیب اگر خود اپنی عبارت پر غور کرے تو اپنے اس غلط استشہاد سے رجوع کرے کیونکہ جب اس پر یہ اعتراض ہوا کہ علماء نے فارسی میں ضان کو میش کہا، اور یہی چیز اردو میں بھیڑ کہی جاتی ہے لہٰذا بھیڑ ضائن میں داخل ہوئی، تو اس نے کہا اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ "ماکان من ذوات الصوف

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶

میش سواء کان له الیة او لا" (جو اون والی ہے میش ہے۔ اس کے چکتی ہو یا نہ ہو)

دیکھئے یہاں بھی من تبعیضہ ہے، لیکن مجیب نے اس چکتی دار اور غیر چکتی دار دونوں میں عام مانا، یہاں مِنْ تبعیضہ کا سہارا لے کر صوف دار کو ضان سے عام نہیں مانا۔

پس معلوم ہوا کہ ان تعفریفوں میں مِنْ کا سہارا لینا بھی غلط ہے۔

السابع عشر ۱۷: استنادك بعموم حد المعز لايغنى عنك شيئا فان عموم قرين لايدل على عموم صاحبه، وقد نص العلماء على ان الاستدلال بالقران فى الذكر من افسد الدلائل، وايضا ليس اسلوب الكلام فيه كمثله فى الضان لعدم ما الافرادية هنا وكان هذه هى نكتة التغيير ان كان القهستانى لا يخص الشعر بالمعز، على انا رأينا العلماء يخصون، قال العلامة على القارى فى المرقاة تحت حديث زيد ؓ المذكور رضى الله تعالٰى عنه ان الشعر مختص بالمعز، كما ان الوبر مختص بالابل، قال تعالٰى "وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾" و لكن قد يتوسع بالشعر فيعمم [1] اھ، وسيأتيك من كلام المفسرين مايميل اليه ميلا ظاهرا، مع ان الكلام ههنا فى الغنم فغيره خارج عن المقسم، فلم يكن فى شيئ	**تنبیہ ہفدہم قرآن فی اللفظ کی بحث:** (علماء نے ضان کی تعریف میں ماکان من ذوات الصوف کہا (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں ماکان ذوات الشعر (جو بال والا ہو) کہا: ا سے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان میں داخل مانتے ہیں کہ علماء نے ضانیت کا مدار اون پر رکھا چکتی پر نہیں)۔ اس کا جواب مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ توجب ہو جب ہم یہ تسلم کرلیں کہ "مَالَه صُوْف" کا لفظ ضان کے مساوی ہے۔ حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اسی کے ساتھ ماله شعر کہہ کے بکری کی تعریف کی گئی ہے۔ تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے تو گائے اور بھینس بھی جو بالدار ہیں، بکری بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دونوں ہی کی تعریفیں لفظ عام سے فرمائی ہیں۔ مجیب کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اس جواب کا مدار اس قاعدے پر ہے کہ "جو دو ۲ جملے لفظ میں

---

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

من التعریف بالاعم۔	ساتھ ساتھ ہوں ان دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوتا ہے" جبھی تو مجیب یہ کہہ رہا ہے کہ معز کی تعریف "**مَالَہ شَعْر**"میں شعر عام ہے۔ تو"**مالہ صوف**"میں صوف عام ہونا چاہئے، حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے فاسد اور غلط ہے۔

(الف) علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ "**قران فی اللفظ قرٰان فی الحکم**" لفظ میں ساتھ ہونا محکم میں ساتھ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ اس لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ "**مَالَہ شَعْر**" عام ہو تو "**مَالَہ صَوْف**" بھی عام ہو۔

(ب) شاید اسی لئے قہستانی نے ضان کی تعریف میں "**مَاکَانَ مِنْ ذَوَاتِ الصُّوْفِ**" لفظ ماکان کے ساتھ، اور معز کی تعریف میں صرف "**من ذوات الصوف**" لفظ ماکان کے بغیر کہا، یعنی یہ اسلوب بدلنا اسی لئے ہوا کہ ایک جگہ عام اور ایک جگہ مساوی مراد ہو۔

(ج) معز کی تعریف میں لفظ شعر، معز کے مساوی ہے۔ یہ خیال غلط ہے کہ عام ہے۔ ملا علی قاری وغیرہ علماء کے نزدیک بکری کے بال کو ہی شرع کہا جاتا ہے، اس لئے بھینس اور گائے کے شمول کا کوئی سوال نہیں۔

" بیشک بال بکری کے ساتھ خاص ہے، جیسا وبر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں "**مِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا**"[1] فرمایا کہ صوف ضان کے لئے، وبر اونٹ کے لئے، اور شعر بکری کے لئے، البتہ محاورہ میں مجازا دوسرے بال کے لئے بھی شعر کا اطلاق ہوجاتا ہے"۔ (ملا علی قاری مرقات زید حدیث زید)

(د) گائے، بیل اور بھینس سے اعتراض بیکار ہے کہ وہ یہاں مقسم میں شامل ہی نہیں، کلام تو غنم میں ہے کہ غنم کی دو قسمیں ہیں مالہ صوف ومالہ شعر، تو لفظ مساوی مان کر بھی حصہ کامل ہوگیا۔

الثامن عشر[۱۸]: کلا بل لا مساغ ھٰھنا لادعاء العموم، فان العلماء صرحوا ان الصوف مختص بالضان، قال العلامۃ کمال الدین الدمیری	**تنبیہ ہیزدہم لفظ ضان اور صوف کی تحقیق**: ضان کی تعریف مَالَہ، صَوْفٌ میں لفظ صوف ضان سے اعم ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کہ تعریف بالاعم ہے۔

---

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

فی حیوۃ الحیوان لیس الصوف الاللضان [1] اھ وقال الامام الرازی فی مفاتیح الغیب تحت الأیۃ المتلوۃ اٰنفا قال المفسرون واھل اللغۃ الاصواف للضان، والاوبار للابل۔والاشعار للمعز [2] اھ، وقال القاضی فی انوار التنزیل الصوف للضائنۃ، و الوبر للابل والشعر للمعز [3] اھ قال العلامۃ المفتی ابو السعود فی ارشاد العقل الضمائر للانعام علی وجہ التنویع ای وجعل لکم من اصواف الضان والاوبار الابل، واشعار المعز اثاثا [4] الخ وقال محی السنۃ فی المعالم یعنی اصواف الضان، واوبار الابل، واشعار المعز [5] اھ، فلو وجد الصوف لشیئ من الانعام سوی الضان، والکنایۃ الالٰھیۃ انما ھی للانعام، ما ساغ لھم الحکم علی کلام اللہ عزوجل بخصوص العنایۃ مع عموم الکنایۃ، وقد اسمعناك کلام المرقاۃ مفرقا	کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ صوف ضان کے بال ہی کو کہتے ہیں، ○ صوف صرف ضان کے بال کو کہتے ہیں (حیوۃ الحیوان دمیری) ○ اہل تفسیر ولغت فرماتے ہیں کہ صوف ضان کا بال، وبر اونٹ کا بال اور شعر معز کے بال کے لئے خاص ہے۔ (مفاتیح الغیب للرازی) ○ صوف ضائنہ کے لئے، اور وبر اونٹ کے لئے اور شعر معز کے لئے (قاضی بیضاوی) ○ ضمائر الانعام کے لئے ہیں، اور اس کے ہر نوع پر تقسیم بھی ہے یعنی تمھارے لئے ضان کے صوف اونٹ کے وَبر اور معز کے بال بنائے، (ارشاد العقل المفتی ابوالسعود) ○ یعنی ضان کے صوف، اونٹ کے وبر اور معز کے بال (تفسیر خازن) کلام الٰہی میں ان تینوں ضمیروں کا مرجع جو تینوں بالوں کے ساتھ ہیں لفظ انعام ہے تو اگر فی نفسہ انعام میں سے کسی اور جانور کا بال بھی صوف کہلاتا، تو مفسرین کو ہرگز یہ جرات نہ ہوتی

---

[1] حیوۃ الحیوان باب الغین المعجمۃ تحت الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۰/ ۹۲

[3] انوار التنزیل (تفیسر البیضاوی) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر نصف اول ص ۲۷۷

[4] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۳

[5] معالم التنزیل علی ہامش (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۷

فی موضعین، فاجمعۃ فانہ یدلك بفحواہ علی ان الصوف مختص بالضأن، وہو المستفاد من تفاسیر اللغۃ، وبالجملۃ من عرب لسان العرب لم یعرب عنہ ان الصوف لیس الا للضأن، فاما ان یعم افرادہ کما ہوا لواقع فمساو او لا فاخص وعلی کل فلا تکون ذات الصوف الامن الضأن، وقد اعترفت ان حیوا ننا ہذا من ذوات الصوف فوجب ان یکون من الضأن وفیہ المطلوب باتم شان۔

التاسع عشر ۱۹: کان من قولی فیما سلف مایدریك لعل الثلثۃ الاول ہی التفسیر بالمساوی ہذا بالاخص والاٰن اقول قابضا للعنان بعد ما ارخیت مالی ترجیت وقد قضیت، اما تفطنت بما فی السابع والحادی عشر القیت، ان لو قصرت الضأنیۃ علی شیئ اخص من الصوف بطل حصر الغنم فی نوعین فوجب ان یکون التفسیر بالمساوی، والتعریف بذات الالیۃ التعریف بالاخص علی ما توہمت من معناہا و النظر حقیقۃ لم تبع مرماہا۔

العشرون ۲۰: ہل لك اجالۃ نظر فی کلمات الائمۃ الکرام، فانہم یتکلمون

کہ اللہ تعالٰی نے کس عام فرمایا، یہ خاص کریں صاحب مرقات کے متفرق کلام جو ہم نے دو۲ جگہ لکھا، ملاؤں تو ان کا فرمان بھی یہی ہے کہ صوف صرف ضان کے لئے ہے پس ایسی صورت میں صوف کو اگر دونوں (بھیڑ اور دنبہ) کے لئے عام مانا جائے تو مساوی کے ساتھ تعریف ہوئی ورنہ اخص کے ساتھ اعم کے ساتھ تعریف کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

تو ثابت ہوا کہ ضان صوف والا ہے۔ اور ہمارا یہ جانور بھی صوف والا ہے۔ لہٰذا اب بات واضح طور پر ثابت ہو گئی کہ بھیڑ بھی ضان ہی ہے،

تنبیہ نوزدہم تعریف بالاعم اور تعریف بالاخص: میں نے پہلے کہا تھا، ہو سکتا ہے کہ ضان کی پہلی تعریف لفظ مساوی سے ہو اور "الیۃ" چکتی والی تعریف اخص کے ساتھ ہو، اب میں قطعیت کے ساتھ اسی بات کو دہراتا ہوں کیونکہ میں بتا چکا ہوں کہ اعم مانتے ہیں "**غنم**" کا حصر اس کی دونوعوں میں ختم ہو جائے گا، اور بھیڑ تیسری قسم ہو جائے گی۔

تنبیہ بستم ائمہ وعلماء کے فتاوے: یہ لطیفہ بھی قابل ملاحظہ ہے دنبہ جس کے چکتی ہوتی ہے اگر کسی کے خلقۃ

فیما اذا خلقت شاۃ بلا الیۃ ہل تجوز التضحیۃ بہا، فمذھب امامنا الاعظم والھمام الاقدم سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام الائمۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھم ان نعم، وھو الاصح عند الائمۃ الشافعیۃ رحمھم اللہ تعالٰی وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لاتجوز التضحیۃ بشاۃ کذا وانا اسمعك اولا کلمات العلماء قال الامام الاجل فقیہ النفس فخر الدین الاوز جندی فی الخانیۃ، الشاۃ اذا لم یکن لھا اذاولا ذنب خلقۃ تجوز، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا یکون ھذا ولو کان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز[1] اھ ثم قال وان کان لھا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز اما علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فظاھر لان عندہ لو لم یکن لھا اذن ولا الیۃ اصلا جاز، فصغیرۃ الاذنین اولی، واما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی صغیرۃ الاذنین جائزۃ، وان لم تکن لھا الیۃ والاذن خلقۃ لاتجوز[2] اھ وفی الاجناس ثم الخلاصۃ ثم الھندیۃ وعن

چکتی ہو ہی نہیں، اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ امام اعظم ہمام اقدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایسے دنبہ کی قربانی جائز ہے" امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: "یہی صحیح ہے" امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: "ایسے کی قربانی صحیح نہیں ہے"۔

بکری کا کان اور دم پیدائشی طور پر غائب ہو تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔:۔ "ناجائز ہے۔"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے-: "جائز ہے۔" (فقیہ النفس امام قاضی خان)

اگر دنبہ کی چکتی دم ہی کی طرح خلقۃ چھوٹی ہو؟ "امام اعظم جب بے کان اور دم کی جائز قرار دیتے ہیں تو چھوٹے کان میں کیا رکھا ہے۔ یہ بھی جائز ہوگی"

"امام محمد کے یہاں صرف صغیر الاذن کی جائز ہے، خلقی کان چکتی نہ ہو تو جائز نہیں" (قاضی خاں الامام فقیہ النفس)

"اجناس میں ہے کہ اگر دنبہ کی چکتی کان کی طرح چھوٹی ہو قربانی جائز ہے۔ اور اگر مطلقًا ہو ہی نہیں تو امام کے یہاں ناجائز ہے" (اجناس، خلاصہ، عالمگیری، اخیرین میں میں نے خود دیکھا عبارت

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

الاخیرین، نقلت واللفظ للوسطی، فی الاجناس ان کانت للشاة الیة صغیرة خلقت شبه الاذن تجوز، وان لم تکن لها الیة خلقت کذٰلك قال محمد رحمه الله تعالٰی لا تجوز[1] اھ وفی وجیز الامام الکردری التی لا الیة صغیرة تشبه الذنب تجوز، وان لم تکن لها الیة خلقة فکذٰلك وقال محمد رحمه الله تعالٰی لا تجوز[2] اھ، وفی خزانة المفتین لا تجوز السکار وھی التی لا اذن لها خلقة، کما لا ذنب لها خلقة او لا الیة لها خلقة[3] اھ وفی الانوار للامام یوسف الاردبیلی الشافعی تجزئ، التی خلقت بلا ضرع او الیة اوقرن[4] اھ وفی حیوة الحیوان للکمال الدمیری الشافعی تجزئ الشاة التی خلقت بلا ضرع او بلا الیة علی الاصح[5] اھ فظھر باتفاق القولین ان الالیة لیست من ارکان حقیقة الضان بحیث ان لو عدمت لم تکن ضأنا. اما علی قول الامام الاعظم فظاھر فانه یجیز التضحیة لها وان لم تکن لها الیة خلقة اصلا، واما علی قول محمد	خلاصہ کی ہے) "وہ دنبہ کی اس کی چکنی چھوٹی دم کے مشابہ ہو یا ہو ہی نہیں اس کی قربانی جائز ہے، امام محمد کے یہاں ناجائز ہے۔" (وجیز امام کردری) "سکار جس کے خلقۃً کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، ایسے ہی جس کی دم یا چکتی نہ ہو" (خزانۃ المفتین) "جس کے خلقۃً تھن یا چکتی نہ ہو اس کی قبانی جائز ہے" (امام ابویوسف اردبیلی شافعی) "جو پیدائشی طور پر بے تھن اور چکتی کا جانور ہو صحیح یہی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے" (حیوۃ الحیوان دمیری) ان دونوں فتووں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چکتی ضان کی حقیقت کا جز نہیں کہ یہ نہ ہو تو جانور ضائن کے بجائے کچھ اور ہوجائے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو یہ امر بالکل واضح ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی، کیونکہ بے چکتی شاۃ کی بات کررہا ہے اگر چکتی حقیقت کی جز ہو تو انکی عبارت "لاالیة له" کے معنی یہ ہوجائیں گے اگر بکری بکری ہی نہ ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے: اور ایسی ردی عبارت

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاضحیۃ الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۱، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۹۳

[3] خزانۃ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[4] الانوار الاعمال الابرار

[5] حیاۃ الحیوان باب الشین المعجمہ (الشاۃ) مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۲

رحمة الله تعالٰى فلانه يتكلم على شاة لاالية لها، فلو كانت الالية ركن حقيقتها لكان معنى قوله ان لو لم تكن الشاة شاه لم تجز الا ضحية بها، وهذا قول غسل رذل اشبه شيئ بالهزل لايجوز صدوره عن عاقل فضلا عن امام مجتهد كامل۔ فانظر الاٰن الى دندنتك اين مدت عنك فى غاية ام قفار بل اجتثت من فوق الارض مالها من قرار والحمد الله على توالى اٰلائه كقطر المطر وامواج البحار۔

الحادی والعشرون[21]: یاھذا اصنع واتبع ان اطعتنی ذهبت بك الى حيث يلمع الحق من دون حجاب و يزيل عنك كل تحير واضطراب، حقيقة الامر ان الاطراف فى الحيوان تجرى مجرى الاوصاف كما نصوا عليه قاطبة ولذا لايقابلها شيئ من الثمن، حتى انه اذا اشترى جارية فاعورت فى يد البائع قبل التسليم لاينتقص شيئ من الثمن، وكذٰلك اذا اشترى جارية فاعورت فى يد المشترى، ثم اراد ان يبيعها مرابحة كان له ذٰلك من دون حاجة الى البيان كما فى الهداية وشروحها، كفتح القدير و غاية البيان وغيرهما وان سالت سردت لك نصوصها واوصاف الشيئ

تو کوئی عام عربی بھی نہیں بول سکتا، چہ جائیکہ امام للغۃ والفقہ امام محرر المذھب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔

تنبیہ بست ویکم حیوان کے اعضاء کا حکم: میری مانو تو میں تم کو نور حق کے سامنے کھڑا کروں گا، جہاں کوئی حجاب نہ ہوگا، اور ہر قسم کے خطرات دور ہوجائیں گے۔

واقعہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء وجوارح اوصاف کے مرتبہ میں ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں دام کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔

"کسی نے ایک باندی خریدی، ابھی بائع کے ہی پاس تھی کہ بھینگی ہوگئی، دام میں سے کچھ کم نہ ہوگا، یونہی کسی نے باندی خریدی، وہ مشتری کے قبضہ میں اگر بھینگی ہوگئی اور مشتری کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو منافع پر (مرابحۃً) بیچنا چاہتا ہے تو اسے بتانے کی ضرورت نہیں

لا تدخل فی سنخ قوامه، وقد افادوا کما علمت انها کالاعراض المفارقة لا انتفاء للحقیقة بانتفائها، فانعدام الالیة رأسا لایخرج الضأن عن الضانیة، کما لو خلق انسان بلاید لا یخرج عن الانسانیة، وانما مدار التعریف ههنا ان ہذا الوصف لایوجدا لا فی ہذه الحقیقة ینتقل الیها الذهن منه بهذه الوجه لا انها لا توجد الابه، فمعنی قول القائل الضأن ماهو الیة النوع الذی تتحقق فیه الالیة الا انه لایکون ضانا مالم تکن له الیة، اتقن هذا فقد جلیت لك جلیة الحال بغیر مریة۔	کہ یہ میرے یہاں آکر عیبی ہو گئی ہے۔" میں اس موضوع پر کثیر نصوص پیش کر سکتا ہوں کہ اطراف حیوان کا حکم اوصاف کا ہے۔ اور اوصاف کسی شے کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ علماء نے بیان فرمایا ہے۔ اور آپ بھی جانتے ہوں گے یہ ان اعراض مفارقہ کی طرح ہیں جن کے انتفاء سے حقیقت منتفی نہیں ہوتی، تو ضان بھی چکتی نہ ہونے کی صورت میں ضان سے نہیں نکل سکتا، جیسے وہ آدمی آدمی ہی رہتا ہے جس کے پیدائشی ہاتھ نہ ہو، اس وصف کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ وصف اس حقیقت میں پایا جاتا ہے تو اس وصف سے ذہن صرف اس حقیقت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت اس وصف کے بغیر پائی نہیں جاتی

تو "ماتکون له الیة" کا مطلب یہ ہوا کہ ضان جانور کی وہ قسم ہے کہ اس میں چکتی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ بے چکتی کا ضان ہوگا ہی نہیں۔

الثانی والعشرون[۲۲]: هذا ما سایرناك فیه، وانت تزعم ان الالیة هی الضخمة الکبیرة العریضة السمینة المحتویة علی لحم کثیر وشحم غزیر، المعروفة فی لسان الهند بچکتی، وهو زعم باطل لادلیل علیه، و انما الالیة طرف الشاة لا یشترط فیها کبر ولا صغر و لا طول ولا قصر، قال فی مجمع البحار نقلا عن نهایة ابن الاثیر	**تنبیہ بست ودوم چکتی کی بحث:** اب تھوڑی دیر چکتی پر بحث ہو جائے، آپ سوچتے ہوں گے کہ "الیة" (چکتی) جبھی ہو گی جب اس پر خوب گوشت، چربی، اور وہ خوب چوڑی ہو، جس کو ہندی میں چکتی کہتے ہیں، تو یہ ایک زعم باطل اور بلا دلیل ہے۔ "الیه" بکری کی دم کو کہتے ہیں، اس میں چھوٹے اور بڑے، لانبے اور ناٹے ہونے کی شرط نہیں، حوالے ملاحظہ ہوں، "الیات" الیة کی جمع، بکری کی دم کو کہتے

الیات جمع الیة وھی طرف الشاة[1] اھ وفسرھا فی القاموس بما رکب العجز من شحم ولحم[2] اھ وقد شرحنا عن ذا لعضو لھذا الحیوان الذی نتحاور فیه فوجدناه یحتوی علی لحم وشحم فتم معنی الالیة۔ وقد مناه کلمات العلماء الکرام ان الالیة ان کانت صغیرة تشبه الذنب جازت الاضحیة وھذه الایا الشاة التی توجد فی بلادنا، فجزئیتها منصوص علیها فی الکتب المذہبة، وظھر انها یصدق علیها ما لها الیة، وان ابیت الا اللجاج فابرز لنا ماعندك فی الحجاج وآبِنْ ماحد الیة ورسمها، وعلی ای حد یجب ان یکون حجمها بحیث لو صغرت عنه لم تکن الیة وبین الالیة التی تشبه الذنب خلقة، وکیف تکون هذه فی ہیأتها، وکمك تکون فی بسطتها واثبت کل ذٰلك بکلام ائمة الشان، لا بهوی النفس وهفوات اللسان، فان لم تفعل و لن تفعل فاقتف الحق حیث ظهر، فان من لم یر الشمس وھی بازغة، فعلیه التسلیم لاھل النظر۔	ہیں۔ (مجمع نقلا عن ابن اثیر) "ریڑھ کی آخری ہڈی پر جو چربی، یا چربی اور گوشت درنوں چڑھ جاتی ہے اسی کو الیہ کہتے ہیں (قاموس) اور بھیڑ کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی دم پر بھی گوشت چربی الود ہوتا ہے تو اس کو الیہ کون نہ کہے گا علماء کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ معمولی چکتی والے کی قربانی جائز ہے۔ تو کیا یہی مسئلہ بھیڑ کا جزئیہ نہ تھا تو بیشک اس بھیڑ پر بھی لہا الیۃ کی تعریف صادق ہے۔ اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ چکتی کی لمبان چوڑان کیا ہوگی کہ اس سے کم کو چکتی کے بجائے دم کہا جائے، اور زرا اس چکتی کا بھی خیال رہے۔ جس کو فقہاء نے دم کی طرح چھوٹا کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ائمہ اعلام کے کلام سے ثابت کرنی ہوگی زبانی جمع خرچ کی سند نہیں۔
الثالث والعشرون[٢٣]: تقرر مما تحرر ان الفقهاء فسروا الضان بثلثة تفاسیر	**تنبیہ بست وسوم تعریفوں میں عدم تضاد:** گزشتہ تحریروں سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ علماء نے ضان

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الهمزة مع للام تحت (الی) مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۹۷

[2] القاموس المحیط باب الواؤ والیاء فصل الهمزه مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۰۲

ذات الصوف وذات الالية، وخلاف المعز من الغنم، وترجموه بميش، والقينا عليك ان عند بيان الاحكام لايجوز التعريف وكذا الترجمة الا بالمساوى، لما فى غيره من المساوى، فثبت ان الا ربعة بل الخمسة خامسها بھیڑ، كلها متساوية فيما بينها ومساوية لمحدودها وان كل ذات صوف، ذات اليه، وبالعكس وانما مطمح النظر كما وصفنا الشان النوعى لا الفعلية الفردية كما هو المرسوم فى كثير من الرسوم، كالتحرك الارادى والمشى، والضحک، و الكتابة، فى الحيوان والانسان، كما لايخفى على ذوى الشان فظهر ان الذى بضئين بلا دنا الية جزما، وان كان شابه الذنب حجما وانه المنصوص عليه صورة و حكما وان لا خلاف بين التفاسير، وان ليس ہنا باعم ولا اخص التفاسير وان ليس هنا باعم ولا اخص تفسير وان الكل متحد مآلا، وان لاتثليث فى الانواع بمالا اليه، ومالا۔ وانما كان كل ذٰلك شقشقة هدرت عن واهمة بدرت هكذ ينبغى التحقيق والله ولى التوفيق۔

الرابع والعشرون[۲۴]: به تبين ان صغر الالية ودقتها بحيث تشبه الذنب كما فى اضؤنا هذه ليس من النقص فى شيئ

کی تین تفسیریں کی ہیں۔ اون والا چکتی و، معز کے علاوہ، اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ میش کیا اور ہم یہ ثابت کر آئے کہ احکام مخصوصہ کے بیان کے وقت ترجمہ ہو یا تعریف، مساوی کے علاوہ نہیں ہو سکتی، تو پتہ چلا کہ مذکورہ بالا چاروں لفظ بلکہ ہندی کا بھیڑ مل کر پانچوں لفظ آپس میں مساوی ہیں، ان کا محدود و مفہوم شے واحد ہے۔ تو جو اون والی ہے وہی چکتی والی ہے۔ اور جو چکتی والا ہے وہی اون والا ہے۔ اور جو چکتی والا ہے کیونکہ ایسے مواقع پر تعریف کا مقصد وصف نوعی بیان کرنا ہوتا ہے، افراد کے وصف فعلی کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ تو عام طور پر رسم میں ملحوظ ہوتا ہے۔ جیسے انسان اور حیوان کی تعریف میں تحرک ارادی یا مشی یا ضحک اور کتابت وغیرہ اوصاف ____ تو ہماری تقریر سے ثابت ہو گیا کہ بھیڑ کی دم جو ہمارے بلاد میں ہوتی ہے وہ چکتی ہی ہے۔ اور فقہ حنفیہّ میں اس کی صورت اور حکم دونوں کا جزئیہ موجود ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان بظاہر مختلف تعریفوں میں کوئی تضاد نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں تعریف نہ تو اعم کے ساتھ خاص ہے نہ اخص کے ساتھ، بلکہ سب مساوی ہیں، اور یہ کہ غنم میں چکتی اور بے چکتی کی بنیاد پر ایک تیسری قسم نہیں پیدا ہوتی، یہ سب دماغی خدشات اور وہمی خیالات ہیں۔

تنبیہ بست وچہارم ناقص کامل کی نفی: یہ بھی واضح ہوا کہ بھیڑ کی دم میں کوئی کمی نہیں کہ کہا جائے وہ ناقص ہے اور چکتی کامل ہے۔ لہٰذا دنبہ کے ساتھ

ولذاجازت التضحية معه كما نصوا عليه فزعم ان هذا ناقص فلا يلحق بالكامل قول ناقص خالف نصوص الائمة الاكامل۔	لاحق نہیں ہوسکتی۔
الخامس والعشرون[۲۵]:لئن تنزلنا عن كل هذا و سلمنا ان الاالية لها فخ تاتی الخلافية بين الامام الاعظم، والامام الثالث رضی الله تعالٰی عنهما، و يجب بحكم الجواز بناء ان الفتوٰی علٰی قول الامام رضی الله تعالٰی عنه علی الاطلاق، ای مالم يتفق ائمة الفتيا علی الفتوی بقول صاحبه اواحدهما كمانص عليه فی الفتح والبحر والخيرية[1] وردالمحتار[2] وغيرهامن معتمدات الاسفار، وقدسردنانصوصهافی كتاب النكاح من فتاوٰنا	**تنبیہ بست وپنجم امام اعظم کے فتوٰی کی بنیاد پر فیصلہ:** اور اگر ہم سب چھوڑ چھاڑ کر یہی مان لیں کہ بھیڑ بے چکتی کا ہے تب بھی یہ انعام میں داخل ہے۔ تو قربانی کا جانور ہے اور اسی جانور کی قربانی جائز ہونے نہ ہونے میں امام اعظم اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ جب تک کسی مسئلہ میں امام اعظم کے خلاف کسی اور امام کے قول پر متفق نہ ہوں، فتوٰی امام کے قول پر ہے۔ یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر، خیریہ، شامی وغیرہ معتمد اسفار میں منصوص ہے، میں نے ان سب کو اپنے فتاوٰی کی جلد کتاب النکاح میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔
هذا اذا لم يرجع قول الامام فكيف اذا رجع قول الامام فكيف اذارجح وقدرجح ههنا قوله رضی الله تعالٰی عنه من نصوا علی انه لايعدل عن تصحيحه لانه فقيه النفس اتدری من هو هو الامام قاضی خاں كما قاله العلامة قاسم فی تصحيح القدوری، ونقله السيد الحموی فی غمز العيون[3] وسيد الشامی فی حاشية الدر۔	یہ حکم تو امام اعظم رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے اس قول کا ہے جس کی ائمہ ترجیح میں سے کسی نے ترجیح نہ دی ہو، اور اس قول کی تو امام فقیہ النفس قاضی خاں نے ترجیح فرمائی ہے کہ اپنے اصول کے موافق اسی کو مقدم کیا، یہ مسئلہ بھی امام شامی اور امام طحاوی نے منصوص فرمایا۔

---

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل المفتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹، فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳، ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۴/ ۵۵

فان کنت عارفا بهذہ المسالك مدرکا لتلك المدارك فقد عرفت تصحیحه هنالك وان لم تعرف فاسمع منی فانی لك زعیم بذٰلك الم ترہ قد قدم قول الامام وهو رحمة الله تعالٰی کما صرح به فی صدر فتاواہ لانقدم الا الاظهر الاشهر، قال السیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدر، ان مایقدمه قاضیخاں یکون هو المعتمد[1] وانی قد احملت لك ههنا القول، ظنا بك ان لك اشتغالا بالعلم فتکون قد وقفت علی هذہ المطالب الدائرة السائرة الظاهرة الزاهرة فان خفی علیك شیئ منها فراجعنی و لاتیأس من التفهیم فقد قلت لك انی لك باظهار کل ذٰلك زعیم، فثبت بحمدالله تعالٰی ان لو فض عدم الالیة، لهذا الحیوان لکان جواز التضحیة به هو المذهب وقول امامنا الاعظم الاوحد وهو الماخوذ الصحیح المعتمد، والحمد لله الاحد الصمد علینا ما اسبغ من نعم لاتعد۔	پس ایسی صورت میں بھیڑ کی قربانی کے جواز کا فتوٰی دئے بغیر چارہ نہیں۔
تذییل الکتب السبعة التی اسندت الیها لیس فی ثلثة منها اعنی ذخیرة العقبٰی والدر المختار واشعة اللمعات اثر من التفسیر الضأن بماله الیة بل فی الاول والثالث مایرد علیك کما سمعت باذنیك واما عبارة	**تذئیل:** آپ کے ساتھ مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبٰی، درمختار، اشعۃ اللمعات) میں تو ضائن کی تفسیر میں "بماله الیة" کا کہیں پتہ نہیں، بلکہ ذخیرہ عقبٰی اور اشعۃ اللمعات میں تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا لیکن صاحب تعلیق مجد

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

تعلیق الممجد لبعض ابناء الزمان فقد کانت تستاھل ان ترد الی الحق، وتحمل علی ما اعطاہ کلام العلماء بجعل الوصف لزیادۃ الکشف دون الاحتراز بید انی احطت علما بان الرجل ینکر کون ضئین الھند من الضئین اعتراہ الوھم کما اعتراك انھا لا الیۃ لھا، وما یدرینی لعلك انما قلدتہ فیہ لکنہ وقف دونك ولم یتجاوز قدر تجاوزك بانکار التضحیۃ بھا اصلا، وانما زعم انھا لاتجوز التضحیۃ بجذع منھا[1]، حیث قال فی فتیاہ بکری اور بھیڑ اور ایسے ہی گائے اور اونٹ چھ مہینہ کا نہیں درست ہے۔ فقط دنبہ مہینے کا درست ہے۔ فالظاھر ان مرادہ ھوالتقیید زعما منہ بان الصوف اعم من الالیۃ، لکن لیس کلام المنح الذی عزا الیہ بھذا الاسلوب، وانما عبارتھا کما نقل بنفسہ ثمہ، والسیدان الفاضلان الطحطاوی و الشامی فی حواشی الدر ان الضأن ماتکون لھا الیۃ[2] اھ فلیس فیھا ذکر الصوف، ثم التقیید بالالیۃ وبالیتک	نے تو انھوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا، اور کلام علماء میں ذکر وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قید احترازی سمجھا اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اسی طرح وہم میں گرفتار ہوئے جیسے آپ نے "الیہ" کے لفظ سے دھوکا کھایا، غلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انھیں کی تقلید کی ہو، مگر ان سے آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ رہ گئے کہ چونکہ یہ ضان نہیں اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں، اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور سے ہی خارج کردیا۔ یہ بات فاضل لکھنو کے فتوی سے ظاہر ہے وہ کہتے ہیں بکری اور بھیڑ، ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ درست نہیں ہے۔ فقط دنبہ چھ ماہہ درست ہے۔ اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منح الخالق" کی عبارت میں (جس کا حوالہ انھوں نے دیا ہے) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے جس کو "مالہ الیۃ" سے مقید کیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیہ کی قید احترازی ہے حالانکہ خود ان کی عبارت اور امام طحاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے صرف مالہ الیۃ

---

[1] مجموعہ فتاوٰی بعد الحی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ ۲/ ۲۷۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاضحیۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴، ردالمحتار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

اذا قلدته اتمت تقليده فلم تعدالی ما عددت من المحال، ولم تنسب المسلمین الی الضلال والاضلال، وقد کان سألنی بعض تلامذه هذا العاصرا عنی صاحب التعليق المجد من بنارس فی اول هذه السنة عن فتیاه المذکورة فاجیت باحرف تکفی و تشفی وبینت ان الجذع من هذه یجزی ویکفی، و ما ذکرنا ههنا بتوفیق الله تعالٰی، فهو حافل کافل بدفع کلاالوهمین، بل الرد الاشد علی من یجز التضحیة بها لابجذعها فانه اذ قد جاز التضحیة فقد کانت من الانعام ولا انعام الا الانواع الاربعة واذ لیست من ابل وبقر ومعز۔ وجب ان تکون من الضان فوجب اجزاء الجزع منها اذا کان بحیث لو خلط بالثنایالم یتمیز من بعد ولله الحمد تعالٰی من قبل ومن بعد، وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واله اجمعین کان الفراغ عن هذه العجالة المسماة هادی الاضحیة بالشاة الهندية ۱۳۱۴ھ ۔	ہے۔ توآپ کو بھی ان کی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی بات میں کرتے نہ کہ آگے بڑھ کر ایک محال بات کا دعوی کردیا، اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر کا خطاب دیا۔ مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے ان کا یہ فتوی ذکر کرکے صورت حال دریافت کی تھی، میں نے چند جملوں میں اس کا خلاصہ لکھ دیا تھا، اور مسئلہ حق واضح کردیا تھا، یہ کلام تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے حافل اور کافل ہے۔ ان دونوں وہموں کو دفع کرنے والا۔ بلکہ اس کا تو رد شدید ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے۔ اور ان کے بچے کی نہیں۔ بلاشبہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو اس کی قربانی جائز ہے وصلی الله تعالٰی علی خیر خلقه محمد وعلی اله وصحبه اجمعین اس رسالہ هادی الاضحیة بالشاة الهندية سے ۱۳۱۴ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔

مسئلہ ۲۰۴: از بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

ماقولکم ایها العلماء (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ قربانی بھیڑ ششماہہ کی درست ہے یا نہیں؟ اکثر حدیثوں میں جو لفظ جزعۃ من الضان آیا ہے اس سے ششماہی بھیڑ مراد ہے یا دنبہ یا دونوں؟ عبارت نہایہ شرح ہدایہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ششماہی بھیڑ کی جائز نہیں، اسی پر مولانا استاذنا مولوی عبدالحیؒ صاحب نے عمل فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی کی جلد اول ص ۱۹۱ میں موجود ہے۔ عبارت شرح ہدایہ:

ویجزئ من ذٰلك کل الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منه یجزئ والتقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لا یجزئ منها الا الثنی [1]۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔	ان تمام جانوروں میں کامل سال یا اس سے زائد عمر والا جائز ہے ماسوائے بھیڑ کے کہ اس کا جذع یعنی کامل چھ ماہ والا جائز ہے، اور ضان یعنی بھیڑ کی قید اس لئے کہ اونٹ گائے اور بکری میں صرف کامل سال والا ہی جائز ہے۔ کتاب سے بیان کیجئے یوم حساب اجر حاصل کیجئے۔ (ت)

الجواب:

شماہی بھیڑ کی قربانی بلاشبہ جائز ہے جبکہ یکساں ہمجنسوں میں دور سے متمیز نہ ہوسکے۔

فی الدر المختار صح الجذع ذوستة اشهر من الضان ان کان بحیث لو خلط بالثنایا لایمکن التمیز من بعد [2]۔	درمختار میں ہے بھیڑ میں چھ ماہ کا جذع جو سال والے جانوروں میں خلط ہو تو امتیاز نہ ہوسکے تو وہ جائز ہے۔ (ت)

یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ بھیڑ کی ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ جواز ششماہہ کا حکم احادیث صحیحہ و کتب فقہیہ میں بلفظ ضان وارد ہے۔ اب مدار صرف ادراک معنی ضان پر رہا، اگر یہ لفظ اس بھیڑ کو بھی شامل تو قطعاً یہ بھی اس حکم میں داخل والا لا، مگر بالیقین معلوم کہ ضان وہی چیز ہے جسے فارسی میں میش، اردو میں بھیڑ، اور اسی کی ایک صنف کو دنبہ کہتے ہیں،

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۷۹

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲و۲۳۳

عرب دونوں معزز ضان کے سوانہیں جانتے، نہ یہاں تیسری نوع ہے

(۱)قال اللہ تعالٰی "ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ"[1] مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم موضح القرآن میں اس آیہ کریمہ کا ترجمہ فرماتے ہیں: پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[2]۔ دیکھوں ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا، اسی طرح مولانا رفیع الدین نے ترجمہ کیا، یونہی نفائس میں اس کا عکس یعنی بھیڑا کو میش نر وضان سے مترجم کیا۔ تحفۃ المومنین میں کہا: بھیڑ بہندی غنم ست[3]۔ پھر لکھا: غنم ضان ست[4]۔

(۲) سب جانتے ہیں کہ بھیڑ کا ترجمہ میش ہے۔ اور اہل لغت نے یہی ترجمہ ضان کیا، منتخب رشیدی میں ہے: ضان میش، ضائن میش نر[5]۔ صراح میں ہے: ضائن میش نر خلاف ماعز۔ **والجمع ضأن خلاف معز**[6]۔ تحفہ ومخزن میں ہے: ضان بفارسی میش نامند[7]۔

(۳) علمائے لغت و تفسیر حدیث وفقہ ضأن کی تعریف اون والی غنم فرماتے ہیں اور معز کی تفسیر بالوں والی، مصباح المنیر واحیوۃ الحیوان وغیرہما میں ہے:

الضأن ذوات الصوف من الغنم[8]۔	بکری کی اون والی جنس کا نام ضان ہے۔(ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

لضأن ذوات الصوف من الغنم والمعز	بکری کی اون والی جنس ضان ہے اور بالوں والی

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۲

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص ۴۲۵

[5] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[6] الصراح فی لغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۸

[7] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الضاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۳۹۷

[8] المصباح المنیر الضاد مع الواؤ (الضأن) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

ذوات الشعر من الغنم[1]۔	جنس معز ہے۔(ت)

معالم التنزیل میں ہے:

الضأن والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم والمعز والمعزی ذوات الشعر من الغنم[2]۔	بکری کی اون والی جنس ضان اور نعاج ہے اور بالوں والی معز اور معزی ہے(ت)

جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے:

الضأن ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر[3]۔	ضان وہ ہوتی ہے جو اون والی ہو اور معز بالوں والی۔(ت)

اب یہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ کے بدن پر اون ہوتی ہے یا بال۔

(۴)علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان الکبری میں صاف حصر فرمادیا کہ اون صرف ضان کے لئے ہوتی ہے، لفظ غنم میں فرماتے ہیں:

صوف الضأن من شعر المعز واعز قیمۃ ولیس الصوف الاللضأن[4]۔	بھیڑ کی اون بکری کے بالوں سے افضل اور قیمت میں گراں ہے اور اون صرف ضان کی ہے۔(ت)

اب بھیڑ کو ضان سے خارج ماننے والے پر لازم ہوگا کہ بھیڑ کی اون سے انکار، اور ان کی پشت پر بکری کے سے بال آشکارا کرے۔ وانی لہ ذٰلک۔

(۵)زبان عرب وخود قرآن شاہد ہے کہ نوع غنم میں صرف دو صنفیں ہیں: ایک وہ جسے عربی میں معزنر کو تیس، مادہ کو عنز، فارسی میں بز کہتے ہیں، دوسری جسے عربی میں ضان نر کو کبش مادہ کو، نعجہ فارسی میں گوسپند و میش کہتے ہیں، رب العزت جل وعلا نے آیہ مذکورہ میں آٹھ ہی جوڑے بتائے، ضان، معز، ابل۔ بقر ہر ایک سے دو، مادہ ونر، اہل زبان نے معز کو خلاف ضان، ضان کو خلاف معز سے تفسیر کیا، معلوم ہوا کہ ان کے لئے ثابت نہیں، قاموس میں ہے:

المعز خلاف الضأن من الغنم[5]۔	بکری کی جنس میں معز الگ ہے ضان سے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[4] حیاۃ الحیوان باب الغین المعجمہ (الغنم) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۲

[5] القاموس المحیط فصل المیم باب الزای "المعز" مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

اسی میں ہے:

الضائن خلاف الماعز من الغنم "ج"، ضائن، اضأن ضانك اعزلها من المعز[1]۔	مینڈھا غنم میں بکرے کے خلاف ہے۔ ضائن کی جمع اضأن ہے تیری بھیڑی اسے علیحدہ کرلے بکری سے (ت)

مختار رازی میں ہے:

الضائن ضد الماعز، والجمع الضائن والمعز[2]۔	ضائن (مینڈھا) بکرے کی ضد ہے اس کی جمع ضان اور معز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

المعز من لاغنم ضد الضان[3]۔	معز غنم سے ہے ضان کی ضد ہے۔ ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

فی ح شقیق مثل قراء هذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات عـــہ صوف عجاف، هو جمع ضائنة۔ وهی الشاة من الغنم، خلاف المعز[4]۔	ح میں بیان کیا، اس زمانہ کے قراء کی مثل میں شقیق جیسے ضوائن باریک کھال پر اون والی جس کی جمع ضوائن ہے۔ یہ بکری ہے جو معز سے مختلف ہے۔ (ت)

کوئی ادنٰی فہم والا بھی نہیں کہہ سکتا کہ بھیڑ معز میں داخل ہے کیا بھیڑ کو فارسی میں بز کہتے ہیں، کیا مینڈھے کو عربی میں تیس، مادہ کو عنز بولتے ہیں، جتنا صاف ترجمہ بکرا بکری ہے لاجرم بھیڑ ضان ہی ہے اور ضان ہی میں داخل ہے، اور حکم ضان اسی کا حکم ہے۔ اسے قطعاً شامل شیخ محقق قدس سرہٗ

عـــہ: احترازا عما اذا جزصوفها فاستبان عجفها و المقصود ان باطنهم علی خلاف ظاهرهم ۱۲ منه قدس سره۔	یہ اجتناب ہے اس بھیڑ جس کی اون کاٹ دی جائے تو چمڑی برہنہ ہوجائے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اون باطن چمڑی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۱۲منہ قدس سرہ، (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الضاد باب النون (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۴۴

[2] مختار اصحاح تحت لفظ ضائن موسسة علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

[3] مختار اصحاح تحت لفظ معز موسسة علوم القرآن بیروت ص ۶۲۷

[4] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الهمزة تحت الفظ ضائن مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۳/ ۳۸۲

اشعۃ المعات میں فرماتے ہیں:

بدانکہ اضحیہ جائز نیست مگر از ابل وبقر وغنم وغنم دو صنف است، معزکہ آنرابز گویند، وضائن کہ آنرا میش خوانند، ودر جمع ایں اقسام ثنی شرط ست، مگر از ضان کہ جذعہ ہم درست ست، ودرست نیست از معز[1]۔	جان لینا چاہئے کہ قربانی صرف اونٹ، گائے اور بکری کی جائز ہے۔ بکری دو قسم ہے۔ ایک معز کی جس کو بز بکری کہتے، اور دوسری ضائن جس کو میشہ کہتے ہیں، ان تمام اقسام میں کامل سال شرط ہے۔ مگر ضان کہ اس کا جذعہ بھی جائز ہے اور بکری (معز) میں یہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

کیا اس ارشاد سے بھی زیادہ کوئی تصریح صریح درکار ہے۔ اور بفرض باطل اگر بھیڑ کو ضان میں داخل نہ مانئے اور اس کا ابل وبقر ومعز اونٹ گائے بکری سے نہ ہونا بدیہی، تو حاصل یہ رہے گا کہ وہ بہیمۃ الانعام کی چاروں قسم سے خارج ہے، اور بالاجماع قربانی تو صرف انھیں چار قسم پر محدود، تو بھیڑا اگر ضان نہیں، تو واجب کہ سرے سے اس کی قربانی بھی باطل ہو اگرچہ کتنی ہی عمر کی ہو، نہ یہ کہ قربانی جائز ہونے کو تو وہ ضان میں داخل اور ششماہہ جائز نہ ہونے کو ضان سے خارج، یہ جہل صریح وتعسف قبیح ہے غرض حکم واضح ہے۔ اور مسئلہ روشن، اور اس کا خلاف نہ بین، نہ مبین، بلکہ باطل بین، عبارت نہایہ منقولہ استفاء مذکورہ فتاوٰی کو اگر بعد ادراک معنی ضان لحاظ کیجئے تو صراحۃً ہمارا ہی مطلب اس سے ثابت اور تحقیق معنی ضان کی نظر سے دیکھئے تو راسا بے علاقہ وساکت، ہاں مجیب لکھنوی کو وجہ اشتباہ عبارت منح الغفار واقع ہوئی کہ **الضان ماتکون له الیة**[2] (ضان وہ جس کی چکّی ہوتی ہے۔ ت) وہم گزرا کہ الیہ خاص چوڑی چکی چکتی کو کہتے ہیں جس میں بکثرت چربی ہو، لہٰذا ضان بالتخصیص صنف دنبہ کا نام خیال کیا حالانکہ غنم میں الیہ مطلقًا دم گوسپند کا نام ہے۔ کبر وصغر وطول وقصر وغیرہا کچھ اس میں شرط نہیں، نہایہ ابن اثیر ومجمع بحار الانوار میں ہے:

الیات جمع الیة وھی طرف الشاۃ[3]۔	الیہ کی جمع الیات ہے اور وہ بھیڑ کی دم ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۲۰۴، حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار بحوالہ المنح الغفار دار المعرفۃ بیروت ۴ / ۱۶۴

[3] مجمع بحار الانوار باب الہمزہ مع اللام (الئی) مکتبہ دار المدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

صراح میں ہے: آلیہ بالفتح ذنب[1]۔ برہان میں ہے: ذنب بضم بمعنی دُم[2]۔ لاجرم فتاوٰی امام اجل قاضی خان وردالمحتار وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ اگر الیہ خلقۃً صغیر ومشابہ دم ہو روا ہے۔ خانیہ میں ہے:

ان کان لھا الیہ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز[3]۔	اگر اس کی چکّی چھوٹی دم کی مانند پیدائشی ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ بعینہٖ ہمارے بلاد کی بھیڑوں کی صورت ہے ہم نے ان بھیڑوں کی دم کو تشریح کرکے دیکھا وہ ضرور گوشت اور چربی پر مشتمل ہوتی ہے بخلاف دم بز بس یہی فرق الیہ وذنب میں ہے۔ طول وقصر، عظم وصغر، وکثرت وقلِت لحم وشحم کو ہرگز اس میں نہ لغۃً دخل ہے۔ نہ فقہا، وھذا مما لا یخفی علی جاھل فضلا عن فاضل (یہ کسی جاہل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ت) بات یہ ہے کہ جانوروں بلکہ آدمیوں کے بھی اعضاء صورت وہیئت بلکہ نفس وجود وعدم میں اختلاف ممالک سے مختلف ہوتے ہیں اس سے نہ وہ دو نوعیں ہو جائیں گے، نہ ان کے احکام مختلف فقیر نے بعض بلاد کے اونٹ دیکھے چھوٹے چھوٹے نہایت خوشنما بدن پر بڑے بڑے بال مشابہ بہ یال، پشت پر دو کوہان بلند ومرتفع، بیچ میں نشست کی جگہ خالی کہ سوار کو آگے پیچھے دو تکیوں کا کام دیتے، چینیوں کی ناکیں کس قدر پست وپہن، تاتاریوں کی آنکھیں چھوٹی، زنگیوں کے لب فروہشتہ وسطبر ہوتے ہیں ہنہ ناتیہ بین الاسکتین کہ خفاض کیا جاتا ہے۔ زنان مغربیہ میں خلقۃً نہیں ہوتا، بعض اتراک وحوش کے عصعص پر لحمہ زائد بقدر ایک بالشت مثل دُنب ہوتا ہے۔ امام کمال الدین دمیری وعلامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی نے ایک قسم کی بھیڑ ذکر کی جس کے چھ الیہ ہوتے ہیں، ایک سینہ پر، دو شانوں پر، ایک پیچھے دو رانوں پر، یہی اختلاف ممالک دم گوسپند میں ہے، ان دیار میں پتلی لمبی ہوتی ہے۔ جس میں اسی کے لائق گوشت اور چربی، عرب میں اکثر چوڑی چھوٹی قدرے زیادہ گوشت اور چربی مشتمل، اور بعض خوب پہن ودراز بکثرت لحیم شحیم، یہ کابل وغیرہ میں کثیر الوجود ہے۔ اور بعض کی چکتی تو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اسے چلنے سے معذور کردیتی ہے۔ ایک گاڑی بنا کر اسے جوتتے اور دم گاڑی پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ کھینچتی چلتی ہے۔ کیا ان اختلافات سے یہ انواع مختلف ہوجائیں گی، اور ان کے احکام جدا، ایسا کوئی عاقل

---

[1] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواو والیاء (فصل الف) نولکشور لکھنؤ ص ۴۳۹

[2] البرہان

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیہ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

خیال نہیں کرسکتا، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں ہے:

یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدره الیة وعلی کتفه الیتان وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة، وربماتکبر الیة الضأن حتی تمنعه من المشی فیتخذ لا لیتها عجلة توضع علیها، وتشد الی صدرها فتمشی الضأن وتجری العجلة الالیة علیها[1]۔	ہندوستان سے ایک قسم کی بھیڑ لائی جاتی ہے اس کی چھاتی پر چکی، اس کے کندھوں پر دو چکیاں اور اس کی دونوں رانوں پر دو چکیاں اور اس کی دم پر ایک چکی ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ چکی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کا بوجھ اس کے چلنے سے مانع ہوتا ہے تو اس کی چکی کے نیچے ریڑھی بنائی جاتی ہے جس کو اس کی چھاتی سے باندھ دیتے ہیں تو وہ ریڑھی چکی کو اٹھائے پھرتی ہے۔ (ت)

اسی طرح حیاۃ الحیوان میں ہے: **الی قوله تمنعه من المشی**[2] (چکتی اس کے پلنے سے مانع ہے۔ تک)۔

جسے اس قدر کافی نہ ہو ہمارا رسالہ عربیہ **هادی الاضحیه بالشاة الهندیة** ۱۳۱۴ھ ملاحظہ کرے کہ بتوفیق علام تحقیق مرام بمالا مزید علیہ ہے۔ **وﷲ الحمد۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: از ضلع آرہ ڈاکخانہ وقصبہ دائی ساگر مسئولہ محمد یوسف

خصی سال سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دور سے تمیز نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی نہ ہو، اور بکرا سال بھیر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو، **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵تا۲۰۶: از ریاست جے پور سوائی تکیہ آدم شاہ گھاٹ دروازہ مرسلہ مولانا عبدالرحمٰن اعظمی مئوی صاحب مورخہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا بکری اگر سال بھر سے کسی قدر کم کا ہو مثلاً گیارہ مہینہ یا کم وبیش کا، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو اس جانور کو جس پر نیت قربانی کی ہوچکی ہے اور پورے سال بھر کا نہیں ہے۔ تو کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر جائز ہے یک سال سے

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات تحت لفظ ضان مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

[2] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمۃ تحت لفظ الضائن مصطفی البابی مصر ۲ /۶۳۴

کم مدت کا، تو اس کتاب کا درج کردیا جائے تاکہ یہاں دیکھ کر اطمینان حاصل کیا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہرگز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اس کا بدلنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

صح ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقر و الجاموس وحول من الشاۃ والمعز[1]۔	پانچ سال کا اونٹ، دو سال کی گائے اور بھینس، اور ایک سال کی بکری اور بھیڑ، کی قربانی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع تقدیر ہذہ الاسنان بما ذکر لمنع النقصان ولا الزیادۃ فلو ضحی بسن اقل لا یجوز و باکبر یجوز وھو افضل[2]۔	بدائع میں ہے کہ ان عمروں کا بیان جو مذکور ہا کمی کو روکنے کے لئے ہے زیادتی کو مانع نہیں، تو عمر میں اگر قلیل سی کمی ہو تو جائز ہوگا اور بڑا ہو تو جائز ہے جبکہ بڑا افضل ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو اشتری بقرۃ یریدان یضحی بھا عن نفسہ ثم اشرک فیھا ستۃ معہ جاز استحسانا وفی القیاس لا یجوز لانہ اعدھا للقربۃ فیمنع عن بیعھا تمولا، وجہ الاستحسان دفع الحرج والاحسن ان یفعل ذٰلک قبل الشراء، لیکون ابعد عن صورۃ الرجوع فی القربۃ وعن ابی حنیفۃ انہ یکرہ الاشتراک بعد	اگر اپنے لئے گائے خریدی تاکہ قربانی دے پھر بعد میں چھ اور شریک کرلئے تو استحساناً جائز ہے جبکہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اسے اس نے قربت کے طور پر خریدا تو مال کے حصول کے لیے فروخت کرنا منع ہے اور استحساناً جواز کی وجہ یہ ہے کہ حرج نہ پیدا ہو اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو، جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے خرید لینے کے بعد

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الشراء لما بینا[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	شریک بنانا مکروہ ہے۔ (ملخصا) (ت)

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ عبداللہ خان از شہر انبالہ محلّہ وکیل پور یکم صفر ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب! بعد سلام علیکم کے واضح ہو کہ بقر عید کی قربانی میں بکرا خصی جائز ہے یا نہیں، اور جو کہ قربانی کرے اس کو روزہ رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب:

خصی کی قربانی افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں اس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے۔ ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اس دن اور اس کے تین دن روزہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: مرسلہ قاضی سید واجد علی صاحب مقام جاود ضلع ندسور ریاست گوالیارن پیچ دروازہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک بچہ بکری کا ہے اور وہ کتی کے دودھ سے پرورش پایا، اس کی قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب سال بھر کا ہوجائے اس کی قربانی جائز ہے۔ **والمسئلۃ فی الخانیہ**[2] **وغیرہا** (یہ مسئلہ خانیہ وغیرہا میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۰۹: از بنگالہ میمن سنگھ قصبہ کھولا مرسلہ میاں جاں سرکار ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، **ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی** (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کیا فرمان ہے) کہ ہندہ نے بکری پالی تھی، اس نے ایک بچہ جنا، بعدہ وہ بکری بقضائے الٰہی مرگئی اس بچہ کی ہندہ مذکورہ نے اپنے پستان کے دودھ سے پرورش کیا، پھر خصی کردیا، اب وہ بچہ بڑا ہوگیا، ہندہ اس کو قربانی کرنا چاہتی ہے۔ اگر قربانی رے تو ہندہ مذکورہ اور اس کے خاوند کو

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۵۲

اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بلاشبہ جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً گنجائش کلام نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لو ان جدیاً غذی بلبن الخنزیر لا باس باکلہ، لان لحمہ لایتغیر وما غذی بہ یصیر مستھلکا لایبقی لہ اثر۔[1]	اگر بھیڑ کے بچے نے خنزیر کے دودھ سے غذا پائی تو اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو غذا اس نے کھائی وہ ختم ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا(ت)

فتاوٰی کبرٰی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس، لانہ بمنزلۃ الجلالۃ، والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بھا فکذا ھذا۔[2]	بھیڑ کے بچے نے اگر گدھی کے دوھ یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائی اور پھر چند روز چارہ دکھایا تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے کہ جب اس کو چند روز قید رکھا تو اسنے چارہ کھایا تو اس میں کوئی حرج نہیں تو یہ بھی ایسے ہے۔(ت)

اور شوہر کے حق میں اگر ضاعت کا خیال ہو تو محض جہل، اول تو عمر رضاعت کے بعد رضاعت نہیں، اور شوہر اتنی ہی عمر کا بچہ ہو بھی تو شیر زن مستہلک ہوگیا، گوشت کھانا دودھ پینا نہیں، درمختار میں ہے:

لایحرم المخلوط بطعام وکذا لو جبّنہ، لان اسم الرضاع لایقع علیہ بحر۔ اھ ملخصا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طعام میں دودھ مخلوط ہو جانے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی اور یونہی اگر دودھ سے پنیر بنالیا تو حرج نہیں کیونکہ دودھ پلانے کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، بحر اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

مسئلہ ۲۱۰تا۲۱۲: مسئولہ سید منیر الدین پیشکار محلّہ کلال ٹولہ گیا ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً کسی نامعلوم شخص کا بیل یاگائے زید کے جانوروں میں شامل ہوگیا، اور زید نے اس کو پکڑ کر اپنے قبض وتصرف میں رکھا، اور ایام قربانی میں چونکہ وہ دو برس سے کم کا تھا اس لئے اس کو اپنی لڑکی کی گائے سے بلاعلم لڑکی کے بدل کر اس لڑکی کی گائے کو قربانی دیا اور غیر سے ذبح کرایا اور اس غیر کو گائے کے کل قصہ مذکور سے واقفیت نہیں۔

(۱) ایسی قربانی جائز ہے یانہیں؟ **(۲)** ذبح کرنے والا گنہ گار ہوگا یانہیں؟

(۳) تین سال کی گائے جس کے سینگ ہنوز نمودار نہ ہوئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) جانور کو تصرف میں رکھنا حرام تھا، اسے بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام تھا، اس گائے کی قربانی حرام تھی۔

(۲) ذابح پر اس کا ذبح کرنا حرام تھا، دونوں سخت گنہگار ہوئے، پھر اگر بیٹی نے اپنے گائے کی قیمت نادانی میں اپنے باپ سے لے لی، تو اس کے باپ کی قربانی ادا ہوگئی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

یصح لوضحی شاۃ الغصب ان ضمنہ قیمتھا حیۃ[1] ای قیمتھا لوکانت حیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مغصوبہ بکری قربان کردی اور اس پر ضمان زندہ بکری والا دے دیا تو قربانی صحیح ہوگی واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) جب دو سال کامل کی ہوگئی قربانی کے قابل ہوگئی اگرچہ سینگ نہ نکلیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: مسئولہ عبداللہ عرف دین محمد صاحب ساکن شہر کہنہ بریلی محلہ روہیلی ٹولہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اہل ہنود سے گائے مبلغ (پینتالیس مہ للعہ) روپیہ میں خرید کی تھی، اس ہنود نے خرید کرتے وقت دریافت کیا تھا کہ تم کس واسطے اس گائے کو لیتے ہو، میں نے اس شخص سے کہا کہ پالنے کو لیتا ہوں اور اصل میں واسطے قربانی کے لی تھی، تو ایک مسلمان نے اس شخص سے کہا انھوں نے قربانی کے واسطے لی ہے۔ اور میں ریلوے کے بڑے بابوں کی

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

ماتحتی میں کام کرتاہوں، وہ بھی اہل ہنود ہیں، اس نے بابوں سے آکر کہاکہ وہ میری گائے واپس کرادی جائے، انھوں نے میرے مکان پر آدمی روانہ کیاکہ اس کو مبلغ پانچ روپیہ نفع لے کرواپس کردوں میں نے نہیں واپس کی، میں کام پر اپنے گیاتو بابو نے کہاکہ وہ گائے واپس کردو، میں نے اس سے انکار کیا، توانھوں نے ایک پولیس کے داروغہ سے بہت۔ بڑازور ڈال کر کہا، اور یہ بھی کہاکہ اگر نہیں دوگے توہم تم کو نوکری سے برخاست کردینگے، تومیں بسبب نوکری جانے کے پانچ روپیہ نفع لے کر گائے واپس کردی، اور مبلغ چالیس للعہ روپیہ کی فورااور گائے قربانی کے واسطے لایا، اب اس میں سے دس روپیہ بچے اس کاکیاکیاجائے، اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے پانچ روپیہ لے کر گائے دی، اور میں نے مجبورا دی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میری ملازمت جاتی تھی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میں مال گودام ریلوے میں کام کرتاہوں شاید کچھ الزام نہ لگادیں، یہ وجہ تھی فقط۔ بینواتوجروا

الجواب :

اگروہ شخص صاحب نصاب ہے اور اگر یہ بیان واقعی ہے تواس پر کچھ الزام نہیں اور جو پانچ روپیہ نفع کے لئے ان کا تصدق کردینا چاہئے اور یہ گائے جو پانچ کم کرکے خریدی اس کمی کاکوئی معاوضہ اس پر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۴تا۲۱۵: از کرتوئی ضلع بدایوں مسئولہ برادرم عزیزم مولوی محمدرضاخاں صاحب سلمہ ۶ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

(۱) بحضور قبلہ وکعبہ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ سلامت سنت اسلام کے بعد عرض ہے کہ قربانی کی غرض سے دوگائیں خریدنے کو چماروں کو روپیہ دے کر بھیجا، وہ دوگائیں خرید لائے جو گراں قیمت ثابت ہوئیں، اس پر اور دوگائیں منگوائیں، وہ بھی بسبب گرانی قیمت کے، اور یہ کہ ان مؤخر گائیوں ہی سے ایک پر گابھن کاخیال ہے۔ جس نے فروخت کی وہ جولاہے کہتاہے کہ گابھن ہوگئی ہے مگر ابھی کہل تھن ہے۔ جس کو اور لوگ بھی گابھن کہہ سکیں، صرف دو جانیں کاخیال قربانی کا تھا آیا ان گائیوں کافروخت کرناجائز ہوگا یانہیں؟ ان کے عوض میں اپنی گائیں دے سکتاہوں یانہیں۔ ایک گائے پارسال قربانی کے واسطے منگوائی تھی (ان چاروں کو وقت آنے کے قربانی کے واسطے نامزد نہیں کیا، پارسال والی کو نامزد کردیا تھا) روانگی کے وقت لنگڑی ہوگئی۔ بریلی جانے کے قابل نہ رہی اب اچھی ہے دومہینہ بعد اندازا بپا چلے گی، اس کی نسبت کیاحکم ہے؟ آیاوہ میرا مال ہے یاقربانی کا؟

(۲) قرآن مجید بائیں ہاتھ میں باوضولے کرتلاوت جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) جان. برادر از جان بہتر مولوی محمد رضا کاں سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جو گائے قربانی کے لئے تھی اور وہ لنگڑی ہو گئی اس اور اس کے عوض دوسری کردی، اب وہ گائے تمھارا مال ہے جو چاہو کرو، جب روپیہ دے کر گائیں خریدنے کو بھیجا اس سے اگر یہ نیت تھی کہ دیکھنے کے لئے خریدتے ہیں جس کی قربانی مناسب جانیں گے کریں گے، ورنہ اور لیں گے تو وہ گائیں قربانی کے لئے مخصوص نہ ہوئیں اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا اور خرید کر قربانی کرو اور اگر مخصوص قربانی کے لئے خریدیں، اور آپ اس وجہ سے کہ یہ زائد قیمت کی ہیں، انھیں نہ کرنا چاہو، اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا کوئی اور لے کر ان سے کم قیمت کی قربانی کرو تو قربانی ہو جائے گی اور وہ پہلی گائیں بیچو یا رکھو اختیار ہے۔ مگر ایسا کرنا جائز نہ ہوا کہ جب ان پر مخصوص قربانی کی نیت ہوئی تھی، تو ان کو اگر بدلتے تو ان سے بہتر سے بدلتے نہ کہ کمتر سے، جبکہ کمتر سے بدلا تو جتنی زیادتی رہی، اتنے دام تصدق کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً دس روپیہ کی گائے کی قربانی کو خریدی تھی پھر اس کے بدلے سات روپیہ کی قربانی کردی تو تین روپیہ تصدق کئے جائیں، یہ تو سال گزشتہ کا علاج ہے اور ہر سال کہ ابھی قربانی نہیں ہوئی وہی پہلی گائیں اگر قربانی کے لئے خریدی تھیں خواہ نخواہی قربانی کی جائیں اور ان سے کم قیمت کی ہرگز نہ بدلی جائیں کہ قصداً خلاف کرکے جرمانہ دینا جسارت ہے بلکہ خلاف حکم کیا ہی نہ چاہئے، قربانی میں بالخصوص ارشاد ہوا کہ دل کی خوشی سے کرو کہ وہ صراط پر تمھاری سواریاں ہیں پہلو کو گراں سمجھ کر جو دوسری خریدیں اور ان میں سے ایک گابھن ہے یا نہیں۔ بہر حال ان کا تم کو اختیار ہے کہ سرکاری مطالبہ پہلی گائیوں سے متعلق ہو چکا اسی شرط پر کہ آدمی ارادہ سے بھیجے ہوں کہ جو جانور یہ لائیں قربانی کریں گے، نہ اس ارادہ سے کہ دیکھ مناسب سمجھیں گے کرینگے۔

(۲) قرآن مجید باوضو ہاتھ میں لے کر تلاوت کرسکتا ہے۔ جبکہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو مثلاً داہنا ہاتھ خالی نہیں یا تھک گیا، والسلام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ امام علی صاحب از بمبئی ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو گائیں خریدی گئیں، شرکت میں قیمت جدا جدا نہ کی گئی چودہ حصے کئے گئے، قربانی کے بعد دونوں کا گوشت یکجائی ملا کر برابر حصوں میں تقسیم کردیا گیا، ایک گائے کم قیمت یعنی صہ للعہ کی اور دوسری صہ صہ کی۔ ان چودہ حصوں میں ہر شخص کا برابر حصہ قیمت و گوشت میں کیا گیا، یہ صورت جواز کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا۲۲۱: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب مورخہ ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

(۱) ایک شخص نے قصاب سے گائے منگائی اس نیت سے خرید کر کہ وہ آجائیگی تو جو شریک حصہ ہوں گے شریک سمجھ لوں گا۔

(۲) ای جگہ دیکھا کہ فقراء کے گوشت میں آنت، اوجھڑی بالکل ڈال کر تقسیم کرتے ہیں، دو حصوں میں نہیں۔

(۳) ایک جگہ دیکھا ہے کہ سر اور پیر سقے اور حجام کو، اور ایک پارچہ قصاب کو۔

(۴) بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ قربانی یا عقیقہ یا نیاز میں کھانا بھنگی کو دیتے ہیں۔

(۵) قربانی گائے میں نصف ایک شخص ہو اور نصف میں دو شریک یا تین، درست یا نہیں؟ اور نصف میں چار ہو جائیں یہ کیونکر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ بیجا کرتے ہیں۔ مستحب یہ کہ تہائی حصہ گوشت کا فقیروں کو ملے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) سقے، حجام، قصاب کا قربانی میں کوئی حصہ نہیں، دینے کا اختیار ہے۔ مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) بہت برا کرتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) نصف میں تین تک شریک ہو سکتے ہیں، اور نصف گائے ایک کی ہو، اور دوسرے میں چار شریک ہوں تو ان پانچوں یعنی کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ میدان پور مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو یا چار سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کے واسطے خرید کی منجملہ ان کے ایک شخص نے قیمت نہ وقت خرید کے ادا کی نہ بعد، اور وہ شریک رہا، پس اس صورت میں کس کی یا اس کی قربانی میں حرج یا غیر جائز تو قربانی نہیں ہوا، جواب اس کا بحوالہ عبارت مرحمت فرمایا جائے کہ ضرورت ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب: بیع نفس ایجاب وقبول سے تمام ہو مبیع ملک مشتری میں داخل اور ثمن ذمہ پر لازم ہوتی ہے ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں اگر نہ دے گا تو بائع کا مدیون رہے گا مبیع میں ملک تام ہے۔

فی التنویر اذ وجدا (ای الایجاب والقبول) لزم البیع[1]۔	تنویر میں ہے۔ جب ایجاب وقبول پایا جائے بیع لازم ہوجاتی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وصح بثمن حال ومؤجل الی معلوم[2]۔	نقد اور ادھار مقرر مدت ہو تو بیع جائز ہے۔ (ت)

پس جب شرکائے مشترین مالک گاؤ تھے اور انھوں نے بہ نیت اضحیہ قربانی کی، سب کی قربانی ادا ہوگئی، ثمن کا مطالبہ اس شریک پر رہا اگر وہ نیت قربانی سے دست بردار ہو کر اصلاً ذبح نہ چاہتا یا خالی گوشت وغیرہ امور غیر قربت کی نیت سے ذبح چاہتا اور ایسی حالت میں بقیہ شرکاء بہ نیت قربانی ذبح کرلیتے تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوتی کہ ان میں ایک شریک کی نیت تقرب نہیں۔

فی التنویر ان کان شریك الستة نصرانیا او مرید اللحم لم یجز عن واحد[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے اگر قربانی کرنیوالے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی یا گوشت کے ارادے سے شریک ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: مرسلہ صاحب علی طالب علم از جاورہ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک گائے کو چھ شخصوں نے قربانی کی، ایک کے دو حصے نفلی اور پانچ شخصوں کے واجبی، تو کیا دو حصہ والا شخص بعد ذبح گائے، قبل تقسیم گوشت کے ایک حصہ میں دوسرے شخص کو شریک کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

قربانی اراقہ دم کا نام ہے اور اب اراقہ دم ہوگئی تو دوسرے کی طرف اس کا انتقال ناممکن ہے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

ہاں اس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۴: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ عزیز احمد فرید پوری ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی عید الاضحیٰ کے پوست کی قیمت گوشت کی طرح تین حصوں میں پر تقسیم کی جائے یا تمام وکمال قیمت خیرات کر دی جائے، اور کھال کا اپنے صرف میں لانا صاحب قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور کھال قربانی کی قیمت سید کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ درصورت عدم جواز کوئی شرعی حیلہ تحریر فرمایئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اپنے تصرف میں صرف کرنا لاسکتا ہے جس میں کھال باقی رہے۔ مثل مشک، ڈول یا کتاب کی جلد بنا سکتا ہے، کھال اگر اپنے خرچ میں لانے کی نیت سے داموں کو بیچی تو وہ دام تمام خیرات کرے، یعنی فقیر محتاج مصرف زکوٰۃ کو دے، سید کو نہیں دے سکتا، اور اگر سید کو دینے کی نیت سے بیچی تو وہ دام سید کو دے، تین حصوں کا حکم گوشت میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۵: از موضع ڈوالہ ویرم تحصیل ضلع امرتسر مرسلہ میاں شمس الدین صاحب حنفی قادری ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مولوی غلام قادر صاحب بھیروی نے مسئلہ قربانی اور کتاب اسلام میں لکھا ہے کہ اگر غنی قبل از ایام عید قربانی خریدے وہ واجب بالنذر ہو جائے گا وہ سب گوشت فقراء کو صدقہ کرے آپ نہ کھائے، ایسے ہی فقیر جس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے کتاب کا حوالہ نہ دیا، اس لئے بعض جہلاء احناف کو تردد ہے۔ براہ مہربانی حوالہ کتب سے ارشاد ہو، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس قرینہ میں قربانی قبل از عید بعد طلوع آفتاب عندالحنفیہ جائز ہے۔ یا باوجود قریہ جامع ہونے کے بھی بعد طلوع قربانی درست ہے کیونکہ کتب فقہ میں لفظ دیہ یعنی گاؤں واقع ہے اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس گاؤں میں چند کس حر بالغ آزاد ہو جمعہ واجب ہے۔ جب جمعہ واجب ہوا تو عید بھی وہاں درست ہوگی، پھر بعد عید قربانی ہوگی یا بعد طلوع قبل از عید؟ جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو۔ والسلام۔

الجواب:

فقیر اگر بہ نیت خریدے اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ اگر جانور اس کی مالک میں تھا اور قربانی کی نیت کر لی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیت قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہوگا، غنی پر ایک اضحیہ خود واجب ہے۔ اور اگر اور نذر بصیغہ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا۔ اس

عبارت میں بھی یہی ہے کہ واجب بالنذر ہوجائے گا یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا نہ کہ غنی پر مجرد خریداری سے، درمختار میں ہے:

تصدق بھا ناذر وفقیر شراھا لو جوبھا علیہ بذٰلك (ملخصا)[1]۔	نذر والا اور فقیر جس نے قربانی کی نیت سے خریدا تھا، یہ صدقہ کرینگے کیونکہ نذر اور خریدنے کی بنا پر ان پر واجب ہوگیا تھا (ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو کانت فی ملکہ فنوٰی ان یضحّی بھا، او اشتراھا، ولم ینو الاضحیة وقت الشراء ثم نوی بعد ذٰلك لایجب، لان النیة لم تقارن الشراء فلا تعتبر، بدائع[2]۔	اگر بکری اپنی ملک میں تھی تو نیت کرلی کہ اس کی قربانی کرے گا یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو پھر بعد میں قربانی کی نیت کی تو اس سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی کیونکہ خریدتے وقت ساتھ نیت نہ کی لہٰذا بعد کی نیت معتبر نہ ہوگی، بدائع (ت)

درمختار میں ہے:

لوماتت فعلی الغنی غیرھا لا الفقیر، ولو ضلت او سرقت فشری اخرٰی فظھرت فعلی الغنی احدھما و علی الفقیر کلاھما شمنی[3]۔	اگر مرجائے تو غنی پر دوسری واجب ہے فقیر پر نہیں، اور اگر گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو دوسری خریدی اور پہلی مل گئی تو غنی پر ایک ہی لازم ہوگی جبکہ فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی شمنی (ت)

جو شہر نہ ہو اس میں نہ نماز جمعہ ہے نہ نماز عید، سو دوسو کی آبادی کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس میں متعدد محلے ہوں، دائم بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اس میں فصل مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو وہ شہر ہے جہاں ایسا نہیں صبح سے قربانی جائز ہے ھو الصحیح الذی علی المحققون کما فی الغنیة (وہی صحیح ہے جس پر محقق حضرات ہیں، جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

[3] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

مسئلہ ۲۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سات شخصوں نے ایک راس گائے واسطے قربانی خرید کی، وہ گائے فرار ہو گئی، اس کو ہر چند تلاش کیا سب کا نجی ہاؤس اور اس شخص کے مکان پر اور اس کے نواح میں بھی جہاں سے اس کو خریدا تھا، آج وہ گائے بفضلہٖ تعالٰی ہاتھ آگئی، اب اس گائے کے واسطے کیا حکم ہے اور کس طرح سے ہم کو ثواب قربانی کا حاصل ہوگا؟

الجواب:

ساتوں شخص اس گائے کو زندہ خیرات کردیں کسی فقیر کو دے ڈالیں، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ان میں پانچ شخص صاحب نصاب تھے۔ ان پانچوں پر واجب تھا کہ اگر وہ گائے گم ہوگئی تھی اور گائے یا بکریاں لے کر بارھویں تاریخ قربانی کرلیتے، اب کہ بارھویں گزرادی اور قربانی نہ کی، یہ پانچوں گنہگار ہوئے، ان پر توبہ استغفار واجب ہے۔ اور گائے کی نسبت ساتوں پر واجب ہے کہ زندہ خیرات کردیں، ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا۔ حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلاخلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفہ وابی یوسف و قولنا اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ذکر کیا کہ صحیح یہ ہے کہ جو قربانی کے لئے خرید شدہ بکری کی قربانی نہ کرسکا اور وقت گزر گیا تو غنی شخص اس زندہ کو ہی صدقہ کرے جیسا کہ فقیر کے لئے یہ حکم بلاخلاف ہمارے اصحاب میں ہے کیونکہ امام محمد نے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف اور ہمارا قول ہے رحمہم اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پردیس میں ہے اس کی جانب سے اس کا کوئی عزیز قربانی کردے تو فرض زید پر سے اتر جائے گا یا اجازت کی ضرورت ہے؟

الجواب:

قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے تو بلااجازت ناممکن ہے۔ ہاں اجازت کے لئے صراحۃً ہونا ضروری نہیں دلالت کافی ہے۔ مثلاً زید اس کے عیال میں ہے اس کا کھانا پہننا سب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۴

پاس سے ہوتا ہے۔ یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے۔ اس کے کاروبار کیا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں ادا ہوجائی گی۔ درمختار میں ہے:

لاعن زوجته وولده الکبیر العاقل ولوادی عنهما بلااذن اجزا استحسانا للاذن عادة ای لو فی عیاله ولا فلا قسهتانی[1] عن المحیط، فلیحفظ، قلت ومسئلة القائم بامورہ بامرہ اظهر وازہر لوجود الاذن ولو فی ضمن العام۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں، اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کردے تو استحسانا جائز ہے عادتا اجازت کی بناء پر یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اس کی عیال میں شامل ہو ورنہ اجازت کے بغیر نہیں یہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے۔ تو اس کو محفوظ کرلو۔ میں کہتا ہوں اگر وہ بیٹا والد کے کام میں مشغول ہو والد کے حکم سے تو پھر یہ مسئلہ زیادہ ظاہر اور بہتر ہے کیونکہ اذن پایا گیا کہ اگرچہ عام کے ضمن میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آدمی پر اولاد صغار کی طرف سے قربانی مثل صدقہ فطر واجب ہے۔ اپنے مال سے کرے یا ہر شخص اپنی علیحدہ کرے، اور جس قدر چاہے اس قدر کرے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اولاد صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے۔ اور قربانی جس پر واجب ہے اس پر ایک ہی واجب ہے زیادہ نفل ہے۔ چاہے ہزار جانور قربانی کرے گا ثواب ہے۔ نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں۔

فی الدرالمختار تجب التضحیة عن نفسه لاعن طفله علی الظاهر بخلاف الفطرة، شاة او سبع بدنه[2] اهملتقطا، وفی الخانیة فی ظاهر الروایة یستحب	درمختار میں ہے قربانی خود اپنے طرف سے واجب ہے۔ نابالغ اولاد کی طرف سے اس پر واجب نہیں بخلاف فطرانہ کے۔ قربانی کے لئے بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ اھ ملتقطا، اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایۃ یہ کہ نابالغ کی طرف

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ولایجب بخلاف صدقۃ الفطر۔ والفتوٰی علی ظاہر الروایۃ[1] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سے مستحت ہے واجب نہیں بخلاف صدقہ، فطر کے، اور فتوی ظاہر روایۃ پر ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۹: از دیورنیاں ضلع بریلی مسئولہ رحیم بخش بروز شنبہ ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ ! بعض ادائے آداب کے عرض ہے دیگر احوال یہ ہے ایک شخص نے ایک راس بکری عیدالاضحیٰ کو قربانی کی اور اس کی کلیجی ٹول اور خاسہ میں باندھ کر قبر کہنہ میں دفن کیا اور راس مذکور کا گوشت سب تقسیم کردیا، اپنے لئے قطعی نہیں رکھا، محلّہ والوں نے سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔ تحریر فرمائے کہ یہ قربانی جائز یا کیا قصہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی ٹوٹکا کیا ہے۔ تحریر فرمائے کہ کیا وجہ ہے؟

الجواب:

کلیجی دفن کرنا مال ضائع کرنا ہے اور اضاعت مال ناجائز۔ اگر اس نے بہ نیت قربانی جانور مولا تعالٰی کے لئے ذبح کیا تو قربانی ہوگئی اور بعد کو اس کا یہ فعل منافی قربانی نہیں اور اگر سرے سے اس کا ذبح ہی کسی ٹوٹکے یا عمل کے لئے تھا نہ بہ نیت ادائے واجب، تو قربانی نہ ہوئی۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از موضع بھدور ضلع پٹنہ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ڈاکخانہ سرمرہ بروز چہار شنبہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

ورثۃ الانبیاء کیا حکم دیتے ہیں اس مسئلہ میں کہ منجانب میت جو قربانی دی جائے اس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے، اس کا رواج ہے کہ ایک حصہ خویش واقرباء اور ایک وقف علی المساکین اور تیسرا حصہ وقف کیا جاتا ہے۔ مع دلیل جواب ارشاد ہو۔

بینوا توجروا

الجواب:

اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے کہ کھانے، کھلانے، تصدق، سب کا اختیار ہے اور مستحب تین حصے ہیں، ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، ہاں مگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے۔ تو وہ سب تصدق کی جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ	اگر میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں

---

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی صفۃ الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۴

نفسه من التصدق والاکل والاجر للمیت و الملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان بامر المیت لا یاکل منها والا یاکل "بزازیة"[1]۔	اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لئے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، فرمایا صدر نے اور مختار یہ ہے کہ اگر میت کی وصیت پر قربانی اس کے لئے کی تو خود نہ کھائے ورنہ کھائے۔ بزازیہ۔ (ت)

اور فقیر کا معمول ہے کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ، العزیز کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب تصدق کر دیتا ہے اور ایک قربانی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضرات سادات کرام کرتا ہے۔ **تقبل اللہ تعالٰی منی ومن المسلمین** (آمین)، (اللہ تعالیٰ میری طرف اور سب مسلمانوں کی طرف سے قبول فرمائے، آمین۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: از قصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مرسلہ رحیم بخش منہار ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

گوشت قربانی کا جو بقر عید میں اہل اسلام میں ہوتا ہے وہ اہل ہنود کو دیا جائے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی ہم کو ضرورت ہے۔ جواب سے مطلع فرمائے گا۔

الجواب:

قربانی اگر فقیر نے کی ہو اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے مگر مستحب یہ ہے کہ اگر اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں خویشوں کے لئے، ایک تصدق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے۔ لہٰذا انھیں دینا خلاف مستحب ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر دینا حماقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از چتورگڑھ محلّہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلمانان گنہ گار ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا عقیقہ کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح قربانی کے رودہ اور آنت کا کافر کو دینا کیسا؟ اور اگر کسی نے نہ جاننے کی حالت میں گوشت یا رودہ وغیرہ دلایا تو اس کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۰۷

الجواب:

آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے۔ وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دی جائے تو حرج نہیں۔

"اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ج"[1]	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے۔

"وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ج"[2]	طیب چیزیں طیب لوگوں کے لئے اور طیب لوگ طیب چیزوں کے لئے۔ (ت)

پھر بھی اگر کوئی اپنی جہالت سے دے گا قربانی میں کوئی حرج نہ کرے گا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ اکبر یار خاں باشندہ سوداگری محلّہ بریلی سوداگر چشمہ بروز جمعہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے ایک قربانی میں تین عــــہ آدمیوں کے نام جو مر گئے ہیں، کیا، وہ فرماتے ہیں قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی اللہ عزوجل کے لئے کی، اور اس کا ثواب جتنے مسلمانوں کو پہنچانا چاہا اگرچہ عام امت مرحومہ کو تو قربانی درست ہوگی، اور ثواب سب کو پہنچے گا، اور اگر ان تینوں نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیتیں کی تھیں، تو ہر ایک کے مال سے جدا قربانی لازم ہے۔ ایک قربانی دو کی طرف سے نہیں ہو سکتی اگر کی جائے تو کسی کی طرف سے نہ ہوگی محض گوشت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از سیتاپور ڈاکخانہ خیر آباد مدرسہ نیازیہ مرسلہ شکور اللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے نیت قربانی کی اور عمرو نے عقیقہ کی نیت، جانور واحد معین میں کرکے جانور حلال کیا اور دونوں نے آپس میں برابر گوشت تقسیم کرلیا، عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

گائے یا اونٹ میں دو سے سات تک شریک ہو سکتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ کسی طرح باہم

عــــہ: اصل میں بیاض تھی اندازہ سے درست کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

حصہ کریں جبکہ ایک حصہ سے کم نہ ہو جائز ہے۔ ہاں اگر ایک نے سواچھ حصے لئے دوسرے نے پون، تو وہ جانور نرا گوشت ہوگیا، قربانی وعقیقہ کچھ نہ ہوا، نہ اس پون والے کا نہ سواچھ والے کا، کہ ایک حصہ سے کم میں تقرب نہیں ہوسکتا، اور جب اس کے ایک جز میں نہ ہوا تو کسی جز میں نہ ہوا اللہ عزوجل ہر شریک سے غنی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ بعض اس کے لئے اور بعض غیر کے لئے جس کا ایک ذرہ غیر کے لئے ہو وہ کل غیر کے لئے ہے۔ یہاں جبکہ دو شخصوں میں گائے نصفا نصف ہے تو ہر ایک کے ساڑھے تین حصے ہوئے۔ ایک حصہ ٹوٹا مگر اور سالم حصے موجود ہیں، اور قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہٰذا دونوں صحیح ہوگئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۵: ۹ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرے دو طرح خصی کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں، اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کو پھینک دی جاتی ہے۔ اس صورت میں ایک عضو کم ہوگیا، آیا ایسے خصی کو بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ بوجہ مذکورہ ممانعت کرتے ہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی گائے کو گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ **فی الهندیة عن الخلاصة یجوز المحبوب العاجز عن الجماع**[1] (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جو جفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے الخ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۶: ۹ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہوجاتا ہے مگر وہ ٹکڑا کان کا ہی لگا دیتا ہے جدا نہیں ہوتا اور اس کے سینگ جو گھوم کر چہرے پر آئے۔ اور ایک سینگ آنکھ تک آیا جس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس کی نوک تراش دی گئی۔ ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے۔ مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔

فی العالمگیریة تجزی الشرقاء وہی	عالمگیری میں ہے قربانی شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۷

مشقوقه الاذن طولا، ولامقابلة ان یقطع من مقدم اذنها شیئ ولا یبان بل یترك معلقا والمدابرة ان یفعل ذٰلك بمؤخر الاذن من الشاة، ومارُوی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم نهی ان یضحی بالشرقاء والمقابلة والمدابرة والخرقاء فالنهی فی الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول علی الندب وفی الخرقاء علی الکثیر علی اختلاف الاقاویل فی حد الکثیر کذا فی البدائع[1]۔	جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ جائز ہے یہ وہ جائز ہے جس کے کام کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن جدا نہ ہو بلکہ لٹکا ہوا ہو، او رمدابرہ جائز ہے یہ وہ ہے جس کے کا بچھلا حصہ اس طرح کٹا ہو، یہ صفات بکری کی ہیں، اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔ تو شرقاء مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی تنزیہہ پر محمول ہے جبکہ کثیر کی حد میں اقوال کا اختلاف ہے بدائع میں یوں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یضحی بالجماء ھی التی لاقرن له خلقة وکذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر اوغیر فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قهستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ[2] والله تعالٰی اعلم۔	جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو اور یوں عظماء بھی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا ہو اور غیر میں اگر سینگ مخ سمیت ٹوٹا ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے کہ اگر سینگ کا ٹوٹنا مشاش تک ہو جائے تو ناجائز ہے۔ اور مشاش یہ ہڈی کا سرا ہے جیسے گھٹنے اور کہنیاں ہیں اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳۷: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

ایک راس عقیقے کے لئے خریدی اس کا سینگ ٹوٹ گیا، اب دوبارہ پھر نکل آیا۔ یہ راس قابل قربانی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الجواب: سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے کہ جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔

فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ۔ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قھستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین[1] اھ۔	ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہو اور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا اور منح تک ٹوٹ چکا ہوتا ناجائز ہے۔ قھستانی، اور بدائع میں ہے اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ (ت)

اور اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا تو حرج نہیں لان المانع قد زال وھذا ظاھر (کیونکہ مانع جاتا رہا، اور یہ ظاہر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن متعلّم مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور کس قدر صحیح ہونا چاہئے اور کس قدر سینگ جانور کا کٹا ہوا ہو تو قربانی ہوسکتی ہے۔ اور جڑ سے ٹوٹ کیا ہو تو کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اعضاء سلامت ہونا ضروری ہے۔ سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا مگر جہاں سے اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قول (ویضحی بالجماء) ھی التی لاقرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر	اس کا قول کہ "جماء کی قربانی جائز ہے۔ یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں اور یوں عضماء بھی جس کے سینگ کا ٹوٹنا وغیرہ کچھ حصہ میں ہو، اور یہ ٹوٹ مخ سمیت ہو تو ناجائز ہے۔ قھستانی اور بدائع میں ہے اگر ٹوٹنا مشاش

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الی المخ لم یجز قهستانی وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تک ہو تو ناجائز ہے۔ مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از چونیاں ضلع لاہور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

انجمن مذکور کے اشتہار مذکور میں ہے جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہوں وہ جائز ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، اور ناجائز ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، مگر چونکہ وہ روایت اصول ہے اس واسطے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتوی کے اوپر فتوی دیتے ہیں کہ جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہو وہ جائز ہے۔

اب حضرت مولانا صاحب جواب خود تحریر فرمائیں کہ ایسا مذکورہ بالا جانور واقعی قربانی میں جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اکثر فتاووں میں ایسے جانور کا ناجائز لکھا ہے۔ حضرت صاحب انجمن کے اشتہار شائع شدہ میں یہ دونوں مسئلے اسی طرح لکھے ہیں، آیا یہ دونوں مسئلے درست لکھے ہیں یا کہ نہیں؟ مفصل طور پر تحریر فرمائیں بحوالہ کتب معتبرہ۔

الجواب:

جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، خانیہ میں ہے:

الشاة اذا لم یکن لها اذن ولا ذنب خلقة یجوز۔ وقال محمد رحمه الله تعالٰی لا یکون هٰذا ولو کان لایجوز، و ذکر فی الاصل عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه یجوز[2]۔	بکری کو اگر پیدائشی طور پر کان اور دم نہ ہو تو جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسا جانور نہیں ہوتا اگر ہو تو قربانی جائز نہیں ہے۔ اور مبسوط (اصل) میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے۔ غالباً یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیة فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۸

واقع میں وہ قابل اعتماد نہ تھا۔

اوّلاً: متون وشروح نے عدم جواز پر جزم کیا اور قول خلاف کا نام نہ لیا، [۱]مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

قال ہشام وسألت ابا یوسف عن السکاء التی لاقرن لہا قال تجزئ فان لم یکن لہا اذن لا تجزئی وہو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	ہشام نے کہا میں نے امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی سے سکاء کے متعلق سوال کیا اور یہ وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں، تو انھوں نے فرمایا جائز ہے اور اگر کان نہ ہوں تو ناجائز ہے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے۔ (ت)

[۲]ہدایہ میں ہے:

السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ لاتجوز لان مقطوع اکثر الاذن اذا کان لایجوز فعدیم الاذن اولٰی[2]۔	سکاء وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر کان نہ ہوں، جائز نہیں، کیونکہ جب کان کا اکثر حصہ کٹا ہو تو ناجائز ہے۔ تو بالکل کان نہ ہوں تو بطریق اولٰی ناجائز ہوگا۔ (ت)

[۳]عنایہ و[۴]غایۃ البیان ونتائج [۵]الافکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، [۶]منسک متوسط میں ہے:

لایجوز الذی لا اذن لہ خلقۃ اولہ اذن واحدۃ[3]۔	جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا صرف ایک کان ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

[۷]مسلک متقسط میں اس پر تقریر کی، [۸]تنویر الابصار میں و[۹]درمختار میں ہے:

والا السکاء التی لا اذن لہا خلقۃ[4]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں ناجائز ہے (ت)

[۱۰]طحطاوی و[۱۱]شامی میں اس پر تقریر کی، [۱۲]بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

---

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۶

[3] المسلک المتقسط فی المنسلک المتوسط باب الہدایہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۴

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

لاتجوز مقطوعۃ احد الاذنین بکمالھا، والتی لھا اذن واحدۃ خلقۃ[1]۔	ایک کان کامل کٹا ہوا اور جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو ناجائز ہے۔ (ت)

۱۳ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

السکاء وہی التی لااذن لھا خلقۃ لاتجوز[2]۔	سکاء وہ ہے جس کا پیدائشی کان نہ ہو، ناجائز ہے۔ (ت)

۱۴ مناسک امام کرمانی پھر ۱۵ شلبی علی الزیلعی میں ہے:

لان فات عنه عضو کامل[3]۔	کیونکہ اس کا کامل معدوم ہے۔ (ت)

۱۶ شرح طحطاوی امام اسبیجابی پھر ۱۷ خزانۃ المفتین میں ہے:

لایجوز السکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ الاوالیۃ لھا خلقۃ[4]۔	سکاء وہ جس کا پیدائش کان یا چکّی نہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

۱۸ اتقانی علی الہدایہ میں ہے:

قال محمد رحمۃ اللہ تعالٰی فی الاصل بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه قال استشرفوا العین والاذن، وروی فی السنن عن علی کرم اللہ وجھه عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تستشرف العین والاذن وقد اعتبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقاء الاذن فمنع فواتھا من جواز الاضحیۃ[5]۔	امام محمد نے فرمایا اصل میں، کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ آپ نے فرمایا کہ آنکھ اور کان کو بغور دیکھو، اور سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرمایا کہ ہم آنکھ اور کان کو بغور دیکھیں، تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کان کی بقاء کا اعتبار فرمایا تو معدوم ہو ناجواز قربانی کے لئے مانع ہوگا۔ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الاضحیۃ فصل واما شرائط اقامت الواجب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۶

[3] حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۶

[4] خزانہ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[5] غایۃ البیان

۱۹ فتح اللہ المعین میں ہے:

لایضحی بالسکاء وھی التی لااذن لها خلقة بخلاف صغیرة الاذن[1]۔	سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی نہ کی جائے بخلاف چھوٹے کان کے۔ (ت)

۲۰ مجمع الانہر میں ہے:

ولاالسکاء وھی التی لا اذن لها خلقة[2]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں۔ (ت)

۲۱ سراجیہ میں ہے:

لاتجزی التی لم یخلق لها اذن[3]۔	جس کے کان پیدا نہ ہوں جائز نہیں، (ت)

ثانیًا: یہی قضیہ حدیث ہے: **کما علمت من غایة البیان** (جیسا کہ تم نے غایۃ البیان سے معلوم کرلیا ہے۔ ت)

ثالثًا: اس کی وجہ اظہر وازہر ہے۔ **کما علمت من الهدایة ومناسك الکرمانی** (جیسا کہ تم نے ہدایہ اور مناسک کرمانی سے معلوم کرلیا ہے۔ ت) ایراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔

رابعًا: یہی اکثر کتب میں ہے **والعمل بما علیه الاکثر** (عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہو۔ ت)

خامسًا: یہی احوط ہے تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد و عمل وفتوٰی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰: ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی دم تہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے اور ایک کان چرا ہوا ہے مگر حصہ اس کا جدا نہ ہوا کان ہی میں لگا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتح المعین کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۰

[2] مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۲۰

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاضاحی نولکشور لکھنؤ ص ۸۹

الجواب:

جائز ہے۔

فی التنویر یضحی بالجماء لامقطوع اکثر الاذن او الذنب[1]۔ فی الدرالمختار للاکثر حکم الکل بقاء و ذھابا۔ فیکفی بقاء الاکثر علیہ الفتوی[2]۔ فی الھندیۃ تجزئی الشرقاء وہی مشقوقۃ الاذن طولا، والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا شیئ، ولا یبان بل یترک معلقا والمدابرۃ ان یفعل ذٰلک بمؤخر الاذن، والنہی محمول علی الندب کذا فی البدائع[3] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے جماء جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو کی قربانی کی جائے نہ کہ اس کی جس کا کان یا دم اکثر کٹی ہو، درمختار میں ہے اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے بقاء اور ضیاع میں تو اکثر حصہ کی بقاء کافی ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ہندیہ میں ہے شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے جس کا کان لمبائی میں کٹا ہو۔ او مقابلہ جائز یہ وہ ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہو، اور جدا نہ ہوا ہو بلکہ لٹکتا ہو، اور مدابرہ جائز ہے، یہ وہ ہے جس کان پیچھے سے ایسے کٹا ہو اور ان سے نہی تنزیہہ پر محمول ہو۔ بدائع میں یوں ہے اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۱: قصبہ کوسی کلاں ضلع متھرا، محلّہ مسجد منڈی حافظ محمد رمضان پیش امام بروز یک شنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

قربانی کی کھال سید کو یا والدین کو دینا درست ہے یا نہیں۔ کتاب مالابدمنہ کے اندر صدقہ نفل سید کو جائز لکھا ہے[4]۔ اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ کھال قربانی صدقہ واجب ہے یا نفل ہے۔ سید کو قربانی کی کھال دے یا نہیں؟ اکثر لوگ قربانی کی کھال دے دیا کرتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے۔ اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ وہ بہ نیت تصدق ہو تو صدقہ نافلہ ورنہ ہدیہ، سقا کو دینے میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۸

[4] مالابدمنہ (فارسی) کتاب الزکوٰۃ مطبع علوی لکھنؤ ص ۵۹

بھی حرج نہیں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲: مرسلہ حاجی الہ یار خان صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

قربانی کی کھال کو بہ نیت تصدق فروخت کرنا یا اس کی قیمت سے بوریا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے کہ تصدق کے لئے بیچا یا مسجد کے صرف میں لانا دونوں قربت ہیں، اور یہاں وہی مقصود، لاعین التصدق ولا تصدق العین (نہ کہ عین التصدق اور عین چیز کا تصدق۔ ت) عالمگیری میں ہے:

لایبیعه بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسه و عیاله، ولوباعها بالدراہم لیتصدق بها جاز، لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے یا اپنی عیال پر خرچ کرنے کے لئے قربانی کی کھال کو دراہم سے فروخت نہ کرے اور اگر دراہم کا صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح عبادت ہے تبیین الحقائق میں یوں ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ایضاح الجواب اصل یہ کہ اضحیہ مثل دم قران وتمتع وذبح تطوع دم شکر ہے ان میں قربت مقصودہ صرف اراقہ دم لوجہ اللہ سے حاصل ہو جاتی ہے۔ ولہٰذا ان کے لحم وغیرہ کا تصدق واجب نہ ہوا، اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

قال تعالٰی "فَکُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ"[2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلوا واطعموا و ادخروا، اخرجه احمد والشیخان[3] ان سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا قربانی سے خود کھاؤں اور قناعت والے اور محتاج کو کھلاؤ، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، کھلاؤ اور ذخیرہ کرو، اس کو احمد اور شیخین نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ وغربال وپوستین توتشہ دان وفرش وتکیہ دجلہ کتاب وغیرہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۰۱

[2] القرآن الکریم ۲۲ /۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۳۵

بنا کر اپنے تصرف میں لانا بھی روا۔

کما نص علیہ فی عامۃ کتب المذہب وعن ام المومنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قالوا یا رسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویحملون فیھا الودك فقال وماذاك قالوا نھیت ان توکل لحوم الاضاحی بعد ثلث قال نھیتکم من اجل الدافعۃ فکلو اوادخروا وتصدقوا، اخرجہ احمد والبخاری و مسلم [1]۔	جیسا کہ اس پر عامہ کتب مذہب میں تصریح کی ہے اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! لوگ قربانی کے چمڑے سے مشکیزے بناتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھر لیتے ہیں توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہوا انھوں نے عرض کی آپ نے تین دن کے بعد قربانی کی گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے تمھیں ضرور تمندوں کی آمد کی وجہ سے منع کیا تھا تو اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو، اس کی تخریج امام احمد، بخاری، اور مسلم نے کی ہے۔ (ت)

اسی طرح مذہب صحیح میں جلد ولحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئے، جیسے برتن، کتابیں، کپڑے، ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

اللفظ للھدایۃ یعمل منہ اٰلۃ تسعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا لان الانتفاع بہ غیر محرم ولاباس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ استحسانا، وذٰلك مثل ماذکرنا، لان للبدل حکم المبدل واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح [2] اھ ملخصا۔	ہدایہ کے الفاظ میں ہے کہ اس کی کھال سے کے استعمال والے آلات بنائے جائیں مثلا بچھونا، تھیلا، غربال (چھلنی) جیسی چیزیں، کیونکہ کھالوں سے انتفاع حرام نہیں ہے۔ اور ان سے گھر میں استعمال کے لئے چیز خریدنا جو بعینہٖ باقی رہے تو استحسانًا اس میں کوئی حرج نہیں اس کی مثال ہماری ذکر کردہ چیزیں ہیں، کیونکہ بدل کا حکم مبدل والا ہے۔ اور گوشت حکم میں بمزلہ کھال کے ہے صحیح مذہب میں اھ ملخصا۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النھی عن اکل الحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۵۸

[2] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

یوہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کو کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء ان کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا۔

لانہ لما جاز التصرف بنفسہ، فجواز الھدیۃ من باب اولٰی کما استدل فی الھدایۃ لجواز طعام الغنی بقولہ متی جاز اکلہ وھو غنی جاز ان یوکل غنیا[1]۔	کیونکہ جب خود اپنا تصرف جائز ہے تو ہدیہ کا جواز بطریق اولٰی ہوگا جیسا کہ ہدایہ میں غنی کو کھلانے کے جواز پر استدلال فرماتے ہوئے فرمایا جب خود غنی ہونے کے باوجود کھانا جائز ہے تو کسی غنی کو کھلانا بھی جائز ہے۔ (ت)

ولہٰذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اباحت بھی روا ٹھہری یعنی دے نہ ڈالے بلکہ دسترخوان پر بٹھا کر کھلادے،

شرح نقایہ علامہ للبرجندی میں ہے:

ویوکل ای یطعم من شاء منہا علی طریق الاباحۃ سواء کان فقیرا اوغنیا، ویھب من یشاء علی سبیل التملیک فقیرا اوغنیا[2]۔	قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے دے اباحت کے طور پر، اور ہبہ کے طور پر تملیک کرے فقیر کو خواہ غنی کو۔ (ت)

شرح لباب میں ہے:

کل دم وجب شکرا، فلصاحبہ ان یاکل منہ ماشاء ویوکل الاغنیاء ولوبالاباحۃ والفقراء تملیکا او اباحۃ ولا یجب التصدق بہ، لابکلہ، ولا ببعضہ[3] اھ ملخصا۔	ہر قربانی جو بطور شکر واجب ہو تو مالک کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، اغنیاء کو کھلائے اباحت کے طور پر خواہ تملیک کے طور پر فقیر کو خواہ غنی کو، یا بعض گوشت کا صدقہ واجب نہیں ہے۔ اھ ملخصا۔ (ت)

اور یہ معنی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ **اطعموا**[4] فرمایا نہ کہ **اعطوا** البتہ یہ ناجائز ہے کہ اپنے یا

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

[3] المسلک المتقسط فی النسلک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا فصل فیما لایجوز من الھدایا دارالکتاب بیروت ص ۳۱۲

[4] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

اپنے اہل وعیال اور اغنیاکے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیاء کے فروخت کرے جو استعمال میں خرچ ہوجائیں اور باقی نہ رہیں جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تمول ہے۔ اور نیت اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے۔ اور یہ جانور جس سے اقامت قربت ہوئی، اس قابل نہ رہا کہ اس کے کسی جز سے تمول کیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

لایشتری بہ مالا ینتفع بہ الا باستھلاکہ کالخل ولا بازیر اعتبار ابالبیع بالدراہم والمعنٰی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[1]۔	قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو ہلاک کرکے نفع اٹھائے جیسے سرکہ یا بیچ جس طرح کہ دراہم سے نفع بطریقہ ہلاک ہوتا ہے تو یہ بھی منع ہے۔ منع کی وجہ مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے۔ (ت)

علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

والمعنٰی فی عدم الشتراہ مالاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ انہ تصرف علی قصد القول، وھو قد خرج عنہ جھتہ التمول[2]۔	ایسی چیزی خریدنے کی ممانعت میں وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرکے نفع کی صورت میں مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے حالانکہ قربانی تو مال سے خارج کرنا مقصود بنائے۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیاء سے صرف خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں، تو اس نیت سے استبدال بھی جائز۔ ولہٰذا تبیین میں فرماتے ہیں:

لوباعھم بالدراہم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[3]۔	اگر دراہم سے اس لئے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اجزاء میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے۔ مگر وہ جس میں معنی تمول پائے جائیں، اسی لئے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں تصریح کی کہ **المعنی انہ لایتصرف علی قصد التمول**[4] اھ

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۴۸

[2] البنایۃ فی شرح الہدایہ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیہ مکہ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

(مقصد یہ ہے کہ مال کے حصول کی غرض سے تصرف نہ کرے۔ت)

اس تحقیق و تنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جو ایک شق تصدق کی لکھتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ تصدق عین ضروری ہے یعنی خاص اسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے بلکہ مطلقاً ہر شیئ کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اعیان باقیہ، نہ عین تصدق ضرور ہے۔ جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا۔

كما فی الزكاة من فتح القدير حقيقة الصدقة تمليك الفقير [1]۔	جیسا کہ فتح القدیر کے زکوٰۃ کے باب میں ہے کہ صدقہ کی حقیقت فقیر کو مالک بنانا ہے۔ (ت)

بلکہ مطلقاً ہر مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے اگرچہ اس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفن موتٰی و نفقہ مسجد وغیر ذٰلک، و لہٰذا اباحت روا ٹھہری، اور علامہ زیلعی کی عبارت مذکور نے صاف واضح کردیا کہ قربت چاہئے خاص تصدق کی کوئی خصوصیت نہیں، اور خود ظاہر ہے کہ جب بے صورت تمول اپنے اور اغنیا کے صرف میں لانا روا ہوا۔ اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارف خیر جس میں اصلا بوئے تمول نہیں اور خود امور قربت ہیں، بدرجہ اولٰی جائز ہوں گے۔

اب حکم مسئلہ بحمدالہ روشن ہولیا، بہ نیت تصدق داموں سے بچنا عبارت فتاوٰی ہندیہ سے گزرا اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں صرف کرنا بھی قربت ہے۔ نہ اپنا تمول جو ممنوع ٹھہرا، پس دونوں صورت مسئولہ سائل کا حکم جواز ہے۔ یہ **بحمداللہ تعالٰی** وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے۔

فاتقن هذا العلك لا تجده بهذا الايضاح والتحرير فی غير هذا التحرير، ولا عليك من خفائه على بعض عـــه ابناء الزمان المدعين العلم العزيز، والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس کو مضبوط کرو ہوسکتا ہے اس وضاحت اور صفائی سے تمھیں کسی اور تحریر میں نہ ملے اور موجودہ زمانے کے مدعین علم پر اس کے مخفی ہونے پر تمھیں تعجب نہ ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

عـــه: مولوی رشید احمد گنگوہی۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقہ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۸

مسئلہ ۲۴۳: از بنارس محلّہ کنڈی ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی واسطے تعمیر مسجد واشیاء متعلقہ مسجد مثل بوریا، بدھنا، فرش، شامیانہ وغیرہ یا برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز کے اگر کوئی شخص مصرف مذکور میں صرف کرے۔ یاسراپایہ وغیرہ ہندو کافر کو دے، تو اس کی قربانی درست ہوگی یانہیں؟

الجواب:

قربانی اراقہ دم لوجہ اللہ سے ہوجاتی ہے **کما نص علیہ العلماء قاطبۃ** (جیساکہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ ت) اس کے بعد کھانے، دینے، دلانے سے اس میں کچھ فرق نہیں آتا اگرچہ کسی کو دے، اور چرم کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴: از موضع کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی عبدالکریم رضا صاحب غرہ جمادی الاآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی مرمت مسجد اور بوریاں وغیرہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور غسل خانہ، پاخانہ واردین مسجد کے لئے اس قیمت سے بنوانا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ اراقہ دم سے اقامت واجب کے بعد اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے خاص تصدق ضروری نہیں بلکہ جمیع انواع خیر کہ مثل تصدق قربت ہیں، سب جائز ہے۔ اور بلا بیع خود اپنے تصرف میں لانا دیگر احباب اغنیاء کو ہدیہ دینا بھی جائز۔

کما طفحت بنقول ذٰلك کتب المذہب المعتمدہ ولنا فی خصوص ذٰلك رسالہ حافلۃ سمیناھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"۔	جیساکہ تم نے مذہب کی کتب معتمدہ سے فائدہ پایا، اور خاص اس مسئلہ میں ہمارا جامع رسالہ ہے ہم نے اس کا نام "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

رواہ ابوداؤد عن نبشة الهذلی رضی الله تعالٰی عنه۔	حاصل ہو (اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو باعها بالدراهم ليتصدق بها جاز لانه قربة كالتصدق[1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے، توجائز ہے۔ کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

لباب میں ہے: **لایجب التصدقه به**[2] (سب گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ ت) شرح میں ہے: **لابکله ولابعضه**[3] (نہ سب کاصدقہ کرنا نہ بعض کا واجب ہے۔ ت)

بالجملہ مدار قربت وعدم قبول ہے۔ اور شک نہیں کہ مسجد کی مرمت، اس میں بوریا وغیرہ آلات کا رکھنا، غسل خانہ بنانا سب افعال قربت ہیں، توان میں اس کا صرف ضرور جائز، اسی طرح واردین مسجد کے لئے پاخانہ بنوانا اگر فنائے مسجد سے جدا اور زمین وقف میں خلاف مشروط تصرف سے برکراں ہو باعث اجر ہے۔ **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۵: ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں تعمیر دیوار مسجد کے لئے دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کھالیں بیچ کر دام کرلئے ہوں تو یہ دام صرف مسجد میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر کھالیں صرف مسجد کے لئے پہلے سے دے دی جائیں یاان کا داموں کے عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لئے نہ ہو بلکہ امور قربت وثواب کی غرض سے ہوں توان داموں کا مسجد کے صرف کے لئے دے دینا، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لئے داموں کو بیچ ڈالیں تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے بلکہ مساکین کو دے دئے جائیں، جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المسلك المتقسط المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب الهدایا دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلك المتقسط المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب الهدایا دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

تو مضائقہ نہیں۔

وذٰلك لان الطریق فی الجلود اما الادخار واما الائتجار، فاذا اعطاہا المسجد، اوباعها لامور القرب، واعطی الثمن فیه، فقد اتی بما ینبغی، اما اذا باعها للتمول، فقد خالف فما حصل خبیث، وسبیله التصدق، وانما التصدق تملیك للفقیر اما اذا ملك فقیر، فاعطی المسجد فلا حرج، فان الصدقة قد بلغت محلها واللّٰه تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ قربانی کی کھالوں میں طریق ذخیرہ کرنا یا اجر وثواب حاصل کرنا ہے تو جب مسجد کو دیں یا ان کو فروخت کرکے تقرب والے امور کے لئے یا ان کی قیمت ان امور میں خرچ کرنے کے لیے تو اس نے مناسب محل پورا کردیا لیکن اگر مال حاصل کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو خلاف ورزی کی لہٰذا جو مال بنایا خبیث ہوا اس کا راستہ یہی ہے۔ کہ اس کو صدقہ کرے جبکہ صدقہ فقیر کو مالک بنانا ہے تو فقیر کو مالک بنایا تو اس نے مسجد کو دے دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ صدقہ اپنے محل پہنچ چکا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۶: مرسلہ جناب حکیم سراج الحق صاحب شہر الہ آباد دروازہ جناب حضرت شاہ محمد اجمل صاحب ۵ ذی الحجہ یک شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد کی جانماز اور مسجد کی مرمت کرنا، اور مسجد میں لگانا، عام اس کے مسجد کی دیوار ہو یا مسجد کا پائخانہ، غسل خانہ وغیرہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکار خیر وباعث ثواب ہو، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔ رواہ ابوداؤد عن نبیشه الهذلی رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	کھاؤ اور اٹھار کھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو (اسے ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

لو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	اگر صدقہ کرنے کی غرض سے دراہم کے بدلے فروخت ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

مگر فنائے مسجد میں پائخانہ بنانا قربت نہیں بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بوئے بد سے بچانا واجب ہے۔ اور اس کی فنا کا ادب بھی اسی کی مانند ہے یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعد مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی کہ باعث بیحرمتی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قیم المسجد لایجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد۔ کذا فی محیط السرخسی[2]۔	مسجد کے منتظم کو جائز نہیں کہ مسجد کی حدود میں دکانیں بنائے، کیونکہ مسجد یا فنائے مسجد کو دکانیں بنایا تو مسجد کی حرمت ساقط ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے۔ جبکہ فنائے مسجد بھی مسجد کے تابع ہے تو اس کا حکم بھی مسجد والا ہوگا، محیط سرخسی میں یوں ہے۔ (ت)

ہاں اگر حدود وفنائے مسجد سے دور کوئی پائخانہ مسافروں اور بے گھر نمازیوں کے متعلق مسجد ہے تو اس کی تعمیر یا مرمت ضروری بھی نیت صالحہ سے ضرور قربت وموجب اجر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: مولانا مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی بالائے قلعہ مدرس اول مدرسہ منظر الاسلام یوم یک شنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی بیچ کر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور کوئی عمارت مثل مسافرخانہ، نشست کی چوپال جس میں مسافر یا اپنے ہم قوم مقیم ہوسکیں **بینوا توجروا**

الجواب:

مسجد یا لوجہ اللہ مسافرخانہ وغیرہ آرام مسلمانان کی عمارت بنانا جس میں اجر ہو اور حصول اجر ہی کی نیت ہو، بالجملہ ہر اس کام میں جو شرعاً قربت ہو، قربانی کی کھال صرف کرنا ہرگز ممنوع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اضحیہ کی نسبت جیسا **تصدقوا** فرمایا صدقہ کرو، یونہی **وائتجروا**[3] بھی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۳/ ۳۳

ارشاد فرمایا وہ کام کرو جس میں ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1]۔	اگر ان کو دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

معلوم ہوا کہ عین تصدق لازم نہیں، بلکہ قربت ہونا درکار ہے۔ تصدق بھی اسی لئے مطلوب ہوا کہ قربت ہے۔ تو جو قربت ہو سب کی وسعت ہے۔ ہاں بہ نیت تمول اپنے صرف میں لانے کو اس کے دام کرنا جائز نہیں۔ حدیث:

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔ رواہ الحاکم[2] و البیھقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس نے قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہ ہوئی، اس کو حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

کا یہی محمل ہے۔ اور حدیث صحیحین میں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے شتران قربانی حج کی نسبت حکم فرمانا کہ ان کا گوشت پوست صدقہ کردیں[3]۔ جواز تصدق کی دلیل ہے نہ کہ تعین تصدق کی، ورنہ اکل و اذخار بھی ممنوع ہوجائے حالانکہ بالاجماع جائز و منصوص ہے۔ وہ واقعہ حال ہے۔ اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں، اسی حدیث میں ان کی نکیلیں اور جھولیں تصدق کردینے کا بھی حکم ہے تو یہ جواد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بخشش تھی نہ کہ عام تشریع، ہاں جس نے تمول کے لئے بیچی وہ ان داموں کو تصدق ہی کرے کہ اول ان کا حصول بروجہ خبیث ہے۔ اور جو مال یوں حاصل ہو اس کی سبیل تصدق ہے۔ عبارت ہدایہ کا یہی مطلب ہے۔ خود ہدایہ میں فرمایا:

المعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[4]۔	وجہ یہ ہے کہ اس نے مال بنانے کی غرض سے تصرف کیا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] صحیح البخاری کتاب المناسک باب یتصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اس مسئلہ کی تحقیق تام مع ازاحت اوہام فقیر کے رسالہ "**الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة**" میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴۸: از جیت پور کاٹھیاوار مرسلہ مولوی نور محمد عرف باوامیاں بن قاضی محمد ہاشم امام مسجد حاجی جیت پور ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بخدمت اقدس علی جناب فیضمآب اعلم اہلسنت وجماعت مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیحضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ برکاتکم ومد فیوضاتکم علینا آمین۔

از جانب احقر العباد نور محمد بن قاضی محمد ہاشم کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے گزارش یہ ہے کہ قربانی کے چمڑوں کو یہاں کے مسلمان اپنے محلّہ کی مسجد میں للہ خیرات دیتے ہیں۔ اور متولیان مسجد ان کو بیچ کر قیمت جمع رکھتے ہیں اور حسب ضرورت امام کا پگار اس رقم میں سے دیتے ہیں۔

پس یہ قربانی کے چمڑوں کا مسجد میں خیرات دینا اور اس پیسوں کا امام کو دینا یا دوسرے ضروری خرچ مسجد ڈول رسی وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد دے دینا کہ انھیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمان مسجد مسجد کے کاموں مثلاً ڈول۔ رسی، چراغ، بتی، فرش، مرمت، تنخواہ مؤذن، تنخواہ امام وغیرہا میں صرف کریں، بلاشبہ جائز و باعث اجر وکار ثواب ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے، **جازلانه قربة کالتصدق**[1] (جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) اسی طرح ہدایہ وکافی وعالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کلواوادخروا وائتجروا**[2] (کھاؤ اور اٹھا رکھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ ت) امام اگرچہ غنی ہو اس کی تنخواہ دینے کو متولی یا منتظم ان چمڑوں کو بیچ سکتے ہیں، یا پہلے سے انھوں نے مصارف مسجد کے لئے دام رکھے ہیں، تو ان میں سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔

فان الجلد قد وصل موضع التقرب وعطاء وظیفة امام المسجد ایضا قربة۔	کیونکہ کھال تقرب کے مقام کو پہنچ گئی، امام مسجد کو وظیفہ دینا بھی قربت ہے اگرچہ غنی کو لینا قربت نہیں۔

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۹/۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

وان لم یکن اخذہا قربۃ للغنی بل مباحا علی المفتی بہ فلم یکن فی معنی البیع بالدراہم لھدیۃ غنی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ مفتی بہ قول پر مباح ہے۔ تو غنی کو ہدیہ دینے کی غرض سے فروخت کے معنی میں نہ ہوئی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۹ و ۲۵۰: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی امام یا مؤذن مسجد کو دینا یا اس کی قیمت فروخت کرکے دینا جائز ہے یانہیں۔ اگر پیش امام تنخواہ پاتے ہیں تو کیا حکم ہے۔ اور جن کی تنخواہ بھی مقرر نہیں صرف عید کو کچھ بطور ہدیہ چندہ کرکے دے دیا، عیدالاضحٰی کو قربانی کے چرم وغیرہ دے دئے یا محلّہ میں نکاح خوانی لیں، اسی پر ان کی گزراوقات ہو۔ تو ایسوں کے واسطے چرم قربانی یا اس کی قیمت دینا کیسا ہے اور کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔** کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس عدالت سے کسی شخص کے قرضہ کی بابت کے نیلام کی راس قربانی کے واسطے علیحدہ علیحدہ کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب

(۱) امام ومؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں، اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں، یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے۔ یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ تموّل ہے اور قربانی سے تموّل جائز نہیں۔ ہاں اگر اہل محلّہ نے امام ومؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کرسکتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس خریدنا جائز نہیں، نہ اس کی قربانی ہوسکے کہ وہ فضولی کی بیع ہے۔ یعنی غیر مالک کی بے اجازت مالک، اور ایسی بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔ اور بیع موقوف قبل اجازت مفید ملک نہیں ہوتی۔ اور ملک غیر کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح کچہری میں نیلام جبکہ قیمت اس مطالبہ سے زائد نہ دی گئی ہو، جس میں وہ نیلام ہوا، وہ نیلام بھی بے رضائے مالک ہے۔ ہاں مثلاً اگر سو روپے کا مطالبہ تھا اور ایک سو ایک کو نیلام ہوا، سو روپے ڈگری دار کو دئے گئے اور باقی روپیہ اصل مالک کو، اور وہ اس نے لے لیا، تو یہ اس بیع کی اجازت ہوگئی، اب خریدار اس شیئ کا مالک ہوجائے گا۔ اور اس کی قربانی صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۴: از موضع سٹیلہ ڈاکخانہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ مرسلہ مجید اللہ خاں ۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ

حامدًا ومصلیًا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسائل ہذا میں:

(۱) کھال قربانی کی اگر ہم لوگ بلارعایت کسی استحقاق خدا کے واسطے خیال کرکے اگر اپنے امام مسجد کو دیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) آج ہمارا امام غریب ہے کل کو خدا کے فضل سے صاحب نصاب ہوگیا تو کھال قربانی اس صورت میں بھی دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) سید صاحب کو کھال قربانی اور مدز کوۃ سے مسلوک ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۴) صاحب قربانی اپنی قربانی کی کھال کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے تو کس کس خرچ میں؟ ڈول، مصلٰی، مشک وغیرہ کے علاوہ تاڑی سائی وغیرہ بھی بنواسکتا ہے یا نہیں؟

فیض اللہ خاں، حبیب خاں، جھدو خاں، کالے خاں پسر جنگ باز خان

الجواب:

واجب اضحیہ اراقۃ دم سے ادا ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد لحم وجلد اس کی ملک ہیں، اس میں ہر تصرف مالکانہ کرسکتا ہے صرف تمول ممنوع ہے۔ تو کھال بعینہٖ، خواہ اس کا ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنواکر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ سید کو بھی دے سکتا ہے ہر غنی کو دے سکتا ہے تو امام نے کیا قصور کیا ہے۔ عام ازیں کہ صاحب نصاب ہو یا نہو، ہاں اس داموں سے بیچنا اس غرض سے کہ اپنے دام اپنے یا کسی غنی کے صرف میں لائے جائیں، جائز نہیں، وہ غنی ہو یا غیر، یونہی اگر امام اس کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ کے بدلے کھال دی تو ناجائز ہے کہ یہ تمول ہوا یعنی کھال دے کر مال بچانا، اور اگر کھال اس لئے بیچی کہ اس کے دام تصدق کرے تو امام غیر صاحب نصاب کو دے سکتا۔

وکل ذٰلك مفصل فی فتاوٰنا وفی رسالتنا الصافیة الموفیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة۔	یہ تمام ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ۔ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں مفصل بیان ہوچکا ہے۔ (ت)

بنی ہاشم کو زکوۃ دینا جائز نہیں، نہ انھیں لینا جائز۔ نہ ان کے دیئے ادا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور یہی صحیح ہے کما بیناہ فی رسالتنا "الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم" (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "الزھر البالھم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم" میں بیان کیا ہے۔ ت) امامت کے معاوضۃ میں بھی چرم قربانی دینا ایک صورت میں جائز ہے۔ وہ یہ کہ متولیان مسجد یا اہل محلّہ نے اسی طرح اسے مقرر کیا کہ تم امامت کرو قربانی کی کھالوں سے تمھاری خدمت کی جائے گی، یہ صورت بھی صورت تمول نہیں، چرم قربانی جس طرح مذکور ہوا اپنے مصرف میں مطلقًا لاسکتا ہے۔ رنگوانے کی شرط محض رنگ آمیزی حماقت

ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سید محمد حسن علی قاضی، مہدیوا علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ بروز یک شنبہ تاریخ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کیسے شخص کو دینا درست ہے اور جائز ہے اور گر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو دے دیں تو قربانی اس کی جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو کہ "وہ پیش امام بھی مسجد کا ہے۔ دے دی، تو قربانی انس کی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کا حق سمجھ کر اس کو دے دی جائے، یا وہ پیش امام ان کھالوں کو اپنا حق سمجھ کر بزور لے تو ان کھالوں کا اس شخص کو دینا درست اور جائز ہے یا نہیں؟ اور قربانی ان لوگوں کی درست ہے اور جائز یا نہیں؟ اگر قربانی کی کھالیں کسی مسجد کی تعمیر کے کام میں لائیں یا ان کو فروخت کرکے مسجد کے جانماز بنوالیں، یا مسجد کے اور کام میں لائیں، مثلا مسجد کا سقادا بنوالیں، یا مسجد میں اس کی قیمت کا پانی ڈلوائیں تاکہ سب نمازی وضو کریں، یا مسجد میں آفتابے بنوائے جائیں تاکہ نمازی وضو کریں، ان سب صورتوں میں قربانی درست اور جائز ہوئی یا نہیں؟ بحوالہ حدیث وآیات کتب معتبرہ تحریر فرمائیں اجر ملے گا دن قیامت کے نزدیک اللہ جل شانہ، کے۔

الجواب:

قربانی راقۃ دم لوجہ اللہ کا نام ہے۔ واجب اس قدر سے ادا ہوجاتا ہے۔ پھر اس کے گوشت پوست کے لئے تین صورتیں ارشاد ہوئیں ہیں، بعینہٖ اپنے صرف میں لایا جائے، یا وقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یا اس سے ثواب کا کام کیا جائے۔

کلوا وادخروا وائتجروا۔[1]	کھاؤ اور اٹھار کھو اور ہر وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ (ت)

ثواب میں وہ مسجد کے سب کام داخل ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں۔

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔[2]	جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی اس کی قربانی نہ ہوئی۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس ۲ /۳۳

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲ /۳۹۰

کھال کی جس طرح جانماز یا کتابوں کی جلدیں یا مشکیزہ اپنے لئے بنواسکتا ہے یونہی کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی امام ہو، جبکہ اس کی تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے تو دینا ناجائز۔ کہ یہ وہی تمول ہوا جو ممنوع ہے۔ اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے تو جائز نہیں کہ یہ مسجد میں دے دے، اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔ قربانی کی کھالوں میں امام کا کوئی حق نہیں اور اسے جبراً لینا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: از کیلا کھیڑا ڈاکخانہ بازپور ضلع نینی تال مرسلہ عبدالمجید صاحب   ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

اس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ بقر عید کی قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کو دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے اگر وہ فقیر ہو، اور بطور صدقہ دیں، یا غنی ہو اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اُجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لئے دے دی اس نے مسجد کی طرف امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: محمد عبدالحافظ صاحب، میمن سنگھی مدرس مدرسہ یاکد سرپوست لکھیا ضلوع میمن سنگھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی جلد سے مسجد بنانا اور مسجد کے چونا لگانا اور مرمت کرنا اور چٹائی وفرش خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بدلائل کتب صافیہ وعبارات صحیحہ سے بیان فرمایا جائے۔ فقط

الجواب:

جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[2]۔ رواہ ابوداؤد عن نبیشۃ الہذلی رضی اللہ	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کے کاموں میں خرچ کرو (اسے ابو داؤد نے نبیشہ ہذلی رضی اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

تعالٰی عنه۔	تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کا صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

ثابت ہوا کہ خاص تصدق ضرور نہیں بلکہ ہر وقت۔ہاں اس سے اپنا تمول ممنوع ہے کہ اپنے خرچ کے لئے روپوں یا کسی ایسی چیز سے بدلے جو خرچ ہو جاتی ہے۔بنایہ شرح ہدایہ للامام العینی میں ہے:

المعنٰی فی عدم الشتراہ مالاینتفع به الا بعد استهلاکه انه تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جهة التمول[2]۔	کھال کے بدلے ایسی چیز نہ خریدنا جس کو ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل کی ممانعت کا مطلب ما حاصل کرنے کی غرض سے تصرف مراد ہے جبکہ اس صورت میں تمول کی جہت خارج ہو گیا۔(ت)

ظاہر ہے کہ مسجد میں صرف کرنا تمول سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ تصرف [عـــه] باطل ہے۔کوئی ذی شعور ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کوئی ذی علم۔اُن مدعیوں پر فرض ہے کہ اولاً شرح مطہر سے اس کا ثبوت دیں کہ جس مسجد کی مرمت پرست قربانی سے ہوئی ہو اس میں نماز ناجائز ہے۔جب وہ ثبوت دینے کا ارادہ کریں گے ان پر کھل جائے گا کہ ان کی دونوں باتیں محض بے اصل تھیں وباطل تھیں ان پر توبہ فرض ہے کہ شرع مطہر پر افتراء بہت سخت چیز ہے۔اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق خیر دے آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۴: از رنگون مگول اسٹریٹ یونانی ڈسپنسری (یونانی شفاخانہ مرسلہ حکیم محمد ابراہیم راندیری ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام کو دے دیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا بھی ہوتا ہے اور پیش امام صاحب بھی یوں فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں، ضرور مجھے دی جائیں، اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعاً دینا جائز ہیں نہ کہ جبراً۔

عـــه: فی الاصل ھکذا العله من قلم الناسخ والصحیح بلکہ اس کو تمول کہنا تصرف باطل ہے۔۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

[2] البنایة فی شرح الهدایه کتاب الاضحیة المکتبة الامدادیة مکه المکرمه ۴/ ۱۹۰

جب تبرعًا دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم باقی کا امام صاحب کو دینگے، اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے۔ پس اختلاف طرفین کی جانب سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے، منصف مولوی صاحب نے یوں حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام صاحب کو دے دو اور کسی دیگر مساکین کو نہ دو، اس واسطے کہ وہ لوگ تمھاری حیات وممات کے حقدار نہیں، اور پیش امام صاحب پر جبرا لینے سے بھی گناہ نہیں اور گناہ واقع ہو تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اس گناہ کی جزا سزا میں نے لی، تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے پیش امام صاحب کو دے دو۔

حاضرین محفل میں سے کسی صاحب نے ان مولوی صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں نے ایک گائے کی قربانی کی، اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا، ان کو دیا جائے گا یا نہیں؟

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑہ دو مسکینوں کو دینا مکروہ ومنع ہے۔ اس نے پھر کہا دوسرا مسکین بھی تو سائل ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ دوسرے سائل کا سوال اس کی دُبر میں جانے دو۔

اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) اس طرح جبرا قربانی کی کھال پیش امام کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جبرا لے لیا تو اس پیش امام کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۳) اور اسی طرح جو شخص جبرا لینے والے کی مدد کرے، اس مددگار کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے۔ قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص پر امام صاحب کو حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بددعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس منصف مولوی صاحب کے حق میں جس نے حشر کے دن مواخذہ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے۔ کیا حکم ہے، نیز منصف مولوی صاحب ایک مسجد کے پیش امام ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۶) جو شخص حق کو باطل کردے اس کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۷) ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس شخص نے جھوٹ کہا کہ قربانی کی کھالیں اس کا حق ہے۔ شریعت مطہرہ نے کھالوں میں اتنے اختیار دئے ہیں، وہ صورت کرے کہ بعینہٖ ان کو باقی رکھ کر استعمال میں لائی جائیں، مثلاً مشک یا

ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالے، یا کسی ایسی ہی چیز سے جو باقی رکھی جاتی ہے بدل لے۔ مثلاً ان کے بدلے برتن یا کتاب خرید لے۔ یا بعینہٖ کھال اپنے عزیزوں، قریبوں خواہ کسی غنی کو دے دے، یا مسجد یا مدرسہ دینی میں دے دی جائے، یا اسے تقریب الی اللہ کے لئے بیچ کر اس کے دام فقراء مساکین طلبہ وغیرہم مصارف خیر کو دئے جائیں، خواہ ایک کو سو کو، یہ جو اس شخص نے کہا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا ایک چمڑا دو کو دینا منع ہے۔ محض جھوٹ کہا، اور شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور اس کا یہ کہنا کہ پیش امام کو جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں، شریعت پر اس کا دوسرا افتراء اور ظلم کو جائز کرنا ہے۔ اور اس پر وہ سخت جرأت کہ اس پر جو سزا ہو وہ اپنے ذمہ لی، عذاب الٰہی کو ہلکا سمجھنا اور معاذ اللہ کلمہ کفر ہے۔ اس کی امامت جائز نہیں، اور پیش امام اگر کھالیں لینے پر جبر کرے اس سے باز نہ رہے تو یہ بھی فاسق معلن ہے۔ اور اس کا امام بنانا گناہ اور اس جبراً لینے میں جو اس کی مدد کرے وہ سخت شدید گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام[1]۔	جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ (ت)

اور جو شخص امام کو کھال نہیں دیتے خواہ وہ تنخواہ پاتا ہو یا نہ پاتا ہو، اس میں ان پر کوئی شرعی الزام نہیں کہ امام کو دینا شرع نے واجب نہ کیا تھا، نہ کھال امام کا حق تھی کہ اس کی حق تلفی ہوتی، اس پر جو امام نے اس مسلمان کو وہ سخت بد عا دی کہ "وہ خدا ہی مستحق غضب ہوا، العیاذ باللہ تعالٰی کہ اس نے مسلمان کو ناحق ایذا دی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ[2]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۵ تا ۲۶۹: از سنبھل محلہ رحمٰن سرائے مرسلہ احمد خاں صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور کی کھال دام صاحب قربانی اپنے مصرف میں لائے یا نہیں؟ اور قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟ اور قربانی کے چمڑے کو بحق پیش امام دے یا نہیں؟ اور مسجد میں صرف کرے یا مدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟ اور سری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کر لے تو دے یا نہیں؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

اور ۴مسجد میں صرف کرے یامدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟ اور ۵سِری قربانی کی حجام اپناحق سمجھ کرلے تودے یانہیں؟

الجواب:

۱قربانی کی کھال کے دام صاحب قربانی اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔ حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له۔[1]	جواپنی قربانی کی کھال بیچے اس کی قربانی نہ ہوئی۔

۲مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ اپنا، ایک احباب کا ایک مساکین کا، ۳پیش امام کا اس میں کوئی حق نہیں، دو تو اختیار ہے۔ لیکن اگر وہ اس کا نوکر ہے تو تنخواہ میں نہیں دے سکتا، ۴مسجد اور مدرسہ دینیہ دونوں میں صرف کرنا جائز۔ ۵حجام کا اس میں کوئی حق نہیں، دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۰: از موضع میونڈی بزرگ ضلع بریلی مسئولہ سید امیر عالم حسین صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلود قربانی مسجد میں لگانا درست ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ فرش وچھت میں لگانا درست نہیں، یعنی جس جگہ سجدہ کیا جائے وہ جگہ قیمت جلود قربانی سے نہ بنائی جائے کہ وہ قیمت صدقہ ہے اس جگہ سجدہ کرنا حرام ہے۔ ہاں اس قیمت سے حدود دیوار مسجد یا غسلخانہ وغیرہ بنایا جائے تو درست ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں وغیرہ بنوادیا جائے، تو کچھ حرج نہیں خواہ مسجد میں ہو یا اور کہیں، اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں بھی نہ بنایا جائے، کہ وہ قیمت صدقات سے ہے کہ اس کے پانی سے وضو جائز نہ ہوگا، اور نہ اس کا پانی پینے کے قابل ہوگا، تو جناب قبلہ سے امیدوار ہیں کہ اس کا ثبوت غلامان کو کیوں نہ دیا جائے کہ قیمت جلود قربانی کس کام میں صرف کی جائے آیا مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر قربانی کی کھال مسجد میں دے دی تو متولی کو اختیار ہے کہ اسے مسجد کے جس صرف میں چاہے صرف کرے، اور اگر مسجد میں دینے کی نیت سے خود اس کے دام کئے تو وہ دام بھی مسجد کے ہر کام میں صرف ہوسکتے ہیں، ہاں اگر اپنے خرچ لانے کی بہ نیت سے کھال بیچے تو یہ حرام دام خبیث ہیں، مسجد میں نہ دے، نہ مسجد کے کسی کام میں صرف ہوں، بلکہ فقیر مسلمان پر صدقہ کئے جائیں، **وتحقق المسئلة فی رسالتنا "الصافیة الموحیة لحکم جلود والاضحیة"** (اس مسئلہ کی تحقیق ہمارے رسالہ **"الصافیة الموحیة لحکم جلود واالاضحیة"**

---

[1] المستدرك كتاب التفسير دارالفكر بيروت ۲/ ۳۹۰

میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: ازجزمیرہ ضلع فرید پور ڈاک خانہ خاص مرسلہ مولوی مفیض الدین صاحب قاضی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ونفع المسلمین بعلو مکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ تعمیر مسجد از چرم جائز ست یانہ وتصدق بچرم اضحیہ از قبیل تطوعات ست یا از واجبات، ودر ادائے صدقہ واجبہ تملیک مشروط ست، ھکذا درادائے صدقہ نافلہ تملیک، مشروط است یانہ؟	آپ کا کیا ارشاد ہے اور اللہ تعالٰی آپ کے علوم سے مسلمانوں کو نفع دے، اس مسئلہ میں کہ قربانی کے چرم سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یانہیں؟ قربانی کے چرم کا صدقہ واجب ہے یا نفل؟ اور صدقہ واجبہ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے کیا نفلی صدقہ کی ادائیگی میں بھی تملیک شرط ہے یانہیں؟ (ت)

الجواب:

صدقہ باطلاق عام درگرد تملیک نیست کما نطقت بہ الاحادیث الکثیرۃ وحققناہ فی فتاوٰنا منھا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماأطعمت زوجتك فھو لك صدقۃ، وما اطعمت ولدك فھو لك صدقۃ۔ وما اطعمت خادمك فھو لك صدقۃ[1]۔ بلکہ کفارہ صوم وظہار ویمین خود واجب ست، وشك نیست کہ از قسم صدقہ است، ولہٰذا غنی را روا نیست، معہذا تملیک لامز نکردہ اند۔ اباحت دارد کما نصوا علیہ قاطبۃ. برچرم اضحیہ راسا ہیچ وظیفہ از شرع معین نیست، روا ست کہ باستعمال خود دارد، یا بغنی ہدیہ کند پس او بمعنی	مطلق صدقہ تملیک کا پابند نہیں ہے جیسا کہ کثیر احادیث اس پر ناطق ہیں اور اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے ایک حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: جو تو نے اپنی بیوی کو کھلایا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنی اولاد کو کھلایا وہ تیرا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنے خادم کو کھلایا ہے وہ تیرا صدقہ ہے۔ بلکہ کفارہ صوم، ظہار اور قسم، واجب ہے اور شک نہں کہ از قسم صدقہ ہے اسی لئے غنی کو کھانا جائز نہیں اس کے باوجود تملیک لازمی نہیں ہے بطور اباحت دینا جائز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ چرم قربانی پر تو کوئی شرعی حکم معین نہیں ہے خود استعمال کرنا جائز ہے یا کسی غنی کو ہدیہ کردے تو شرعی مطالبہ کے

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۳۲۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۴۱۵

مطالبہ شرعیہ اصلا صدقہ نیست نہ واجبہ، نہ نافلہ، نہ عامہ، نہ خاصہ، پس شرط تملیک فقیر زیادت ست بر شرع است آری اگر بفقیر بخشید صدقہ خاصہ نافلہ شود وایں معنی موجب آں نبود کہ جزیں کار آں جا ہیچ روا نیست نہ بینی کہ زرے کہ بہ بنائے مسجد یا تکفین میت صرف کنی، اگر بفقیرے دہی، نیز صدقہ خاصہ نافلہ بود، وایں معنی منع نہ کند از صرف زر درکار خود یا درکار خیر، بلکہ آنجا خود مطالبہ شرعیہ بود کہ بنائے مسجد بمحل حاجت، و تکفین میت، ہر دو واجب ست، وبصرف اضحیہ یا چرم او بکار دگر اصلا مطالبہ نیست نا گویند کہ مطلوب شرع صدقہ اوہست ومصرف صدقہ جز محل تملیک نباشد بہ صدقہ اش زنہار از شرع مطالبہ نیست، بلکہ ایں جاسہ کار فرمودہ اند کلو اوادخروا وائتجروا خورید، وبرائے حاجت بردارید، وبکار ثواب صرف کنید، رواہ ابو داؤد[1] عن نبشۃ الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم. ایں سوم خود جمیع میراث ومثوبات راشامل ست، تعمیر مسجد نیز ازان ست، پس بالیقین رواست واللہ تعالٰی اعلم۔	طور پر ہرگز صدقہ نہیں ہے۔ نہ واجب، نہ ہی نفلی، اور نہ عام نہ خاص پس اس میں تملیک فقیر کی شرط کرنا شرع پر زیادتی ہے۔ ہاں اگر فقیر کو دے گا تو خاص نفلی صدقہ ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقیر کے بغیر کسی کے لئے روا نہیں، دیکھئے جو زر آپ نے مسجد کی تعمیر پر کیا یا میت کے کفن پر خرچ کیا اگر فقیر کو دیتا تو وہ بھی خاص نفلی صدقہ ہوجاتا جبکہ وہ اس چیز کو مانع نہیں کہ آپ خود اپنے صرف میں یا کسی بھی کار خیر میں صرف کریں بلکہ مسجد کی تعمیر ضروری ہو یا کفن دینے کی حاجت ہو، تو شرعی مطالبہ ہے اور یہ دونوں واجب ہوجاتے ہیں حالانکہ چرم قربانی کو کسی کام پر خرچ کرنے کا شرعا کوئی مطالبہ نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو صدقہ کرنا شرعا مطلوب ہے اور اس صدقہ کا مصرف تملیک کے بغیر نہیں ہوسکتا جبکہ شرع نے اس کو صرف کرنے کا کوئی بھی حکم نہیں دیا، ابوداؤد نے حضرت نبشۃ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور اجر کماؤ، یہ تین کام کرنے کا حکم فرمایا جبکہ تیسرا حکم تمام نیکیوں اور ثواب والے مقامات کو شامل ہے اور مسجد کی تعمیر بھی نیکی کا کام ہے۔ لہٰذا اس کا مصرف تعمیر مسجد کے لئے بالیقین جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از ملا محمد اسمٰعیل ابن محمد رمضان در مسجد رنگریزاں پالی تاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ سب محلّہ قربانی کی کھالیں ہمارے محلّہ کی مسجد میں دیتے ہیں تاکہ مسجد کی ڈول، رسی وچراغ وبتی میں امداد پہنچے، اور اگر سوائے ہماری مسجد کے اور جگہ ان

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کھالوں کو صرف کردے، تو اس کو ہم محلّہ سے خارج کردیتے ہیں، عندالشرع ایسا کرنا کس حکم میں داخل ہے؟

الجواب:

مسجد میں چرم قربانی صرف کردینا جائز ہے مگر واجب نہیں، دوسرا اگر اور کسی جائز صرف میں خرچ کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اس بناء پر اسے محلّہ سے خارج کردینا ظلم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳ و ۲۷۴: ازانبیٹھ تحصیل نکوڑ ضلع سہارنپور مسئولہ سید مظفر صاحب ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے ذی شان مسئلہ محررہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) زید پوست قربانی بعینہٖ مسجد میں دینے کو اور اس کی ضروریات میں خرچ کرنے کو خواہ تنخواہ مؤذن ہو یا دیگر حوائج مسجد جائز کہتا ہے۔ اور نیز قربانی کرنے والے کو اپنے استعمال میں لانا، خواہ ڈول بنا کر یا دیگر کسی طریقے سے شے معتمد اپنے لئے تیار کرانے کو شرعًا جو جائز کہا گیا، تو اسی ڈول کو جو اس نے استعمال کے لئے تیار کرایا تھا مسجد میں اگر دے دے تو زید مذکور اس کو جائز رکھتا ہے اور عمرو ان دونوں امر کو ناجائز کہتا ہے۔ اور استدلال ہر دو کا کتب فقہ مثل ہدایہ وشامی کی عبارت سے جیسا کہ عبارت ہدایہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۴۴۸ میں ہے:

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منھا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا الخ۔[1]	قربانی کی کھال کو صدقہ کیا جائے کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے یا اس کو خود کام میں لاکر گھر میں خوان یا تھیلا یا چھلنی وغیرہ بنالے الخ۔ (ت)

زید کہتا ہے جبکہ پوست قربانی کی اشیاء قربانی کرنے والا اپنی ذات کے لئے تیار کراکر استعمال کرسکتا ہے تو وہ ان کو مسجد میں دے دے تو کیا حرج ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ صدقہ طرفہ کے معنی تملیک بلاعوض ہے تو مسجد میں پوست قربانی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد تملیک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، ایسے ہی شارع علیہ السلام نے پوست قربانی کی اشیاء تیار شدہ کو اپنے نفس کے لئے اپنے گھر میں استعمال کرنے کے لئے حکم فرمایا نہ کہ مسجد میں اسی شیئ کو اپنی طرف سے دے دینے کو۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گائے وغیرہ کے سینگ کے اوپر کا حصہ نیچے تک ٹوٹا ہو تو ہدایہ میں تو مطلقًا مکسورۃ القرن کو جائز لکھا ہے۔ اور شامی میں تفصیل اس طرح کہ اگر کسر مخ تک پہنچی تو ناجائز ہے ونیز مشاش یعنی رؤس عظام تک اگر کسر پہنچے تو ناجائز، تو جس جانور کا اوپر والا حصہ نیچے تک

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اکھڑ گیا وہ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) زید کا قول صحیح ہے۔ بیشک اسے امور بروخیر میں صرف کرسکتے ہیں، اور اپنے لئے ایسی چیز جو باقی رکھ کر استعمال کی جائے جیسے ڈول۔ مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بناسکتے ہیں اور اسے بدرجہ اولٰی مسجد میں دے سکتے ہیں، تصدق جس میں تملیک فقیر ضرور ہے۔ صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ میں ہے ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارہ صیام وظہار ویمین کہ ان کے طعام میں تملیک فقیر کی حاجت نہیں اباحت بھی کافی ہے، **کما فی فتح القدیر**[1] **وغیرہ عامۃ الکتب** (فتح القدیر وغیرہ عام کتب میں جیسا کہ موجود ہے۔ت) چرم قربانی کا تصدق اصلا واجب نہیں، ایک صدقہ نافلہ ہے۔ اس میں اشتراط تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا۔[2]	کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔

کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: **لانہ قربۃ کالتصدق**[3] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

کیا مسجد میں دینا قربت نہیں۔ اور عجیب منطق یہ ہے کہ مسجد میں دینا تو جائز نہیں کہ تملیک فقیر نہ ہوگی، اور غنی کا اپنے صرف میں رکھنا جائز اس میں تملیک فقیر ہوگئی **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قرن اوپر ہی کے حصے کو کہتے ہیں۔ جو ظاہر ہوتا ہے وہ اگر کل ٹوٹ گیا حرج نہیں ولہذا ہدایہ میں مکسورۃ القرن کو جائز فرمایا، ہاں اگر اندر سے اس کی جڑ نکل آئی کہ سر میں جگہ خالی ہوگئی، تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار کا یہی مفاد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ ہندوپٹی مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

مفتیان کرام ذوی الاحترام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔ زید کہتا ہے کہ جلد قربانی وعقیقہ مسجد ومدرسہ کے صرف میں آسکتی ہے۔ بکر کا قول ہے کسی فقیر کو دی جائے وہ خرچ کرسکتا ہے

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

کیونکہ یہ صدقہ ہے اور صدقات کی تفصیل کلام الٰہی نے فرمادی: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"[1] الاٰیۃ سورۃ توبہ (صدقات خاص کر فقراء کے لئے ہیں۔ ت) اور حکم باری تعالٰی ہے:

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ"[2]	تو اگر تم کسی معاملہ میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔ (ت)

لہٰذا کلام ربانی کی طرف رجوع کی گئی نیز بکر کا بیان ہے کہ بر تقدیر صحت قول زید کا اس کا ماخذ کہاں ہے امید کہ مسئلہ کی توضیح مع نقل عبارات فرمائی جائے۔ فقط

الجواب:

بیشک ہر منازعت میں اللہ و رسول ہی کی طرف رجوع لازم ہے۔ مگر ہر ایک کو بلا واسطہ رجوع کی لیاقت کہاں، یہیں دیکھئے آیہ کریمہ میں صدقات سے زکوٰۃ مراد کہ اسی میں ارشاد ہوتا ہے "وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"[3] (صدقات پر کام کرنے والوں پر۔ ت) اور بکر نے اسے قربانی و عقیقہ کو شامل کر دیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے تو گوشت کی نسبت خود قرآن عظیم میں ارشاد ہے: فکلوا منہا[4] اس میں سے خود بھی کھاؤ۔ اب کہاں رہی صدقات کی وہ تفصیل جو اس آیہ کریمہ میں بالحصر ارشاد ہوئی تھی کہ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"[5] (صدقات فقراء کے لئے ہیں الآیۃ۔ ت) یہ بھی نہ سمجھا کہ عوام تک اس کو قربانی کہتے ہیں نہ کہ صدقہ، تو ہر کار تقرب اس میں روا، لہٰذا امام زیلعی نے شرح کنز الدقائق میں فرمایا: لانہ قربۃ کالتصدق[6] (کیونکہ صدقہ کی طرح یہ قربت ہے۔ ت) ہاں ہم نے خاص مسئلہ میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کی تو اس کا ارشاد پایا،

"فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾"[7]	خود اس میں سے کھاؤ اور ضرور تمند فقیر کو کھلاؤ۔ (ت)

اطعام کے لفظ نے بتایا کہ تصدق ہی واجب نہیں اباحت بھی کافی ہے۔ جو محض ایک قربت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رجوع کی، تو حضور کا ارشاد پایا:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸۔۳۶

[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[6] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[7] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸

فکلوا وادخروا وائتجروا [1] رواہ ابوداؤد وغیرہ عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کا کام کرو۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مسجد ومدرسہ دینیہ اہلسنت میں دینا بھی ثواب کا کام مثل اطعام، اور اسی ائتجروا کے حکم میں داخل ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بیشک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی۔

لانہ جزء من التمول کما نصوا علیہ وفی حدیث المستدرک من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ [2]۔	کیونکہ یہ مالداری کا جزء ہے جیسا کہ انھوں نے نص فرمائی ہے اور مستدرک کی حدیث میں ہے جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہیں۔ (ت)

وہ قیمت نہ مسجد میں دے نہ مدرسہ میں فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب [3] (اللہ طیب ہے وہ صرف طیب کو قبول فرماتا ہے۔ ت) بلکہ فقراء پر تقسیم اور تصدق کرے کما ھو حکم مال الخبیث (جیسا کہ ناپاک مال کا حکم ہے۔ ت) اور اگر نہ اپنے لئے بلکہ مسجد ومدرسہ یا کسی فقیر ہی کو دینے کے لئے روپوں پیسوں کو بیچے، خود یہ خواہ مسجد ومدرسہ ووکیل فقیر، بہر صورت جائز ہے۔ اور وہ دام مدرسہ ومسجد میں صرف ہوسکتے ہیں کہ ممنوع تمول ہے نہ کہ تقرب

وقد مر عن التبیین انہ قربۃ کالتصدق [4] وتمام التحقیق فی رسالتنا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	تبیین سے گزرا کہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے، مکمل تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶تا۲۷۹: انجمن اسلامیہ راناواڑ کاٹھیاوار ۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی! بعد تسلیم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

بعد تکریم وقدمبوسی عرض یہ ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) قربانی کے چمڑے کے پیسے جو معلم کو مدرسہ کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر مقرر کئے گئے ہیں آیا ان کو بطور ماہانہ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) قربانی کے چمڑے کے پیسے سے غریب اور تونگر کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مدرسہ کے لئے عمارت بنانے کے کام میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کے چمڑے کی آمد سے عمارت بنا کر اس کا سود یا کرایہ کہ آئے۔ اس کو بچوں کی تعلیم میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) قربانی کے چمڑے کی آمد سے غریب یا تونگر طلباء کو کتاب دے سکتے ہیں یا نہیں مانند قرآن شریف وغیرہ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباللّٰہ التوفیق اغنیاء جو ایام نحر میں قربانی کرتے ہیں کہ ابتداء شرع مطہر نے ان پر واجب فرمائی اس کو کھال میں یہ احکام ہیں:

(۱) وہ اسے باقی رکھ کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔ مثلاً انکے مشک، ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالیں **لقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وادخروا**[1] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ "اور ذخیرہ کرو"۔ ت)

(۲) اپنے استعمال کے لئے اس سے وہ چیزیں خرید سکتے ہیں جو باقی رکھ کر استعمال ہوتی ہیں، جیسے برتن، کتابیں، وغیرہا **فان قیام البدل کقیام المبدل منہ** (بدل کا قیام مبدل کے قیام کی طرح ہے۔ ت) اور مختار میں ہے:

یتصدق بجلدہ، اویعمل منہ نحو غربال وجراب و قربة وسفرة ودلو اویبدلہ بماینتفع بہ باقیا کما مر[2]۔	کھال کا صدقہ کرے یا خود غربال۔ تھیلا، مشکیزہ خوان یا ڈول بنالے یا ایسی چیزی تبادلہ کرے جس کو باقی رکھ کر نفع حاصل کرتا رہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

(۳) اسے اپنے لئے داموں کو نہیں بیچ سکتے، اگر بیچیں تصدق کریں **لانہ سبیل ماحصل**

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب جنس لحوم الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

بوجہ خبیث (خبیث طریقہ سے حاصل شدہ کا یہی حکم ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

تصدق بالدراھم فیمالو ابدلہ بھا[1]۔	اگر اسے دراہم سے بدلا تو دراہم کو صدقہ کرے۔(ت)

یہاں تک کہ اگر داموں کو بیچے پھر چاہے کہ ان داموں سے کوئی چیز ایسی خریدے جس کی خرید جائز تھی، جیسے برتن وغیرہ، تو اب اس کا اختیار نہیں وہ دام تصدق ہی کرنے ہوں گے، طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

قولہ بما ینتفع بعینہ ظاھرہ انہ لایجوز بیعہ بدراھم ثم یشتری بھا ماذکر[2]۔	قولہ وہ چیز جس کے عین سے نفع حاصل کرے اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھال کو دراہم کے عوض فروخت کرکے پھر دراہم کے ساتھ کوئی چیز خریدنا جن کو ذکر کیا۔ جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویفیدہ ماذکرہ عن البدائع[3]۔	اس کا فائدہ دے گا جو ہم بدائع کے حوالہ سے ذکر کرینگے۔(ت)

(۴) یوں ہی اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بیچیں جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے۔ جیسے کھانے پینے کی چیزیں، یہ ناجائز ہے۔ اور ان کی قیمت تصدق کرنی ہوگی، درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

لابمستھلك کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم اوالجلد بہ ای بمستھلك اوبدراھم تصدق بثمنہ[4]۔	ہلاک ہونے والی چیز کے عوض نہیں جیسے سرکہ گوشت وغیرہ مثلاً دراہم، تو اگر گوشت یا کھال کو ایسی ہلاک ہونے والی چیز یا دراہم کے عوض فروخت کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔(ت)

(۵) اسے باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسے کرائے پر نہیں دے سکتا مثلاً کھال کی مشک بنائی یا اس سے کوئی برتن خریدا، اور اس مشک یا برتن کو کرایہ پر دیا یہ ناجائز ہے۔ اس کرائے کو تصدق کرنا ہوگا۔ درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاضحیۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۲

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۱

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

لایوجرھا فان فعل تصدق بالاجرۃ[1]۔	نہ اجرت پر دے اگر اجرت لی تو صدقہ کردے (ت)

حاوی الفتاوٰی، فتاوٰی ظہیریہ، پھر درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

لو عمل الجلد جرابا واٰجرہ لم یجز، وعلیہ التصدق بالاجرۃ[2]۔	اگر کھال تھیلا بنایا اور اجرت پر دیا تو اجرت کو صدقہ کرے۔ اجرت لینا جائز نہیں۔ (ت)

(۶) اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے **فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول** (کیونکہ یہ بھی تمول کے معنی میں ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

لایعطی اجر الجزار منھا لانہ کبیع[3]۔	قصاب کو اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ (ت)

کفایہ، پھر ردالمحتار میں ہے:

لان کلا منھا معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرۃ، والبیع مکروہ فکذا مافی معناہ[4]۔	کیونکہ یہ دونوں معاوضہ ہیں کیونکہ قصاب کو اس کی مزدوری کے عوض دے گا اور بیع مکروہ ہے تو اس کا ہم معنی بھی مکروہ ہے۔ (ت)

(۷) یونہی اپنی زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے **لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم** (کیونکہ یہ بھی دراہم کے بدلے میں بیع کے معنی میں ہے۔ ت) اور اگر دیں گے تو فقیر اس کا مالک ہوجائیگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، قنیہ پھر شرح نقایہ قہستانی پھر ابن عابدین علی الدر میں ہے:

اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکٰوۃ لایحسب عنھا فی ظاھر الروایۃ[5]۔	جب فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے گوشت دے تو ظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ نہ ہوگی۔ (ت)

(۸) فقراء کو دینے کی نیت سے داموں کو بھی بیچ سکتے ہیں کہ یہ اپنے لئے تمول نہیں، تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[5] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

لایبیعه بالدراهم لینفق الدارهم علی نفسه وعیاله، ولو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	دراہم کے عوض اپنے یا اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اگر دراہم کے عوض فروخت کیا دراہم کو صدقہ کرنے کے لئے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ (ت)

(۹) غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں۔ پھر اس غنی کو اختیار ہے چاہے داموں کو بیچ کر اپنے خرچ میں لائے چاہے کسی کی اجرت یا تنخواہ میں دے چاہے اپنی زکوٰۃ میں دے اور اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کہ اب حکم اضحیہ منقطع ہوگیا، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم هو لها صدقة ولنا هدیة[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لے ہدیہ ہے۔ (ت)

قنیہ پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار میں بعبارت مذکورہ ہے۔

لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیه بنیتها یحسب[3] اهای دفع الموهوب له بنیة الزکوٰة جاز واجزأ۔	لیکن اگر غنی کو دیا اور غنی نے اپنی زکوٰۃ میں دیا تو زکوٰۃ شمار ہوگی، یعنی موہوب لہ اپنی زکوٰۃ کی نیت سے دے تو جائز ہے۔ (ت)

(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں:

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وائتجروا[4] رواه ابو داؤد عن نبشه الهذلی رضی الله تعالٰی عنه۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناپر کہ اجر کماؤ، اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

پھر مہتممان مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن یا فراش کی تنخواہ میں۔

لان صار ملك المسجد کمسألة الغنی المذکور فانقطع حکم الاضحیة۔	کیونکہ مسجد کی ملک ہوگئی جس طرح غنی والا مذکور مسئلہ تو قربانی کا حکم ختم ہوگیا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة ۶/ ۹ و فتاوی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب السادس ۵/ ۳۰۱

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقات علی مولی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[3] ردالمحتار باب الاضحیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الاضحیة باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

واقعات امام حسام الدین پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ویمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد اثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض[1]۔	ہبہ کے طور تملیک کی صحت مسجد کے لئے ممکن ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی ملک ثابت کرنا صحیح ہے تو ہبہ قبضہ سے تام ہو جائیگا (ت)

فتاوٰی عتابیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

یصح بطریق التملیك اذا سلمه للقیم[2]۔	جب منتظم کو سونپ دیا تو تملیک کا طریقہ صحیح ہو گیا۔ (ت)

(۱۱) یونہی ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں جیسے مدرسہ دینیہ کی اعانت۔

لا طلاق عموم قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ائتجروا[3]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "ثواب کماؤ" کے اطلاق کی بناء پر۔ (ت)

امام زیلعی سے گزرا: لانه قربة کالتصدق[4] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت)

(۱۲) اس کار قربت مثل مسجد یا مدرسہ دینیہ یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اس نیت سے بیچ کر اس کار خیر میں صرف کرنے والوں کو دے دیں۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5]۔ وتقدم فرق الامام فخر الدین بین ما اذا باع بالدراهم لینفقها علی نفسه وعیاله واما اذا باعها لاجل الفقراء۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "عمل صرف نیت سے اور ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق ملا، اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بیانکردہ گزرا کہ اپنے اور اپنی عیال کے لئے دراہم کے عوض فروخت میں فقراء کے لئے فروخت میں فرق ہے۔ (ت)

جب یہ احکام معلوم ہولئے، بعونہ تعالٰی سوال کی چاروں صورتوں کا حکم واضح ہو گیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الواقعات الحسامیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی العتابیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱

(۱) مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں، اور مدرسان مدرسہ دینی اگر اس کے نوکر ہیں جن کی تنخواہ اس پر واجب ہوتی ہے اس میں نہیں دے سکتا کہ یہ اس پر آتا ہے ورنہ مہتمم مدرسہ کو دے دے وہ تنخواہ میں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے۔

(۲) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے۔

(۳) لا الٰہ الا اللہ سود حرام قطعی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سود کھانا ستر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے[1]۔
ہاں جو عمارت کار خیر مثل تعلیم القرآن علم دین کے لئے وقف کریں کہ اس کے کرایہ سے وہ کار خیر جاری ہو، اس کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے۔

(۴) اسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں اگرچہ وہ طلبہ غنی ہوں کہ کتاب باقی رہ کر کام آتی ہے۔ اور ایسی چیز کے عوض اپنے لئے بیچنا جائز ہے۔ طلبہ کے لئے بدرجہ اولٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۰: مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب مدرس تلمیذ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہفتم ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی کو تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو مدرسہ تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا اس میں قربانی کی کھال خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلباء وغیرہ میں صرف کی جائے۔ مذہب صحیح پر جائز ہے کہ ایسے مدارس اعانت قربت ہے۔ اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت پوست قربانی بیچنے کو مطلقاً اجازت ہے۔

فی الھندیۃ لایبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق، کذا فی التبیین	ہندیہ میں ہے کہ اپنے اور اپنے عیال پر دراہم خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اور گوشت بمنزلہ کھال ہے صحیح قول میں اور دراہم فقیر کو صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے یوں تبیین

---

[1] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۹۳

وھکذا فی الھدایۃ والکافی [1] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہدایہ اور کافی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۱: از بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوۃ چرم قربانی سے اعانت مدرسہ کی کی جائے یا نہیں۔ مصارف مدرسہ میں تنخواہ مدرسین کے لئے اور وہ اپنی اُجرت لیتا ہے۔ اور یہ امر ظاہر ہے کہ اجرت میں مال زکوۃ یا چرم قربانی دینا جائز نہیں؟

الجواب:

زکوۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیت زکوۃ درکار ہے۔ بے اس کے اور وجوہ تقرب مثل مسجد ومدرسہ و تکفین موتی وغیرہا میں اس کا صرف کافی نہیں، ہاں مثلاً جو طلبہ علم مصرف ہوں، انھیں نقد یا کپڑے یا کتابیں بروجہ مذکور دے کر اعانت مدرسہ ممکن **کما یظھر من الدر وغیرہ** (جیسا کہ درر وغیرہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ت) چرم قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاً ضرور نہیں۔ منسک متوسط میں ہے: **لایجب التصدق بہ** [2] (اس کا صدقہ نہیں۔ ت) مسلک متقسط میں ہے: **لابکلہ ولا ببعضہ** [3] (نہ کل نہ بعض۔) مطلق قرب روا ہے حدیث میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واتئجروا [4] روہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ثواب میں خرچ کرو، اس کو ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا: **لانہ قربۃ کالتصدق** [5] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) ظاہر ہے کہ مدارس دینیہ بھی وجوہ قربت وائتجار سے ہیں اور وہ تنخواہ حق مدرس میں اجرت ہونا حق

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلک المتقوط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[5] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

معطی الاعانۃ علم الدین میں قربت ہونے کی منافی نہیں، جیسے سقائے سقایہ و موذن مسجد کی اُجرت

وقد فصلنا القول فیها فتاوٰنا فی المسئلۃ رسالۃ کافلۃ کافیۃ سمیتها "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ کافلہ کافیہ جس کا نام ہم نے "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا، میں بیان کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۲: از طالب پور ضلع مرشد آباد کوٹھی راجہ صاحب مرسلہ محمد جان صاحب محمد ۶/ رمضان مبارک

چہ مے فرمایند علمائے شریعت غرا اندریں مسئلہ کہ اگر چرم اضاحی بمتولیان مدارس دینیہ تملیکا دادہ شود وایشاں بصوابدید خود یا باشارۃ استشارہ دہندگاں چرم او را در ضروریات مدرسہ صرف نمایند سمتے از جواز وارد یانہ؟ **بینوا توجروا**	روشن شریعت کے علماء کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں اگر چرم قربانی مدارس کے متولیوں کو تملیک کردی جائیں اور وہ اپنی صوابدیدہ پر یا دینے والوں کے مشورہ سے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کریں تو جواز کی صورت ہے یانہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

در جواز بعد اراقۃ دم واقامت قربت صورت مذکورہ جائے سخن نیست، متولیان اگر فقراء باشند ایں تملیک تصدق باشد ورنہ ہدیہ، وہیچک از ینها در اجزائے اضحیہ ممنوع نیست، فی النقایہ وشرحها للبرجندی یهب من یشاء علی سبیل التملیك فقیرا اوغنیا[1] آنچہ کہ ممنوع ومکروہ است بیع بروجہ تمول ست لحدیث من باع اضحیتہ فلا	قربانی کے خون بہادینے اور قربت قائم کردینے کے بعد مذکورہ صورت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ متولی حضرات اگر خود فقیر ہوں تو ان پر صدقہ ہوگا ورنہ ہدیہ ہوگا، ان میں سے کوئی بھی قربانی کے اجزاء میں ممنوع نہیں ہے۔ نقایہ اور اس کی شرح برجندی میں ہے جس کو چاہے دے کر مالک بنا کر فقیر کو خواہ غنی کو اور منع صرف تمول کے طور پر فروخت کرنا ہے اس حدیث کی بناء پر کہ جس نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی

---

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

اضحیۃ لہ [1] رواہ الحاکم فی المستدرک و البیھقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وپیداست کہ ہدیہ از بیع چیزے بناشد۔ بالجملہ ایں مبنی خود در لحم اضحیہ رواست۔ وجلد بالاتر از ونیست، بالاتفاق، وفی الھدایۃ والکافی والتبیین وغیرھا اللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح [2]۔ باز آں گاہ کہ جلد بتملیک مضحی درملک متولی آمد، حکم اضحیہ منتہی شد، متولیاں راہر گونہ تصرف درو روا باشد لحصول المطلق وانتھاء الحاجز، وذٰلک قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اللحم المتصدق بہ علی بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ھولھا صدقۃ ولنا ھدیۃ [3] رواہ البخاری عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا، ازیں جاست کہ اگر کسے لحم اضحیہ خودش بہ نیت زکوۃ بر فقیر تصدق کند زکوۃ ادا نشود، واگر بغنی ہدیہ داد او از زکوۃ خویش بدست فقیرے نہاد زکوتش ادا شود، زیرا کہ حکم اضحیہ بآں ہدیہ بپایاں رسید، حالا ایں چیزے	قربانی نہیں، اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہدیہ فروخت کی قسم نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ قربانی کے گوشت میں بھی یہ معنی موجود ہے جبکہ کھال اس سے اہم نہیں ہے بالاتفاق، اور ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں ہے کہ گوشت کھال کے حکم میں ہے صحیح قول میں، پھر جب کھال قربانی دینے والے کی طرف سے متولی کی ملک کردی گئی تو قربانی کا حکم تام ہوگیا، متولی حضرات کو اب ہر طرح اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ ممانعت ہونے اور اجازت پائے جانے کی وجہ سے، اور یہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد اس گوشت کے متعلق جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو صدقہ ملا کہ وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے اس حدیث کو بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رویت کیا ہے، اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا گوشت فقیر کو زکوۃ میں دے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی اور اگر غنی کو ہدیہ کے طور پر دےا اور اس نے وہ زکوۃ میں دے دیا تو زکوۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ غنی کو ہدیہ دینے سے قربانی کا حکم تام ہوگیا اور اب غنی کے لئے یہ مملوکہ

---

[1] المستدرک کتاب التفسیر دارالفکر بیروت ۳۹۰/۲

[2] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴۴۸/۴

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ علی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۰۲/۱

ست ازآن آں غنی دررنگ سائر مملوکات اوکہ بانکہ ہر چہ خواہد کند، فی ردالمحتار اذا دفع الحم الی فقیر بنية الزكوٰة لا يحسب عنها فی ظاهر الرواية لكن اذا دفع لغنی ثم دفعه اليه بينتها يحسب[1]، پس اگر ایشاں درغیر صور قرب استہلاک کردندے۔ ہیچ مانع نبودے کہ آنکہ تمول کرد مضحی نبود، وآنکہ مضحی بود تمول نہ کرد، کما اذا تصدق بہ علی فقیر فباعه بدراهم لنفقته، ایں جاکہ صرف ہم بامور قربت ست، وقربت خود یکے از مصارف اضحیہ است لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وائتجروا رواه ابو داؤد[2] عن نبشة الهذلی رضی الله تعالٰی عنه۔ ومن فقیر در فتاوٰی خودم بقدر کفایت، ودر رسالہ "الضافية الموحية لحكم جلود الاضحية" (۱۳۰۷ھ) بمالامزید علیہ تحقیق نمودہ کہ آگر مضحی بخودی خود بے تخلل تملیک بدیگرے جلد اضاحی رابہیچو امور قربت صرف نماید محذورے نیاید، لاجرم ایں صورت اولٰی بجواز ست کما لا يخفی علی اولی النهی، والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	قرار پائی، ردالمحتار میں ہے جب قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰۃ کی نیت سے دیا تو ظاہر الروایۃ میں زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا، لیکن جب غنی کو دیا اور غنی نے فقیر کو اپنی زکوٰۃ میں دیا تو غنی کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ اگر قربانی کی کھال کو قربت کے علاوہ بھی صرف کریں تو کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ قربانی والا تمول نہیں بناتا اور تمول والے نے قربانی نہ بنائی مثلاً جب فقیر پر صدقہ کیا اور فقیر نے دراہم کے عوض فروخت کردی تو یہاں کھال قربت میں صرف ہوئی جبکہ قربت خود احکام قربانی سے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر کہ "ثواب کماؤ" اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشۃ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بقدر کفایت اور رسالہ "الصافية الموحيه لحكم جلود الاضحية" میں انتہائی بیان کردیا ہے کہ اگر قربانی والا خود بلا واسطہ تملیک دوسرے کو خود صرف کرلے تو کوئی حرج نہیں تو یہ صورت بطریق اولٰی جائز ہوگی، جیسا کہ صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۳: از سہسرام ضلع مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

قیمت کھال قربانی جو پہلے سے بیوہ وبیکس، یتیم وبے بس۔ مساکین سکنائے جار واقربائے دیار پر تقسیم ہوتی، ومساجد کے فرش، جانماز، روشنی، ڈول، رسی، وجھاڑو وغیرہ کے مصارف میں صرف

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

ہوا کرتی تھی جس کو اہالیان مدرسہ ناجائز مشتہر کراکے اب مسلم کھال یا کل قیمت باغوائے اہلیان مدرسہ باغوائے بیان واعظین داخل مدرسہ جاتی ہے۔ اور مسکینان محروم رہتے ہیں، ستم ہے یا نہیں؟ اور اہلیان ومہتمان مدرسہ کو اس رقم کا لینا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

چرم قربانی کے بارے میں یہ ہے کہ اسے بغیر بیع اپنے کسی صرف میں لائے تو لاسکتا ہے۔ مثلاً کتابوں کی جلدیں بنائے یا مشک، ڈول بنوائے، اور ایسے کاموں کے لئے کسی غنی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ اسے صارف خیر میں کرے۔ مثلاً یتامٰی وبیوگاں ومساکین کو دیں یا مساجد کے مصارف مستحبہ میں صرف کرنا یا سنی مدارس دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا، یہ سب صورتیں جائز ہیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کی بناء پر کہ کھاؤ، ذخیرہ بناؤ اور ثواب کماؤ۔ت) ان میں سے جن میں زیادہ مناسب اور حاجت وقت کے ملائم جانے صرف کرے، کسی صورت کو ظلم نہیں کہہ سکتے، ہاں یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کی دینا جو ناجائز بتائے وہ ظلم کرتا ہے کہ یہ اس کا شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔ یونہی اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجتمند یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ ان کی صورت حاجت روائی یہی ہو، اسے کوئی واعظ یا مدرسہ والا روک کر مدرسہ کے لئے لے لے تو یہ اس کا ظلم ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۴: ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک غریب شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی، وہ اس قابل نہیں ہے کہ عقیقہ کرے ساتھ قربانی کے، مگر بسبب سنت ادا ہونے کے اس کو کسی شخص نے کچھ عطیہ کیا تھا اس کو فروخت کرکے اس نے قربانی کی، اور اس کے پاس کسی طرح کا مقدور نہیں ہے۔ اور اس قربانی کی کال کے دام اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عقیقہ کے احکام مثل اضحیہ ہیں۔ اس سے بھی مثل اضحیہ تقرب الی اللہ عزوجل مقصود ہوتا ہے اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی وہ تمول یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ کھال بھی جانور کا جز ہے۔ تو داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لایا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے۔ یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہئے۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

کہ رجوع عن التقریب نہ ہو، ہاں اس سے کتاب کی جلد، یا مشک، ڈول بنا کر اسے اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا اسے کسی محتاج کو دے دے، پھر اس سے خفیف قیمت کو اس کی مرضی سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ پوری قیمت کو بیچے **ھذا ماظھر لی** (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۵: از تلہر، محلّہ ہندو پٹی ضلع شاہجہانپور مرسلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب مدظلہ ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلد قربانی یا عقیقہ براہ راست مسجد یا مدرسہ دینیہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔ یا تملیک مسکین کی ضرورت واقع ہوگی، **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجرا لجزیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور کثیر اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

ہاں جلد براہ راست صرف کی جاسکتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔ (ت)

اور اگر مسجد و مدرسہ میں دینے کے لئے داموں کو فروخت کی تو دام بھی براہ راست صرف کئے جاسکتے ہیں، تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[2] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) ان صورتوں میں تملیک مسکین ضروری جاننا شرع مطہر میں زیادت کرنا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، تو اپنی طرف سے ایجاد ایجاب ہوا، "**مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ**ؕ"[3] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نہ فرمائی۔ ت) ہاں اپنے خرچ میں لانے کے لئے داموں کو بیچے تو اس کی سبیل تصدق ہے کہ ملک خبیث ہے۔ براہ راست مدرسہ و مسجد میں نہ دے، **فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب**[4] (بیشک اللہ تعالٰی طیب ہے اور صرف طیب کوم قبول فرماتا ہے۔ ت) اس سوال کا جواب پہلے فتوٰی میں نظر نہ آنا عجیب نظر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[3] القرآن الکریم ۵۳ /۲۳

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۳۲۸

مسئلہ ۲۸۶: از کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب

قربانی کے چمڑا کا روپیہ مسکینوں کو نہ دے بلکہ اس روپیہ سے فوائد عوام کے واسطے کتب خانہ میں قرآن شریف وکتب عربیہ و فارسیہ وانگریزی وبنگلہ وغیرہ خرید کرکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ وہ دینی کتابیں ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از بارہ بنکی مسئولہ ریاض حسین ناظم انجمن نورالاسلام ۱۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت ایک ایسی انجمن میں جس کے اغراض ومقاصد دستور العمل منسلکہ سے واضح رائے عالی ہونگے، صرف ہوسکتی ہے؟

الجواب:

مقاصد کے عام الفاظ ہمیشہ دل خوش کن ہوتے ہیں، اعتبار واقع کا ہے۔ اگر یہ انجمن حقیقۃً اہلسنت کی ہے۔ جن کے عقائد وہابیت ودیوبندیت وغیرہما ضلالت سے پاک ہیں، اور بچوں کو اسی مذہب حق کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔ تو بیشک چرم قربانی اس میں صرف کرنے کو دیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے مصارف کے لئے بیچ کر قیمت بھی اس میں دی جاسکتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از پٹنہ سٹی اشرف منزل مرسلہ سید محمد فریدالدین صاحب ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پٹنہ میں ایک انجمن جس کا نام حفظ المساجد ہے قائم ہوئی ہے۔ اس کا مقصد محض مرمت ومساجد وتعمیر منہدم مسجدوں کی ہے۔ اس انجمن میں تمامی امراء وغرباء علی قدر مراتب دامے درمے امداد کرتے ہیں، اب یہ انجمن چاہتی ہے کہ چرم قربانی عیدالاضحٰی بھی اس کی مدد میں شامل کیا جائے اگر چرم قربانی عیدالاضحٰی یا قیمت چرم اس انجمن میں دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا**[2] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔ ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

زیلعی وعالمگیری میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: از قصبہ کٹرہ تحصیل تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ مڑھی مرسلہ عبدالغفار خاں ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اگلے سال گائے قربانی کی تھی، اس کی کھال فروخت کرکے اور وہ روپیہ میں نے خدا کی راہ میں اس طرح پر خیرات کیا کہ کھانا پکایا اور بھوکوں کو تقسیم کیا، اور مجھ کو محرم میں چھٹی ملی، اور ادھر اُدھر نہیں ملی، تو مجھ سے دو چار لوگوں نے کہا یہ بیکار خرچ کیا، اس کا عذاب تا قیامت تجھ کو ہوگا، اس واسطے کہ تم نے محرم میں اماموں کو خیرات دی، تم کو چاہئے کہ مسجد یا اسلامیہ مدرسہ میں فرش دئے ہوتے۔ یا یہاں ایک فقیر صاحب ایک پیر کا عرس کرتے ہیں ان کو دیا ہوتا۔ تو تم کو تا قیامت ثواب ہوتا، ورنہ تم عذاب میں داخل ہوگئے، یا حضرات کو بھجوادئے ہوتے تو ثواب ہوتا۔
جناب! یہاں اسلامیہ مدرسہ میں سرکاری انتظام ہے۔ اور مسجد میں بھی بہت فرش تھے اس وجہ سے بھوکوں کو کھلادیا میں نے اچھا سمجھ کر، اور آپ کا حال نہیں معلوم تھا کہ جناب کو کٹرہ والے روپیہ روانہ کردیا کرتے ہیں، خیر مجھ سے خطا ہوئی، اب جو حضرت ارشاد فرمائیں وہ فدیہ کرے یا تو اگلے سال کا حرجہ دے یا اس سال کا بھی ویسے ہی خرچ کردے، مجھ کو محرم میں چھٹی ہوگی، **بیّنوا توجروا۔** (فدویہ مدرسہ نسواں اسلامیہ کٹرہ)

الجواب:

آپ نے بہت اچھا کیا کہ مساکین کو کھانا کھلایا، یہ بہت بڑے ثواب کی بات ہے نہ کہ عذاب کی ان لوگوں کا کہنا محض غلط ہے۔ خیرات مولٰی تعالٰی کے نام پر ہوتی ہے۔ اور اس کا ثواب اماموں کی ارواح پاک کو پہنچا سکتے ہیں، اور وہ ان پر تصدق نہیں بلکہ ان کی نذر ہے۔ یہ فقیر بفضلہٖ تعالٰی غنی ہے اموال خیرات نہیں لے سکتا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں کہ اپنی رائے سے مصارف خیر میں صرف کرو۔ اور وہ بفضلہٖ تعالٰی صرف کردئے جاتے ہیں، زکوٰۃ اس کی جگہ اور دیگر صدقات ان کی جگہ، یوں یہ فقیر بھی ان احباب کا شریک ثواب ہو جاتا ہے کہ صدقہ اگر سو ہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا، ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا، اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل کو بھیجا، تو زید جس کا مال ہے۔ اور بی بی جس نے بھیجا اور خادمہ جس نے جاکر فقیر کو دیا تینوں یکساں شریک ثواب ہے۔ اور مولٰی تعالٰی کا فضل

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

بہت بڑا ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلطان روم کے ساتھ اور غیر قوم ملکی جو لڑ رہا ہے۔ یہ اظہر من الشّمس ہے اور اس س لڑائی کے خرچہ کے بابت اس دیار کے بڑے بڑے آدمی مل کر مجلس کر رہا ہے۔ کہ اس سال قربانی کا چمڑا ک قیمت جتنا ہوگا وہ سب وہاں بھیجنا ہوگا، اور وہاں بھیجنے سے ہم لوگوں کا ثواب بہت ہوگا اور جہاد کا رتبہ ملے گا، اور ہم لوگ جا کر سلطان کی لشکر کے ساتھ ہمراہ ہونے کا کچھ تو سرانجام نہیں رکھتا ہوں یہ ہم لوگوں کے واسطے بس ہے، بعد اس کے کہئے کہ اس دیار فقراء وغرباء لوگ یہ کہہ رہا ہے کہ اس برس سلطان کی جہت سے ہم لوگ سب کے سب شاید مارا جاوے گا، یہ سب آہ وزاری انھوں کا سن کے کوئی بیچارہ تھوڑا ہی کچھ علم رکھتا تھا، وہ اپنی زبان سے یہ کلام باہر کیا کہ یہ جو بڑے آدمی اور بعض دو عالم، سلطان کی خیر اخواہی کے واسطے جو کمیٹی کیا ہے شاید یہ خیر خواہی نہ ہوگا بلکہ یہ بدخواہی ہوگا کیونکہ ہر سال جو یہاں کا فقراء وغرباء ومساکین لوگ یہ سب چمڑا کا قیمت اپنے دوزن وفرزند لے کر خوشی سے اوقات بسر کرینگے، اس سال وہ لوگ غم میں دو۲ اوقات بسر کرتے ہیں، اور یہ سب روپیہ اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ فقیروں کا حق ہے۔ اور مجھ کو خوف ہے کہ میرے سلطان المعظم کو کچھ نقصان آجائے اب بڑے دو آدمیوں کو اور بڑے دو عالموں کو جنھوں نے یہ رواج کیا ہے۔ یہ سزاوار ہے۔ کہ گاؤں بگاؤں مجلس کرکے ہر ایک مسلمان سے دو[عــه] طاقت کے مطابق کچھ چندہ وغیرہ مقرر کرکے سب کو ملا کر وہاں بھیجنے سے اولٰی ہوگا، اور وہ مسکین لوگ اپنا حصہ پا کر اگر خوشی سے دیوے تو بھی بہتر ہوگا۔ جیسے کہ اور جگہ کے فقیر لوگ دے رہا ہے۔ اور یہ بھی بہتر ہوگا کہ اس موسم میں ہم لوگوں کو اپنے دو حصہ کے مطابق فقیروں کو اور غریبوں کو کچھ للہ دیویں، اور بواسطہ اس کے میرے سلطان مدظلہ العظیم کے لئے خدا عزوجل سے مدد چاہوں یہ بات ان بیچارے کا کوئی بڑے آدمی سنتے ہے۔ وہ بیچارے کو لعن طعن کر رہا ہے۔ احقر حضور سے یہ امید کرتا ہے کہ کون حق پر ہے اور اگر وہ آدمی ناحق پر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قربانی کا چمڑا کچھ خاص حق فقراء نہیں، ہر کار ثواب میں صرف ہوسکتا ہے۔ حدیث میں فرمایا: **کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (کھاؤ، ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ۔ ت) اور واقعی جہاں تک معلوم ہے۔

عــه: سوال میں جگہ جگہ دو کا لفظ سائل کا تکیہ کلام ہے۔ ۱۲ عبدالمنان۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

مجاہدین کو اس وقت امداد کی بہت ضرورت ہے۔ اور اس دین کی بڑی منفعت ہے ان شاء اللہ تعالٰی اور اسی جگہ حکم ہے کہ وہی کام اختیار کریں جس کی حاجت شدید ہو، اور شک نہیں کہ وہاں کی حاجت شدید ہے۔ فقراء کی خبر گیری جہاں تک شرعا ضروری ہے اہل مال پر لازم ہے وہ اگر نہ کریں ان کی بے سعادتی ہے مگر یہ کھالیں جن میں شرع نے فقراء کا کوئی حق معین نہ فرمایا، یہ اگر نہ دی جائیں دوسرے کار اہم میں صرف کی جائیں تو اس پر ان کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں، نہ اس پر ان کا رزق موقوف ہے۔ نہ عام طور پر یہ کھالیں ان کو دی جاتی تھیں بلکہ مدارس کو دی جاتی تھیں اور شریعت میں ضرر عام کا لحاظ ضرر خاص سے زیادہ اہم ہے، یہاں تک کہ ضرر عام کے دفع کے لئے ضرر خاص کا تحمل کیا جاتا ہے **کما فی الاشباہ والنظائر وغیرہ**[1] (جیسا کہ اشباہ والنظائر وغیرہ میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۱: مسئولہ عنایت بیگ منیجر کارخانہ گلاب کمپنی، سکندرہ راؤ، ضلع علی گڑھ بروز شنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ناصران شرع متین کہ ہمارے قصبہ سکندریہ راؤ میں مدرسہ اسلامیہ ہے۔ اس میں قرآن شریف، اردو، انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی امداد کے لئے چرم قربانی دینا موجب ثواب ہے یا نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں انگریزی کی تعلیم ہے اس لئے اس کی امداد ٹھیک نہیں ہے۔

الجواب:

مصرف قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں **کلوا وادخروا وائتجروا**[2] کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور ثواب کا کام کرو۔ انگریزی پڑھنا بیشک کوئی ثواب کی نہیں، اگر یہ احتیاط ہوسکے کہ اس کے دام صرف قرآن مجید وعلم دین کی تعلیم میں صرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲: از شاہجہانپور تاجر خیل افضل المدارس مرسلہ مولوی محمد الدین صاحب ۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

تاج العلماء افضل الفضلاء حضرت! یہ استفتاء نہایت ضروری ہے مخالفین کا مقابلہ ہے۔ بہت جلد جواب سے مطلع فرمائے گا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، بعض جگہ دستور ہے چند گائے جمع کرلی گئیں، اور ان میں حصے مقرر کردئے، اور مالک حصص سے کہہ دیا کہ یہ گائے تمھاری طرف سے کی جاتی ہے۔ اس شرط پر کہ یہ چرم فلاں مدرسہ میں دینا ہوگا فلاں کام میں صرف کرنا ہوگا اس قسم کے شرائط عندالشرع جائز ہیں یا ناجائز؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کوئی شخص ان میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور ان لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ دینیہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی تو یہ جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں۔

وھوان کان بیعا بشرط فلیس شرطا فیہ نفع احد المتعاقدین، اوالمعقود علیہ الصالح للاستحقاق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اگرچہ بیع بالشرط ہے لیکن س شرط میں عاقدین اور معقود علیہ میں سے کسی کا نفع نہیں ہے معقود علیہ نفع کے استحقاق کا اہل نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة ۱۳۰۷ھ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳:

بسم الله الرحمٰن الرحیم نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ماقولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیته لیصرف ثمنه فی وجوه القرب کاعانة المدارس الاسلامیة وشراء حصر المساجد وزیت قنادیله وغیر ذٰلك من القربات التی لا تملیك فیها۔ فهل هو جائز والصرف الی تلك الوجوه سائغ ام لا۔ بل یکون صدقة واجبة لایصرف الا فی مصارفها افیدونا رحمکم الله تعالٰی۔ **الجواب:** الحمد لله وبه نستعین، والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین محمد واٰله وصحبه اجمعین۔ ما تقرب	**خلاصة** "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" **مسئلہ:** علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت مسجد کے لئے چٹائی، روشنی وغیرہ کا ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز یا ناجائز؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا **جواب:** اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں درود وسلام سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الی اللہ تعالٰی بالقرابین، نعم اذا باعہ بالدراہم لالمال یتمول او ربح یتحصل، بل لیصرفہ الی وجوہ القرب، ومرضات الرب، جازلہ ذالك وان لم یوجد تملیك ھنالک، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیك من الفقیر ولذا جازت الاباحۃ ولو لغنی۔	جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں، قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو بلکہ کار ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کار ثواب ہی ہے۔ فقیر کو مالک بنانا نہیں، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔
والمعنی المانع فی البیع انما ہو التصرف علی قصد التمول کما نص علیہ الائمۃ الاعلام، قال فی الھدایۃ لایشتری بہ مالا ینتفع بہ الاباستھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراہم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[1] اھ۔	اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: مسئلہ کے جزئیات: "قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کار ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتتا"۔
وفی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر لا یبیعہ بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسہ وعیالہ والمعنی انہ لا یتصرف علی قصد التمول[2] اھ ومثلہ فی البنایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ البدر وغیرہ من اسفار العلماء، الغر،	مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ یہی وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرکے کہ یہی "تصرف علی

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

وظاھر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجه لمنعه بل ھو قربة لکونه فعل لا جل قربة، فیکون اقامة للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجه المنھی، الاتری الی ماقال الامام العلامة فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراہم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[1] اھ فانما علل الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انه لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر مایوجبه عینا بخلاف ما اذا باع بالدراہم لینفقھا علی نفسه وعیاله حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنه۔

اقول: والسر فی ذٰلك مایستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربة فی الاضحیة انما تقوم باراقة الدم لوجه الله

وجہ المتول" ہے" یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ کار ثواب ہے۔ جیسے گوشت ہی صدقہ کردیتا۔" امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقًا کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے۔ جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی چیز پیدا بھی نہ ہوئی۔ ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریه بالاق مصر ۶/ ۹

تعالٰی فمالم یرق لایجوز الانتفاع بشیئ منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلك لانه نوی اقامة القربة بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوه۔ بیدانه لما کان شیئا تقرب به الی المولٰی سبحٰنه وتعالٰی، والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان فقد خرج بذٰلك عن جهة التمول بحیث لاعود الیه ابدا فاذاقصد بشیئ منه التمول فقد خالف واورث ذٰلك خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجه خبیث فسبیله التصدق اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققه ولا تورث خبثا بل تزهقه فمن این تحرم وتجب تصدقه، قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء مالاینتفع به الابعد استهلاك انه تصرف علی قصد التمول وہو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمولته بالبیع وجب التصدق لان ہذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے۔ کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے۔ اور یہ شرعاً منع ہے۔ اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کارثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے۔ اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے۔ حد یہ ہے کہ اون اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں، نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض حاصل ہوگئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کُلاً یا بعضاً کسب زر کے لئے بیچنا اس کی قرابت اور کارثواب سے پھیر کر دینے کی طرف موڑ دینا ہے۔ اور کارثواب اور حصول زر میں منافات ہے۔ اسی لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مال خبیث ہوگا اور مال خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے۔ اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کارثواب اور وہ بھی کارثواب، تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی، لہٰذا یہ بیع بھی حرام نہ ہوگی، اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا: "جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا، فیجب التصدق [1] اھ وبہ تبین وان کان عــہ بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والالما جاز البیع بالدراہم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وہو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب و التقرب الی رب الارباب ولایجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب [2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وہذا کلہ باطل بالبداہۃ	تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے۔ تو جب سے بیع کے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا" **سوال وجواب:** یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے۔ اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے تو کار ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا۔ جس کو ناجائز ہونا چاہئے۔ اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا

عــہ: فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ	کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا السائر القرب اذلا فارق یقضی بکون ہذا تمول وذاك غیرہ ومن ادعاہ فلیأت ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء اللّٰه۔	چاہئے۔ اور اس کو حرام ہونا چاہئے، اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہئے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہئے اور یہ سب باطل ہے۔ کیونکہ یہاں تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی،

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہوگیا کہ مستملک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له تقدیر آخر اشمل و اظھر لبیان الفرق تظھر به المسائل جمیعا ان شاء اللّٰه تعالٰی۔ **قلت** کذلك البیع للتقرب مثل القرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القراٰن العظیم فالحق فی التعلیل ماقدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة[1] وحینئذ لابد من کلیة الکبرٰی القائلة بان کل قربة تجوزبھا ینتج ان البیع للتصدق یجوز بھا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النھار ھذا وللعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف	**ایک اور سوال وجواب:** اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہٖ دیگر کار ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے۔ مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی جائز۔ حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اصل علت جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

تقرير آخر اشمل و اظهر لبيان الفرق تطهر به المسائل جميعا ان شاء الله تعالٰى۔ **فاقول:** وبالله التوفيق الجهات ثلث الاكل والادخار والائتجار وهو طلب الاجر بای وجه كان فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحيح رواته كلهم من رجال الصحيحين ما خلا مسددا فثقة حافظ من شيوخ البخاری عن نبيشه الخير الهذلی رضی الله تعالٰى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انا كنا نهيناكم عن لحومها ان تاكلوها فوق ثلث لكی تسعكم جاء الله بالسعة فكلوا وادخروا وائتجروا الا وان هذا الايام ايام اكل و شرب وذكر الله عزوجل[1] اھ والائتجار باطلاقه يشتمل التصدق وسائر وجوه التقرب كما لايخفی فان فسره مفسر بالتصدق فليكن التصدق فی كلامه بالمعنى الاعم على ماسيأتيك تحقيقه ان شاء الله تعالٰى۔

کہ حصول زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے۔ اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا: "لانه قربة" (اس لئے کہ یہ کار ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغرٰی ہوا اور نتیجہ دینے کے لئے کبرٰی کا کلیہ ہونا ضروری ہے۔ جو اس طرح ہوگا، ہر قربت جائز ہے تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر قربت اور کار ثواب کے لئے بیع جائز ہے۔ ولله الحمد

ایک دوسری تقریر: شرعاً قربانی کے مصرف کے تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا) ادخار (جمع کرنا) ایتجار (کار ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کار ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں، ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالٰی نے کشادگی فرما دی، تو اب کھاؤ، جمع کرو اور کار ثواب میں صرف کرو۔ سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں" تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کار ثواب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرہم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لا تحاد الحکم والحادثۃ۔ **قلت** کلا فان الامر ہھنا لیس للوجوب باجماع عامۃ العلماء الامۃ، منہم ساداتنا الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم، وقد نصوا فی غیر ماکتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لا شیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینا فی الترغیب و الترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔ و سر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورۃ وہو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بہما اما حیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاہرہ وعملا بالدلیل بتمامہ قال المولی المحقق علی الاطلاق	سوال وجواب: اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کار ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدق کرنا ہے۔ توہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امور خیر کو عام ہے۔ اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کار ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا لہٰذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

محمد بن الهمام قدس سره فی فتح القدیر اجیب عنابانا انمانحمل فی الحادثة الواحدة للضرورة[1] الخ، وقال فی تشیید ہذا الجواب تحقیقة ان الحمل لما یجب الا للضرورة وہی المعارضة بین المطلق والمقید الخ[2]۔ فالمناط عند التنقیح ہو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثة۔	خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے لہٰذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمزیہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے" تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذٰلك من عاشر عرائس نفائس عباراتهم فقد حکموا ان لاحمل ان وردافی السبب اذ لاتجاذب فی الاسباب والا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقًا وانه یجب الحمل ان اتیافی حکمین مختلفین یوجب احدہما تقیید الاخر	مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں: **(الف)** تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شیئ کے چند اسباب ہوسکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضروت نہیں۔"

---

[1] فتح القدیر

[2] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذٰلك كان ينفی المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفی بانتفائه فيتقيد لامحالة كما فی اعتق عنی رقبة ولا تملكنی رقبة كافرة فان النهی عن تمليك كافرة ينفی جواز اعتاقها عنه، اذ لا عتاق عنه بدون تمليكها عنه۔ وقد اجابوا القائلين بالحمل فی الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما فی التلويح وغيره، و عللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالٰی "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ"[1] مع قرائة ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه بزيادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما فی التوضيح[2] وغيره فقد افاد وان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولذا	**(ب)** تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔ ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو، جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائے گا اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے۔ لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا اور اسے مالک بنائے بغیر اس کی طرف سے آزاد نہیں ہوسکتا تو جس کا مالک بناسکتا ہے یعنی مسلمان کا، اسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔" **(ج)** توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] التوضیح ولتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولٰی بحر العلوم ملك العلماء عبدالعلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیه اشارۃ الی ان الحمل انما ہو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب اوالا باحة اذا لاتمانع فی اباحة المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذہ بترك القید وایجاب المطلق اجزاءہ مطلقاً[1] اھ. قول الامام السغناقی فی النہایة علی مانقله فی البحر مقرا علیه بل متمسکابه من ان الاصح انه لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا لا فی حادثة ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طهورا ولم یحمل ہذا المطلق علی المقید وہو حدیث التراب طهورا[2] اھ فلعله اراد نفی زعم من زعم ان مذہب اصحابنا رضی اللّٰه تعالٰی عنهم وجوب الحمل عند اتحاد	رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل اس سے کچھ تعرض نہیں کیا "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ط" (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرائت ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب۔ اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا" تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا: **(د)** یہی بات ملا عبدالعلی بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتاہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے۔ احکام مستحبہ اور مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑدیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق مادل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۳۶۲

[2] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء و المفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۹۹

الحادثة مطلقًا. فافاد ان لیس ہذا من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای مالم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض. الاتری ان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی ہذا التقریر لا یتجه ما اورد علیه العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سره السامی فی ردالمحتار کما اوضحته فیما علقته علیه وللعبد الضعیف ھھنا بحث شریف لو لا غرابة المقام لاتیت به۔	مقید مان لیا جاتا ہے۔ **(ہ)** امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا، "صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئ" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "التراب طھور" (مٹی پاک ہے) یہ خاص اور مقید ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمّم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ وحکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار ومدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے۔ اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔ اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتابوں پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الائتجار ہھنا لو حمل علی التصدق لکونه معه کالمطلق مع المقید فکذٰلك یجب حمل الاطعام الواردة وعند احمد والشیخین وغیرھم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه کلوا واطعموا وادخروا[1]۔ و	ایک اور دلیل: یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا: (ا) **کلوا** (کھاؤ) **اطعموا** (کھلاؤ) **ادخروا** (جمع کرو) اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی،

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا ما بداء لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعیدؓ الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلو ا واطعموا واحبسوا وادخروا[2]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انہ باجماع العلماء علی اطلاقہ جار للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیك فافھم و المتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمنا رضی اللہ تعالٰی عنھا مع ھذا الاحادیث عـــہ الاربعۃ القی فی روعہ ان المرادثمہ بالتصدق فی المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ	(۲)کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ)واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے: (۳) کلوا (کھاؤ)اطعموا (کھلاؤ)احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے۔ باور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے۔ گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا، اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

عـــہ۱: ای احادیث نبیشہ وسلمۃ وبریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲ منہ قدس سرہ۔ عـــہ ۲: ظنی انہ لابد ھھنا من لفظ علیہ (ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق)	یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنھم کی احادیث، ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت) میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلھا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۹

کماسیرد علیك تحقیقه ان شاء الله تعالٰی کیماتلتئم وترد موردا واحدا، و الاحادیث یفسر بعضها بعضا وبالله التوفیق۔	حدیث کالفظ "**ایتجروا**" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)

تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ-"**ایتجروا**" کے بجائے لفظ "**اطعموا**" ہے۔ تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث "**تصدقوا**" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے۔ تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدق پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے۔ کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقات خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهیك قول الامام الجلیل صاحب الهدایة فیها یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاکل والادخار کما روینا والاطعام لقوله تعالٰی "وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ"، فانقسم علیها اثلاثا[1] اھ، و معلوم ان الاطعام لایقتصر علی التملیك لالغة ولا شرعا وقد اجمعوا ههنا علی	تائید مزید: اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت ہی کافی ہے۔ جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیساکہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں: کھانا، اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ" (کھلاؤ صابر اور مانگنے

---

[1] الهدایه کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۲۲۸

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ماشرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون، ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح ہذا الکلام وذٰلك لان الایة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخال فکانت الجہات ثلثا فانقسمت علیہا اثلاثا[1] اھ ومعلوم ان لیس فی الایة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة، وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ھھنا ہو المحمول علی الائیتجار دون العکس واللّٰه الموفق۔	والے فقیر کو) تو جب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کردیا جائے" اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعد والی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعاً نہ لغۃً، بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز نہ رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: "قرآن وحدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا تو جہتیں تین ہوئیں، لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے۔ اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورة الحج من مستدرك بطریق زیدبن الحباب عن عبداللّٰه بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی ہریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له۔[2]	ایک شبہ اور اس کا جواب: امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو یہ

---

[1] غایة البیان

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورة الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ورواہ البیہقی ایضا فی سننه الکبرٰی، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[1]۔

قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا، بیدانھم کما تری لایجرون علی اطلاقه فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق، ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث، و**انا اقول** وباللّٰه التوفیق من تامل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیة والجأہ ذٰلك الی الجزم بان المراد بیع خاص لامطلق التبدل کیفما کان، کیف وان التصدق من مقاصد لاضحیة المأذون فیھا شرعا، وان للبدل حکم المبدل وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمة فی زکوٰۃ وفطرۃ ونذرو کفارۃ کما نص علیه فی الھدایة والکافی والکنز والتنویر وغیرھا عامة کتب المذھب، فاذا جاز ہذا۔ والصدقات واجبة۔ فلان یجوز وھی نافلة اولی فافھم، اما عدم جواز ذٰلك فی الھدایة والضحایا بان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے۔ اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنادیتی ہے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں: من باع جلد اضحیته فلااضحیة له (جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کرسکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے۔ اور ازروئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوۃ فطرہ میں جس طرح اصل (غلہ چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے۔ اسی طرح اس کی

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ویعطی القیم، فان القربة فیها بالاراقة دون التصدق، وهی غیر معقولة، فلا تستبدل ولا تتقوم، کما افاده فی الهدایة والبحر وغیرهما، ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة له[1] اعظم شاهد علی عدم الاطلاق، فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی، فکیف یجازی بانتفاع قربة مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوب فی خصوص المحل، و قضیة الجزاء، ترتبه علی فعل ینافی التضحیة و ینفی الاضحیة علی مافیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة، فلا یمکن ان یکون من باب القربة، بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیها ایضا مثل الائتجار ولو کان فیهما ماینا فی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة۔ لما اذن فیهما فعند	قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اس کی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔ **ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب:** اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعا جائز نہیں، قربانی ہی کرنی ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ بحر وہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے۔ اس لئے قیمت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزاء وارد ہوئی، شرط یہ جملہ ہے: "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے: "اس کی قربانی نہیں ہوئی" پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہوسکے، اور قربانی قربانی نہ رہ جائے، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو، اور وہ بیع جو حصول ثواب

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاضحیه تفسیر سورة الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ذلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع مارخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل والادخار عــه لكونه لانفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهي المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ماينتفع به باقيا فالاكل وان فقد والائتجار وان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقى فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل و الادخار وان ذهب فالائتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهران مانحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه فی عامة كتب المذهب	کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال لاضحیہ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت دی ہے تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کے لئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے۔ ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہو گئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لاضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔ برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل و ثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے۔ اور ہلاک ہونیوالی چیز سے برائے ثواب

عــه: الادخار الانتجار كلاهما بالنصب عطفا عن الاكل ۱۲ منه قدس سره۔	ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بنا پر ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانکار جواز ھذا ان لیس تحکما فماذا، وانت اذا تأملت ماالقیت علیك واخذت الفطانۃ بیدیك وجعلت الانصاف بین عینیك لعلمت ان ہذا ہو الغنی المفھوم من الحدیث فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعه عــــہ لاتنفاع لانه عقد موضوع

بیچا تو اکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا۔ لیکن طیب ثواب بھی باقی ہے۔ اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے۔ تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے،

ایک آسان بات: یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

عــــہ: ثم بعد زمان لما من المولی سبحنه وتعالٰی علی بشراء غایۃ البیان للعلامۃ الاتقانی رایت نقل عن الامام شیخ الاسلام بکل مایشیرالی ھذا الذی نحوت الیه حیث قال قال شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمه اللّٰه تعالٰی فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فیه کالجواب فی الجلد ان باعه بالدراھم تصدق بثمنه وان باعه بشیئ اٰخر ینتفع به جاز کمافی الجلد وانما ذکر محمد رحمه اللّٰه تعالٰی البیع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ماھو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشیئ اٰخر وینتفع به وفی اللحم فی الغالب ینتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالٰی نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خریدلینے کا، اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا تو جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آیندہ)

لذلك وهو الغالب فيه وان يكون بالدراهم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوی فيه جهتا البيع والشراء اما سائر المستهلكات ففی حكم الدراهم، ولذا جعلها فی الهداية هی الاصل۔ وقال فی سائرهن اعتبار بالبيع بالدراهم[1] هذا كله ما خطر بالبال مستعجلا فانعم الفكر منصفا متاملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آلُ جهدا فی اتباع الغرر من ائمة النظر والله الهادی الی عوال الفكر۔	کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے۔ اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنے ذات کے تمول و انتفاع کے لئے ہو۔ **شبہہ اور اس کا جواب:** اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے۔ تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے۔ اصالۃً نہیں، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا ہے۔ اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا: اعتبار بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ولا يباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبيع هو الذی يقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس سره۔	کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ، (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] غایۃ البیان

(تنبیہ نفیس)اقول: وبهذا التحقيق استبان والحمد لله معنى قول الهداية"لوباع الجلد واللحم بالدراهم اوبما لاينتفع به الابعد استهلاكه تصدق بثمنه[1] اه"فانما معناه اذا باع بها لاجل الانتفاع لا البيع بها مطلقًا فانه رحمه الله تعالٰی ونفعنا ببرکاته فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا يعمل منه آلة تستعمل فی البيت[2] ثم قال"ولا باس بان يشتری به ماينتفع به فی البيت بعينه مع بقائه[3]"ثم قال"ولايشتری به مالا ينتفع به الا بعد استهلاكه[4]، وقال فی تعليله" اعتبارا بالبيع بالدراہم[5]"قال"والمعنی فيه انه تصرف علی قصد التمول[6]"ثم قال"ولو باع الجلد اواللحم[7] "الخ فكلامه كله، بدؤه وثناؤه وفتحه وانتهاؤه فی البيع لاجل الانتفاع، لا مطلق البيع، فكيف ولو اريد المطلق لما ساغ قوله"ولايشتری به مالا ينتفع به" الخ فان شراء ذٰلك لاجل التصدق جائز قطعا و لما صح قوله"اعتبارا بالبيع بالدراهم"لمثل مابينا

عبارت ہدایہ کی تشریح: ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے"

(۱)اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کے لئے بیچنا ہے۔ مطلقًا نہیں کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ______ اس سے بدل بھی سکتے ہیں تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لیے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے۔ اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

---

[1] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[4] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[5] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[6] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[7] الهدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

وبطل تعلیله بانه "تصرف علی قصد التمول" فلیس کل بیع بالدراھم مما یصدق علیه ذٰلك کما اسلفنا تحقیقه۔ وقوله "ولو باع الجلد الخ" انما ہو متفرع علی تلك المسئلة فلا یراد به الا ما ارید بها، کانه لما بین عدم جوازہ نشاء السوال فقیل اذا لم یجز ہذا۔ فان فعله فاعل فما ذا علیه۔ فاجاب بانه یتصدق بثمنه ثم نشاء السوال بان قولکم ہذا یفید صحة البیع فکیف بحدیث "من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له"[1] فاجاب "بانه الحدیث۔ انما یفید کراہة البیع اما البیع جائز لقیام الملك والقدرة علی التسلیم[2] اھ" وھذا دلیل اٰخر علی ان لیس کلام فی مطلق البیع بالدراہم، فان البیع بها لاجل التصدق لایکرہ اصلا، وقد بین ہذا، فابین من ھنا مولانا العلامة العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قوله المولی الغزی رحمهما اللہ تعالٰی "تصدق بثمنه" اھ مفادہ صحة البیع

والی بیع ہے مطلقاً بیع نہیں، ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے "مالاینتفع به" (جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکے) اعتبارا بالبیع بالدراھم (بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے) وانه تصرف علی قصد التمول (یہ تمول کی نیت سے تصرف ہوا) اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ" تو اس کا مطلب مطلقاً بیع کیسے ہوسکتا ہے، یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے، گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے، تو فرمایا وہ مال خبیث ہے۔ اس کا صدقہ واجب ہے۔ اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیع ہوئی مگر فاسد، اور حدیث مبارک "لااضحیة له" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے۔ تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحدیث انما یفید الکراھة" یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں، مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے۔ اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتا ہے۔ اس لئے بیع تو ہوگئی، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر (تفسیر سورة الحج) دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] الهدایة کتاب الاضحیه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراھۃ۔ وعن الثانی، باطل لانہ کالوقف مجتبٰی اھ[1] فقد نص ان قول التنویر کالھدایۃ تصدق بثمنہ"یفید کراھۃ البیع فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی المارۃ فی قولہ"لایشتری بہ مالا ینتفع بہ"الی قولہ"تصرف علی قصدالتمول[2]"ومن اوضح الدلائل علی ذٰلك ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ"لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق[3] اھ فافادان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر، ولذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرہما من الاسفار الغر بلفظہ"لایبیعہ"	کی وجہ سے فاسد ہوئی **(۲)** صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔ **(۳)** یہیں سے "صاحب درمختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول "تصدق بثمنہ" کی شرح میں فرمایا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے البتہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے۔ جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے۔ تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری بہ مالا ینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے۔ **(۴)** اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] الکافی شرح الوافی

بالدراہم علی نفسه وعیاله[1]، فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوہام وہذ الدلیل رابع علی ماذکرت۔ والخامس الموتر واللّٰہ یحب الوتر، ان نقل کلام التبیین فی الہندیة ثم قال "وہکذا فی الہدایة و الکافی"[2] اھ فقد افصح بملا فیه ان معنی کلام التبیین والہدایة واحد۔	"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کو تمول یعنی کسب زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا" تو انھوں نے تو نص ہی کردیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے۔ کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے" تو انھوں نے تو تسمہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل تھی۔

(۵) اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے" تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحب تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحنه وتعالٰی علی عبده الضعیف بشراء غایة البیان شرح الہدایة للعلامة الاتقانی رحمه اللّٰہ تعالٰی، رأیته شرح کلامه بمالم یبق للوہم مجالا، حیث قال یرید به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولکن الاضحیة ساقط عنها معنی التمول، فلما باعه بالدراہم وجب علیه التصدق بها، لئلا یلزم التمول بشیئ من الاضحیة اوبدلها[3] فافاد کالکافی وغیرہ ان المنہی عنه	اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کردیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسب زر اور حصول زر کی غرض ساقط ہے۔ تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے" تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[3] غایۃ البیان

ہو البیع للتمول، وزادان المراد بیع یفوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة، فانه لایفوتها بل یحصلها وھو تقرب لاتمول، فاتضح الصواب وزال الارتیاب، والحمدلله فی کل باب ہکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق، ومن المولٰی تعالٰی ہدایه الطریق فقد بان بنعمة الله جل وعلا ان البیع بالدراہم لیس ممایمنع مطلقًا بل اذا کان علی جهة التمول، وہوا لذی یورث الخبث وعلیه یتفرع وجوب التصدق، اما اذا باع بها لیصرف فی القربات، فذٰلك سائغ وسائر وجوه القرب، مطلقة حینئذ لاحجر فی شیئ منها۔	کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کار ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصول ثواب کے لئے ہو، والحمدللہ رب العالمین۔ تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقًا بالدراہم نہیں، بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے، اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے۔ اور کار ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کار ثواب کسی قسم کا ہو۔
بذٰلك افتیت غیر مرة وکتبت فیه فتوٰی مفصلة اذ سئلت عنه لتسع بقین من ذی الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من ہجرة من لولاہ ماصلیت الخمس، ولا لاح قمر ولا بزغت شمس، ولا اقبل غد ولا ادبر امس، علیه وعلٰی آله الغر الکرام افضل صلاة و اکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذٰلك العام	میں نے بارہا یہی فتوٰی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوٰی ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا، اور دوسرا مجمل فتوٰی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں، تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں، ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقًا ناجائز ہے۔ خواہ نیت کار ثواب کی ہی کیوں نہ ہو، ان کا صدقہ کرنا واجب ہے۔ وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنادے، کسی بھی

وبھما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعۃ فتاوٰی المبارکۃ ان شاء اللہ تعالٰی الملقبۃ بالعطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویۃ جعلہا اللہ نافعۃ للمسلمین و مقبولۃ لدی العالمین وحجۃ لعبدہ یوم الدین اٰمین الٰہ الحق اٰمین۔ فعند ذٰلک نازعنی شرذمۃ من الھندیین اکثرھم من الوھابیۃ المبطلین زاعمین ان البیع بالدراھم مطلقًا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز لہ الصرف الی مانوی من القرب بل لایخرج عن العھدۃ الا بالاداء الی الفقیر علی وجہ التملیک واحتج الاصاغر منھم علی ذٰلک بعبارتی الھدایۃ والدر المذکورتین وقد بینا ماھو المراد بھما واثبتنا عرش التحقیق علی انہ لامساس لشیئ منھما بمزعوم القوم، فاغنانا ذٰلک عن الاسترسال مرۃ اخری فی رد کلامھم۔ فانہ لشدۃ وھن نفسہ غنی عن ایھان غیرہ، فلئن سألتھم ھل الکلام ھھنا اعنی فی قول الھدایۃ والدر فی بیع یکرہ لافی غیر۔ لیقولن نعم، ولئن سألتھم ھل البیع بالدراھم یکرہ مطلقًا لیقولن لا، قل فانّی تذھبون، ولئن قالوا فی الاول لا۔ لقضت علیھم حجتھم نفسھا بالخطاء والجھالۃ ولئن	دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو صرف کرنا جائز نہیں اصاغر نے توہدایہ اور در مختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی ہے، جس کا مفصل بیان اوپر گزرا تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے۔ کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور در مختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے۔ یا کسی دوسرے کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے پھر ان سے پوچھ کیا کھال کی بیع مطلقًا مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا، اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

قالوا فی الاخر نعم فکلامهم انفسهم مناد علیهم بالبهت والبطالة. فانهم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراہة وان لم یعترفوا لاتیناہم بجنود من نصوص العلماء، لاقبل لهم بها۔ فناہیك بهذا القدر مشبعا لهم ومزیلا لوہم عرض بالهم۔	
ولکنی **اقول:** لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرہم الگنگوہی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی مافیه من انواع عـــه الابتداع حیث زاد غباوة علی الاتباع واخذ یتشبث بما قدمنا عبارتی العینی والکافی "انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله "فیکون خبیثا"	اگر یہ جھوٹے لوگ غلطی میں پڑ گئے جو موٹے اور دبلے۔ سستے اور مہنگے اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوٰی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا، اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور درر کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریحی رد ہیں،

عـــه: هذا کان اذذاك ثم ترقی به الحال فی الغوایة و الضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الهدی نعوذ بالله من الهلاك والردی ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق وانه اذ تمولها بالبیع[1] الی قوله فوجب التصدق[2] فان کلامی الهدایة والدر، وان کان حجتین علیهم لالهم لکن لا کهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لامطلق التبدل، لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر، ان وجوب التصدق لا جل الخبث والخبث لکراهة البیع، وکراهة البیع لقصد التمول فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول، فیحکم بکراهة البیع به مطلقًا ام لا یدری الغرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد ام یجیز قیاس المباین علی المباین والخبیث علی الطیب، والمنهی عنه علی الماذون فیه۔ بل المندوب الیه فهل ہذا الاشیئ، نکرا۔ وامرا مرا۔ وایا ما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة۔

قال الرجل ہداہ الله تعالٰی الی مسلك اہل السنة و الجماعة اذا باع المضحی جلد الاضحیة بالدراہم سواء کان البیع للتمول اوبنیة التصدق تعین تصدقه ثمنه کالنذر وهذا هو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصاً ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے۔ اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت تسلیم کیا ہے۔ اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً بیع متمول گردانتا ہے۔ یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد: اللہ تعالٰی اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے، اس نے کہا: "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔ عینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصہ تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے۔ تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔ اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ شخص

---

[1] البنایہ فی شرح الہدایہ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الھدایۃ انه تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جھۃ التمول فاذا تمول بالبیع وجب التصدق لان ہذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق اھ معربا ملخصا۔

اقول: دلنا کلامك ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثۃ المارۃ فی قولی، یا لیث شعری فعرفنا بتردیدك ان لیس کل بیع بمستھلك تمولا عندک، وانك مائز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جھلا منک، او تجاھلا مع علمك ان الکلام فی سائر القرب، دون التصدق فاذن لا اجد لاحتجاجك بکلام الکافی مثل، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاتہ للہ تعالٰی اولغیرہ واحتج علیہ بقولہ عزوجل "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ(۱) لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ(۲)"[1] فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منه المتنازع فیه اصلا. فلا اری احدا من

مول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے بھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کار ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔ الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے۔ اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے۔ لا اعبد ما تعبدون تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کردیا، اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کو ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کردی،

یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے۔ اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے۔ اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

---

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱و۲

المبطلين يعجز عن اقامة الف دليل على دعواه ہذا احتجاجك بالكافی، اما التمسك بكلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن يدعی وجود الليل البهيم مُسبل الاستار يحتج عليه بوجود الشمس فی وسط السماء بازغة تبهر الابصار۔ قال "فقد اتضح بهاتين الروايتين وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واضح بنفسه فلا يكون مصرفها الامصرف الصدقة الواجبة كما ہو ظاہر، فلا يجوز صرف الى بناء المساجد والمدارس اھ بالتعريب۔ **اقول:** ان اريد الوجوب عند التمول فنعم، والا كلام فيه، او عند التقرب فلا ولا كرامة وای اثرله فی دليلك فما ثبت بهما لانزاع فيه، وما فيه النزاع لم يثبت بهما، وان كان بحسبك ان يقع فی كلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلة من ای باب، فنعم لدعواك فی كل كتاب دلائل عدد الرمل والتراب۔ قال والصدقة مطلقًا لابد فيها من التمليك سواء كان اباحة او تمليكا تاما۔	کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا، کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہو گیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے۔ تو وہ صدقہ واجبہ ہوا، اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔ گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے، تو یہ بات صحیح ہے۔ بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کار ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے۔ تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہر گز ثابت نہیں اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو

اقول: یالیتك اذلم تھتد الی الصواب قنعت۔ بما من قبل صنعت، ونفسك عن الاسترسال منعت، ولکنك اجبت ان تزید فی الطنبور نغمة، وفی الشطرنج بغلة فابتدعت القول بان الاباحة من التملیك وانھا تجزی فی الصدقة مطلقًا، فجعلت القسیم قسمًا، والضد ندا مع ان کلمات العلماء، فی مسائل الاباحة غیر قلیة ولاخفیة بل دوارة فی کثیر من ابواب الفقه، منھا الطھارات، ومنھا الزکوة، ومنھا الطلاق، ومنھا اللقطة ومنھا الھبة، ومنھا الکراھیة وغیر ذٰلك وھذا شرح الوقایه للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب نتدراسه فی الفقه۔ افاد فیه رحمه اللّٰه تعالٰی فی اول کتاب الطھارات من باب التیمم، ان القدرة تثبت بطریق الاباحة، وبطریق التملیك فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بھذا لماء ایکم شاء، والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال ھذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممھم لانه یبقٰی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں،

اس شخص نے کہا: "صدقہ میں مطلقًا تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے، لیکن آپ نے تو ایک نئے سر کا اضافہ کرنا چاہا، اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں، ابواب طلاق ولقطہ وہبہ کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدرالشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں: "پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا۔ پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہوگئی، اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کرلو تو تیمّم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

على ملك الواہب ولم تثبت الاباحة لانه لما بطل الہبة بطل مافى ضمنها[1] اھ ملخصا ونحوه فى الفتح والبحر وغيرہا، فانظر كيف باينوا بينها، واسمع كيف اثبتوا الاباحة لكل منفرد بقول المالك ليتوضأ به ايكم شاء، مع بداہة انه لاتثبت بقوله ہذا شيئ من الملك لكل منهم، ولا لاحدہم افما كنت درست ہذا اوما دريت ولا وعيت ضابطالهم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جاز فيه الاباحة، وما شرع بلفظ ايتاء واداء شرط فيه التمليك[2]۔ كما فى ظہار الدر ومجمع الانہر وغيرہما فافتح العين، ہل ہما قسيمان او احدہما قسم من الاخر۔ اوما علمت ان مولى الغزى لما قال ان الزكوٰة تمليك[3] الخ قال المحقق العلائى خرج الاباحة[4] او ما عرفت ان الامام صدر الشريعة لما قال فى النقاية تصرف تمليك[5]	سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی، ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔ تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے۔ اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی، در اور مجمع الانہر میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرح ہے: "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "**اطعام**" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے۔ اور جس کو "**ایتاء**" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے۔" تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک واباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم! امام غزی نے فرمایا: "**الزکوٰۃ تملیک**: زکوۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔" علامہ علائی فرماتے ہیں: "اس سے اباحت نکل گئ

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الطہارۃ المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/ ۰۶-۱۰۵

[2] درمختار باب کفارۃ الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[5] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایۃ فصل مصرف الزکوۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۳۷

يعنى الزكوٰة قال العلامة الشمس محمد فى شرحها فيه اشارة الى انه لايجوز صرف الاباحة[1] الخ اوما عقلت ماافاد العلامة البحر فى لقطة البحر، اذقال انما فسرنا الانتفاع بالتملك لانه ليس المراد الانتفاع بدونه كالاباحة[2]۔ اوما وقفت على قول السيد الشامى فى لقطة ردالمحتار ان التصرف على وجه التملك احتراز عن التصرف بطريق الاباحة على ملك صاحبها[3] اھ اوما سمعت العلماء يصرحون فى غير ما موضع ان المباح له انما يتصرف على ملك المبيح لا حظ له من الملك اصلا، حتى لم يثبتوا له ملكا بعد زوال ملك المالك، ايضا قال المولى زين بن نجيم فى شرح الكنز فان قيل المباح يستهبلكه المباح له على ملك المبيح او على ملك نفسه، قلت اذا صار ماكولا زال ملك المبيح عنه، ولم يدخل فى ملك احد[4] اھ واثره عنه العلامة الطحطاوى فى حاشية الدر، ہذا وكم اسرد لك ياہذا من نقول الاسفار وہى فى الوفور والاستكثار	"امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ)تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی، علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا"_____"وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔" مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھالیا تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا، ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۳۸

[2] بحر الرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[3] ردالمحتار کتاب اللقطۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۰-۳۲۱

[4] بحر الرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۰۹

ماتنتھی دون نقلہ الاعمار، وانا بحمداللہ عالم بمناط غلطك، ومثار لغطك وسأنبهك علیه عن قریب، ان شاء المولی القرب المجیب، واما ماأوہمت من اجزاء الاباحة فی الصدقات مطلقًا فواضح البطلان عند کل من یعلم ان الزکاة وصدقة الفطر لاتغنی فیهما الاباحة علی المذهب الصحیح المفتی به، وقد قدمنا نصوص النقایة و التنویر والدر، وضابط الدرو شرح ملتقی الابحر، وسیأتی زیادة علی ذٰلك ان اراد المالک۔

وبالجملة کلام الرجل ککلام مدهوش من قرنه الی قدمه مخدوش ونحن اذا قد اوضحنا المرام وازحنا الاوہام بتوفیق ربنا الملك العلام، فلا علینا ان نقصر الکلام ونطوی بساط والرد الابرام والحمدللہ ولی الانعام۔

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے یا وہ چیز خود اپنے ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں"

آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے، تو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے۔ اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہم نے اس بات کی جزئیات تنویر اور در سے پہلے نقل کئے، اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے تو اس قائل کا کلام ازتا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

تذییل جلیل: قال العبد الذلیل بعد ہذا وقفت علی تحریر اٰخر لبعض جلة العصر من افاضل اہل السنة جنح فیه نحو ماجنح اولئك القوم، وحکم ان لا بدلهما من التملیك متمسکا بما تعریبه حکم جلود الاضاحی ان یتصدق بها اوینتفع بها بنفسه او یستبدلها بما ینتفع به مع بقاء کالغربال و السجادة وغیرہما ففی صورة

ایک سنی عالم کا فتوٰی: البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اس قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے: "قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لا بد من التملك اھ حاصله معربا۔

اقول: ھذا کلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیك فی التصدق لایستلزم لزومه فی التقرب ولم یلم کلامکم بایجاب التصدق ھھنا عینا ونفی سائر وجوہ التقرب شیئا فالصغری المطویة ھی التی کانت محتاجه الی البیان وقد طویتموھا و طویتم الکشح عن بیانھا فاختل البرھان، وکان ملحظ ھذا الفاضل ومحط نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثة، وبالبیع بالدراھم ولو لاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وھو لابد فیه من التملیك ھذا غایة مایقال فی تقریر کلامه، علی حسب مرامه ھنأہ ربه بلطفه واکرامه فالاٰن۔

اقول: وباللّٰه التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق، اعلم ان للصدقة اطلاقات:[1] **الاول:** اخصھا تملیك المال من الفقیر مجانا، فخرج الاعارۃ والاباحة و ھدیة الغنی، والاقراض وھذا ھو المراد فی الزکوٰۃ و صدقة الفطر، وبھذا المعنی یقال ان الصدقة لابد فیھا من التملیك وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحة

کھال کا صدقہ واجبہ ہے۔ نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کار ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغرٰی ہے۔ بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے۔ ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے یا باقی رہنے، والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے۔ اور جب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق مُعین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ شرح میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔

(۱) تملیك المال من الفقیر "اس صورت میں عاریۃ۔ اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجب ہے لیکن اس معنی

فیہا قطعا(عہ)۔ ولذا قال فی ظہار التنویر، صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات و العشر[1] اھ قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی (قولہ دون الصدقات) ای الزکوۃ و صدقۃ الفطر[2] اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔ ۲**الثانی**: تمکین الفقیر من المال مجانا وھنا یقطع النظر عن التملیک ویکتفی	میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے۔ تنویر میں ہے: "کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے۔ صدقات اور عشر میں نہیں۔" لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوۃ اور صدقہ فطر ہے" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باجود صدقات سے خارج ہے۔ **(۲)** "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے۔ اور یہ انتفاع، تصرف اور

عہ: ای فی نوع الطعام منہا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیہا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ہذا المراد، **وانا اقول**: خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ماینتفع بہ باستہلاکہ کالماکولات و المشروبات والکسوۃ لیس ہذا کمالایخفی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقًا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز	یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے۔ لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیساکہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو **اقول**: (اور میں کہتاہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہو سکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات و مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیساکہ مخفی نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱

[2] ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الطلاق باب الکفارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۴، حاشیہ الطحطاوی کتاب الطلاق باب الکفارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲

باطلاق الانتفاع۔ والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما قال القهستانی والشامی وغير هما فی مصرف الزکوٰۃ"انه ہو مصرف ایضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة[1] اھ وبه علم ان ہذين المعنين لا يتعدا هما الواجب من الصدقات والخلط بينهما كانه هوالذی حد ذلك الرجل الوهابی ان جعل الاباحة من التمليك، وذلك انه رأى فی الفتح مايقصر الصدقة على التمليك ورأى فی ردالمحتار مانقلنا اٰنفا وهو يفيدان الكفارة ايضا من الصدقات وقد نقل العبارتين فی فتواه فأظن انه نظم منها شكلا و استنتج منه ان الكفارة لابد فيها من التمليك وكان داريا ان الاباحة تسوغ فيها، فلم يتمالك نفسه ان حكم بكون الاباحة قسما من التمليك لانه اضطربت لديه الاقوال۔ وضاق عليه ميدان المجال، ولم يدر التفصی عن الاشكال الابايداء ہذا المحال، ولم يعرف المسكين فرق المحال، وان تغير الاوسط يهدم الاشكال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے۔ جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے۔

چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا: "جو فقیر مصرف الزکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر، کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔" صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے، شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا "صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے" اور رد المحتار کی بھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے۔ تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا ہے، فتح القدیر کی عبارت "الصدقة

---

[1] ردالمحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیہا التملیك ہی الصدقة بالمعنی الاخص الوارد فیہا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤداہما، والکفارات لیست من الصدقات بہذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال، والحمدلله المہین المتعال علی انه ان قطع النظر عن ہذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیك کما فعل الفاضل القہستانی حیث قال تحت قول النقایة تصرف تملیکا یستثنی منه اباحة الکفارة[1] اھ لا ان یرتکب مثلك ہذا المحال، وبالله العصمة عن الزلل و الضلال ہذا ما وعدناك فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقة۔	یجب فیہ التملیک" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے۔ اور "الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے۔ حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے، وہ فرماتے ہیں "انہ تصرف تملیکا یستثنی منہ الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔
۳ **الثالث** وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا، فتشمل التملیك والاباحة للفقیر والغنی، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقة ماتصدقت به علی الفقراء ای غالب انواعها کذلك فانها علی الغنی جائزة عندنا یثاب به بلا خلاف[2] اھ وقال فی	**(۳)** صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک واباحت اور فقیر وغنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے: "صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالدار کو بھی دینا جائز ہے"۔

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۸۔۳۳۷

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[1] اھ و روی احمد و الطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معدیکرب رضی الله تعالٰی عنه، قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انك ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقه، وما اطعمت خادمك فهولك صدقة۔[2] وله فیه عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ما انفق الرجل فی بیته واهله وولده فهو له صدقة۔[3]

الرابع ربما تطلق حیث لاتملیك ولا اباحة اصلا وانما هو تصرف مالی قصد به نفع المسلمین کحفر الاٰبار وکروی الانهار وبناء الربط والجسور والمساجد و المدارس وغیر ذلك وعن ہذا تقول انها صدقات جاریة ومن ذٰلك قولهم فی الاوقاف صدقة مؤبدة و علیه جاء قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم

ردالمحتار میں بحر الرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازا ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔

احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ"۔

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافرخانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں: اور اوقات کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتاہے۔ حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۲۶۸

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۶۷۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنه فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقة افضل، قال سقی الماء، فحفر بئرا و قال هذه لام سعد[1] کما اخرجه احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجة وابن حبان و الحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنه فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقة ومعلوم ان لاتملیك فیه ولا اباحة فان من شرطها ان یکون الماء فی ملك المبیح کما لایخفی علی احد وقد قال صدر الشریعة انهم لمالم یملکه لاتصح اباحتهم۔ اھ وقد نص علمائنا ان ماء البئر غیر مملوك لصاحبها، ففی الهدایة البئر ونحوها ماوضع للاحراز ولا یملك المباح بدونه[2]۔ وفی فتاوی العلامة خیر الدین الرملی	حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا: لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا، انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے" (احمد وابوداؤد ونسائی ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس) تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح کرنے والے کی ملک ہو، صدر الشریعہ فرماتے ہیں: "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں" اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں" ہدایہ میں ہے: "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی"۔

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۶، سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقة عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۳، مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۸۵و۶/ ۷، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعة السلفیه مکه المکرمة ص ۲۱۸

[2] الهدایة کتاب احیاء الموات فصل فی المیاه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۸۳

فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنه حتی یبست لاشیئ علیه عـــه لان صاحب البئر غیر مالك للماء[1] اھ فاذن لایکون الا تقربا الی الله تعالٰی بتصرف فی ماله لنفع المسلمین وعلی ھذا سائر القرب المالیة سواء فی دخولها فی معنی الصدقة۔ وقد قال الامام فقیه النفس قاضی خاں فی الخانیة قریة فیها بئر مطویة بالاٰجر خربت القریة، و انقرض اھلها وبقرب ھذه القریة قریة اخرٰی فیها حوض یحتاج الی الاٰجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریة التی خربت ویجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لا یجوز صرف الاٰجر الا باذنه، لانه عادالی ملکه وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلك ان

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔

تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہا ہے اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر صدقہ قرار دئے جانے میں برابر ہیں۔

اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال: امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں، اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

عـــه: **قلت** ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظهر اذا فعله لمحض الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منه۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفة بیروت ۲ /۱۸۶

يتصدق بها على فقير ثم ذٰلك الفقير ينفقها فی ذٰلك الحوض لانه بمنزلة اللقطة والاولى ان ينفق القاضی فی ہذا الحوض ولا حاجة فيه الى التصدق على الفقير[1] اھ وفی الهندية عن الواقعات الحسامية فيما اذا لم يعلم الغارس، الحكم فی ذٰلك الى القاضی ان رأى بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذٰلك[2] اھ وقال فی الخانية قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم فالرأى للقاضی ان رأى ان يبيع الاشجار و تصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلک، وتكون فی الحكم كانها وقف[3] اھ

قلت ای فی انه مال مصروف الى وجوه البر اما الوقف فلا لما فی الخانية ايضا، رجل جعل ارضه مقبرة وفيها اشجار عظيمة، قال الفقيه ابوجعفر رحمه الله تعالٰى وقف الاشجار لايصح فتكون الاشجار للواقف ولورثته

(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے۔ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے: "اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے"

خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے۔ اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتا ہے۔ اس کا حکم وقف ہی کا ہے"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہوجاتا۔ اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

ان مات، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة [1] اھ ومعلوم ان حکم اللقطة هو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرف الی نفسه وهو ایضا من باب التصدق من المالک، بل قال فی الدرالمختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یر ربها فانتفع بها لفقره ثم ایسر یجب علیه ان یتصدق بمثله [2] اھ وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنهر، عن الولو الجیة والهندیة وجامع الرموز عن الظهیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردها، وبالجملة الحکم ههنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفه الی عمارة المقبرة واصلاح الحوض، ومن ذٰلک مافی الرحمانیة عن الاجناس اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اهل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعه، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الاٰخر فلا باس به، وهذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عنده [3] اھ وفی السراجیة مسجد عتیق لایعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه

ہوں گے، اور وہ مرگیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کردیا گیا ہو۔"

رحمانیہ کا جزئیہ ہے: "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی"

سراجیہ میں ہے: "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگا سکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے۔ اور فتوٰی قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے"

اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد ڈھے کر ناقابل استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہوگئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہوجاتا ہے۔ اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[2] درمختار کتاب اللقطة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[3] رحمانیہ

مسجد اخر، لیس لاہل المسجد ان یبیعوہ و یستعینوا بثمنہ فی مسجد اٰخر عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوٰی[1]۔ وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنٰی عنہ یعود عند محمد الی ملك البانی، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ، وقد قال الامام محمد صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ہو بہذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد وہذا الاطلاقات کلہا فقہیۃ کما ترٰی۔	میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ توجب ہمچوں قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہو گئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے۔ ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے۔ بلکہ در مختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہوگیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف ہے۔ (بحر ونہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریۃ) **میں کہتاہوں** قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوۃ کھاتا رہا اب مالدار ہوگیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنی میں ہے اور اس کا مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔
الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر اودفع الضیر کیفما کان ومن ذٰلك حدیث تکرار	**(۵)** کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردیجاتی ہے اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتاہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعة المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معه [1] وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل سلامٰی من الناس علیه صدقة کل یوم تطلع فیه الشمس تعدل بین الاثنین صدقة بینھما، وتعین الرجل علی دابته فتحمل علیھا او ترفع له علیھا متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة ودل الطریق صدقة وتمیط الاذی عن الطریق صدقة [2]۔ اخرجه احمد والشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔ وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مامن رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق به الا رفعه اللہ به درجة وحط عنه خطیئته [3]۔ اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔	کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا: "الا رجل یتصدق علی ہذا فیصلی معه کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے" یوں ہی سرکار فرماتے ہیں: "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے۔ تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے۔ آدمی کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ راستہ بتانا صدقہ ہے۔ راستہ سے کوڑا کرکٹ دور کردینا صدقہ ہے۔ (احمد ومسلم وبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد وضیاء نحوہ عن عبادۃ باسناد صحیح)

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصدقات باب فی المجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵، جامع الترمذی ابواب الصلوٰہ باب ماجاء فی الجماعة فی مسجد الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الجهاد باب من اخذ بالرکاب ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقة یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵، مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۷، سنن ابن ماجه ابواب الدیات باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷، مسند احمد بن حنبل بقیه حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۴۸

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضاً ویطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانه ان لم یکن تصدقاً علی غیرہ، فتصدق علی نفسه، ومن ذٰلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی حدیث ابی ہریرۃ المار کل خطوۃ تخطوہا الی الصلٰوۃ صدقه[1]۔ وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقة[2]۔ وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل معروف صدقة[3] اخرجه احمد والبخاری واٰخرون عن جابر واحمد و مسلم وابوداؤد عن حذیفة والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والبیهقی فی الشعب عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم، زاد عبد بن حمید والحاکم، و صححه فی حدیث جابر ہذا وما انفق المسلم من نفقة علی نفسه واہله کتب له بها صدقة[4]۔ وتتمه حدیث المقدام المقدم	**(۶)** اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود ومشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔ "مسجد کی طرف بڑھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ ہر نیکی صدقہ ہے۔ (احمد وبخاری وآخرون عن جابر، احمد، ومسلم، ابوداؤد، عن حذیفہ طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس) عبدابن حمید وحاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل وعیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا" نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے" ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کرلیں، شائد کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے، اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ قربانی کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۴ و ۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ المسافرین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۰، صحیح مسلم کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل ۵/ ۳۹۷ والمعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۷ و ۱۰۴۱۲ و ۱۰/ ۱۱۰ و ۲۳۲

[4] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰

ذکرہ وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[1] اتقن ہذا فلعلك لاتجدبیان تلك الاطلاقات الا فی ہذہ الوریقات واللہ سبحانہ واھب العطیات۔ ثم ان المراد بالتصدق فی قولهم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولهم یندب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث، لیس ھو المعنی الاخص الاول، کیف، و قد اجمعوا علی اباحة الاباحة فی القربان، فلایمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیك ویتضح ذٰلك فی قوله مجمع الانهر وغیرہ الجهات ثلث الاکل والادخار و التصدق[2] ھ فاین الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیك المنصوص علیه فی قوله عز مجدہ "وَ اَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ ؕ"[3]۔ وقد استدل فی الهدایة بالاٰیة علی قول البدایة یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجهات ثلث الاکل و الادخار لما روینا و الاطعام لقوله تعالٰی و اطعموا القانع والمعتر و انقسم علیها اثلاثة[4] اھ	سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کسی اطلاق کے تحت آیا ہے۔ تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلاسکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہوجاتی ہے۔ چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں: "قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے: کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا" حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوجاتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔ اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی: "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے"۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں: "اس لئے کہ جہتیں تین ہیں: کھانا، جمع کرنا، یہ تو حدیث سے ثابت ہے۔ اور کھلانا، یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ، تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا"

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰ /۲۶۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۲۱

[3] القرآن الکریم ۲۲ /۶۳

[4] الهدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۸

فلو كان المراد بالصدقة ہو المعنی الاخص لما انطبق الدليل علی المدعی كما لا يخفی، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاقات وان لزوم التمليك انما ہو فی المعنی الاول وانه غير مراد ہهنا، وجب ان لايكون مرادا ايضا قولهم يتصدق بجلدها فان التصدق ههنا هو عين التصدق فی قولهم يتصدق بالثلث يرشدك اليه تعليل الهداية بقوله لانه كجزء منها فثبت ان ليس تصدق الجلد مايقتصر علی التمليك حتی لو صنع منه دلوا، ووقفه علی بئر مسجد ليستسقی المتوضؤون جاز[عه] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔	اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسب قول ہدایہ، "کھال بھی قربانی ہی کا جزء ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے۔ القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔
بقی انه اذ ليس المراد الاول فای البواقی يراد وانما البينة علی من يدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حديث نبيشه الخير الهذلی رضی الله تعالٰی عنه يهدينا الی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوه القرب، فليكن المراد هو المعنی الرابع، وہو الغالب فی الصدقات النافلة۔	اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے۔ مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

[عه]: ای علی المفتی به من جواز وقف المنقول حيث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی اٰبار المساجد اھ ۱۲ منه قدس سره العزيز	یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

على ان قد بينا ان معنى المنع ليس ترك التصدق المأمور به، فانه غير المأمور به ههنا رأسا بل المعنى قصد التمول المنهى عنه فى كل ماتقرب به الى المولى سبحٰنه وتعالٰى وهو لايتحقق فى شيئ من القرب، فلايضرنا عندالتحقيق ارادة شيئ من المعانى اصلا كما لايخفى على من رزق العقل السليم والفهم المستقيم، والله سبحنه بكل شيئ عليم، ہذا وجه فى الجواب عن احتجاج ہذا الفاضل المستطاب

اقول: ثانيا مبناه عن حصر السائغ فى الاوجه الثلثه و لا دليل يدل على الحصر، وعدم الذكر ليس ذكر العدم وہذا الامام القدورى مقتصرا فى مختصره على شيئين التصدق وعمل آلة حيث قال ويتصدق بجلودہا اويعمل منه آلة تستعمل فى البيت[1] اھ فترك التبدل بمايبقى ايضا، فيظن كلامه هذا معارضه لكلام من ثلث، وہذا المحقق الحلبى قال فى ملتقاه وهو من متون المذهب المعتمدة كما نص عليه العلامة الشامى، ياكل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار (کار ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کار خیر کو عام ہے تو چوتھے معنی میں جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصد تصدق کی ممانعت ہے۔ نہیں قصد تمول کی ممانعت ہے تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح: جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں، اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں، کہ عدم ذکر، ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو۲ ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کردیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے، حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے"۔

---

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیہ مطبع مجیدی کانپور ص۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی و فقیر، وندب ان لاینقص الصدقه عن الثلث[1] اھ فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح، وان اختیر ماصححه فی الظھیریة وغیرھا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب و الجواب لاعکسه فی الصورتین فقد ترک ہذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط، بکل ماھو سائغ، ونظائر ذٰلك ان تتبعت اعیاك عدھا کثرا واذلا حصر فلا ساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ہذا فی مطاری کلامنا فی الوجه السابق۔	تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے۔ اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔ اور جب حصر واحاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو۲ قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔
واقول: ثالثًا ان ابتیم الاالحصر فنبئونی فلا یجوز اھداء غنی، و لیس من الثلثة، اولایجوز الاعارۃ من فقیر اوملی ولیس منها اولا یجوز البیع بالدراھم للتصدق و لیس البیع للتصدق عین التصدق فاذبقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی۔	اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں، حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے تو جب اس کار ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کار ثواب کے لئے کیوں جائز نہ ہوگی۔
وبالجملة فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك	المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کار ثواب کے لئے بیچنا منع ہو اور اس کا تصدق بطور تملیک

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیه مؤسسة الرسالة بیروت ۲/ ۲۲۴

اذا فعل ذٰلك بل الدليل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزله عنه، والمسوغ كما تبين بكلام التبيين قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا فی الورد والصدر، ہذا ما ظهر لفهمی القاصر وفکری الفاتر ومعاذالله ان ابری نفسی من الخطأ والزلل واصر علی رائی بعد وضوح الخلل وسبحن الله الیش انا والیش رأیي و انما النقص بضاعتی والخطأصناعتی، والجهل صفتی و العجزسمتی فان اصابت فبتوفیق ربی، وله الحمد فی کل اٰن وحین، وان اخطأت فبشوم ذنبی و اسأل التوبة ارحم الراحمین، والحمدلله العزیز الوہاب، والصلاة والسلام علی النبی الاواب واله و صحبه خیر آل واصحاب واذا انتهت الرسالة بحمدی ذی الجلالة وددت ان اسمیها بعلم لطیف، یکون علما علی عامة التالیف، کما ہو دأبی فی جمیع التصانیف وقد جاءت بحمدالله تعالٰی مختصرة ومع الاختصار مطهرة مظهرة، فناسب ان اسمیها "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" وکان ذٰلك ضحوة الخمیس للیلة بقیت من ذی القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے وہ بیع بقصد تمول ہے۔ اور ان دونوں میں بون بعید ہے۔ اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے۔ اور یہ بیع اسی لئے ہے۔ اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔

اب ہم اس پر بس کرتے ہیں، اور ابتداء وانتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا اور خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میرا نشان اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے۔ اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اس کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا بھی سن تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام "الصافیة الموحیة لحکم جلو دالاضحیة" رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے

بجرۃ المولی سید الانام افضل الصلاۃ واکمل سلام واجمل تحیۃ من الملك المنعام علیه وعلی آله وصحبه الکرام علی مر اللیالی والایام۔ والحمد للہ ذی الجلال والاکرام کتبه العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں۔ والحمد للہ رب العالمین۔

مسئلہ ۲۹۴: از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل از صلوٰۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں، اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے۔ نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہو سکتا ہے اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کر سکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے۔ جو اصل کا کہ ادخار وایتجار دونوں جائز ہیں خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں یا اسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے۔ ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں اور ان کی سبیل تصدق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۵: از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طہ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنا چاہئے۔ اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے۔ (۱) شرح وقایہ جلد اول۔ کتاب الحج۔ باب الاحصار، بیان احکام الھدی

(۲) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول باب الھدی

(۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الھدی (۵) قدوری، باب الھدی (۶) تنقیح الضروری حاشیۃ قدوری

بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالہ پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول: شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو باب الهدی میں بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم: علی طریق التنزیل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے۔ خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم: کتاب عمدہ الرعایۃ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے۔ تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے، فقط تام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب:

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بنی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بناہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو برہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ اور لکڑی کو خشاش بالکسر، اور فارسی میں مہار بالفتح، اور بالوں کے چھلے کو عربی میں میں حرامہ، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی وفارسی میں زمام ومہار اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے اور اکثر نا قہائے سواری میں یہی مستعمل ہے۔ کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بنی سے ماخوذ ہے۔ نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار میں ہے:

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف اوشعر اوقطان فیجعل فی احدطرفیه حلقة، ثم یشد فیه الطرف الاٰخر حتی یصیر کالحلقة ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمه واما مایجعل	اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کائی سے رسی بناکر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہوجائے، پھر اسے اونٹ کی گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقافھو الزمام۔[1]	ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔ (ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفه حلقة ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمه۔[2]	خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرح حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے۔ پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذٰلك لانه یقع علی خطمه۔[3]	اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کا خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفه کان من جلد اوصوف اولیف اوقنب۔[4]	ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطام) ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی اٗنفه۔[5]	(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔ (ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابة مقدم اٗنفھا وفمھا۔	چارپائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۲/ ۷۱، النھایة لابن اثیر باب الخاء تحت لفظ خطم المکتبة الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ۲/ ۵۰

[2]

[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۷

[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ما وضع فی انف البعیر لیقاد به۔[1]	کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے: کذا فی المحکم[2] (محکم میں یوں ہی ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے:

الخطام ھو الزمام وہو ما یجعل فی انف البعیر۔[3]	خطام زمام ہی ہے اور یہ اسی شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

در ثمین میں ہے:

الخطام الحبل الذی یقاد به البعیر۔[4]	خطام وہ رسی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

بخطام عـــه او بزمامه وھما بمعنی والشك فی تعیینه وھو بکسر خاء خیط یشد فیه الحلقة المسماۃ	(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اس کی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے۔ اور خطام خاء کے کسرہ کے

عـــه: ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قعد علی بعیرہ وامسك انسان بخطامه او بزمامه۔[5] الحدیث ۱۲ منه قدس سرہ العزیز	یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب الجیم مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۹

[2] تاج العروس فصل الخاء من باب الجیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[3] بحر الرائق کتاب الحج باب الھدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۷۲

[4] الدر الثمین

[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی به المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرۃ، ویشد فی طرفہ المقود۔[1]	ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرۃ حلقۃ تجعل فی لحم الانف، وربما کانت من شعر۔[2]	برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے۔ (ت)

اس میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقۃ یشد بہا الزمام۔[3]	وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نوری سے ہے:

الزمام مایجعل فی البعیر دقیقا وقیل مایشد بہ رؤسہا من حبل وسیر۔[4]	زمام اس باریک رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضہم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرۃ اوفی الخشاش ثم یشد الیہ المقود ثم سمی بہ المقود نفسہ۔[5]	ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام ہو الحبل الذی یجعل فی البرۃ والخشبۃ قال الجوہری اوفی الخشاش	زمام اس رسی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے۔ جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

---

[1] مجمع البحار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۲

[2] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[3] مجمع البحار باب الباء مع الراء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[4] مجمع البحار باب الزاء مع المیم مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۴۴۰

[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت الزمام مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم یشد فی طرفہ المقود وقد یسمی المقود زماما[1]۔	میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے۔ (ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند وہر چہ از مس باشد آں را برہ گویند، وآنچہ از موئے آں را خزامہ[2]۔	خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے پیتل کی جو شے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ ت) اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند وبروئے مہار بندند[4]۔	زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں۔ (ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند وریسماں براں بندند[5]۔	مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں۔ (ت)

قاموس میں ہے: الخزامۃ ککتابۃ البرۃ[6] (خزامۃ بروزن کتابۃ حلقہ کو کہتے ہیں۔ ت) تاج میں ہے:

وھی حلقۃ من شعر تجعل فی وترۃ انفہ یشد بھا الزمام کمافی	اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

---

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۲۸

[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷

[3] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ص ۴۶۸

[4] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ۴۷۵

[5] برہان

[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۶

الصحاح. وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ[1]۔	رسی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگر وہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے۔ (ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیہ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسا، برۃ من فضۃ۔ وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذٰلك المشرکین[2]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابو جہل کا تھا جس کے سر (ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لے ایسا کیا تھا۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسه) ای انفه فان البرۃ حلقة من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسه علی الاتساع[3]۔	(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا۔ (ت)

مجمع البحار میں طیبّی سے ہے: جعله فی الرأس اتساعا[4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۷۳-۷۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناسك الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸

[4] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۷۸

ان صاحبا لنارکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرر بنفسہ[1]۔	ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گرگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ (ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراۃ ای لیس فی انفھا برۃ یقال ابریت الناقۃ فھی مبراۃ[2]۔	"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ (حلقہ) نہیں تھا کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ (حلقہ والی) ہو گئی (ت)

عمدۃ الرعایۃ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے۔ مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے۔ اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے۔ اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری و مسلم کی طرف نسبت کی۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالھا و بخطمھا، ولا تعطی اجرۃ الجزار منھا[3]۔	قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کردیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔ (ت)

غلط صریح ہے۔ نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون، صحیح بخاری میں بدنہ بدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی۔ [١]باب الجلال للبدن۔ [٢]باب التصدق بجلود البدن، [٣]باب بتصدق بجلال البدن، [٤]باب الوکالۃ۔ [٥]باب الایوتی الجزار من الھدی شیئا اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی، دسویں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے۔ نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول و خامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

---

[1] النھایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ١٢٢/١

[2] النھایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ١٢٢/١

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ٣٦٤/١

التی نحرت وبجلودھا[1] ۔	صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا۔ (ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا و جلودھا[2] ۔	رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کردیا پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں ان کے جھلوں کو تقسیم کردیا۔ (ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3] ۔	بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور ان کا گوشت جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں۔ (ت)

چہارم میں:

اہدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودہا فقسمتھا۔[4]	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے لئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کر دیا۔ (ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا وجلودھا واجلتھا[5] ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

[2] صحیح البخاری باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] صحیح البخاری باب التصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] صحیح البخاری یتصدق بجلال البدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودہا وجلالھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزادفی المساکین [1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کرو۔ ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے۔ اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایۃ میں مذکور صحیحین بلکہ متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع ارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر، علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال و لا جلود الهدایا والضحایا کما ہو ظاہر الحدیث اذ الامر حقیقة فی الوجوب اھ۔ وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذٰلك صیغة افعل لالفظ امر [2]۔	صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتًا وجوب کے لئے ہے۔ اھ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لیے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغہ **اِفعل** ہے نہ کہ لفظ امر۔ (ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذٰلك الجل و لفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذلك فی صیغة افعل لالفظ امر [3] اھ و رأیتنی کتبت علی ہامش الارشاد مانصہ **اقول:** لیس قول امر الاحکایة امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایة من مثل علیك التصدق۔	اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔ اور لفظ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغہ افعل ہے نہ کہ لفظ امر اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر لازم ہے۔ ت) جیسے الفاظ سے۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الهدایۃ وجلودها الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دارالکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرہ ۲/ ۳۲۷

ذکر خطام کے لئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا اسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقہ ذکر الخطام[1]۔	میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف سے اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے۔ ہاں ہدایہ باب الھدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالھا وخطامھا ولا تعط اجر الجزار منھا شیئا[2]۔	قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔ (ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الھدی میں یہی لفظ دوم ہیں: الا لفظۃ الاجر[3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ ت) نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں۔ الا لفظۃ شیئا[4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ ت)

اقول: تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں، امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشاع ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاھما عنا[5]۔	ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ (ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علماء کرام کا ادب ہے۔ بخلاف جہال زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمک سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/ ۵۴

[2] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] کافی شرح الوافی

[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان مایستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱

[5] فتح القدیر

تو حدیث مذکور میں صدقہ خطام کا عنداللہ حکم ہے مگر وہ حدیثاً وفقہاً صرف جلال وخطام شتران ہدی کے بارے میں ہے۔ قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال وخطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار، اور دلالۃ النص **اقول:** اس کی بھی گنجائش نہیں نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنیٰ ہدی میں ہے۔ نہ یہ جھولیں ان جلال سے نہ گلے کی رسیاں اس خطام کے مثل۔

اول: توظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح ونحر نہیں کرسکتے۔

قال اللہ تعالٰی "ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۳۳"[1] وقال تعالٰی "هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچتی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے۔ تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہٰذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہ یعنی لحم وجلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد ومضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، ولہٰذا بدائع وہدایہ وکافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارہ لحم وجلد اضحیہ استناد کیا اور جلال وخطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں ان پر دو اقتصار اور ان دو کا ترک اور اس ترک واقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم: یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کے لئے بنائی جاتی ہے اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں وہ ۱ خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں اور ۲ روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتی ہیں، اور ۳ ان کے لئے ان کا بنانا سنت ہے۔ ۴ تقلید واشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے۔ بدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے۔ اور ان کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[۵] علمائے کرام نے فرمایا: ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے۔ ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور [٦] مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہہ کرکے رکھ چھوڑتے، [۷] عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظّمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

[۸] علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ ان کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث فوائد کثیرۃ منہا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومہا وجلودہا وجلالہا و انہا تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا، قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتھر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا و یستحب ان تکون قیمتہا نفاستہا بحسب حال المھدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضھم بالحبرۃ وبعضھم بالقباطی والملاحف والازر، قال مالك اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقہا الشوك قال واستحب ان	اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت وعمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں۔ لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے، امام مالک نے فرمایا۔ جھلوں کو رات

كانت الجلال مرتفعة ان لایجللها حتی یغدوالی عرفات ان كانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل[1] (ملخصا)	کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہو تو احرام باندھتے وقت ہی پہنادے (ملخصا) (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل وہذا من حیث العرف، و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوھا قال ابن بطال كان مالك و ابو حنیفة والشافعی یرون تجلیل البُدن۔[2]	جلال جل کی جمع ہے۔ اور وہ اس شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے۔ یہ عرف کے اعتبار سے ہے۔ لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان كانت بدنة قلدہا بمزادة اونعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذكر فی القراٰن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذكر للتجلیل فیه، وان كان كلاھما ثابتا بالسنة لان ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم كانت مقلدة مجللة ولانه قد تجلل البدنة لاعلی وجه التقرب بخلاف التقلید۔[3]	اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنادے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقة بلحوم الهدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳_۲۴

[2] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۴۴_۴۵

[3] الکافی شرح الوافی

	پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔ (ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما كان يجلل بدنة القباطی والانماط والجلل، ثم يبعث بها الى الكعبة فيكسوها اياها، مالك انه سأل عبدالله بن دينار ماكان عبدالله بن عمر يصنع بجلال بدنه حين كسيت الكعبة عن الكسوة۔ قال كان يتصدق بها[1]۔	حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلاف کعبہ بناتے، امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کردیتے تھے۔ (ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما كان يجلل بدنه الانماط والبرود والحبر حتى يخرج من المدينة ينزعها فيطويها، حتى يكون يوم عرفة فيلبسها اياها حتى ينحرها ثم يتصدق بها، قال نافع وربما دفعها الى بنی شيبة[2]۔	بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے بدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنادیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے بعد ازاں ان کو صدقہ کردیتے، حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔ (ت)

اقول: اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

---

[1] مؤطا الامام مالك كتاب الحج باب العمل فی الهدی حين يساق میر محمد کارخانہ کراچی ص ۴۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحوالہ ابن منذر كتاب الحج دار المعرفة بيروت ۲/ ۳۲۷، فتح الباری بحوالہ ابن المنذر كتاب المناسك باب الجلال للبدن دار المعرفة بيروت ۳/ ۴۳۹

میں سو ۱۰۰ اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں **کما تقدم عن صحیح البخاری** (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا۔ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ / ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ عـــہ سنہ ۶۳۲ء تھی۔ ولہٰذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں، صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ، یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ ورسول اعلم۔ قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا قلنا اللہ ورسول اعلم، قال الیس یوم النحر[1]۔	زمانہ اس دن کی ہیت پر گردش کر رہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین وآسمان پیدا فرمایا تھا۔ اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں۔ پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا:

حیث قال زعم یوسف بن عبدالملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ہذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو ادار	جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں اُدار اور

عـــہ: یعنی اس وقت کی تعبیر میں ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب سے دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وہو برمھات بالقبطیة وفیہ یستوی اللیل والنھار عند حلول الشمس برج الحمل[1]۔	قبطی برمہارت ہے۔ اور اس مہینہ میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول: مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج عہ الغ بیگی سلطان اور زیج عہ۱ احد بہادر خانی اور دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظّمہ دہم ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجریہ مطابق یازدہم عہ۲ ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصاً مکہ معظّمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے۔ نہ رات کو برف نہ دن کو لو، نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں،

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۲۱۱، ارشاد الساری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

عـہ مطلوب سنہ ۱۰ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ الم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ سنہ ۸۵۰ تھا، طول سمرقند مط کو طول حرم محترم عرحہ سے مابین طولین الحہ او حاصل تفریق ۴۸۰

	ج	مرکز				ج	اوج				
∴ بازاء	ا	ط	مط	ع	مو	یا	ح	مط	ع	—	
۶۰۰	ی	ح	نہ	ع	ل	ح	لط		ع	مر	
۲۲۰	ما	ع	مہ	ب	لو	یا	ما	لط	ا	ح	مط
بازاء ۸۵۰ بتفریق آں ازیں	ط	ا	لہ	و	ط	ح	یا	لبر	لہ	ح	
بہرغرہ سنہ ۱۰	ط	لر	مر	ح	مخ	ب	ع	ع	لہ	لط	
	ی	لك	لط	ک					مہ	ع	
+ ۱۰ ذی الحجہ ۱۱ یوم ناقص مابین	ط	نا	کا	نت	لب	ب	ع	لط	مط	نب	
طولین	ح	مر	مط								
+ تعدیل الایام	ح	ع	ا	مہ	و						
				نہ	نہ						
+ تعدیل المرکز	ح ح	ع لله	ب نخ	ک مط	ا						
+ اوج	ط ب	ا ک	لح لب	رع رع	حز لب						
تقویم	یا ج	ک	لہ	ع	مہ						

عہ۱ ۱۲۵۱ — ۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ و تضایف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

	ج	وسط				ج	اوج			
∴ بازائے ۱۲۰۰										
۶۰	ح	و	م	لو	لط	یا	لط	مہ	ی	ط
	ب	لو	حز	یا	مط	نط	.	مہ	ل	
بازاء ۱۱ سال متصاعداً	ہ	لح	ل	ر	ح	یا	ک	لح	نب	لط
بتفریق آں ازیں بہرغرہ سنہ ۱۰	و	ما	نب	لح	س	ح	ی	مد	ح	لح
+ ذی الحجہ	یا	لح	لہ	کا	لہ	ب	لط	حر	نہ	مط
	ی	ک	د	ر	لح	ند	مو			
+ ۱۱ یوم ناقص	ط	نا	لح	لح		ا	ما			
بازاء سرت ندقہ منہ										

مابین الطولین ۔ ندر

	د	نة	مد		ل	لط	ما	س	مر
بازاء ایں و تعدیل ایام و قحہ مح ر	ب	لح	د						
حصہ اش از وسط لو نہ لح	ی				ئہ	ما	لح	ما	ر لد
+ حصہ تعدیل ایام زائد	ما	لح	ما	ا	ا	ح	الح	حز	ہ ر
				سو	لح	مرکز			
تعدیل المرکز	ما	ع	ما	ر	لد	لہ	لح	مہ	
			اح	نہ	لب	لو	مط	لد	
× وسط	ما	ع	ما	ر	لد				
تقویم	ما	ک	لو	مط	لد	مط	ح		
						نہ			

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

عہ۲ خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، قویہ تنتویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سرہٗ

ان کا اصلا نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم: یوں کہ خطام ہدی وہ شیئ ہے کہ اسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے۔ تو قربانی کی رسیاں اس کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے۔ شتر نحر کیا جاتا ہے اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کی رسی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی، وہ بھی اتار لیتے ہیں، تو وقت تقرب الی اللہ رسی اور جھول ان کے بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہے، اور وہ نہیں گر باوصف انفصال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اس ناند اور طشت کا بھی جس میں اسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں، عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل کی فرمائی کہ اس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا۔

حیث قالوا قال المھلب لیس التصدق بجلال البُدن فرضا وانما صنع ذٰلك ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما لانہ ارادان لایرجع فی شیئ اہل بہ للہ ولا فی شیئ اضیف الیہ[1]۔	جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تو محض اس لئے ایسا کہا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شیئ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر ہے کہ قربانی پر لبیک کہاں اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی ان اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقت نحر وذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول: اور اول اولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سو کے سو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدست انور، ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵، فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقت نحر بدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں، میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ان عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنته ینحر قال ابعثها قیاما مقیدة سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه و سلم[1]۔	میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدة معناه معقولة برجل وهی قائمة علی الثلاث[2]۔	مقیدہ کا معنی ہے کہ رسی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔ (ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں، رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے۔ اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، **ومن ادعی فعلیه البیان** (جو دعوی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے ان پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسب حثیت مزین وبیش بہا کرے۔ اور اس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس سے باز رہنا اسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، **کما بیّنا فی فتاوٰنا وبالله التوفیق** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ۔ (ت)

والله تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب نحر الابل المقیدة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدة ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۵۰

باب العقیقه

(عقیقہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۶: از بریلی مسئولہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۱۲/ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

اگر شخصے عقیقہ دو یا زیادہ طفلان خود ادا کند پس بوقت ذبح شاۃ نیت ہر ہمہ کافی بود یا برائے ہر ایک جانور علیحدہ باید۔	اگر کوئی شخص دو یا اس سے زائد بچوں کا عقیقہ کرے تو کیا ایک بکری ذبح کرتے وقت تمام کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ جانور ہونا چاہیے۔ (ت)

الجواب:

گاؤ و شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بز گوسفند جز یک را کفایت نیست، کمافی الاضحیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گائے اور اونٹ سات بچوں کی طرف سے کافی ہے۔ جبکہ بھیڑ اور بکری ایک سے زیادہ بچوں کے لئے کفایت نہیں کرتیں، جیسا کہ اضحیہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۷: از چتوڑ گڑھ اودے پور میواڑ مرسلہ نور محمد ولد عبدالحکیم چھینہ ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عقیقہ کیا اور اس کے چمڑے کی قیمت کرکے قبل وصول قیمت کے اتنے ہی روپے کا اپنے پاس سے سامان منگوا کر کھانا پکوا کر کچھ کھانا اباحۃً

اپنے مکان پر فقراء اور مساکین پر اور کچھ تملیکاً ان پر صرف کردیا، نیز قیمت چمڑہ کے علاوہ اس گوشت میں زائد سامان شامل کرکے گھروالوں نے بھی کھایا، اور بلاامتیاز غنی وفقیر اپنے خویش واقارب کو بھی کھلایا، حالانکہ عقیقہ کے چمڑے کے داموں کا فروخت کرنا، یا اشیائے مستہلکہ کے ساتھ مبادلہ کرنا، اپنے تصرف میں لانے کے لئے ناجائز ہے تو اس شخص نے قیمت کی اشیائے مستہلکہ خریدیں، وہ مساکین پر تصدق کیں، اس کے بعد جب اس نے چمڑے کا دام لے کر اس کا تصرف کرنا ناجائز سنا تو ابھی تک کہ چمڑہ کے دام نہیں لئے تھے اسی روز بیع چمڑہ فسخ کرکے قیمت سے انکار اور اس کے مبادلہ میں اشیائے غیر مستہلکہ از قسم پارچہ یا ظروف لینا مقرر کیا،

اندریں صورت اس شخص کا چمڑا کی قیمت کرکے بلااخذ ثمن اپنے داموں سے منگوا کر پکوا کر مساکین پر تصدق کرنا اور اس میں زائد سامان پکوا کر خویش واقارب کا کھلانا، اور اس کے بعد اس کے ناجائز ہونے کے خیال سے بیع فسخ کرکے اب اس کا مبادلہ کرنا جائز ہوا کہ نہیں؟ **بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔**

الجواب:

چرم قربانی سے تمول ممنوع ہے فقراء پر صرف ممنوع نہیں۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[2] (کیونکہ یہ صدقہ کرنے کی مثل قربت ہے۔ ت)

وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھر والوں کے لئے پکاتا تو برا کرتا کہ تصدق وتمول کا خلط بلاتمیز تھا، لیکن وہ قیمت ہنوز نہ لی تھی، اپنے ذہن سے اس کے بدلے اور روپیہ لے کر اس کا معاوضہ سمجھا، یہ اس کی جہالت تھی لیکن اس سے اس کھانے میں کوئی خبث نہ آیا اور نہ گھر والوں کے کھانے میں کچھ حرج ہوا، وہ دونوں اس کے خاص اپنے مال تھے، اسے اختیار تھا کہ جہاں چاہے صرف کرے، مگر وہ نیت کہ قیمت چرم قربانی میں فقراء کے لئے یہ کھانا اس کا عوض نہیں ہوسکتا اگر روپے کے عوض بیچتا وہ روپے امور تقرب میں ہی صرف کرنے ہوتے، اب کہ وہ بیع فسخ کردی، اور اشیائے باقیہ سے

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الضحایا باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

بدلا اس تبدیل سے ثیاب وظروف جو حاصل کئے، مباح الاستعمال ہیں، مگر تصدق کی نیت سے عدول ہوا، اور یہ مکروہ ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسے قربات وفقراء ہی پر صرف کردے۔

غایۃ البیان علامہ اتقانی شرح ہدایہ میں شرح مختصر الکرخی للامام القدوری رحمہم اللہ تعالٰی سے ہے۔

جواز الاشراك بعد الشراء للاضحية محمول على ان ملكه لا يزول بالشراء الا انه يكره لانه قد وعد وعدا فلا ينبغي ان يرجع فيه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قربانی کے لئے جانور خریدنے کے بعد اس میں دوسرے کو شریک کرنے کا جائز ہونا اس بات پر محمول ہے کہ خریداری کے سبب سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس نے ایک وعدہ کیا ہے جس سے رجوع کرنا مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۸و۲۹۹: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے عقیقے کے لئے دو راسیں خریدیں، بائع کہتا ہے میرے قیاس میں یہ راس ساڑھے دس مہینے کی ہے دوسری میں شبہہ ہے، بظاہر فربہ ہیں، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(۲) قصاب سے عقیقے کے لئے ایک بکری خریدی، وہ کہتا ہے سال بھر کی ہے۔ مگر دیکھنے سے اس کی حالت اس قابل نہیں، سال بھر کا بچہ جو دانت توڑتا ہے وہ اس نے ابھی نہ توڑے، تو اس صورت میں اس کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہوسکتی، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے۔ کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو **لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم** (کیونکہ شرط کے متحقق ہونے کا عدم علم اس کے عدم تحقق کے علم کی طرح ہے۔ ت) خصوصا بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے۔ اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا۔ واللہ

---

[1] غایۃ البیان

تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے۔ اور حالت ظاہر اس کی بات کو دفع کررہی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۰ تا ۳۱۰: کیا حکم ہے شرع مطہرہ کا دربارہ عقیقہ کے:

(۱) جانور ذبح کئے جائیں ان کی عمر کیا ہونا چاہئے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے یا گوشت کا تقسیم کردینا؟

(۳) گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں؟

(۴) دایہ کسی عضو کی مستحق ہے اور حجام وسقّہ وخاکروب دھوبی وغیرہ؟

(۵) پوست کے دام قیمت جانور میں مجرا کرنا اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں کیا طریقہ افضل ہے؟

(۶) اور جانور ذبح کس کو کرنا چاہئے؟ اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہئے؟

(۷) ہڈیاں توڑنا چاہئے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۸) مدت اور روز عقیقہ کیا ہونا چاہئے؟

(۹) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دو دو ایک ہونی چاہئے یا ایک ایک؟

(۱۰) اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) اگر دو جانور ہوں تو ان کی سری وپائے ایک حجام کو، ایک سقّہ کو دی جاسکتی ہے یا دونوں حجام کو؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) ان امور میں احکام عقیقہ مثل قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہوسکتا ہے جبکہ اتنا تازہ وفربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملادیں تو دور سے متمیز نہ ہو۔

(۲) گوشت بھی مثل قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی، اور پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

(۳) حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنا رکھا گیا ہے۔ والدین کھا سکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے صحیح نہیں۔

(۴) دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ وہ مسلمان ہو جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں یہ حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔

(۵) پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے۔ اور قیمت میں مجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کرلیا اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کرلئے، یوں اپنے صرف کے لئے بیچنا گناہ ہوا مگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کرلی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام وفاسد کردے گا ان پر فرض ہوگا کہ اس عقد کو فسخ کردیں، پھر از سر نو عقد صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ یوں ہی برتن کپڑے وغیرہ اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے۔ جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال ان کو فنا کرنے سے ہوتا ہے۔ اور کارِ خیر میں دے دینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے۔

(۶) باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے۔ جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ہٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ ابْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعِظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللہِ اَللہُ اَکْبَرُ۔	اے اللہ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس کا خون اس کے خون، اس کا گوشت اس کے گوشت اس کی ہڈی اس کی ہڈی، اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں، اے اللہ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنادے۔ اللہ تعالٰی کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔ (ت)

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھتا ہو لے دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِیْ، اور پانچوں جگہ "ہ" کی جگہ "ھا" کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ

فُلَان اِبْنِ فُلَاں یافُلَانَہ بِنْتِ فُلَانَہ کہے۔ بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔

(۷) ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے، اور دفن کرنا افضل ہے۔

(۸) عقیقہ ساتویں دن افضل ہے۔ نہ ہوسکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو۔ رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

(۱۰) گوشت بنانے کی اُجرت داموں میں مجرا کرسکتا ہے۔

(۱۱) سرے پائے خود کھائے خواہ اقرباء مساکین جسے چاہے۔ خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا۔ فقط۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۱تا۳۱۴: از پچروکھی ضلع گیا ڈاکخانہ اکبرپور مسئولہ سید محمد ولی عالم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) چلہ کے اندر عقیقہ کرنا جائز ہے یا تاخیر؟

(۲) ایک خصی سے عقیقہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) گوشت عقیقہ کا آباؤاجداد کو کھانا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ہڈی مذبوح کی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے۔ اور یہی افضل ہے۔ ورنہ چودھویں دن، ورنہ اکیسویں دن۔

(۲) خصی عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے۔

(۳) عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھاسکتے ہیں مثل قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے۔

(۴) اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاولانہ توڑنا بہتر جانتے ہیں، پسر کے عقیقہ میں دو جانور افضل ہیں اور ایک بھی کافی ہے اگرچہ خصی نہ ہو، عقود الدریہ میں ہے:

قال فی السراج الوہاج اذا ارادان یعق عن الولد یذبح عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ ولو ذبح عن الغلام شاۃ جاز لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عق عن الحسن	السراج الوہاج میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، اگر لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امام حسن

والحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کبشا کبشا، ولو قدم الذبح قبل یوم السابع او اخرعنہ جاز الا ان یوم السابع افضل والمستحب ان یفصل لحمہا ولا یکسر عظمہا تفاؤلا بسلامۃ اعضاء الولد، ویاکل و یطعم ویتصدق[1]۔	اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا، اگر عقیقہ ساتویں دن سے پہلے کرے یا ساتویں دن کے بعد کرے تب بھی جائز ہے مگر ساتویں دن کرنا افضل ہے بچے کے اعضاء کی سلامتی کے لئے نیک فالی کے طور پر مستحب یہ ہے کہ گوشت ہڈیوں سے الگ کرلیا جائے اور ہڈیوں کو توڑا نہ جائے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔ (ت)

اسی میں ہے: **وحکمہا کاحکام الاضحیہ**[2] (عقیقہ کا حکم قربانی کے احکام کی طرح ہے) ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع افضل الشاء ان یکون کبشا املح اقرن موجوء[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ہے افضل قربانی یہ ہے کہ مینڈھا چتکبرا، سینگوں والا اور خصی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۵: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات، ضلع بریلی

عید الاضحٰی کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از مرسنیا تھانہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ مختار حسین صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوا کر چاندی وزن کرکے حجام کو دے دی، مسکین کو دینی چاہئے تھی، اور بکری کا سر حجام کو، اور ایک ران بھنگن کو، کہ وہی دائی تھی، اس طرح عقیقہ ہوا یا نہیں؟ جوانی یا بڑھاپے میں عقیقہ کرسکتا ہے یا

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۱

نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت حرام ہے۔ نہ کافرہ کو ران دی جائے، اور بالوں کی چاندی مسکین کا حق ہے۔ نائی مسکین ہو تو مضائقہ نہیں، اصل حکم یہ ہے پھر جس نے اس کے خلاف کیا، بھنگن کو ران، غنی نائی کو چاندی دی تو برا کیا، مگر عقیقہ ہو گیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں ہے جسے چاہے دے، جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷تا۳۱۹: از موضع خود مئوڈاک خانہ بدو سرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حکم ہے کہ عقیقہ میں سر نائی کو اور ران دائی جنائی کو دی جائے، فی زمانا جنائی اکثر چمارن یا ڈومن ہوتی ہے۔ اور ان کا مذہب ظاہر ہے تو کیا ان مذکور بموجب حکم جنائی کو جو چمارن ہے یا ڈومن ہے دی جائے۔

(۲) گوشت عقیقہ کا صاحب عقیقہ یا اس کے والد کے کھانے کی نسبت اکثر بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ درست ہے، اور بعض بزرگ تجویز فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔ اور نہ کھانا انسب ہے۔ تو اب قطعی حکم معلوم ہونا چاہئے، کیا کیا جائے، جو طریقہ وسنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو،

(۳) اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کرکے کچھ گوشت چیل، کوا کو کھلاتے ہیں، اور کچھ فقراء کو تقسیم کرتے ہیں، یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) سر نائی کو دینے کا نہ کہیں حکم نہ ممانعت، ایک رواجی بات ہے۔ جنائی کو ران دینے کا حکم، البتہ حدیث ہے، مگر کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے۔ کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے، نہ کہ خاص جنائی کا کام۔ مجتبٰی شرح قدوری و تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ[1]۔	اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے لہٰذا وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار بحوالہ مجتبٰی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

غایۃ البیان میں ہے:

لیس للمؤمنۃ ان تتجرد بین یدی مشرکۃ اوکتابیۃ[1]۔	مومنہ عورت کو مشرکہ یاکتابیہ عورت کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں۔ (ت)

سراج الوہاج، نصاب الاحتساب وشرح الدر للعلامۃ اسمٰعیل وشرح ہدیہ ابن العماد للعارف عبدالغنی وردالمحتار میں ہے:

لایحل للمسلمۃ ان تنکشف بین یدی یہودیۃ او نصرانیۃ اومشرکۃ الا ان تکون امۃ لہا[2]۔	مسلمان عورت کو یہودی، نصرانی یا مشرک عورت کے سامنے ننگا ہونا حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔ (ت)

پھر اگر کسی نے اپنی حماقت سے اس گناہ کا ارتکاب کیا، اوکان صحیح الاضطرار الیہ (یا اس کی طرف شدید مجبوری ہو۔ (ت) تو اس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں، نہ اس کو دینے کی اجازت، غایہ سروجی وبحرالرائق ودرمختار وغیرہا میں ہے:

اما الحربی ولومستأمنا فجمیع الصدقات لایجوز لہ اتفاقا[3]۔	لیکن کافر حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو تمام صدقات دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ (ت)

درایہ میں ہے:

صلتہ لاتکون برا شرعاً۔ ولذا لم یجز التطوع الیہ[4]۔	اس کے ساتھ صلہ رحمی شرعی طور پر نیکی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر احسان کرنا جائز نہیں۔ (ت)

(۲) عقود الدریہ وغیرہا کتب میں تصریح ہے کہ **احکامہا احکام الاضحیہ**[5] (عقیقے کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے۔ وہی تین حصے اس میں مستحب ہیں۔ ایک اپنا، ایک عزیزوں دوستوں کا، ایک مسکینوں کا، خود بھی کھائے، ماں باپ بھی کھائیں، ممانعت بے اصل ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸

[5] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

(۳) مساکین کو دیں، چیل، کوؤں کو کھلانا کوئی معنٰی نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کوؤں کی دعوت رسم ہنود۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ عقیقے کے جانور کی استخوان توڑنا اور گوشت کے ساتھ پکانے کو عدم جواز کہتے ہیں، اور جواز کی دلیل چاہتے ہیں، اور استخوان اور پوست زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں، ناجائز کہنے والا دلیل بیان کرے، کہاں سے ناجائز کہتا ہے۔ یہ شافعیہ کے یہاں ہے۔ وہ بھی مستحب طور پر نہ کہ واجب کہ توڑنا ناجائز ہو، خود بلادلیل ناجائز کہہ دینا اور جواز پر الٹے دلیل مانگنا حماقت ہے۔ اور استخوان خالی دفن کریں، پوست دفن کرنا گناہ ہے۔ کہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۱: از شہر پونا جامع مسجد مسئولہ محمد ابراہیم صاحب بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع مبین کہ بچے کا عقیقہ کیا جائے لڑکے کے ماں باپ نانا، نانی، دادا، ماموں وغیرہ گوشت عقیقہ کا کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

سب کھاسکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے **کلوا وتصدقوا وائتجروا**[1] (کھاؤ، صدقہ کرو اور اجر کماؤ۔ عقود الدریہ میں ہے: **احکامھا احکام الاضحیہ**[2] (عقیقہ کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے احکام ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۲: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار بنگلہ سول سارجن مرسلہ شیخ احمد بخش ملازم کرنل ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النھی عن لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸، سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

الجواب:

توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے۔

قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انه مذهب الامام مالک، والکسر مذهب الامام شافعی، قلت و قد صرح علمائنا ان مذهب عالم المدینة رضی الله تعالٰی عنه اقرب الی مذهبنا ویصار الیه حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمزالعیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیه، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولو لم یکسر لم یعاقبه الشافعی رضی الله تعالٰی عن الائمة اجمعین۔ والله تعالٰی اعلم۔	شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ عالم مدینہ کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتا ہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں، اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے۔ اللہ تعالٰی ہمارے تمام اماموں پر راضی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا گوشت والدین کو کھانا حرام ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے اگر سب آپ ہی کھالیں جب بھی حرج نہیں **لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کلوا وادخروا**[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ ت) ہاں بہتر یہ ہے کہ "**لا اقل بقدر ثلث**" (کم از کم تہائی کو۔ ت) خیرات کردے، اور ایک ران دائی کا حق ہے۔ ایک ثلث عزیزوں قریبوں میں تقسیم کریں، ایک ثلث اپنے کھانے کے لئے،

بذٰلك ورد الحدیث واما جواز الاکل فان النسك انما یقوم باراقة الدم	اس پر حدیث وارد ہے۔ لیکن کھانے کا جواز تو اس لئے ہے کہ عقیقہ تو جانور کا خون بہانے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

والتصدق باللحم خارج عنه کالا ضحیة والدم دم شکر لاجبر، وقد صرح العلماء کالشیخ فی اللمعات وغیرہ فی غیرہا ان العقیقة کالاضحیة فی جمیع الشرائط والاحکام، ومعلوم ان الاضاحی تقسم لحومها اثلاثا ثلث طعمه و ثلث ہدیة وثلث صدقة و ہذا ایضا علی وجه الاستحباب دون الوجوب حتی لو اکل الکل جاز فکذا العقیقة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کے ساتھ ادا ہوجاتا ہے۔ اور گوشت کو صدقہ کرنا اس سے خارج ہے جیساکہ قربانی میں ہوتا ہے۔ اور عقیقہ کے لئے جانور ذبح کرنا بطور شکر ہے اس پر جبر نہیں علماء کرام نے صراحت فرمائی جیساکہ شیخ محقق نے لمعات میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں فرمایا کہ بیشک عقیقہ تمام شرائط واحکام میں قربانی کی مثل ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک حصہ خود کھانے کے لئے دوسرا حصہ ہدیہ وتحفہ کے لئے اور تیسرا حصہ صدقہ کے لئے، اور ایسا کرنا بھی مستحب ہے نہ کہ واجب یہاں تک کہ اگر تمام گوشت خود کھالے تب بھی جائز ہے۔ لہٰذا ایسا ہی معاملہ عقیقہ میں ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۴و۳۲۵: شیخ احمد حسین صاحب از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیرگنج ضلع بدایوں

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مردہ کے نام پر عقیقہ دیا جاسکتا ہے یانہیں؟ اور بعض عالم یہ کہتے ہیں کہ مردہ کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے۔ اگر بچہ ہو کہ سات دن سے پہلے مرے تو کیا حکم ہے؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکی کا عقیقہ دے سکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) مردہ کی طرف سے قربانی بلا شبہ جائز ہے اور عقیقہ شکر نعمت ہے بعد زوال نعمت اس کا محل نہیں، ولہٰذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔ اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں، جو بچہ سات دن سے پہلے مرگیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہوگا، یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا، اور سات دن بعد مرا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) دے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۶: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی اسیر الدین بنگالی یکے از طلباء مدرسہ مذکورہ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بچہ نابالغ اگر قبل عقیقہ کے مرجائے تو بعد مرنے کے اگر عقیقہ کیا جائے تو ثواب عقیقہ کا ملے گا یا

نہیں؟ اور یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بچہ کی موت کے بعد عقیقہ نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۷: مسئولہ محمد یعقوب علی خاں از مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ ڈھینہ اسٹیشن حاٹون بتاریخ ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ
جو بچہ پیدا ہوا اور کسی سبب سے اس کی زندگی میں عقیقہ نہ ہوا تو بعد مرنے بچہ کے اس کے نام سے عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عقیقہ بعد موت پسر نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۸ و ۳۲۹: از بریلی محلّہ سوداگران مسئولہ سردار احمد صاحب ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) مُردے کے نام سے عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور بعض عالم کہتے ہیں کہ مردے کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے اگر بچہ پیدا ہو کے سات دن پہلے مرے تو کیا حکم ہے اور سات دن کے بعد مرے تو کیا حکم ہے۔ اور نر یعنی بکرا لڑکے کے لئے خاص ہے یا نہیں؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار سات لڑکے کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایک گائے کے گوشت سے دو حصہ لے کر ایک لڑکے کا عقیقہ دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے۔ سات دن سے پہلے مر گیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ کیا، اس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا، اگر بلاوجہ باوصف استطاعت نہ کیا، افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے۔ اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ایک گائے میں ایک سے سات کا عقیقہ ہو سکتا ہے۔ اگر عقیقہ کے سوا دوسرا حصہ ایک یا دو یا کتنا ہی خفیف غیر قربت مثلا اپنے کھانے کی نیت کو رکھا تو عقیقہ ادا نہ ہوگا، ہاں اگر وہ حصے

بھی قربت کے ہوں، مثلاً ایک حصہ عقیقہ، ایک حصہ قربانی عید الاضحیٰ تو جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: ہادی حسین صاحب از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید وہندہ کے آپس میں ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو اس ناجائز تعلق کی وجہ سے حمل رہا، افشائے راز کے باعث زید وہندہ کا باہم نکاح کردیا، اب ہندہ نے وضع حمل کیا، زید اس کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے۔ آیا یہ عقیقہ درست ہوگا اور گوشت یا طعام عزیز واقرباء کو کھانا مباح ہوگا یا نہیں اور نکاح زید صورت مسطورہ میں صحیح ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں زید کوئی کام بھی آئندہ اس مولود کا مثل ختنہ ومکتب وغیرہ کے کرے، اس میں شرکت دینا اور شرینی اور طعام دعوت ان امور کی لینا اور کھانا اعزا کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ عورت کنواری تھی اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا، ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں کہ عقیقہ شکر نعمت ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی صرف ماں کے لئے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر[1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا زانی کے لئے پتھر ہے۔ (ت)

اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے، اس میں شرکت میں حرج نہ ہوگا، اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں اور شرکت بھی جائز ہوئی جبکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۳۱تا ۳۳۳: مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب حنفی قادری رضوی از آرہ شاہ آباد مدرس فیض الغرباء بروز پنجشنبہ بتاریخ ۱۷/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) قیاس عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے؟

(۲) قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب المحاربین باب للعاھر الحجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۷، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من قضی لہ بحق اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۵، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰ و ۴۷۱

الجواب:

عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو۔ اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے کسی کی قربت ادا نہ ہوگی کہ وہ سب گوشت ہوگیا۔

لان اللہ تعالٰی لا یقبل الشرکۃ واغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ۔	اس لئے کہ اللہ تعالٰی شرکت کو قبول نہیں فرماتا اور وہ تمام اغنیاء شرکت سے بڑا غنی ہے اور جو اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہو تو وہ سب اس کے غیر کے لئے ہے۔ (ت)

عقیقہ اور قربانی دونوں اراقت دم لوجہ اللہ ہیں اور اسی کلیہ میں داخل کہ:

ماکان لہ ولغیرہ فھو لغیرہ وماکان خالصا لہ فھولہ۔ وان تعددت الوجوہ ولذا جاز التصدق علی فقیرین بالاشتراك ولامشاع، ان المقصود وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد بخلاف الھبۃ۔	جو کچھ اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہے تو وہ اس کے غیر کے لئے ہے اور جو خالص اس کی رضا کے لئے ہے تو وہ اس کے لئے ہے۔ اگرچہ وجوہ تقرب متعدد ہوں، اسی واسطے دو فقیروں پر بلا تقسیم مشترکہ طور پر صدقہ کرنا جائز ہے کیونکہ مقصود اللہ تعالٰی کی خوشنودی ہے اور وہ ایک ہی ہے بخلاف ہبہ کے (ت)

لہٰذا حاجت قیاس نہیں فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنہ لیقاس (کیونکہ جو شے عمومات کے تحت درج ہو وہ مسکوت عنہ نہیں ہوتی تاکہ قیاس کیا جائے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از قصبہ امریا ڈاک خانہ امریا پاس محمد اکبر یار خاں۔ بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۳/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر ہفتہ سے کم یا ہفتہ بھر کی عمر یا ہفتہ سے زائد میں انتقال ہوا اب ان کے والدین کو ان مردہ بچوں کا عقیقہ چاہئے یا نہیں؟ اور ہفتہ سے کم عمر میں مرے ان کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ اور قربانی بھی ان بچوں کی جانب سے ہوتی یا نہیں؟ اور والدین جو انتقال کرچکے ہوں ان کی جانب سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی بابت جو جوابات ہوں واضح طور پر تحریر فرمائے جائیں سخت ضرورت ہے۔ جواب جہاں تک ممکن ہو بہت جلد اور ہفتہ کی عمر سے زائد جہاں تک حد ہو اپنی صغر سنی میں، اس کے واسطے کیا حکم ہے۔ اور وہ بچے جن کے ذکر ہوا عقیقہ نہ کرنے میں مواخذہ

کریں گے یا نہیں؟ اگر عقیقہ کردیا جائے تو شفاعت بروز حشر کرادیں گے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

جو مرجائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا۔ بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مرگیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گر جاتا ہے وہ روز قیامت اپنا نال کھنیچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولٰی عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے، اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا[1]۔ ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلاعذر باوصف استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔ حدیث میں ہے: الغلام مرتھن بعقیقتہ[2] لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔ تیسیر میں ہے:

یعنی اذالم یعق عنہ فمات طفلا لایشفع فی ابویہ[3]۔	یعنی اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ (ت)

اشعۃ اللمعات میں ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مے گوید معنی آنست کہ فرزند محبوس وممنوع ست از شفاعت، درحق والدین تا عقیقہ او را نہند، واعتماد برقول آں امام اجل ست وظاہر آن ست کہ وی شنیدہ است از سلف کہ معنی ایں ست[4]۔	امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اس کو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشان امام کے قول پر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام موصوف نے اسلاف سے سنا ہوگا کہ اس کا معنی یہ ہے۔ (ت)

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کردیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

[2] الجامع الصغیر حدیث ۵۸۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۵۹

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۶۵

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الصید باب العقیقہ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۸۲

سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔ **وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

نوٹ

بیسویں جلد باب العقیقہ پر ختم ہوئی

اکیسویں جلد کا آغاز کتاب الحظر والاباحۃ سے ہوگا۔

مآخذ و مراجع

ا

	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف با بن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الروات	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	آلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۶
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر با بن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسیٰ الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدرالدین ابومحمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بہجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضیٰ الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی با بن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴_۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۶۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الآثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔	ثبت ابومحمد بن امیر المکی المصری		

ج

۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الٰی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیة علی المقدمة العشماویة	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیة لسعدی آفندی علی العنایة	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقة الندیة شرح طریقہ محمدیة	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	٦۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیة الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیة المحلّی شرح منیة المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبّی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیوٰة الحیوان الکبرٰی للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	٦۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیة التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیة التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	٦٦۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجة اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیة مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیة الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیة کفایة الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیة الحفنی علی الجامع الصغیر	علامہ الحفنی	
۱۴۹۔	الحاوی للفتاوٰی	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانة الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۱۵۲۔	خزانة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸
د			
۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
ذ			
۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
ر			
۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابومروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبّی)	۲۳۹

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحہ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالك	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدرالشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰
۲۴۱۔	شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷۔	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸۔	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔	شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔	شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔	شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۵۹۔	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۰۔	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۱۔	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۲۔	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۲۶۳۔	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۴ـ	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۶ـ	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷ـ	شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البہنسی	۹۸۷
۲۶۸ـ	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹ـ	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰ـ	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱ـ	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۲۷۲ـ	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳ـ	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴ـ	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵ـ	الصواعق المحرقة	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶ـ	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷ـ	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸ـ	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹ـ	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰ـ	الطریقة المحمدیة	محمد بن ببر علی المعروف ببر کلی	۹۸۱
۲۸۱ـ	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲ـ	عمدة القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳ـ	العنایة شرح الہدایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴ـ	عنایة القاضی حاشیة علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔	عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔	عمل الیوم واللیلة	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔	عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔	عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔	عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳۔	عقود الدریه فی تنقیح الفتاوی الحامدیه	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔	عمدۃ الرعایه فی حل شرح الوقایه	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔	غایة البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔	غنیة ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔	غنیة المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔	غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔	فتاوٰی بزازیة	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶ـ	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷ـ	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸ـ	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹ـ	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰ـ	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱ـ	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲ـ	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳ـ	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴ـ	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵ـ	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶ـ	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷ـ	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸ـ	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹ـ	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰ـ	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱ـ	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲ـ	فوائد المخصِّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳ـ	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴ـ	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵ـ	فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶ـ	فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷ـ	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸ـ	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹ـ	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰ـ	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالٰہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوٰی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوٰی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحہ لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاس محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواك	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲۔	کتاب الطہور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامۃ المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخۃ	امام محمد ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارک الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القہروانی	ابو الحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیه سیدالمنتخب من الفتوحات المکیه	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفٰی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲ـ	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳ـ	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴ـ	مسند ابی یعلٰی	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵ـ	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۴۲۶ـ	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷ـ	مسند الکبیر فی الحدیث	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸ـ	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹ـ	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰ـ	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱ـ	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲ـ	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳ـ	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴ـ	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵ـ	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶ـ	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷ـ	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸ـ	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹ـ	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰ـ	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱ـ	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲ـ	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳ـ	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴ـ	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	۹۳۱
۴۴۵ـ	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶ـ	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغیٰ	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البعوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابوعمر و عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارك التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السطانیہ فی علم الکلام	عضدالدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنة	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالك	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاوٰی	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۲۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

۴۹۷۔	مظاہرِ حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبٰی شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
ھ			
۵۱۹۔	الہدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
ی			
۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

ضمیمہ
مآخذ و مراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱
	(تفسیر البیضاوی)	ھدیۃ العارفین	۴۶۳/۱
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابو الفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابو الحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشاد الساری الی مناسك الملا علی القاری	حسین بن محمد سعید عبد الغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابو الفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبد اللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابو المعالی عبد الملک ابن عبد اللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴
ت			
۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترہیب	ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابو اسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
ث			
۳۱۔	ثقفیات	ابو عبد اللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
ج			
۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابو عبد اللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابو عبداللہ محمد ابن احمد القرطبیّ	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جدالممتار علی ردالمتحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

ح

۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

خ

۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

د

۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالقاسم محمد بن عثمان الؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴

ذ

۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

ر

۵۰ـ	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱ـ	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲ـ	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳ـ	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴ـ	سنن فی الحدیث	حافظ ابو علی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵ـ	شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶ـ	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷ـ	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸ـ	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹ـ	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰ـ	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱ـ	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲ـ	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳ـ	الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴ـ	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵ـ	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخیار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتیٰ علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللھو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسك	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف با بن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	منتشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۶۷۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹